

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح افلاطون
اور اضافات کے ساتھ

الدُّرُّ الْمُنِضُّ

على

سُئْنِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ

الجزء الخامس

افادات درسیہ

مولانا محمد ماقل صاحب صدر المدرستین مظاہر علوم

تلمیذ رشید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۴۴۵- بہادر آباد- کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح افلاط
اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

الدُّرُ الْمُنْضُوءُ عَلَى سَيِّدِنَا أَبِي كُرَيْبٍ

افادات درسیہ مع اضافات و نظر ثانی
مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم
== تلمیذ رشید ==
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

الجزء الخامس

ناشر
مکتبۃ الشیخ
۳/۲۲۵- بہادر آباد- کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح اغلاط اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

نام کتاب: الدر المنضود علی سنن ابی داؤد (۱۰ جلد)

افادات و رسم: حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم

ناشر: مکتبہ الشیخ ۳/۴ بہادر آباد کراچی ۵

اشاعت طبع جدید: ۲۰۰۸/۱۴۲۹



مکتبہ خلیلیہ

دکان ۱۹ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

دیگر ملنے کے پتے:

اردو بازار کراچی	مکتبہ انعامیہ	اردو بازار کراچی	کتب خانہ اشرفیہ
ملتان	مکتبہ حقانیہ	اردو بازار کراچی	زم زم پبلشرز
ملتان	کتب خانہ مجیدیہ	گلشن اقبال کراچی	کتب خانہ مظہری
لاہور	ادارہ اسلامیات	صدر کراچی	اقبال بک سینٹر
لاہور	مکتبہ سید احمد شہید	اردو بازار کراچی	دارالاشاعت
لاہور	مکتبہ رحمانیہ	بنوری ٹاؤن کراچی	اسلامی کتب خانہ

فہرست مضامین الدر المنصور علی مسنن ابی داؤد، جلد خامس

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸	ان لہذہ البہائم اوابدا کا وابد الوش	۳۱	ولا تضیی جورا ولا مقابله	۱۷	کتاب الضحایا
"	باب ماجاء فی ذبیحة المتروکة	"	ولا مدبرة الحدیث	"	مباحث ستہ مفیدہ
"	اما تكون الزکاة الامن اللیة او الخلی	"	ہی ان یضی بعضہا الاذن والقرن	۲۰	وجوب الضحیہ کی دلیل
"	قال ابو داؤد: لا یصلح هذا الا	۳۲	باب لبقہ الجزور عن کم تجزئ	۲۱	باب الافحیة عن المیت
۳۹	فی المترکة اور اس پر حضرت	"	باب فی الشاة یضی بہا عن جماع	۲۲	مسئلہ الباب میں اختلاف ائمہ
"	کا اشکال اور جواب	"	باب الامام یدبح بالمصلی	"	باب الرجل یاخذ من
۴۰	باب فی المبالغہ فی الذبح	۳۳	باب حبس لحوم الاضاحی	"	شعورہ فی العشراة
"	حقیقۃ الذبح	"	مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ	"	مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ
"	ہی عن شریطۃ الشیطان الحدیث	۳۴	باب فی الرفق بالذبیحة	۲۳	باب ما یستحب من الضحایا
۴۱	باب ماجاء فی ذکاة المجنین	"	ہی ان تصبر البہائم الحدیث	"	اللہم تقبل من محمد وال محمد
"	مسئلہ الباب میں اختلاف ائمہ	"	باب فی المسافر یضی	"	ومن امة محمد ﷺ
۴۲	باب للحم لا یدری اذکر اسمہ	۳۵	باب فی ذبائح اهل الکتاب	"	قرانی کے جانور میں شرکت
"	علیہ ام لا	"	باب ماجاء فی اکل معاقرة	"	اور اسمیں مذاہب ائمہ کی تحقیق
"	شرح السند	"	الاعراب	"	خمر سبع بذات سیدہ
"	باب فی العتیدۃ	۳۶	لا عقر فی الاسلام الحدیث	۲۵	وکیسین اقربین المبین
"	فرع وغیرہ کی بحث منع مذاہب ائمہ	"	باب الذبیحة بالمروۃ	"	المبین موجود ہیں
۴۳	فرع کی تفسیر میں اقوال	"	انا تلقی العدو غذا وليس	۲۶	باب یجوز فی الضحایا من السن
۴۴	باب فی العقیقۃ	"	معاندی الحدیث	۲۷	ان الجذع یونی مملو فی منہ الشئ
"	عقیقہ سے متعلق بعض ضروری مباحث	"	آلہ ذبح کیسا ہونا چاہئے	۲۸	یا رسول اللہ عنہ عنان
۴۵	عن الغلام شاتان مکافئتان	۳۷	اسمیں مذاہب ائمہ	"	لبن می خیر من شاتی لحم
"	اقروا الطیر علی مکناہما	"	وتقدم سرعان من الناس فتعجلوا	۲۹	قرانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے
۴۹	کل غلام رھینۃ بعقیقۃ الحدیث	۳۸	وقم بینہم فعدل بغير بعض شیاہ	"	باب ما یکرہ من الضحایا

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲	باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا	۵۵	ما لم یصل أو تجذ فیہ اثر غیر سہمک اور لحم منتن کا حکم	۴۹	شرح الحدیث
۶۳	باب ماجاء فی نسخ الوصیۃ للوالدین والاقربین	"	افتقنی فی آئینہ لمجربین اوانی مشرکین کا استعمال کب جائز ہے	۴۷	عقیقہ میں یوم الدایع کی قید وید شمی، کان قنادرہ اذا سئل عن الدم الخ
"	باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث	"	باب اذا قطع من الصيد قطعة	۴۸	لا یحب الشرا یعقوب
"	باب مخالطۃ الیتیم بالطعام	"	باب فی اتباع الصيد	"	البواب الصيد
۶۴	باب ماجاء فی مال الیتیم ان ینال من مال الیتیم	۵۷	کتاب الوصایا	۴۹	باب اتخاذ الکلب للصيد
"	باب ماجاء متى ینقطع الیتیم	"	باب ماجاء فی ما یؤمر به من الوصیۃ	"	انقص من اجرہ کل یوم قیراط
"	باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم	"	ما حق امری مسلمہ شیء یوصی فیہ الخ حکم الوصیۃ	"	لولا ان الکلابۃ من اللام الحدیث
۶۵	اجتنبوا السبع الموبقات الحدیث	"	ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دینار و لاد رہما الحدیث	۵۰	باب فی الصيد
"	گنہوں میں صغائر و کبار کی بحث	۵۸	باب ماجاء فیما یجوز للوصی فی مالہ	"	ذکاة کی دو قسمیں اختیار ی اضطراری
"	باب ماجاء فی الدلیل علی ان الکفن من جمیع المال	۵۹	مرض مرضا اشقی فیہ شرح الحدیث	"	تسمیۃ عند الذبح وعند الارسال میں اختلاف ائمہ
۶۶	باب ماجاء فی الرجل یهب الہبۃ ثم یوصی لہ بہا و یرثہا	"	یا رسول اللہ اتخلف عن حجرتی قال انک ان تخلف بعدی الخ	۵۱	فکل مما اسکن علیک
"	باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف	"	تنبیہ	"	تعلم کلب کے بارے میں جبوت اور امام مالک کی دلیل
"	وقف کی حقیقت میں امام صاحب اور جمہور کا اختلاف	۶۰	لکن البائس سعد بن خولہ الحدیث	"	قلت اری بالمرأض الحدیث
"	اصاب عمر ارضا بخیر الخ	"	وصیت سے متعلق بعض ضروری مسائل مع اختلاف ائمہ	۵۲	بندوق کا شکار اور اسمیں اختلاف
"	حضرت عمر کے وقف والی حدیث کی شرح	۶۱	باب ماجاء فی کراہیۃ الاضرار فی الوصیۃ	"	دکان لنا جاراً و دخیلاً وربیطاً بالہنرین
۶۸	کتاب الوقف کی نقل	"	ای الصدقۃ افضل الحدیث	۵۳	ولم تجذہ فی مار ولا فیہ اثر غیر سہمک شکار تیر لگنے کے بعد اگر غائب ہو جائے تو اسکا کیا حکم ہے
۶۹	باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت	۶۲		"	مع اختلاف ائمہ بالتفصیل

صفہ	مضامین	صفہ	مضامین	صفہ	مضامین
۹۲	باب فی المولود یستہل ثم یموت	۷۹	باب فی میراث العصبۃ	۶۹	اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثۃ الحدیث
۹۰	باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحمہ	۸۰	باب فی میراث ذوی الاحرام اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مدلل	۷۰	باب ماجاء فی وصیۃ الجری یسلم ولیہ الخ
۹۳	باب فی الحلف	۸۱	والحال وارث من لا وارث له یعقل عنہ ویرثہ	۷۱	باب ماجاء فی الرجل یموت وعليہ دین وله وفاء الخ
۹۵	باب فی المرأة تورث من دینہ زوجہا	۸۲	انا اولیٰ بكل مؤمن من نفسہ	۷۲	حدیث دین جابر کی شرح کتاب الفرائض
۹۷	آیۃ المیراث کی تفسیر و خلاصہ	۸۳	انا مولیٰ من لا مولیٰ له ارث ماله الخ	۷۳	العالم ثلاثۃ و ما سوی ذلک فہوم فضل الحدیث اور اس کی شرح
۱۰۰	دیت کے بار میں ابتداء حقہ عمر کی رائے اور پھر اس سے رجوع کتاب الخراج والفی والامارۃ	۸۴	کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازیلاً الخ شرح الحدیث	۷۴	باب فی الکلالۃ یا رسول اللہ کیف اصنع فی مالی ولی اخوات الخ
۱۰۱	کتاب الخراج کا موضوع اور حاصل کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ	۸۵	باب میراث ابن الملاعنہ	۷۵	آیت میراث کا نزول کس بار میں ہوا
۱۰۲	باب ماجاء فی طلب الامارۃ	۸۶	باب ہل یورث المسلم الکافر	۷۶	باب من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات تنبیہ
۱۰۳	باب فی الضمیر یؤتی	۸۷	هل ترک لنا عقیل منزلاً الخ لا یوارث اهل بلتین شتی	۷۷	الاوصی لاخواتی بالثلثین قال الحسن
۱۰۴	باب فی اتخاذ الوزییر	۸۸	باب فیمن اسلم علی میراث	۷۸	شرح الحدیث
۱۰۵	باب فی العرافۃ	۸۹	باب فی الولاء ولا رکی قسمین مع اختلاف علماء ارادت عائشہ ان تشری جاریۃ تعقبہا	۷۹	آخر آیۃ نزلت فی الکلالۃ الخ
۱۰۶	باب فی اتخاذ الکاتب آپ کے کاتبین کے اسماء گرامی	۹۰	باب فی ترک لنا عقیل منزلاً الخ لا یوارث اهل بلتین شتی	۸۰	باب ماجاء فی میراث الصلب
۱۰۷	باب فی السعیۃ علی الصدقۃ لایدخل الجنة صاحب کس	۹۱	باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل	۸۱	لقد ضللت اذ وانا من المبتدین
۱۰۸	باب فی الخلیفۃ یتخلف	۹۲	باب فی بیع الولاء	۸۲	باب فی الجدة
۱۰۹	باب ماجاء فی البیعۃ	۹۳	باب فی بیع الولاء	۸۳	باب ماجاء فی میراث الجد
۱۱۰	باب فی ارزاق العمال	۹۴	باب فی بیع الولاء		
۱۱۱	باب فی ہدایا العمال				

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۳۹	ان ام الحکم اوضباعہ انتی الزبیر بن عبد المطلب حدیثہ عن احد اصحابہ اس سند کی تحقیق	۱۲۲	طلب میراث کے سلسلہ میں بعض اشکال و جواب	۱۰۸	باب فی غلول الصدقۃ
۱۴۱	کنا نقول انہ من الابدال قبل ان نسمع ان الابدال من الموالی	۱۲۳	ارض بنو نضیر کے مال فنی ہونے میں اختلاف	"	باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ
"	ابدال داود ادا کا ثبوت احادیث سے	۱۲۵	کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا الخ	۱۰۹	قول عمر ما انا باحق بہذا الفی منکم مال فنی کے باریس حضرت عمر کی رائے
۱۴۲	باب ماجاء فی سہم الصفی	۱۲۶	حضرت علی وعباس کے درمیان تولیت میں اختلاف کا منشا	"	ارض مفتوحہ کے باریس حضرت عمر کی رائے
۱۴۳	حضرت صفیہ آپ کے حصہ میں کیسے آئیں اسکے بارے میں روایات	۱۲۷	سورہ حشر کی آیت کا نزول	"	مال فنی اور غنیمت میں فرق اور ہر ایک کا حکم اور مصرف
۱۴۴	باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ اور اس کی محقر تاریخ	"	فدک کے باریس حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف	۱۱۱	باب فی قسم الفی
۱۴۶	کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ	۱۲۹	حضرت فاطمہ کی صدیق اکبر سے ناراضگی ترک کلام اور اس کی توجیہ	۱۱۲	باب فی اوراق الذمیریۃ
۱۴۸	یا معشر الیہود اسلموا اسلموا	۱۳۱	ازواج مطہرات کا صدیق اکبر سے طلب میراث کا ارادہ	"	باب متی یفرض للوجل فی المقاتلۃ
۱۴۹	باب فی خبر النضیر	"	باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی	۱۱۳	باب فی کراہیۃ الافتراض فی اخر الزمان
۱۵۰	بنو نضیر کے نقص عہد اور غزائی کا واقعہ	"	تقسیم غنیمت کے باریس آیت کریمہ	"	باب فی تدوین العطاء
۱۵۱	باب ماجاء فی حکم ارض خبیر	۱۳۲	ترجمہ الباب ۱۱۱ مسئلہ میں مذکور ہے کہ	۱۱۵	باب فی صفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاموال
"	باب سے متعلق مباحث اربعہ مفیدہ	"	خمس غنیمت میں بنو نفل و بنو عبد شمس کو شامل نہ کرنا	"	ترجمہ الباب کی تشریح اور غرض مصنف
۱۵۲	ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث	"	حضرت علی کی تولیت خمس خمس میں	۱۱۶	آپ کیلئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے
۱۵۳	بحث رابع عشری اور خراجی زمین کی تفصیل	۱۳۵	حدیث میں شاید یوں محسوس ہوتے	"	آپ کے صفیاء کا مصداق و تعیین
"	ارضی ہند عشری ہیں یا خراجی	۱۳۶	سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ	۱۱۸	آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا
۱۵۵	غزوہ خیبر کا بیان	۱۳۸	حضرت علی کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ	"	حضرت عمر کی طویل حدیث اختصار
۱۵۶	خیبر کی فتح غنہ ہے یا صلح	"	"	"	علی وعباس کے باریس اور اس کی مفصل شرح
				۱۱۹	مصنف کی ایک عادت شریفہ اور کمال ادب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۸	قال ابو داود: وقرئ على الحارث بن مسكين	۱۵۸	لمن بقيت لنصارى بن تغلب	۱۵۸	قال ابو داود: وقرئ على الحارث بن مسكين
۱۵۹	مصنف كحارث بن مسكين	۱۵۹	لا تملن المقاتلة: اس حدیث کی	۱۵۹	مصنف كحارث بن مسكين
۱۶۰	روایت کرنے کا طرز	۱۶۰	شرح اور اس پر کلام	۱۶۰	روایت کرنے کا طرز
۱۶۱	قول عمر: لولا آخر المسلمين ما فتحت	۱۶۱	آپ کی نصاریٰ بخران کیساتھ صحت	۱۶۱	قول عمر: لولا آخر المسلمين ما فتحت
۱۶۲	قرية الاقسمتها	۱۶۲	باب في اخذ الجزية من المجوس	۱۶۲	قرية الاقسمتها
۱۶۳	باب ما جاء في خبر مكة	۱۶۳	مجوس سے جزیہ لینے میں عمر فاروق	۱۶۳	باب ما جاء في خبر مكة
۱۶۴	فتح مكة سے متعلق حدیث	۱۶۴	کا تردد	۱۶۴	فتح مكة سے متعلق حدیث
۱۶۵	باب ما جاء في خبر الطائف	۱۶۵	ایک اصولی مسئلہ صیغہ تحدیث سے متعلق	۱۶۵	باب ما جاء في خبر الطائف
۱۶۶	غزة طائف	۱۶۶	باب التشديد في جباية الجزية	۱۶۶	غزة طائف
۱۶۷	اسلام میں نماز کی غایت درجہ اہمیت	۱۶۷	باب في تعشير اهل الذمة	۱۶۷	اسلام میں نماز کی غایت درجہ اہمیت
۱۶۸	باب ما جاء في حكم ارض اليمن	۱۶۸	اذا اختلفوا في التجارة	۱۶۸	باب ما جاء في حكم ارض اليمن
۱۶۹	باب في اخراج اليهود من	۱۶۹	مسئله مذکورہ فی الباب کی تفتح و تشرح	۱۶۹	باب في اخراج اليهود من
۱۷۰	جزيرة العرب	۱۷۰	اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ بالتفصيل	۱۷۰	جزيرة العرب
۱۷۱	جزيرة العرب کی تحدید اور اس کا مصداق	۱۷۱	ابن العثور علی اليهود والنصارى الحدیث	۱۷۱	جزيرة العرب کی تحدید اور اس کا مصداق
۱۷۲	لا تكون قبلتان في بلد واحد الحدیث	۱۷۲	زیوں کیساتھ معاملات میں	۱۷۲	لا تكون قبلتان في بلد واحد الحدیث
۱۷۳	باب في ايقاف ارض السواد	۱۷۳	اصتیاط اور زیادتی پر وعید	۱۷۳	باب في ايقاف ارض السواد
۱۷۴	عشر اور خراج میں فرق	۱۷۴	عن آباءهم دينه اس لفظ کی شرح	۱۷۴	عشر اور خراج میں فرق
۱۷۵	منعت العراق قفيزها ودرهمها	۱۷۵	باب في الذمحي يسلم في بعض	۱۷۵	منعت العراق قفيزها ودرهمها
۱۷۶	ومنعت الشام درهما وديناراها الحدیث	۱۷۶	السنة هل عليه جزية	۱۷۶	ومنعت الشام درهما وديناراها الحدیث
۱۷۷	صحيفة همام بن منبه کی روایت	۱۷۷	شرح الحدیث ومذاہب الائمة	۱۷۷	صحيفة همام بن منبه کی روایت
۱۷۸	اور اس صحیفہ کا تعارف	۱۷۸	باب في الامام يقبل	۱۷۸	اور اس صحیفہ کا تعارف
۱۷۹	باب في اخذ الجزية	۱۷۹	هدايا المشركين	۱۷۹	باب في اخذ الجزية
۱۸۰	شرائط وجوب جزیہ	۱۸۰	آپ کی معیشت اور گذران کے	۱۸۰	شرائط وجوب جزیہ
۱۸۱		۱۸۱	بارے میں ایک طویل حدیث	۱۸۱	
۱۸۲		۱۸۲		۱۸۲	
۱۸۳	انی تھیت عن زید المشرکین	۱۸۳	اس سلسلہ میں روایات کا	۱۸۳	انی تھیت عن زید المشرکین
۱۸۴	اختلاف اور اس کی توجیہ	۱۸۴	باب في اقطاع الارضين	۱۸۴	اختلاف اور اس کی توجیہ
۱۸۵	اقطاع اور احیار کی تعریف	۱۸۵	اور دونوں میں فرق	۱۸۵	اقطاع اور احیار کی تعریف
۱۸۶	اقطع بلال بن الحارث المزني	۱۸۶	معادن القبليّة	۱۸۶	اقطع بلال بن الحارث المزني
۱۸۷	معادن القبليّة	۱۸۷	معادن میں زکاة واجزیٰ کی ہے	۱۸۷	معادن القبليّة
۱۸۸	یا خمس اور اس میں اختلاف ائمہ	۱۸۸	معادن قبلیہ والی حدیث کے	۱۸۸	یا خمس اور اس میں اختلاف ائمہ
۱۸۹	خفیه کی طرف سے جوابات	۱۸۹	انما اقطعت للمار العذر الحدیث	۱۸۹	خفیه کی طرف سے جوابات
۱۹۰	اور اس کی شرح	۱۹۰	وسأله عما يحج من الاراك	۱۹۰	اور اس کی شرح
۱۹۱	قال ما لم تنله خفاف	۱۹۱	ان القوم اذا سلموا احرزوا	۱۹۱	قال ما لم تنله خفاف
۱۹۲	دماہم و اموالہم	۱۹۲	حدیث پر ایک قوی اشکال	۱۹۲	دماہم و اموالہم
۱۹۳	حدیث پر ایک قوی اشکال	۱۹۳	اور اس کا جواب	۱۹۳	حدیث پر ایک قوی اشکال
۱۹۴	آپ کی ناقہ عضبار کا واقعہ	۱۹۴	ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم	۱۹۴	آپ کی ناقہ عضبار کا واقعہ
۱۹۵	اقطع الزبير نخلا	۱۹۵	الكلام على الحدیث من حيث الفقه	۱۹۵	اقطع الزبير نخلا
۱۹۶		۱۹۶		۱۹۶	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۲	باب فضل من مات بالطاعون	۲۰۱	فذا قبر ابی رغال وکان بہذا الحرم	۱۹۱	حدیثی جدتای صفیہ وحبیبہ الحدیث
"	شہادت کے اسباب سبعہ کی تشریح	"	یدفع عنہ البورغال کا تعارف	"	اور اس کی شرح
۲۱۳	اسباب الشہادۃ کی تعداد	۲۰۲	کتاب الجنائز	۱۹۳	من سبق الی ما لم یسبق الیہ
"	اور ان کے مصادیق	۲۰۳	فائدہ تاریخیہ بذل المجہود سے متعلق	"	المسلمون فہولہ الحدیث
۲۱۵	باب المریض یؤخذ من	"	باب الامراض المکفرۃ للذنوب	"	اقطع الزبیر حضرت فاجری فرس الحدیث
"	اظفارہ وعانتہ	۲۰۵	باب عیادۃ النساء	"	باب احياء الموات
"	حضرت حبیب بن عدی کی	"	قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انی	"	فاہدی ملک ایلۃ الی رسول اللہ
"	شہادت	"	لاعلم اشد آتۃ فی کتاب اللہ الحدیث	۱۹۵	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغلۃ بیضار
"	باب ما یتستحب من حسن	۲۰۶	باب فی العیادۃ	"	وکتبہ بجرہ الحدیث اور اس کی شرح
"	الظن باللہ عند الموت	"	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا	"	امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان
۲۱۶	باب ما یتستحب من تطہیر	"	عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے	"	تورث دور المہاجرین النساء الحدیث
"	تیاب المیت عند الموت	"	تشریف لیجانا اور اپنا تمیز کرکے پہنانا	"	باب ماجاء فی الدخول فی
"	دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق	۲۰۷	باب فی عیادۃ الذمی	۱۹۷	ارض الخراج
۲۱۷	باب ما یقال عند المیت	"	باب المشی فی العیادۃ	۱۹۸	من اخذ ارضا بجزئیہا فقد استقال حجرتہ
"	من الکلام	۲۰۸	باب فی فضل العیادۃ	"	باب فی الارض یحییہا الامام
۲۱۸	باب فی التلقین	"	باب فی العیادۃ مرارا	۱۹۹	او الرجل
"	باب تغمیض المیت	۲۰۹	باب العیادۃ من الرمد	"	حمی اور احوال میں فرق
۲۱۹	باب فی الاسترجاع	"	ثلاثۃ لیس لہم عیادۃ الحدیث	"	باب ما جاء فی الرکاز وما فیہ
۲۲۰	باب فی المیت یسجی	"	باب الخروج من الطاعون	"	فی الرکاز الخمس الحدیث اور اسمیں
"	باب القراءة عند المیت	"	باب الدعاء للمریض	۲۰۰	اختلاف ائمہ
۲۲۱	باب المجلس عند المصیبة	۲۱۰	بالشفاء عند العیادۃ	"	ذهب المقداد الحاجۃ بنقیع النجیۃ
۲۲۲	باب التعزیۃ	۲۱۱	باب الدعاء للمریض عند العیادۃ	"	الحدیث اور اس کی شرح
"	لو بلغت بهم الکدی فذکر	"	باب کراہیۃ تمعنی الموت	"	باب نبش القبور
"	تشدید فی ذلک	۲۱۲	باب فی موت الفجاءۃ	۲۰۱	العادیۃ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۶	ایک ذکر جہری کرنا والے کی خوش نصیبی { اور آپ کا اسکی قبر میں نزول	۲۳۷	آپ کے کفن کی تحقیق میں { حضرت عائشہ کی رائے	۲۲۲	آپ کے والدین کا حکم اخروی
"	باب فی المیت یجمل من ارض { الی ارض	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ	۲۲۳	باب الصبر عند المصیبۃ
"	نقل میت کے بار میں مذاہب ائمہ	۲۳۸	کفن الرجل کے مصداق میں { ائمہ اربعہ کے مسالک	"	باب فی البکاء علی المیت
۲۳۸	باب فی الصف علی الجنائزۃ	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ الحدیث { کس کی دلیل ہے	۲۲۴	باب فی النوح
"	باب اتباع النساء الجنائزۃ	۲۳۹	کفن کے تین درجات	"	المیت یعذب ببیکار اہلہ علیہ { اس حدیث کی تحقیق اور توجیہ
۲۳۹	باب فضل الصلوٰۃ علی الجنائز	"	باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن { مصعب بن عمیر قتل یوم احد { ولم یکن لہ الامرۃ	۲۲۵	باب صنعة الطعام لاهل المیت
۲۵۰	باب فی اتباع المیت بالنامۃ	"	باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن { مصعب بن عمیر قتل یوم احد { ولم یکن لہ الامرۃ	"	باب فی الشہید یغسل { صلوٰۃ علی الشہید کی بحث
"	باب القیام للجنائزۃ	"	باب فی کفن المرأة	"	ثوب واحد میں ایک سے زائد { میت کی تکفین
۲۵۱	یہاں پر دو مسئلے ہیں اور { ان کی وضاحت	۲۴۰	عورت کے کفن کی تفصیل { عند الائمة الاربعۃ	۲۳۲	باب فی سترة المیت عند غسلہ
۲۵۳	باب الركوب فی الجنائزۃ	"	باب فی المسک للمیت	"	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے { متعلق حدیث
۲۵۴	باب المشی امام الجنائزۃ	۲۴۱	باب فی تعجیل الجنائزۃ	۲۳۳	احد الزوجین کا آخر کو غسل { دینا و مذاہب الائمة فیہ { فقال اغسلہا ثلاثا او خمساً الحدیث { استبراک بآثار الصالحین اور اس { بار سے میں بخاری کی ایک حدیث
"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	۲۴۲	اس تعجیل کی مصلحت	"	باب کیف غسل المیت
۲۵۵	صلوٰۃ علی الطفل میں مذاہب ائمہ	"	باب فی الغسل من غسل المیت	"	قالت وضفر نار اسہا ثلثۃ قرون { ثم القیناھا خلفھا الحدیث
"	باب الاسواع بالجنائزۃ	۲۴۳	اس مسئلہ میں اختلاف علماء	"	باب فی الکفن
۲۵۶	باب الامام یصلی علی { من قتل نفسه	۲۴۴	قال ابو داؤد الخ کی شرح	"	دفن باللیل سے منع کی حدیث
۲۵۷	باب الصلوٰۃ علی من { قتلتہ الحدود	۲۴۵	باب فی تقبیل المیت		
"	صلوٰۃ علی ماعز بن مالک کے { بار میں اختلاف روایات	۲۴۶	غسل میت کی علت میں علماء { کے اقوال		
"	بخلاف امرأة غامدیہ کے {	۲۴۷	باب فی الدفن باللیل		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷۹	باب الصلوٰۃ علی القبر بعد حین	۲۵۸	باب الصلوٰۃ علی المسلم یموت	۲۵۸	باب الصلوٰۃ علی الطفل
۲۸۰	باب فی البناء علی القبر	۲۶۹	باب فی بلاد الشریک	۲۵۹	باب الصلوٰۃ علی الجنائزۃ فی المسجد
"	بنی ان یقع علی القبر الخ	"	صلوٰۃ صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی	"	باب الدفن عند طلوع
"	قعود علی القبر کی تفسیر میں اختلاف	"	اسلام نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	"	الشمس وغروبہا
"	قولہ ان یتب علیہ ای علی القبر	"	باب فی جمع الموتی فی قبر	"	اوقات منہیہ میں صلوٰۃ جنازہ
۲۸۱	قال اللہ الیہود اتخذوا	۲۷۱	والقبر یعلم	"	میں مذاہب اربعہ
"	قبر انبیاءہم مساجد	"	باب فی الحفار یجد العظام الخ	"	اوقات منہیہ میں دفن میت
"	باب کراہیۃ القعود علی القبر	۲۷۲	باب فی اللحد	"	میں اختلاف ائمہ
۲۸۲	باب المشی بین القبور والنعل	"	اللحد لنا والشق لغيرنا	"	باب اذا حضرنائز
"	باب فی تحویل المیت	"	باب کم یدخل القبر	"	رجال ونساء من یقدم
"	من موضعہ الخ	۲۷۳	باب کیف یدخل المیت قبرہ	"	باب این یقوم الامام
۲۸۳	باب فی الثناء علی المیت	"	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف	"	من المیت اذا صلی علیہ
۲۸۴	باب فی زیارۃ القبور	"	میں کیسے آنا رکھا	"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ
"	کیا اس حکم میں عورتیں بھی داخل	"	باب کیف یجلس عند القبر	"	انہ لیس لنبی ان یرض الحدیث
"	ہیں؟ و بیان الاختلاف فیہ	"	باب فی الدعاء للمیت	"	باب التکبیر علی الجنائزۃ
۲۸۵	باب ما یقول اذا امر بالقبور	۲۷۴	اذا وضع فی قبرہ	"	باب ما یقرأ علی الجنائزۃ
۲۸۶	باب کیف یصنع بالمحرم	۲۷۵	باب الرجل یموت لدقابة	"	باب الدعاء علی المیت
"	اذا مات	"	مشرک	"	نماز جنازہ میں جو دعائیں وارد ہیں
"	اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الخ	"	باب فی تعمیق القبر	"	باب الصلوٰۃ علی القبر
"	اور اس حدیث کی تخریج	۲۷۶	باب فی تسویۃ القبر	"	اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ
۲۸۷	کتاب الایمان والندور	۲۷۷	حجرہ شریفہ میں قبر ثلثہ کا نقشہ	"	حدیث الباب میں اختلاف روایات
"	مباحث اربعہ علیہ مفیدہ	"	باب الاستغفار عند القبر الخ	"	خفیہ کی طرف سے حدیث الباب
"	باب التغلیظ فی الیمین	"	تدفین کے بعد میت کیلئے دعا کرنا	"	کی توجیہ
۲۸۸	الفاجرة	۲۷۸	باب کراہیۃ الذبح عند القبر	"	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸۸	باب فی الحلف کا ذیامتعمداً	۲۸۸	یمین غموس کا حکم	۲۸۸	باب فی من حلف لیقطع بہا مالا
۲۸۹	باب کم الصاع فی الکفارة	۲۸۹	کفارة یمین کی تفصیل مع مذاہب ائمہ	۲۸۹	احادیث الباب کا تجزیہ اور تخریج
۲۹۰	کفارة یمین کی مقدار اور اس کی تحقیق	۲۹۰	مدہشام کی مقدار اور اس کی تحقیق	۲۹۰	باب ما جاء فی تعظیم الیمین
۲۹۱	باب فی الرقبة المؤمنة	۲۹۱	باب کراہیۃ النذر	۲۹۱	عند منبر النبی ﷺ
۲۹۲	حکم نذر میں مذاہب ائمہ	۲۹۱	باب النذر فی المعصیۃ	۲۹۱	باب الیمین بغیر اللہ
۲۹۳	باب من رای علیہ کفارة الخ	۲۹۲	باب من رای علیہ کفارة الخ	۲۹۲	قول عمر فواللہ ما حلفت بہذا کراً ولا اشراً
۲۹۴	قال ابو داود کی تشریح و تنقیح	۲۹۳	حدیث الباب پر محدثین کا نقد	۲۹۳	باب کراہیۃ الحلف بالامانۃ
۲۹۵	اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب	۲۹۳	روایات الباب کا تجزیہ	۲۹۳	باب المعارض فی الایمان
۲۹۶	رای رجلا بہادی بین ابنہ الحدیث	۲۹۴	والکلام علی الحدیث من حیث الفقہ	۲۹۴	باب ما جاء فی الحلف بالبراءۃ
۲۹۷	باب من نذر ان یرضی	۲۹۵	باب من نذر ان یرضی	۲۹۵	من ملۃ غیر الاسلام
۲۹۸	فی بیت المقدس	۲۹۵	شرح السند	۲۹۵	ترجمۃ الباب میں اختلاف نسخ
۲۹۹	باب قضاء النذر عن المیت	۲۹۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۲۹۶	اور اس کی تحقیق
۳۰۰	باب النذر فیما لا یملک	۲۹۶	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۲۹۶	باب الرجل یحلف ان لا یتأدم
۳۰۱	عقیل الحدیث	۲۹۷	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۲۹۷	باب الاستثناء فی الیمین
۳۰۲	باب من نذر ان یرضی	۲۹۸	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۲۹۸	باب ما جاء فی یمین النبی
۳۰۳	فی بیت المقدس	۲۹۸	باب النذر فیما لا یملک	۲۹۸	صلی اللہ علیہ وسلم ما کان
۳۰۴	شرح السند	۲۹۹	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۲۹۹	تحقیق سند
۳۰۵	باب قضاء النذر عن المیت	۲۹۹	عقیل الحدیث	۲۹۹	باب الحنث اذا کان خیاراً
۳۰۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۰۰	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۰	تقدیم الکفارة علی الحنث میں
۳۰۷	باب النذر فیما لا یملک	۳۰۰	باب من نذر ان یرضی	۳۰۰	اختلاف علماء
۳۰۸	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۰۱	عقیل الحدیث	۳۰۱	باب فی القسم هل یرکون یمیناً
۳۰۹	عقیل الحدیث	۳۰۱	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۱	
۳۱۰	باب من نذر ان یرضی	۳۰۲	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۰۲	
۳۱۱	فی بیت المقدس	۳۰۲	باب النذر فیما لا یملک	۳۰۲	
۳۱۲	شرح السند	۳۰۳	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۰۳	
۳۱۳	باب قضاء النذر عن المیت	۳۰۳	عقیل الحدیث	۳۰۳	
۳۱۴	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۰۴	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۴	
۳۱۵	باب النذر فیما لا یملک	۳۰۴	باب من نذر ان یرضی	۳۰۴	
۳۱۶	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۰۵	عقیل الحدیث	۳۰۵	
۳۱۷	عقیل الحدیث	۳۰۵	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۵	
۳۱۸	باب من نذر ان یرضی	۳۰۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۰۶	
۳۱۹	فی بیت المقدس	۳۰۶	باب النذر فیما لا یملک	۳۰۶	
۳۲۰	شرح السند	۳۰۷	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۰۷	
۳۲۱	باب قضاء النذر عن المیت	۳۰۷	عقیل الحدیث	۳۰۷	
۳۲۲	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۰۸	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۸	
۳۲۳	باب النذر فیما لا یملک	۳۰۸	باب من نذر ان یرضی	۳۰۸	
۳۲۴	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۰۹	عقیل الحدیث	۳۰۹	
۳۲۵	عقیل الحدیث	۳۰۹	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۹	
۳۲۶	باب من نذر ان یرضی	۳۱۰	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۱۰	
۳۲۷	فی بیت المقدس	۳۱۰	باب النذر فیما لا یملک	۳۱۰	
۳۲۸	شرح السند	۳۱۱	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۱۱	
۳۲۹	باب قضاء النذر عن المیت	۳۱۱	عقیل الحدیث	۳۱۱	
۳۳۰	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۱۲	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۱۲	
۳۳۱	باب النذر فیما لا یملک	۳۱۲	باب من نذر ان یرضی	۳۱۲	
۳۳۲	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۱۳	عقیل الحدیث	۳۱۳	
۳۳۳	عقیل الحدیث	۳۱۳	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۱۳	
۳۳۴	باب من نذر ان یرضی	۳۱۴	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۱۴	
۳۳۵	فی بیت المقدس	۳۱۴	باب النذر فیما لا یملک	۳۱۴	
۳۳۶	شرح السند	۳۱۵	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۱۵	
۳۳۷	باب قضاء النذر عن المیت	۳۱۵	عقیل الحدیث	۳۱۵	
۳۳۸	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۱۶	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۱۶	
۳۳۹	باب النذر فیما لا یملک	۳۱۶	باب من نذر ان یرضی	۳۱۶	
۳۴۰	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۱۷	عقیل الحدیث	۳۱۷	
۳۴۱	عقیل الحدیث	۳۱۷	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۱۷	
۳۴۲	باب من نذر ان یرضی	۳۱۸	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۱۸	
۳۴۳	فی بیت المقدس	۳۱۸	باب النذر فیما لا یملک	۳۱۸	
۳۴۴	شرح السند	۳۱۹	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۱۹	
۳۴۵	باب قضاء النذر عن المیت	۳۱۹	عقیل الحدیث	۳۱۹	
۳۴۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۲۰	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۰	
۳۴۷	باب النذر فیما لا یملک	۳۲۰	باب من نذر ان یرضی	۳۲۰	
۳۴۸	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۲۱	عقیل الحدیث	۳۲۱	
۳۴۹	عقیل الحدیث	۳۲۱	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۱	
۳۵۰	باب من نذر ان یرضی	۳۲۲	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۲۲	
۳۵۱	فی بیت المقدس	۳۲۲	باب النذر فیما لا یملک	۳۲۲	
۳۵۲	شرح السند	۳۲۳	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۲۳	
۳۵۳	باب قضاء النذر عن المیت	۳۲۳	عقیل الحدیث	۳۲۳	
۳۵۴	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۲۴	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۴	
۳۵۵	باب النذر فیما لا یملک	۳۲۴	باب من نذر ان یرضی	۳۲۴	
۳۵۶	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۲۵	عقیل الحدیث	۳۲۵	
۳۵۷	عقیل الحدیث	۳۲۵	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۵	
۳۵۸	باب من نذر ان یرضی	۳۲۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۲۶	
۳۵۹	فی بیت المقدس	۳۲۶	باب النذر فیما لا یملک	۳۲۶	
۳۶۰	شرح السند	۳۲۷	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۲۷	
۳۶۱	باب قضاء النذر عن المیت	۳۲۷	عقیل الحدیث	۳۲۷	
۳۶۲	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۲۸	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۸	
۳۶۳	باب النذر فیما لا یملک	۳۲۸	باب من نذر ان یرضی	۳۲۸	
۳۶۴	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۲۹	عقیل الحدیث	۳۲۹	
۳۶۵	عقیل الحدیث	۳۲۹	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۲۹	
۳۶۶	باب من نذر ان یرضی	۳۳۰	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۳۰	
۳۶۷	فی بیت المقدس	۳۳۰	باب النذر فیما لا یملک	۳۳۰	
۳۶۸	شرح السند	۳۳۱	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۳۱	
۳۶۹	باب قضاء النذر عن المیت	۳۳۱	عقیل الحدیث	۳۳۱	
۳۷۰	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۳۲	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۳۲	
۳۷۱	باب النذر فیما لا یملک	۳۳۲	باب من نذر ان یرضی	۳۳۲	
۳۷۲	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۳۳	عقیل الحدیث	۳۳۳	
۳۷۳	عقیل الحدیث	۳۳۳	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۳۳	
۳۷۴	باب من نذر ان یرضی	۳۳۴	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۳۴	
۳۷۵	فی بیت المقدس	۳۳۴	باب النذر فیما لا یملک	۳۳۴	
۳۷۶	شرح السند	۳۳۵	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۳۵	
۳۷۷	باب قضاء النذر عن المیت	۳۳۵	عقیل الحدیث	۳۳۵	
۳۷۸	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۳۶	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۳۶	
۳۷۹	باب النذر فیما لا یملک	۳۳۶	باب من نذر ان یرضی	۳۳۶	
۳۸۰	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۳۷	عقیل الحدیث	۳۳۷	
۳۸۱	عقیل الحدیث	۳۳۷	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۳۷	
۳۸۲	باب من نذر ان یرضی	۳۳۸	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۳۸	
۳۸۳	فی بیت المقدس	۳۳۸	باب النذر فیما لا یملک	۳۳۸	
۳۸۴	شرح السند	۳۳۹	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۳۹	
۳۸۵	باب قضاء النذر عن المیت	۳۳۹	عقیل الحدیث	۳۳۹	
۳۸۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۴۰	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۴۰	
۳۸۷	باب النذر فیما لا یملک	۳۴۰	باب من نذر ان یرضی	۳۴۰	
۳۸۸	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۴۱	عقیل الحدیث	۳۴۱	
۳۸۹	عقیل الحدیث	۳۴۱	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۴۱	
۳۹۰	باب من نذر ان یرضی	۳۴۲	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۴۲	
۳۹۱	فی بیت المقدس	۳۴۲	باب النذر فیما لا یملک	۳۴۲	
۳۹۲	شرح السند	۳۴۳	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۴۳	
۳۹۳	باب قضاء النذر عن المیت	۳۴۳	عقیل الحدیث	۳۴۳	
۳۹۴	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۴۴	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۴۴	
۳۹۵	باب النذر فیما لا یملک	۳۴۴	باب من نذر ان یرضی	۳۴۴	
۳۹۶	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۴۵	عقیل الحدیث	۳۴۵	
۳۹۷	عقیل الحدیث	۳۴۵	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۴۵	
۳۹۸	باب من نذر ان یرضی	۳۴۶	باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر	۳۴۶	
۳۹۹	فی بیت المقدس	۳۴۶	باب النذر فیما لا یملک	۳۴۶	
۴۰۰	شرح السند	۳۴۷	قال کانت العضبار لرجل من بنی	۳۴۷	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۵۶	باب فی بیع الغرر	۳۲۰	بیع الصرف کی تعریف اور حکم	۳۲۷	باب فی التجارة یخاطبها
۳۵۷	بیع الملامسة والمنایة	"	ربا الفضل کے عدم جوازیں	۳۲۸	الحلف واللغو
۳۵۸	ہنی عن بیع خبل الحيلة	"	بعض صحابہ کا اختلاف	۳۲۹	باب فی استخراج المعادن
"	باب فی بیع المضطر	"	ربا کی تعریف	"	باب فی اجتناب الشبهات
۳۵۹	باب فی الشركة	۳۲۱	الذهب بالذهب ربا الاھار	۳۳۰	الحلال بین والحرام بین الحدیث
۳۶۰	باب فی المضارب یخالف	"	وھار الحدیث، اور اس کی	"	اشیاء میں اصل اباحت ہے یا توقف
۳۶۱	بیع فضول میں مذاہب ائمہ	"	شرح بالتفصیل	۳۳۱	اہل بیت میت کی طرف سے
۳۶۲	باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل	۳۲۲	باب فی حلیۃ السیف	"	ضیافت، اشکال و جواب
۳۶۳	حدیث الفار کا ایک قطعہ	"	تباع بالدر اھم	۳۳۲	باب فی وضع الربا
"	باب فی الشركة علی غیر رأس مال	۳۲۳	مسئلہ مدعجہ اور اس کی شرح	"	باب فی کراهیۃ الیمین
۳۶۴	باب فی المزارعة	۳۲۴	باب فی اقتضاء الذهب	"	فی البیع
۳۶۵	مزارعة کے اقسام و مذاہب ائمہ	"	من الورق	۳۳۳	باب الرجحان فی الوزن
"	مساقاة اور اس میں اختلاف ائمہ	۳۲۵	باب فی بیع الحيوان بالحيوان	"	والوزن بالاجر
۳۶۷	رافع بن خدیج کی حدیث میں اضطراب	"	باب فی الرخصة	"	شرح السند
"	باب فی زرع الارض بغير	۳۲۶	باب فی التمر بالتمر	"	باب فی قول النبی صلی اللہ
"	اذن صاحبھا	۳۲۷	باب فی المزبنة	"	تعالی علیہ السلام المکیال
۳۷۰	باب فی المخابرة	۳۲۸	باب فی بیع العرايا	"	مکیال اهل المدينة
۳۷۱	باب فی المساقاة	"	عرايا کی حقیقت اور اس میں اختلاف ائمہ	۳۲۹	باب فی التشدید فی الدین
"	آپ کا معاملہ یہود خیر کے ساتھ	۳۲۹	باب فی مقدار العریۃ	"	انا اولیٰ بكل مؤمن من نفسه
"	مزارعة کا تمھارا خراج کا	"	باب تفسیر العرايا	"	صحة الکفالة عن المیت میں
۳۷۲	باب فی الخرص	۳۳۰	باب فی بیع الثمار قبل	"	اختلاف علماء
۳۷۳	کتاب الاجارة	"	ان ینبذ وصلاحھا	"	باب فی المطل
۳۷۴	باب فی کسب المعلم	۳۳۱	باب فی بیع السنین	۳۳۱	باب فی حسن القضاء
۳۷۵	باب فی کسب الاطباء	"	وضع الجوارح کا حکم	۳۳۲	باب فی الصرف

صفحة	مضامین	صفحة	مضامین	صفحة	مضامین
۳۱۳	لا یحل سلف و بیع ولا شرطان {	۳۹۶	ترک جہاد پر وعید شدید	۳۷۷	باب فی کسب الحجام
"	فی بیع الحدیث، اور اسکی شرح {	۳۹۷	باب فی السلف	۳۷۸	باب فی کسب الاماء
"	باب فی شرط فی بیع	"	صحہ سلم کے شرائط	۳۷۹	باب فی عسب الفحل
"	حضرت جابر کی شرائط جل الی حدیث	۳۹۹	سلم فی المنقطع کی تفصیل	"	باب فی الصائغ
۳۱۴	باب فی عہدۃ الرقیق	"	باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا	۳۸۰	باب فی العبد یباع ولہ مال
۳۱۶	باب فیمن اشتري عبدًا {	"	باب السلف لا یحول	۳۸۱	باب فی المتلقی
"	فاستعملہ الخ	۴۰۰	باب فی وضع الجائحہ	۳۸۲	بیع علی بیع اخیر کی شرح
۳۱۷	الخراج بالظمان الحدیث	۴۰۱	باب فی تفسیر الجائحہ	"	باب فی النهی عن النجش
۳۱۸	باب اذا اختلف البیعان {	"	باب فی منع الماء	۳۸۳	باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد
"	والمبیع قائم	۴۰۲	باب فی بیع فضل الماء	"	باب من اشتري مصرًا {
۳۱۹	باب فی الشفعة	۴۰۳	باب فی ثمن السنور	۳۸۴	فکرہا
"	شفعة کے لغوی واصطلاحی {	"	باب فی اثمان الکلاب	۳۸۷	باب فی النهی عن الحکرۃ
"	معنی کی تحقیق و تنقیح	۴۰۴	باب فی ثمن الخمر والمیتۃ	"	احتکار کی حقیقت و تعریف
۳۲۲	باب فی الرجل یفلس {	"	شرح الحدیث بالتفصیل	"	احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے
"	فیجد الرجل متاعہ بعینہ {	۴۰۷	باب فی بیع الطعام قبل {	۳۸۸	باب فی کسر الدراهم
۳۲۳	باب فی من احیی حسینا	"	ان یستوفی	۳۸۹	باب فی التسعیر
۳۲۵	باب فی الرهن	۴۰۸	بیع قبل القبض سے نہی کن کن {	"	باب فی النهی عن الغش
"	باب فی الرجل یا کل من {	"	اشیار میں ہے	۳۹۰	باب فی خيار المتبايعین
۳۲۶	مال ولده	"	باب فی الرجل یقول عند {	"	خيار مجلس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف
۳۲۷	باب فی الرجل یجد عین {	۴۱۰	البیع لاخلابة	۳۹۳	باب فی فضل الاقالة
"	ماله عند رجل	"	مذایب الائمہ فی خيار المغبون	"	باب فی من باع بیعتین {
"	باب فی الرجل یاخذ {	۴۱۱	باب فی العربان	۳۹۴	فی بیعة
"	حقہ من تحت یدہ	"	باب فی الرجل یبیع {	۳۹۶	باب فی النهی عن العینۃ
۳۲۸	مسئلۃ الظفر کی تشریح اور مذاہب	۴۱۲	مالیس عندہ	"	بیع عینہ کی تعریف اور حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۵۰	اصلاح جائز بین المسلمین الاصلیٰ احرم جلالاً الخ	۲۲۹	باب فی ہدایا العمال	۲۲۹	باب فی قبل الهدایا
"	امام ترمذی پر تصحیح حدیث میں محدثین کا اعتراض	۲۳۰	قاضی و عامل کے لئے قبول ہدیہ کب جائز ہے	۲۳۰	باب الرجوع فی الہبہ
۲۵۱	باب فی الشهادات	۲۳۱	باب کیف القضاء	۲۳۱	باب فی الہدیۃ فی قضاء الحاجة
"	الاخبرکم بخیر الشہداء الیہ اور دفع تعارض بین الیہ	"	قضاء علی الغائب میں اختلاف علماء	"	باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل
۲۵۲	باب فی الرجل یعلن علی خصومة من غیر ان یعلم امرہا	۲۳۲	باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ	۲۳۲	باب فی عطیۃ المرأة بغیر اذن زوجها
۲۵۳	باب فی شہادۃ الزور	۲۳۵	قضاء القاضی کا نفاذ صرف ظاہراً ہوتا ہے یا ظاہراً و باطناً	"	باب فی العمری
"	باب من ترد شہادۃ	۲۳۶	آپ کے لئے جواز اجتہاد	۲۳۵	باب فی الرقبی
۲۵۴	باب شہادۃ البدوی علی اهل الامصار	۲۳۸	باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی	۲۳۶	باب فی تضمین العاریۃ
"	باب الشہادۃ علی الرضاع	"	باب القاضی یقضى وهو غضبان	۲۳۸	باب فیمن افسد شیئاً یغرم مثله
۲۵۵	باب شہادۃ اهل الذمۃ والوصیۃ فی السفہ	۲۳۸	باب الحكم بین اهل الذمۃ	"	وجوب ضمان کا ضابطہ
"	عدی بن بدار اور تمیم داری کا قصہ	۲۳۹	باب اجتہاد الرأی فی القضاء قول معاذ اقضى بکتاب اللہ قال	"	آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت
۲۵۶	باب اذا علم الحاكم صدق شہادۃ الواحد الخ	۲۴۰	فان لم تجد فی کتاب اللہ الحدیث حجۃ قیاس کا ثبوت	"	باب المواسی تفسد نزع قوم
"	قضاء القاضی بعلمہ میں مذہب ائمہ	۲۴۱	حدیث الباب سے	۲۴۰	کتاب القضاء
		۲۴۲	محدثین کا اس حدیث پر نقد باب فی الصلح	"	باب فی طلب القضاء
		"		۲۴۱	باب فی القاضی یخطئ
				۲۴۲	باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ
				"	باب فی کراہیۃ الرشوة

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۹۵	باب فی الاو اعیہ	۳۷۴	کتابۃ العلم	۳۵۷	آپ ﷺ کے شہداء فرس کا ایک عبرتناک واقعہ
۳۹۶	نہی عن اللہاء والحتیم والمزفت الخ	۳۷۵	باب التشدید فی الکذب علی	۳۵۸	باب القضاء بالیمین والشاہد
۳۹۷	مشکیزہ میں نبیہ بنائے کی معصیت	۳۷۶	رسول اللہ ﷺ	۳۵۹	فکان سهیل بعد یحدثہ عن {
۳۹۸	او عیہ اربعہ کی تشریح	۳۷۷	باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم	۳۶۰	ربیعۃ عنہ الخ
۳۹۹	وفد عبد القیس والی حدیث کی شرح	۳۷۸	حدیث الباب کی شرح اور تفسیر بالرائے	۳۶۱	من حدّث ونسی
۴۰۰	باب فی الخلیطین	۳۷۹	باب تکریر الحدیث	۳۶۲	بعث رسول اللہ ﷺ جیشاً الی بنی
۴۰۱	کجھور کی مختلف انواع اور ان کے اسماء	۳۸۰	کان اذا حدث حدیثاً اعاده {	۳۶۳	العنبر الحدیث، اور اس کی
۴۰۲	باب فی نبیذ البسر	۳۸۱	ثلاث مرات	۳۶۴	مفصل شرح
۴۰۳	باب فی صفۃ النبید	۳۸۲	باب فی سرد الحدیث	۳۶۵	باب الرجلان یدعیان شینا ولیس {
۴۰۴	باب فی شراب العمل	۳۸۳	باب التوقی فی الفتیاء	۳۶۶	بینہما بینۃ
۴۰۵	تحریم عمل والی حدیث	۳۸۴	نہی عن الغلو طات	۳۶۷	باب الیمین علی المدعی علیہ
۴۰۶	تحریم غسل اور تحریم ماریہ کا بیان	۳۸۵	باب کراہیۃ منع العلم	۳۶۸	باب کیف الیمین
۴۰۷	باب فی النبید اذا غلا	۳۸۶	باب فضل نشر العلم	۳۶۹	باب الرجل یحلف علی علمہ {
۴۰۸	باب الشرب قائما	۳۸۷	باب الحدیث عن بنی اسرائیل	۳۷۰	فیما غاب عنہ
۴۰۹	باب الشرب من فی السقاء	۳۸۸	باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالیٰ	۳۷۱	باب اللمی کیف یتحلف
۴۱۰	باب فی اختناث الاسقیۃ	۳۸۹	باب فی القمص	۳۷۲	باب الرجل یحلف علی حقہ
۴۱۱	باب فی الشرب من ثلثۃ القدح	۳۹۰	لا یقص الامیرا وامور او مختال	۳۷۳	باب فی الدین هل یحبس بہ
۴۱۲	باب فی الشرب فی انیۃ {	۳۹۱	کتاب الاشربہ	۳۷۴	باب فی الوکالۃ
۴۱۳	الذهب والفضۃ	۳۹۲	باب تحریم الخمر	۳۷۵	باب فی القضاء
۴۱۴	باب فی الکروع	۳۹۳	اشرب کے بارے میں حنفیہ اور جمہور علماء {	۳۷۶	ان رجلا خاصم الزبیر فی شراح {
۴۱۵	باب فی الساقی متی بشرب	۳۹۴	کالاشرف فی فصل	۳۷۷	الحرۃ الحدیث
۴۱۶	باب فی النفخ فی الشراب	۳۹۵	ما اسکر کثیرہ فقلیلہ منہ حرام	۳۷۸	اختصم الی رسول اللہ ﷺ
۴۱۷	کیا آپ ﷺ کا معمول کھانے کے	۳۹۶	باب العصیر للخمر	۳۷۹	رجلان فی حریم نخلۃ الخبث
۴۱۸	ساتھ ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟	۳۹۷	لعن رسول اللہ ﷺ فی الخمر عشرۃ	۳۸۰	کتاب العلم
۴۱۹	باب ما یقول اذا شرب اللبن	۳۹۸	باب ماجاء فی الخمر تخلل	۳۸۱	باب فی فضل العلم
۴۲۰	باب فی ایکاء الانیۃ	۳۹۹	باب الخمر ممہی؟	۳۸۲	ان الملائکۃ لتضع اجنحتہا لحدیث
۴۲۱	وینلوه الجزء السادس اولہ	۴۰۰	حنفیہ کے مسلک کی تائید و ترجیح	۳۸۳	باب روایۃ حدیث اہل کتاب
۴۲۲	کتاب الأطعمۃ	۴۰۱	باب ماجاء فی السكر	۳۸۴	ایک نوع کے دو باب اور ان میں وجہ فرق
۴۲۳	وهو الجزء الاخير انشاء اللہ تعالیٰ	۴۰۲	نہی عن کل مسکرو مفتور	۳۸۵	اسرائیلیات کا حکم
۴۲۴		۴۰۳	باب فی الدادی	۳۸۶	تورات اور انجیل کی زبان کوئی ہے؟
۴۲۵		۴۰۴	طلاب کی تفسیر و تحقیق	۳۸۷	کاتبین وحی صحابہ رضی اللہ عنہم

مکتوب گرامی

مکرم و محترم مولانا برہان الدین صاحب منجلی زید مجدہم
صدر شعبہ تفسیر و استاد حدیث، و ناظم تحقیقات شرعیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

..... مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتکم و مدت فیوضکم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؛ خدا کرے بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں۔

کوئی ایک ہفتہ ہوا جناب کا گرا تقدیر علی تحفہ۔ الدر المنضود جلد چہارم موصول ہوا۔ آپ نے جس درجہ اس میں محنت اور عرق فشانی کی ہے اس کا اندازہ دراصل وہی لگا سکتا ہے جس نے اس کوچہ کی سیر کی ہے، راقم بھی چونکہ اس کوچہ کا بھٹکتا راہی ہے (یار ہا ہے) اسلئے اسے قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ بعض جگہیں تو بے ساختہ سبحان اللہ الحمد للہ، للہ درّہ جیسے دعائیہ اور تعریفی کلمات کا صحیح محل معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض براہ جاری رہے۔

قال ابو داؤد کی گتھی سلجھانے میں جو آپ نے زرف نگاہی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے وہ درحقیقت کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے میں معین ہوتا ہے اور قاری کو سکون ذہنی عطا کرتا ہے، ورنہ دوسرے پہلوؤں پر تو اور لوگوں نے بھی قابل تعریف کام کیا ہے۔ جلد اول مستحاضہ کی بحث میں (اسکے اقسام و احکام) میں جو وضاحت فرمائی ہے وہ بہت ہی نافع ہے۔ اسی بحث میں انواع مستحاضہ کا بیان نمبر دار بہت آسان ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ یہ کام مکمل کرائے تاکہ اہل علم (خاص طور سے مدرسین) کو زیادہ سے زیادہ آسانی میسر آجائے۔ اس وقت تو جلد رابع کی وصولیابی کی اطلاع اور اس پر شکر گزاری کا اظہار مقصود ہے، کتاب پر اظہار رائے نہیں۔ دعلتے خیر میں یاد رکھنے کی خصوصی درخواست ہے۔ والسلام

احقر
محمد برہان الدین

۱۴/۶/۵۲۳

اول کتاب الاضحیا

یہاں نسخے مختلف ہیں، ایک نسخہ میں "ضحیا" کے بجائے "الاضاحی" ہے، امام بخاری نے بھی "الاضاحی" کا لفظ اختیار کیا ہے، ہمارے نسخہ میں اسی سرخی کے بعد حدیث شروع ہو رہی ہے، و فی بعض النسخ کما فی حاشیۃ البذل۔ باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی کی زیادتی ہے۔

مباحث ستہ مفیدہ | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) اضحیہ لغت و شرعاً (۳) اختلاف فی حکمہا (۴) عدد ایام اضحیہ میں اختلاف (۵) وقت ذبح کی ابتداء۔ (۶) مشروعیۃ اضحیہ کی ابتداء۔

بحث اول:۔ اس کتاب کی مناسبت کتاب الجہاد سے ظاہر ہے کہ جہاد میں اپنی جان و مال دونوں کا انفاق اور قربانی ہوتی ہے، اور اضحیہ میں مال خرچ کر کے حیوان کی قربانی ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اس کے بعد کتاب الصيد آرہی ہے، بخاری میں اس کے برعکس "کتاب الصيد والذبايح" کتاب الاضاحی سے پہلے ہے۔

بحث ثانی:۔ بذل الجہود میں اس میں چار لغات لکھے ہیں۔ اُضحیہ (بضم الهمزة) اضحیہ (بکسر الهمزة) اس کی جمع "اضاحی" ہے جیسے اُمنیۃ کی جمع امانی، اضحیہ اس کی جمع "ضحایا" کعطیۃ و عطایا، اُضحیۃ اس کی جمع "اضحی" جیسے ارطاة کی جمع ارطی، اھ۔

وفی الدر المختار: الاضحیۃ لغۃ اسم لما یذبح ایام الاضحی، من تسمیۃ الشئ باسم وقتہ اھ وقال الکرمانی، وہی ما یذبح یوم العید تقریبا الی اللہ تعالیٰ، وسمیت بذلک لانہا تفعل بالضحی اھ (الحل المفہم ص ۶) اضحیہ کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع تینوں سے ہے، اما الكتاب فقوله تعالى: "فصل لربک وانحر" قال بعض اهل التفسیر: المراد به الاضحیۃ بعد صلاة العید، واما السنۃ فماروی عن النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم** ضحی بکبشن المبین، الحدیث متفق علیہ، وجميع المسلمون علی مشروعیتہا (ادجز عن المغنی) **بحث ثالث:**۔ اضحیہ کے حکم میں وجوب اور سنیت کے اعتبار سے اختلاف ہے، اکثر علماء کے نزدیک

لہ وفی الادجز ص ۲۱ عن ابن عابدین: فیہ ثمان لغات: الاضحیۃ بضم الهمزة وکسرہا مع تشدید الیاء و تخفیفہا، وضحیہ بلا همز بفتح الصاد وکسرہا، وضحیۃ بفتح الهمزة وکسرہا، اھ۔

جس میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں یہ سنت مؤکدہ ہے، امام مالک کا قول مشہور یہی ہے، اور حنفیہ اور امام مالک - فی روایت - کے نزدیک قربانی واجب ہے، وحکی العینی عن الہدایۃ۔ الاضحیۃ واجبة علی کل مسلم حر مقيم مؤسرا مال الوجوب فقول ابی حنیفہ ومحمد واحدی الروایتین عن ابی یوسف، وعنه انہما سنۃ، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے اس کا وجوب امام ابو حنیفہ کا قول قرار دیا ہے، اور صاحبین کا قول یہ کہ وہ سنت مؤکدہ ہے، دلیل وجوب ابن ماجہ کی روایت ہے من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً من کانت لہ سعة ولم یضح فلا یقرن مصلانا،

قال العینی واخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد اھ وبسط الشیخ فی البذل — فی مستدلات الحنفیۃ فارجع الیہم للاجزاء

النوع الاضحیۃ | بذل میں لکھا ہے اضحیہ کی دو قسمیں ہیں، واجب اور تطوع، اور پھر واجب کی چند قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا وجوب غنی اور فقیر دونوں پر ہو جیسے نذر کی قربانی اس کا وجوب مطلق ہے اسلئے کہ وجوب نذر کی وجہ سے ہے جس میں فقیر اور غنی دونوں برابر ہیں، اور ایک قسم وہ ہے جو واجب ہو فقیر پر نہ کہ غنی پر جیسے وہ جانور جس کو فقیر آدمی قربانی کی نیت سے خریدے اس لئے کہ وہ جانور شرار کی وجہ سے متعین ہو گیا بخلاف غنی کے کہ اگر وہ کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدے تو اس پر شرار کی وجہ سے اس کی قربانی واجب نہ ہوگی اس کو چھوڑ کر دوسری کر سکتا ہے، تیسری قسم وہ ہے ما یجب علی الغنی دون الفقیر، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ نہ نذر پائی جائے نہ شرار اھ۔

اضحیہ کیلئے رغنی شرط ہے یا نہیں؟ | اس کے بعد سمجھئے کہ حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ اوپر ہدایہ سے گذر چکا اضحیہ کے وجوب کے لئے غنی شرط ہے اور جمہور کے نزدیک اگرچہ قربانی تو سنت

مؤکدہ ہے واجب نہیں اب یہ کہ تا کد سنیت کے لئے غنی شرط ہے یا نہیں؟ تو کتب مالکیہ میں تو غنی کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک جو شخص توکب عام کا مالک نہ ہو اس کے حق میں سنت نہیں، اور کتب شافعیہ میں تصریح ہے کہ اس کے لئے غنی شرط نہیں مستطیع ہونا کافی ہے۔ مسافر پر اضحیہ ہے یا نہیں؟ اس پر مستقل کلام "باب فی المسافر یضحی کے ذیل میں آ رہا ہے۔

فاثدا :- باب کی آخری حدیث: ولکن تاخذ من شعوک واطفارک الخ کے ذیل میں بذل المجہود میں لکھا ہے

لہ اب یہ کہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا علی العین سو مالکیہ کے یہاں تو تصریح ہے سنت مؤکدہ لعینہ کی نفی حاشیۃ الشرح الصغیر للدرر ج ۲۹۹ قولہ من وتاکد عینا اعلی المشہور، وقیل انہا واجبة، وقولہ عینا ای علی کل واحد بعینہ من استوفی الشروط الآتیۃ اھ اور کتب شافعیہ میں اس کو سنت علی الکفایہ لکھا ہے نفی شرح الافناع۔ والمتغیرۃ سنۃ مؤکدہ فی حقنا علی الکفایۃ ان تعد اہل البیت فلا یفعلہا واحد من اہل البیت کفی عن الجميع والا فسنۃ عین اھ وقال کافظ فی الفتح ج ۵ وہی عند الشافعیۃ والمجہودۃ مؤکدہ علی الکفایۃ اھ

ثم ظاهر الحديث وجوب الاضحية الاعلى العاجز ولذا قال جمع من السلف تجب على المعسر ويؤيده حديث يارسول الله استدين واضحي قال نعم فانه دين مقضى الى آخره في البذل، يعني بعض علماء كے نزدیک فقیر پر بھی قربانی واجب ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے ایک سائل کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ ہاں قرض لے کر بھی قربانی کرو اس لئے کہ یہ دین ادا ہو جائے گا، یا مطلب یہ کہ یہ قربانی آدمی پر ایک قسم کا دین اور واجب ہے۔

بحث رابع :- ایام اضحیہ کی تعیین و تعداد میں کافی اختلاف ہے جس کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اوجز میں تحریر فرمایا ہے، اس کے آخر میں حضرت شیخ لکھتے ہیں: والجملة ان فی تعیین ایام الاضحية سبعة مذاهب الاول يوم النحر فقط وهو مذهب داود وابن سيرين. الثاني ثلاثة ايام وهو مذهب الائمة الثلاثة وغيرهم. الثالث اربعة ايام وهو مذهب الشافعي وغيره. الرابع يوم النحر وستة ايام بعده وهو قول قتادة. الخامس عشرة ايام حكاه ابن التين السادس الى آخره في الحجّة وهو مذهب ابن حزم ورواية ابى سلمة بن عبد الرحمن وسليمان بن يسار قالوا بلغنا ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال الاضحي الى هلال المحرم لمن استأن بذلك (كذا في المحلى) السابع يوم في الامصار وثلاثة في مكي وهو قول سعيد بن جبيرة وجابر بن زيد، الى آخره في الاوجز اور متن ابی شجاع ۲۲۳ میں ہے وقت الذبح من وقت صلاة العيد الى غروب الشمس من آخر ايام التشريق اه اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی گیارہ ذی الحجہ اور بارہ اور تیرہ روى ابن حبان عن جبيرة بن مطعم رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم "وكل ايام التشريق ذبح" اى وقت للذبح اه اس تفصیل سے معلوم ہوا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایام اضحیہ تین ہیں اور شافعیہ کے نزدیک چار دن ہیں دس ذی الحجہ سے لے کر تیرہ کی شام تک۔

بحث خامس :- وقت ذبح کی ابتداء کب سے ہے سو اس پر تو علماء کا اتفاق ہے ان الذبح قبل صلاة العيد لا يجوز، اور اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ امام کی قربانی سے قبل دوسرے لوگوں کے لئے قربانی جائز ہے یا نہیں، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک کے نزدیک ذبح امام سے قبل کسی کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں، وسبب اختلافهم اختلاف الآثار في هذا الباب، وذلك انه جاء في بعضها انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر لمن ذبح قبل الصلاة ان يعيد الذبح وفي بعضها انه امر لمن ذبح قبل ذبحه ان يعيد، خروجه مسلم، الى آخره في الاوجز، اس میں مزید تفصیل باب ما يجوز في الضحايا من السن کے آخر میں آرہی ہے۔

بحث سادس :- قربانی کی مشروعیت کی ابتداء قرآن کریم میں مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہے :- فلما بلغ معه السعي قال يا بني اني اري في المنام اني اذبحك فانظر ماذا ترى الآية، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے جب تک اولاد نہ ہوئی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی، رب صہ لی من الصالحین فبشرناہ بغلام حلیم، اس کے بعد وہ اوپر والی آیت مذکور ہے کہ جب وہ فرزند (اسمعیل علیہ السلام) ایسی عمر کو پہنچا کہ

اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی ہو چکی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس اکلوتے بیٹے سے فرمایا بر خور دار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے، اس پر انہوں نے عرض کیا یا ابا، انفل ما توئم، ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو کر گزریئے الی آخر القصۃ جس میں یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا و نادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا الآیۃ روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک مینڈھالے کھڑے تھے، یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔ (معارف القرآن لمختصاً)

یہ مضمون سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں اس طرح مذکور ہے عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما هذه الاضاحی یا رسول اللہ؟ قال سنۃ ابیکم ابراہیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیہا یا رسول اللہ؟ قال بكل شعرة حسنة الحدیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ اضحیہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اس کی ابتداء وہاں سے ہوئی ہے۔

انباء مختلف بن مسلم قال: ونحن وقوف مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بعرفات

قال يا ايها الناس ان علي اهل كل بيت في كل عام اضحية وعتيرة اخ
مخفف بن سليم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عرفات میں وقوف کرنے والے تھے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! ہر گھر والے کے اوپر اور ان کے ذمہ ہر سال میں اضحیہ اور عتیرہ ہے، اور پھر فرمایا آپ نے جانتے ہو عتیرہ کیا چیز ہے؟ عتیرہ وہی ہے جس کو لوگ رجبیۃ کہتے ہیں۔

مخفف نے اس حدیث سے وجوب اضحیہ پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ لفظ "علی" الزام اور وجوب کے لئے آتا ہے، اور دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے،

یعنی عتیرہ، وہ عند الجہور دوسری احادیث کی بنا پر منسوخ ہے لہذا قربانی کا وجوب باقی رہا، عتیرہ کی تفسیر جیسا کہ خود اس حدیث میں مذکور ہے اس ذبیحہ اور قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے عشرہ اولیٰ میں کی جاتی تھی، اسی لئے اس کو رجبیۃ بھی کہتے ہیں۔

یہاں ایک تیسری چیز اور ہے جو احادیث میں وارد ہے یعنی فرع، ان دونوں کا ذکر کتاب الاضحیہ کے اخیر میں آخری باب "باب فی العتیرة" میں آ رہا ہے لہذا ان دونوں پر کلام انشاء اللہ تعالیٰ اسی جگہ آئے گا۔

والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

قال: اموت بيوم الاضحى عيداً يجعله الله لهذه الامة اياماً

شرح الحديث | آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ میں یوم الاضحیٰ کو عید کا دن منادوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے (اور چونکہ اس دن کے احکام میں سے ایک حکم شرعی قربانی کا بھی ہے اسلئے سائل نے آپ سے وہ سوال کیا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے وہ یہ کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس منیجہ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو تو کیا میں اسی کی قربانی کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تو ایسا کر کہ اس دن میں اپنے بال اور ناخن تراش، اور اپنی لبیں لے اور زیر ناف بالوں کا حلق کر، تیری پوری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی ہے۔

آپ نے ان مذکورہ امور کو گویا اس کے حق میں قربانی کا بدل قرار دیا۔

منیجہ کا اطلاق اس دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری پر ہوتا ہے جس کو اس کا مالک کسی دوسرے ضرورت مند شخص کو کچھ مدت کے لئے دیدے تاکہ وہ اس کے دودھ سے اس مدت میں منتفع ہوتا رہے اور پھر اس جانور کو اس کے مالک کی طرف لوٹا دے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس منیجہ کی قربانی سے منع فرمادیا، یا تو اس لئے کہ وہ اس کی ضرورت کی چیز تھی اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور دودھ کا جانور نہیں تھا (کذا فی البذل) اور یا اس لئے منع فرمایا کہ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا منیجہ کا تو آدمی خود مالک نہیں ہوتا، وہ دوسرے کی چیز ہوتی ہے جس کو بعد میں واپس کیا جاتا ہے۔ والحديث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

باب الاضحية عن الميت

عن حنّش قال رأيت علياً يضحى بكبشين فقلت له ما هذا

حنّش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے تو میں نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ آپ دو جانور کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہذا ایک کی قربانی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں اور دوسرے کی آپ کی طرف سے۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اور اس کے اخیر میں یہ زیادتی ہے "فلا أدعہ ابداً" کہ میں اس کو چھوڑوں گا نہیں بلکہ ہمیشہ اسی طرح کرتا رہوں گا۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | امام ترمذی فرماتے ہیں: بعض اہل علم کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور بعض اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور پھر عبداللہ بن المبارک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے نہ کہ قربانی، اور اگر کوئی شخص میت کی جانب سے قربانی کرے تو اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ سبھی کو صدقہ کر دے اھ جمہور یہ کہتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پوری امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے جس میں احواء اور اموات بھی داخل ہیں، نیز یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ جو قربانی امت کی طرف سے کرتے تھے اس میں سے خود کچھ نوش نہیں فرماتے تھے بلکہ سب صدقہ کر دیتے تھے، اور حنفیہ کا مسلک اس میں وہ ہے جو الکوکب الدری ص ۱ میں مذکور ہے، فقیر: قوله ولم یر بعضہم ان یضی عنہ، وھولاء حملوا ھذا الحدیث علی الخصوصیۃ، وعندنا لہ ان یضی عن المیت غیر انہ ان کان بوصیۃ منہ لیس لہ ان یا کل منہ، وان لم یکن وصیۃ منہ حل لہ اکلہا کما فی اصحیۃ نفسہ من غیر فصل اھ

والحدیث اخر جلالہ ترمذی، قالہ المنذری۔

باب الرجل یاخذ من شعرة فی العشر ھو یرید ان یضی

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من کان لہ ذبج یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجۃ فلا یاخذن من شعرة الا۔

لفظ ذبج، کسر ذال کے ساتھ ہے یعنی ذبیحہ، وہ جالور جس کو ذبح کرنے کا ارادہ ہے کما فی قولہ تعالیٰ، وذیناھ بذبح عظیم، اور جو ذبح بالفتح ہے وہ مصدر ہے۔

یعنی جس شخص کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس شخص کو یکم ذی الحجہ سے لیکر قربانی کرنے تک حلقِ شعریٰ تقسیم اظفار نہ کرنا چاہیے۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یہ بھی ظاہر یہ اور حنا بلہ کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور امام شافعی و مالک کے نزدیک کراہت کے لئے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے کما فی البذل۔

امام ترمذی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: والی ھذا الحدیث ذھب احمد واسحاق وخص بعض اہل العلم فی ذلک فقالوا لا بأس ان یاخذ من شعرة واظفارہ وھو قول الشافعی واحتج بحدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یبعث بالہدی من المدینة فللمدینتین شیئاً ما یجتنب منہ المحرم اھ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کا مسلک اس میں کراہت تنزیہی لکھا ہے، غالباً امام ترمذی کی مراد لا بأس سے یہی ہے یعنی جائز مع الکرہۃ، اس کے بعد امام ترمذی نے امام شافعی کی دلیل میں حدیث عائشہ کو پیش فرمایا ہے، اس کا جواب عرف الشذی ص ۱ میں

شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا باعث ہدیٰ غیر ذی الحجہ میں ہوتا تھا اسی لئے آپ اس سے اجتناب نہیں فرماتے تھے، نیز شاہ صاحب فرماتے ہیں والفرض التشاؤل بالکحاج یعنی حدیث الباب میں اخذ شعر اور تقلم الاظفار کی جو ممانعت ہے اس سے مقصود قربانی کرنے والے کو مشابہت اختیار کرنا ہے حلج محرم کے ساتھ۔
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بمعناه قاله المنذری۔

باب ما يستحب من الضحایا

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر بکبش

اقرب، یطأ فی سواد ویمنظر فی سواد الخ۔

شرح الحدیث یعنی آپ نے ایسے خوبصورت مینڈھے کی قربانی کا حکم فرمایا جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں کہ سینگوں والا ہو، چلتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی ٹانگیں سیاہ ہوں، اور دیکھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی آنکھیں خوبصورت سرگیں ہوں، بیٹھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کا پیٹ اور پہلو سیاہ ہو، پھر آپ نے فرمایا اسے عائشہ چھری لیکر آؤ اور اس کی دھار پتھر پر رگڑ کر تیز کرو، پھر آپ نے اس کو لٹایا اور ذبح کیا اور ذبح کے وقت یہ پڑھا، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقْبِلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةٍ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے جس سے اس کا سر ذبح کی بائیں طرف ہو جائے اور وہ اس کے سر کو بائیں ہاتھ سے دبا کر دائیں ہاتھ سے بسہولت ذبح کر سکے، قالہ النووی وذكر اتفاق العلماء علیہ نیز اس کی شکل یہ ہوگی کہ اضمحیہ کا سر بجانب جنوب اور ٹانگیں شمال کی جانب میں رکھی جائیں اور بائیں کروٹ پر لٹایا جائے تاکہ جانور کا استقبال قبلہ ہو جائے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مینڈھے کی قربانی اپنی اور اپنے اہل بیت بلکہ اپنی تمام امت کی طرف سے کی، کیا ایک بکری کی قربانی چند لوگوں کی طرف سے ہو سکتی ہے، اس مسئلہ کے لئے آگے کتاب میں مستقل ایک باب آرہا ہے۔
باب فی الشاة یضعی بها عن جماعة۔

قربانی کے جانور میں شرکت اس میں بعض علماء جیسے امام مالک و احمد و اوزاعی کا مسلک یہی ہے کہ ایک بکری پورے ایک گھروالوں کی طرف سے کرنا جائز ہے اگرچہ وہ سات سے بھی زائد ہوں، اور دو گھروالوں کی طرف سے جائز نہیں اور اسمیں مذاہب ائمہ کی تفصیل و تحقیق

اگرچہ ان کی تعداد سات سے کم ہو، کذا فی البدائع وغیرہ و سبھی تفصیل المذاهب حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث کی بنا پر جو آئندہ باب البقر عن کم تجزئ کے تحت آرہی ہے

اور یہ کہا جائے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، اور تیسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مقصود مشرکۃ فی الثواب ہے نہ کہ تضحیۃ عن الجبج، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ آخری توجیہ زیادہ عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

موطا مالک میں "الشركة فی الضحایا" عنوان کے تحت او جزم ۴۴ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذاہب ائمہ اس طرح لکھے ہیں امام مالک کا مسلک علامہ باجی مالکی سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی واجب میں اور اضحیہ میں یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک جماعت قربانی کے جانور کی قیمت میں شریک ہو کر خریدیں اور اس کی قربانی کریں خواہ وہ بقرہ ہو یا بدنة، اور ہدی تطوع میں ان کے دو قول ہیں، قول مشہور یہی ہے کہ اس میں بھی اشتراک جائز نہیں، اور دوسری روایت اس میں ان سے جواز کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص کے لئے قربانی کا جانور ہو اور وہ اس کی قربانی کرے اپنی طرف سے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے اگرچہ وہ سات سے زائد ہوں اھ گویا اس کا حاصل یہ ہو کہ امام مالک کے نزدیک قربانی کا جانور بقرہ ہو یا بدنة یا شاة اس کی قربانی ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے، ہاں خاص اپنے اہل بیت کی اس میں اگر نیت کرے تو وہ درست ہے چاہے وہ اہل بیت سات سے زیادہ ہی کیوں ہوں، اور حنفیہ کا مسلک باجی نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی اور اضحیہ ہر دو میں سات شخصوں کی شرکت ہو سکتی ہے (ای فی البدنة والبقرة) بشرطیکہ تمام شرکاء کا مقصود اس ذبح سے قربت ہو گو وجہ قربت مختلف ہوں، جیسے جزا و صید اور فدیہ اذی وغیرہ، اور اگر ان شرکاء میں سے کسی شریک کا مقصود قربت نہ ہو بلکہ لحم مقصود ہو تو وہ قربانی درست نہ ہوگی وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک ہر صورت میں جائز ہے (سب کا مقصد قربت ہو یا نہ ہو) اور ان دونوں (حنفیہ شافعیہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ سات سے زائد کی شرکت جائز نہیں، فالخلاف بیننا وبينهم فی فصلین احدهما ان لا يجوز الاشتراك فی الرقبة عندنا ويجوز عندهم والثانی انه يجوز عندنا ان تتحل البدنة الواحدة عن اكثر من سبعة وعندهم لا يجوز ذلك اھ علامہ باجی نے حنابلہ کا مسلک نقل نہیں کیا، ابن قدامہ نے ان کا مسلک اس میں حنفیہ اور شافعیہ ہی کے موافق لکھا ہے، یعنی یہ کہ بدنة وبقرة میں سات نفر کی شرکت ہو سکتی ہے، نیت قربت کا ہونا شافعیہ کی طرح ان کے یہاں بھی ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک تو چونکہ نفس شرکت ہی جائز نہیں اس لئے وہاں اتحاد نیت یا اختلاف نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ بدنة وبقرة میں سات کی شرکت مطلقاً جائز ہے سوا کہ ان المشرکون من اہل بیت اولم یکنوا، پھر آگے ابن قدامہ نے کفایۃ عن اہل بیت واحد والے مسئلہ میں لکھا ہے ولا بأس ان یذبح الرجل عن اہل بیۃ شاة واحدة او بقرة او بدنة نص علیہ احمد وبہ قال مالک واللیث والاذرائی اھ

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ شاة کے بارے میں شافعیہ وحنابلہ مالکیہ تینوں کی کتب فروع میں یہ ملتا ہے انھا تجزئ عن الرجل وعن اہل بیۃ وان کا لونا سبعة او اکثر، لیکن جائز ہونے کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اضحیہ تو ذابح ہی کی

طرف سے سمجھی جائے گی اور ثواب کا استحقاق بھی خاص اسی کیلئے ہوگا لیکن چونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی سنت علی الکفایہ ہے اس لئے یہ ایک شخص کا قربانی کرنا اس کے تمام اہل بیت کی طرف سے کفایت کر جائیگا جس کو ان کی کتابوں میں سقوط الطلب سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس قربانی کے بعد باقی گھر والوں سے اضحیہ کا شرعاً مطالبہ نہیں رہا اور حدیث الباب جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبش واحد کی قربانی اپنی اور پوری امت کی جانب سے فرمائی اس کو انہوں نے خصوصیت پر محمول کیا ہے حصول ثواب للامة کے حق میں۔
والحدیث اخرجه مسلم قال المنذرى۔

نحو سبع بدنات بیدہ قیاماً وضحی بالمدینۃ بکبشین اقربین املحین۔
شرح الحدیث | یہ حدیث بخاری کی کتاب الحج میں "باب من خرہ یدہ بیدہ" اسی طریق سے اسی طرح مروی ہے بظاہر تخریض کا واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، اور کبشین املحین کی قربانی کا واقعہ۔ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے۔ مدینہ منورہ کا ہے، اب یہ سوال ہوگا کہ حج میں تو آپ نے جیسا کہ روایات میں تصریح ہے ایک سو ہدایا کا نحر فرمایا تھا اس کا جواب کتاب الحج کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں روایات مختلف ہیں سبع بدنات کی بھی ایک روایت ہے، اور سبع کی تخصیص کی ایک وجہ کتاب الحج میں یہ گزر چکی کہ یعنی ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہو رہی تھی کہ دیکھیں ہم میں سے کس سے ابتداء فرماتے ہیں۔ کلھن ینزلھن الیہ بایتھن یداً ۱۷
املح وہ جانور جس کے بالوں کی سفیدی اس کی سیاہی پر غالب ہو (بذل) فی المرات: الالمح افضل من الملمح وہی بیاض بخالط السواد وعلیہ اکثر اہل اللغۃ وقیل بیاضہ اکثر من سوادہ، وقیل ھو لقی البیاض اھ (عون) تنبیہ: یہ حدیث تمام صحیح بخاری میں موجود ہے کما تقدم فالعجب من الحافظ المنذری حیث قال اخرج البخاری قصۃ الکبشین فقط بنحو۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ ففی شرح الاقتناع من فروع الشافعیہ ص ۲۴ وتجرى البدنة عن سبعة وكذا البقرة، وتجرى الشاة عن واحد فقط، فان ذبحها عنه وعن اہل ابعنه واشترک غیرہ فی ثوابها جازاھ فی ہامشہ؛ والشاة عن واحد فقط فان قلت ہذا مناف لما بعدہ حیث قال فان ذبحها عنه وعن اہلہ الخ اجیب بانہ لا منافا، لان قوله عن واحد ای من حیث حصول التضییۃ حقیقۃ، وما بعدہ الحاصل للغير انما ھو سقوط الطلب عنه، واما الثواب والتضییۃ حقیقۃ فخاصان بالفاعل علی کل حال اھ فی الروض المربع ونیل المآرب من فروع الخصالہ؛ تجزى الشاة عن واحد واهل بیتہ وعلیہ والبدنة والبقرة عن سبعة۔ لہ لیکن البوداؤد میں یہ حدیث عبداللہ بن قرق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے ولفظہ وقرب الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدنات خمس ادست فطفق ینزلھن الیہ بایتھن یداً الحدیث۔

یوم الذبح کبشین اقربین املحین موحثین، وفی بعض النسخ موحثین، وفی بعضها موحثین یعنی خضی، خطاباً کہتے ہیں اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ خضی کی قربانی مکروہ نہیں اور بعض اہل علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے لنقص العضو، لیکن یہ نقص عیب نہیں ہے اس لئے کہ خضار کی وجہ سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے اور اس کی رائحہ کمرہ بہ دور ہو جاتی ہے۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جس کے راوی ابوسعید خدری ہیں اس میں ہے بکبش اقرب فحیل یعنی ایسا کبش جو جفتی میں بہت عمدہ ہو، اور فحل کا اطلاق مطلق زیر ہوتا ہے، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے جیسا کہ ابن العربی نے ہی سمجھا وہ فرماتے ہیں اس حدیث ابوسعید سے اس روایت کی تردید ہو رہی ہے جس میں موحثین وارد ہوا ہے، حافظ فرماتے ہیں یہ بات نہیں بلکہ اس میں احتمال تعدد واقعہ کا ہے ایک مرتبہ آپ نے قربانی خضی کی کی اور ایک مرتبہ غیر خضی کی۔ (تحفۃ الاحوذی)

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اخرجه ابن ماجہ و حدیث ابی سعید اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب ما يجوز في الضحايا من السن

یعنی کس عمر کے جانور کی قربانی جائز ہے۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم لاتذبحوا

الامسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان۔

مسنة کا مصداق مع اختلاف ائمہ | آپ فرما رہے ہیں کہ قربانی ضرر مسنة ہی کی گئی اور اس کم کی نہ کی جائے، مسنة بمعنی عمر والا جس کو شنی بھی کہتے ہیں، پھر جانتا چاہئے کہ مسنة ہر جانور کا الگ الگ ہوتا ہے، پس مسنة الابل وہ ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو جائے اور مسنة البقر وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو کر تیسرے میں داخل ہو جائے اور غنم میں خواہ وہ بھیڑ ہو یا بکری وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو کر دوسرے میں داخل ہو جائے۔

جانتا چاہئے کہ غنم جنس ہے جس کی دو صنف ہیں معز (بکری) اور ضأن (بھیڑ) اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسنة نہ حاصل ہو تو وہ جذع من الضان کر سکتا ہے، جذع لفظ تو اس کو کہتے ہیں جو پورے ایک سال کا ہو اور شمرنا جو کم از کم چھ ماہ کا ہو تا تمت لہ ستة اشھر کذا فی الہدایۃ، اور بعض علماء نے اس کی تفسیر یہ کی ہے ماتی علیہ اکثر الحول یعنی جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہو، اس حدیث میں جذع کے ساتھ ضأن کی قید ہے اسی لئے جذع من المعز (بکری) کا ششما بہ پھر) ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں، امام نووی فرماتے ہیں جذع

من الضأن مطلقاً سب علماء کے نزدیک جائز ہے سوا و جد غیرہ ام لا، بذل الجہود میں لکھا ہے کہ فقہاء نے جذع کے اندر یہ شرط لگائی ہے کہ وہ ایسا تندرست اور فربہ ہو کہ اگر اس کو پورے سال والوں میں خلط کر دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو۔ یہ جو کچھ ہم نے مسنہ کے مصداق کے بارے میں لکھا اس میں حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک تو بعینہ ہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کا ان میں سے بعض میں اختلاف ہے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک مسنہ الغنم خواہ وہ معز ہو یا ضأن وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو، اور جذع من المعز والضأن وہ ہے جو ایک سال کا ہو، اور مالکیہ کے نزدیک مسنہ البقر میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مسنہ البقر وہ ہے جو تین سال کا ہو، پس شافعیہ کا اختلاف غنم میں اور مالکیہ کا بقر میں ہوا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جذع من الضأن جس کی حدیث میں اجازت دی گئی ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو وہ ہے جو چھ ماہ کا ہو یا یہ کہئے ایک سال سے کم کا ہو، اور شافعیہ کے نزدیک وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو، یہ بھی جانتا چاہئے کہ جذع من الضأن جو عند الجہود والائمه الاربعہ جائز ہے اس میں ابن عمر اور زہری کا اختلاف ہے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے کما فی الشرح (من الادجز والبدل)

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن زید بن خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم فی اصحابہ ضحایا فاعطانی عتوداً جذاً۔

شرح الحدیث یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں قربانی کے جانور تقسیم فرمائے، آپ نے مجھے بھی ایک بکری کا بچہ (پٹھیا) عطا فرمایا۔ وہ کہتے ہیں میں اس کو لیکر آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو جذع یعنی ناقص العمر ہے، آپ نے فرمایا تو اس کی قربانی کر لے۔

یہ جذع اگر من المعز تھا تب تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا، اور اگر جذع من الضأن تھا تب خصوصیت پر حمل کی ضرورت نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم من روایہ عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال المنذری۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ قال کنا مع رجل ففترت الغنم فامر مناد یا فنادی ان

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقول ان الجذع یوفی مایوفی منه الشئی۔

کلیب کہتے ہیں کہ ہم ایک صحابی کے ساتھ تھے جن کا نام مجاشع ہے، ایک سال ایسا ہوا کہ بکریوں کی قلت ہو گئی یعنی پوری عمر والیوں کی، تو ان صحابی نے ایک شخص سے یہ اعلان کر لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بیٹھ کر اس شہابہ بچہ وہی کام دیتا ہے جو پوری عمر والا دیتا ہے۔

والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن البراء رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يوم النحر بعد الصلاة فقال من صلى صلاتنا ونسك نسكنا -

شرح الحديث

یعنی ایک مرتبہ آپ نے دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح اولاً عید کی نماز ادا کرے اور اس کے بعد ہماری طرح قربانی کرے تو اس کی قربانی تو درست ہے اور جو شخص عید کی نماز سے قبل قربانی کرے تو یہ اس کا ذبح کرنا گوشت کے لئے ہو گا نہ کہ قربانی کے طور پر اس پر ایک صحابی ابو بردہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ شاة تمہاری شاة لحم ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جذع جو دو شاة لحم سے بھی بہتر ہے، شرح نے لکھا ہے کہ مراد یہ ہے کہ کھانے والوں کے حق میں اس کا گوشت بہت عمدہ ہے یا یہ کہیے کہ چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کی سابق قربانی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ قربانی نہیں بلکہ شاة لحم ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو گو چھوٹی ہے لیکن میری پہلی قربانی کی بکری سے گوشت اور فربہی میں تقریباً دو گنی ہے۔ تو کیا اس کی قربانی میرے لئے کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا تیرے لئے کافی ہو جائے گی اور تیرے علاوہ کسی اور کے لئے کافی نہ ہوگی، بظاہر یہ جذع من المعز ہو گا اسی لئے آپ نے جواز کو ان کے ساتھ مقید فرمادیا، لہذا یہ جواز ان ہی صحابی کے ساتھ خاص رہے گا، یہ روایت سنن ترمذی شریف میں بھی ہے ولفظہ: قال (ای البراء) فقام خالی فقال یا رسول اللہ ہذا یوم اللحم فیہ مکروہ والی عجلت لئیسکفی۔ وفی آخرہ۔ یا رسول اللہ عندی عنات لبن ہی خیر من شاتی لحم۔ عنات لبن کے معنی شرح نے یہ لکھے ہیں: بکری کا وہ دودھ پیٹا بچہ جس کا ابھی تک فطام نہیں ہوا، اور کوکلب الدری میں یہ ہے کہا گیا ہے عنات لبن سے مراد یہ ہے کہ وہ بڑی عمدہ نسل کی بکری کا بچہ ہے جو بہت دودھ دیتے والا اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اٹھامرتبہ بلبین کثیر کہ اس کو خوب دودھ پلا پلا کر پرورش کیا گیا ہے تاکہ خوب اچھا اور فربہ ہو جائے اھ۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ترمذی کی اس روایت میں یہ ہے کہ ہذا یوم اللحم فیہ مکروہ، اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آج کے دن یعنی قربانی کے دن صبح صبح کے وقت تو گوشت پسند کیا جاتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور دیر ہونے کے بعد نا پسندیدہ اور غیر مرغوب ہو جاتا ہے اسی لئے میں نے ایسا کیا کہ صبح سویرے قربانی کر لی تاکہ لوگ اس کو بشوق و رغبت کھائیں، ویسے فی نفسہ اس میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں تو اسی طرح ہے، اور دوسری روایت میں ہے ہذا یوم اللحم فیہ مقروم جسکے معنی ہیں پسندیدہ کے، يقال ترمتم الی اللحم، وقرمتہ اذا اشتہیتہ، اس صورت میں معنی حدیث کے ظاہر ہیں کہ چونکہ آج کے دن لوگوں کی رغبت اور اشتہار گوشت کی طرف بہت ہوتی ہے

اس لئے میں نے اپنی قربانی جلدی کر لی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے قبل قربانی درست نہیں اسی لئے اس حدیث پر امام ترمذی نے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی الذبح بعد الصلوة امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں والعمل علی ہذا عند اہل العلم ان لا یضعی بالمصر حتی یصلی الامام وقد رخص قوم من اهل العلم لاهل القری فی الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن المبارک اھ حنفیہ کا مسلک قربانی کے وقت میں یہ ہے کہ قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کو صبح صادق ہونے پر شروع ہو جاتا ہے خواہ اہل مصر ہوں یا اہل قریہ لیکن اہل مصر کے حق میں جواز کے لئے ایک شرط زائد ہے وہ یہ کہ عید کی نماز کے بعد کی جائے اس پر تقدیم جائز نہیں ہے کذا فی البذل عن البدائع اور شافعیہ وحنابلہ کا مسلک اس میں (اہل قریہ و مصر دونوں کے حق میں) یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں عید کی نماز اور خطبہ ادا ہو سکتا ہو، خواہ ابھی نماز ادا کی گئی ہو یا نہیں، بس اتنے وقت کا گزرنا کافی ہے۔ کذا فی الادب عن کتب الفروع، یہ مسئلہ ابتدائی مباحث میں مختصراً گزر چکا ہے اس جگہ یہاں کا حوالہ دیا گیا ہے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب ما یکرہ من الضحایا

سالت البراء بن عازب ما لا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
شرح الحدیث | عبید بن فیروز نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کون سے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہم لوگوں کو خطاب فرمایا (اور چونکہ آپ نے آنے والے مضمون کو اپنے دست مبارک کی انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور پھر آپ کے اتباع میں حضرت براء نے بھی اسی طرح اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اس لئے وہ آگے فرما رہے ہیں) کہ میری انگلیاں تو بہت کوتاہ ہیں آپ کی انگلیوں سے اور میرے پورے بہت کوتاہ اور گھٹیا ہیں آپ کے پوروں سے، پس آپ نے فرمایا کہ چار قسم کے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں (۱) ایک عوراء جس کا عور بالکل ظاہر ہو یعنی جس کی ایک آنکھ خراب ہو اس سے نظر نہ آتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اور اگر وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہو تو اس کی قربانی بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی (۲) وہ مریض جانور جس کا مرض صاف ظاہر ہو، اس سے مراد وہ مریض ہے الی لا تعلف جس نے مرض کی وجہ سے گھاس کھانا چھوڑ دیا ہو (۳) عرجاء جس کا لنگڑاپن ظاہر ہو، طلع بمعنی عرج ای بین عرجھا اس سے مراد وہ جانور ہے الی لا تمشی الی المنسک کہ جو ذبح تک چل کر نہ جاسکے (۴) الکبیر یعنی بوڑھی اور دراز عمر

التي لا تنفي يعني التي لا نفى لها نفى بروزن سذر ہڈی کے اندر کا گودا یعنی ایسی بوڑھی جس کی ہڈیوں میں گودا تک نہ رہا ہو، اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ میں نے براہ سے عرض کیا کہ میں قربانی کے جانور میں یہ اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ کم عمر ہو، انہوں نے فرمایا کہ جو تجھ کو پسند نہ ہو تو خود اس کو چھوڑ دے لیکن دوسرے کے لئے ناجائز قرار نہ دے نقص فی السن سے مراد نقص شرعی نہیں ہے کیونکہ وہ تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں بلکہ اس سے وہ نقص مراد ہے جو ظاہر میں دیکھنے کے لحاظ سے اور عرف کے لحاظ سے ہو، مثلاً ایک سال کی بکری یہ گو عرفاً کسن ہے لیکن شرعاً قربانی کے لائق ہے۔

اس کے بعد جانئے کہ جو چار قسمیں اس حدیث میں مذکور ہیں ان کی قربانی چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے
وفی الاوجز حلال علی الاجماع علی ذلک ابن رشد المالکی فی البدایہ والموفی فی المغنی والشوکانی فی النیل وغیرہم، وذلک
اجموا علی ان البیہر من ہذہ العیوب الاربعۃ لایضر والکثیر یمنع، ثم اختلفوا فی الحد الفاصل بین البیہر والکثیر الی آخر ما فی الادب
من التفصیل فی ذلک۔

والحدیث اخر جالترندی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

اخبرنی یزید ذووضو قال اتیت عقبہ بن عبد السلامی الخ

شرح الحدیث

یزید جن کا لقب ذو مضر ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عقبہ بن عبد السلامی کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں قربانی کے جانور تلاش کرنے کے لئے نکلا تھا تو مجھے ان جانوروں میں جو میں نے دیکھے اول تو کوئی پسند ہی نہیں آیا اور جو پسند آیا وہ شر مار ہے ساقطۃ الاسنان، اس لئے میں نے اس کو بھی ناپسند کر دیا، اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم اس کو میرے پاس کیوں نہ لے آئے (میں اس کی قربانی کر لیتا) میں نے کہا سبحان اللہ یہ عجیب بات ہے کہ تمہارے لئے تو جائز ہو جائے اور میرے لئے جائز نہ ہو، انہوں نے فرمایا یہ اس لئے کہ تم شک کر رہے ہو اس کے جواز میں اور میں شک نہیں کر رہا ہوں، اسکے بعد انہوں نے فرمایا
انما انھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المصفرۃ والمستأصلۃ والبخقاء والمشیعۃ
والکسواء الخ۔ اس کے بعد پھر آگے روایت میں ان پانچوں صفات کی تفسیر و تشریح مذکور ہے وہ یہ کہ مصفرۃ سے مراد وہ جانور ہے کہ جس کا کان بالکل جڑ سے جدا کر دیا گیا ہو، یہاں تک کہ کان کا سوراخ نظر آنے لگے اور مستأصلۃ وہ جانور ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اور بخقاء وہ جانور ہے جس کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہو (اور آنکھ اپنی جگہ صحیح و سالم ہو) اور مشیعۃ وہ بکری ہے جو دوسری بکریوں کے ساتھ ریوڑ میں نہ چل سکتی ہو ضعف کی وجہ سے اور کسراء وہ جانور ہے جو کسورۃ الرجل ہو۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان نستشرف العین

والاذن ولا تضج بعوراء ولا مقابلة ولا صد ابرق ولا شرقاء ولا خـ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا ہے کہ ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو بغور دیکھا کریں (کہ وہ صحیح سالم بھی ہیں) اور پھر آگے حدیث میں اور چار جانوروں کا ذکر ہے جن کی قربانی کرنے سے آپ نے منع فرمایا، ان چاروں کا تعلق عیب فی الاذن سے ہے چنانچہ مقابلہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ مقدم اذن یعنی آگے کی جانب سے کاٹ کر اس کو وہیں چھوڑ دیا گیا ہو (الگ نہ کیا گیا ہو) اور مدبرہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ پیچھے کی طرف سے کاٹ کر اس کو ویسا ہی چھوڑ دیا گیا ہو اور شرقاء وہ جانور ہے جس کا کان طولاً چیر دیا گیا ہو (ماخوذ من الشرق ای الشق) اور خرقاء وہ جانور ہے جس کے کان میں گول سوراخ کر دیا گیا ہو، للتیمۃ یعنی علامت کے طور پر۔

حدیث الباب میں مذاہب ائمہ | ان چاروں قسموں کی قربانی شافعیہ کے یہاں ناجائز ہے لہذا یہ بھی ان کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور عند الحنفیہ للترزیہ، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ نصف یا اکثر مقطوع ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے اور اگر مادون النصف مقطوع ہو تو وہ جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ثلث اگر مقطوع ہے تو جائز ہے اور ما فوق الثلث جائز نہیں کیا یظہر من کلام الدر دیر اور شافعیہ کے نزدیک اس میں مطلقاً گنجائش نہیں، ففی شرح الاقناع: ولای یجوزی مقطوع بعض الاذن وان کان لیسیراً۔ وقال البوصیفۃ ان کان المقطوع دون الثلث اجزاً اھ مذہب حنفی کے نقل میں اس میں تسامح ہے بلکہ ہمارے یہاں مادون النصف معفو عنہ ہے مگر تقدم اور حنابلہ کے نزدیک اذن میں دو روایتیں ہیں ایک مثل حنفیہ کے مادون النصف معاف ہے، اور دوسری روایت نصف کی ہے، ففی الروض المربع ۲۲۷ و یجوزی مع الکراہۃ ما باذنہ او قرنہ خرق او شق او قطع اقل من النصف او النصف فقط علی ما نص علیہ فی روایۃ حنبل وغیرہ اھ

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی ان یضج بعضہاء الاذن القرن۔ یعنی مقطوع الاذن اور مکسور القرن، آگے روایت میں ہے قلت لسعید بن المسیب ما الا عصب قال النصف فما فوقہ بظاہر سعید بن المسیب کے کلام کا تعلق اعصاب القرن سے ہے نہ کہ اعصاب الاذن سے اس لئے کہ اذن میں تو تفصیل ہے اور مذاہب مختلف ہیں مگر تقدم قریباً، اور اعصاب القرن یعنی مکسور القرن مطلقاً جائز ہے لہذا النصف فما فوقہ اسی میں جاری ہوگا۔

حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب البقر والجزور عن کم تجزئ؟

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال كنا ننتفع في عهد رسول الله صلى الله تعالى

عليه واله وسلم نذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة الخ۔

جہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ بقرہ ہو یا اونٹ دونوں میں سات سات کی شرکت ہو سکتی ہے، امام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ہذا عند اہل العلم، ثم قال وقال اسحاق یجری ایضا البعیر عن عشرة واحتج بحديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اه، ابن عباس رضي الله تعالى عنهما کی حدیث ترمذی میں اس سے پہلے گزر چکی، ولفظه: كنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في سفر فحضر الاضحية فاشتر كنا في البقرة سبعة وفي البعير عشرة، قال ابو عيسى حدیث ابن عباس حدیث حسن غریب لا يعرفه الا من حدیث فضل بن یونس اه یہ حدیث ابن عباس ابوداؤد میں نہیں ہے باقی سنن ثلاثہ میں ہے اور حدیث جابر بخاری کے علاوہ باقی سب کتب صحاح میں موجود ہے جہور کے نزدیک یہی راجح ہے، اور علامہ شوکانی نے حدیث ابن عباس کو اضحیہ پر محمول کیا ہے اور حدیث جابر کو ہدی پر یعنی بدنہ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے اور اگر وہ ہدی ہے تو صرف سات کی شرکت ہو سکتی ہے والحدیث اخرجه مسلم والنسائی قاله المنذرى۔

باب في الشاة يضحي بها عن جماعة

مسئلة الباب اور حدیث الباب پر کلام قریب میں "باب ما يستحب من الضحایا" کے تحت گزر چکا۔

باب الامام يذبح بالمصلي

وفي الادجز صـ عن المسوي "الذبح في المصلي احسن اظهارا لشعار الدين اه جہور کے نزدیک تو یہ عام ہے اسی لئے امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا۔ باب الاضحية والنحر بالمصلي "لیکن امام ابوداؤد نے اس ترجمہ میں امام کے ساتھ اس کو مقید کیا جو کہ امام مالک کا مسلک ہے، ففی "الابواب والترجم" ج ۳ ص ۶۶ قال ابن بطال: هو سنة للامام خاصة عند مالک، قال مالک انما يضحي بالذبيحة واحدة وليزجوا بعده علی یقین وليتعلوا منه صفة الذبح اه میں کہتا ہوں، اور ہمارے یہاں ابتدائی مباحث میں بھی یہ گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ لوگوں کے لئے قربانی کرنا اس وقت تک جائز نہیں

لہ اور مالکیہ کے مسلک کی تحقیق پہلے گزر چکی کہ ان کے نزدیک شرکت فی الاضحية جائز نہیں۔

جب تک امام قربانی نہ کر چکے۔

وحدیث الباب اخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ بخوہ قالہ المنذری۔

باب حبس لحوم الاضاحی

سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: دف ناس من اهل البادية حَضَوْا الاضاحی

فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مضمون حدیث | مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کے موقع پر کچھ دیہات سے لوگ مدینہ آگئے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قربانی کا گوشت تین دن کے بقدر روک کر باقی کو صدقہ کر دیں پھر جب آئندہ سال قربانی کا زمانہ آیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے منتفع ہوتے تھے اور اس کی چربی کو پگھلا کر رکھ لیتے تھے اور قربانی کے چمڑوں سے شکیزے بناتے تھے، اس پر آپ نے پوچھا، وما ذاک؟ کہ پھر کیا بات ہے (یعنی اب تم کو اس میں کیا اشکال ہو رہا ہے؟) لوگوں نے عرض کیا اس لئے کہ آپ نے لحوم اضاحی کے امساک سے منع فرمادیا تھا کہ تین دن سے زائد نہ روکا جائے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: انما نهیتکم من اجل الداقة التي دفت علیکم، کہ میں نے تو گذشتہ سال دیہات سے آنے والوں کی وجہ سے روکا تھا (یعنی وقتی طور پر، نہ ہمیشہ کے لئے) لہذا قربانی کا گوشت کھاؤ بھی، صدقہ بھی کرو اور ذخیرہ بنا کر بھی رکھو۔

بخاری میں ہے "باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی وما یتردد منھا" قال الحافظ ای من غیر تقیید بثلث ولا نصف ثم قال والتقید بثلاثة ایام اما نسخ واما خاص بسبب اھ۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایک تہائی گوشت کا صدقہ کیا جائے، اور ایک تہائی اقرباء و احباب کی ضیافت کے لئے رکھا جائے اور

ایک ثلث کو اپنے لئے ذخیرہ بنائے، اور ایسا کرنا صرف مستحب ہے، اگر سارا ہی اپنی ضرورت کے لئے رکھ لے تو بھی جائز ہے، و فی "الدر المختار" و ندب ترک التصدق لذی عیال غیر موسع الحال تو سعة علیہم، اور کتب شافعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ لحم اضحیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ ایک دو لقمہ چھوڑ کر باقی سبھی کا صدقہ کیا جائے

(من الابواب والترجم ص ۴)

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی قالہ المنذری۔

باب کی حدیث ثانی میں ہے، "فکلوا وادخروا وابتجروا"۔ یہ لفظ اجر سے ماخوذ ہے جس کو باب افتعال میں لے گئے یعنی الاتجار یعنی اجر و ثواب حاصل کرنا کوئی اس کو تشدید تاکہ ساتھ نہ پڑھے وابتجروا کیونکہ یہ تجارت سے نہیں ہے۔
والحدیث أخرجه النسائي بتمامه، وابن ماجه مختصراً على الاذن في الادخار فوق ثلاث، وأخرج مسلم الفصل الثاني في ذكر الاكل والشرب والذكر، قال المنذري۔

باب في الرفق بالذبيحة

عن شداد بن اوس رضي الله تعالى عنه قال: خصلتان سمعتهما من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الله كتب الاحسان على كل شيء اذ۔

صحابی فرما رہے ہیں کہ دو باتیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں جو اس ضابطہ کے تحت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر یہ بات واجب کی ہے کہ وہ ہر چیز میں احسان کا لحاظ رکھے کہ اس کو حسن و خوبی اور نرمی کیساتھ کرے۔ آگے ان دو خصلتوں کا بیان ہے کہ اگر تم کسی کافر کو قتل بھی کرو تو اس کو اچھے طریقہ سے کرو یعنی مثلہ نہ کرو، اور ایسے ہی جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کو ذبح بھی اچھی طرح کرو، یعنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ کہ ذبح کے بعد فوراً اس کی کھال نہ کھینچو بلکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو۔
والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائي وابن ماجه قال المنذري۔

نهی رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان تصبر البهايمة

شرح الحدیث صبر کے معنی روکنے اور قید کرنے کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جانور کو قاعدہ کے اندر ذبح کیا جائے جو ذبح کا طریقہ ہے، اور صبر بہائم یہ ہے کہ کسی جانور مثلاً کسی مرغی کو باندھ جوڑ کر اس کو سامنے بٹھا کر اس کو تیر کا نشانہ بنایا جائے، اور جس جانور کے ساتھ ایسا کیا جائے اس کو مصبورہ اور مجثمہ بھی کہا جاتا ہے، چونکہ یہ ذبح ذبح شرعی نہیں ہے اس طرح وہ جانور حلال بھی نہیں ہوتا حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ کتاب الاطعمہ میں آئے گا۔
والحدیث أخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه قال المنذري۔

باب في المسافر يضحى

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اضحیہ کی سنیت سب لوگوں کے حق میں ہے مقیم ہو یا مسافر، امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ مقیم و مسافر سب کے حق میں سنت مؤکدہ ہے الا الحجاج بمنى فانهم لا يضحية عليهم وسنتهم الهدى (الکافی لابن عبد البر)

له وفيه وقال مالک: الصدقة بمنى الضحية بمنى احب الى اه

اور حنفیہ کے نزدیک مسافر کے حق میں قربانی واجب نہیں ہے صرف مقیم کے حق میں واجب ہے۔
 حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جس قربانی کا ذکر ہے بظاہر یہ سفر حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔
 بذل میں ہے "فاضحیۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمولۃ عندنا علی التطوع اھ
 والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قال المنذری

باب فی ذبائح اهل الكتاب

اہل کتاب کے ذبیحہ کی اباحت پر ابن قدامہ نے مغنی میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے، البتہ اہل کتاب کے صید میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے تو اس میں بھی اباحت ہی کی ہے البتہ امام مالک کا اس میں ابن قدامہ نے اختلاف لکھا ہے
 ولفظ: الا ان مالکاً اباح ذبائحهم وحرم صيدهم، ولا يصح لان صيدهم من طعامهم فيدخل في عموم الآية اھ (تراجم ۲۵)
 قلت: قال الدردير: لا كافر ولو كذباً فلا يוכל صيده ولو سمي الله عليه لان الصيد رخصة والكافر ليس من اهلها اھ لیکن
 کتاب الکافی لابن عبد البر میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک صید اہل کتاب مکروہ ہے حرام نہیں، بقول الشرح وجل
 "بتأله ايدىكم ورماحكم، یعنی اہل الایمان، وهو عند جمهور اهل العلم مثل ذبائحهم اھ۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى "وان الشياطين ليوحون الى اوليائهم خذوا
 یعنی شیاطین کفار کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم اللہ کے ذبیحہ کو تو کھاتے نہیں۔ اللہ کے ذبیحہ سے مراد
 وہ جانور جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دیدی ہو یعنی میت۔ اور اپنے ذبیحہ کو تم حلال سمجھتے ہو اور کھاتے ہو یعنی یہ کیسی
 بے انصافی ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ولاتاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه" یعنی اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان
 کا ذبیحہ محض اس وجہ سے حلال نہیں ہے کہ وہ انسان کا ذبیحہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا
 گیا ہے، بخلاف ما ذبح اللہ کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔
 والحدیث اخرجه ابن ماجه قال المنذری۔

باب ما جاء في اكل معاقرۃ الاعراب

معاقرۃ بمعنی ذبح، لیکن یہاں پر یہ مصدر بمعنی مفعول ہے ای ما عاقره الاعراب۔
 نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معاقرۃ الاعراب۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گا دیوں اور جانوروں کے ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے
 اس سے مراد وہ قربانی ہے جو بطور فخر و ریاء اور دوسروں کے مقابلہ کے لئے کی جائے، فقہار نے لکھا،

شرح الحدیث

وذلك كل طعام صنع رياراً ومفاخرةً، یعنی جو قربانی یا کھانا صرف نام و نمود کے لئے کیا جائے اس کا کھانا ممنوع ہے۔
فائدہ: اسی قسم کی ایک اور حدیث کتاب الجنازہ باب کراہیۃ الذبح عند القبر میں آرہی ہے قال رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا عقرب فی الاسلام، اس حدیث کے معنی دوسرے ہیں جیسا کہ ترجمۃ الباب سے معلوم
ہو رہا ہے چنانچہ وہاں متن میں آرہا ہے کا لا یعقرون عند القبر بقرۃ او بشی، یعنی زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے
کسی سخی کی قبر پر اونٹ وغیرہ کوئی جانور ذبح کیا کرتے تھے، بعض تو اس خیال سے کہ شیخ اپنی زندگی میں مہمان نوازی
کیا کرتا تھا ہم اس کے بدلہ میں اس کی قبر پر اس کی طرف سے یہ ذبح کر رہے ہیں تاکہ اس کو درندہ اور پرندہ کھائیں
اور بعض اس خیال سے ایسا کرتے تھے تاکہ جو جانور اس کی قبر پر ذبح کیا جا رہا ہے وہ قبر سے اٹھنے کے وقت اس کی
سواری بنے، کیونکہ بعض کفار بعث کے قائل تھے۔

باب الذبیحة بالمروۃ

مروہ سے مراد الحجر المحمدی یعنی دھاردار پتھر جو چھری کی طرح کام کرتا ہو، اور غرض مصنف کی یہ ہے کہ ہر دھاردار
چیز سے ذبح کرنا جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے جائز ہے، خاص چھری ہی کا ہونا اس کے لئے ضروری نہیں جیسا
کہ حدیث میں آرہا ہے۔

فقلت یا رسول اللہ! انا تلقی العدو غدّاً وليس معنا مدی، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
والہ وسلم ارنّ او ارجل.

شرح الحدیث ارن کے ضبط میں شدید اختلاف ہے اور مختلف اقوال ہیں (۱) ارن بکسر الراء علی وزن اطع ای
اھلکنا ذبحاً، یعنی ذبح کر اور مار ڈال اس کو (یعنی ہر دھاردار چیز سے) (۲) کہا گیا ہے کہ
مخیر یہ ہے کہ یہ لفظ ارن ہے من ارن یا ارن من باب سمع جس کے معنی ہیں ارجل اور مطلب یہ ہے کہ کسی بھی دھاردار
چیز سے، اس کو ذبح کر دے اور ذبح کرنے میں جلدی کر اس لئے کہ لوہے کے علاوہ کسی دوسری دھاردار چیز سے
یہ خطرہ رہتا ہے کہ تمام رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی کہیں وہ مر نہ جائے، اس لئے فرمایا کہ ذبح کرنے میں جلدی کر، اسکے
علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مضمون حدیث یہ ہے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آئندہ
کل سفر جہاد میں جارہے ہیں (اور ہمارے ساتھ گوتلواریں ہیں لیکن ان کو تو ذبح میں استعمال کرنا مناسب نہیں)
اور ہمارے پاس چھریاں ہیں ہمیں تو اگر ذبح کی ذہبت آئے تو کس چیز سے ذبح کریں، تو آپ نے فرمایا کہ جو آلہ بھی
جانور کا خون بہا دے اس حال میں کہ خون بہا تے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو تم اس کو کھاؤ، پھر آگے
آپ نے ایک استثناء فرمایا کہ وہ خون بہانے والی چیز دانت اور ناخن کے علاوہ ہونی چاہیے اور آگے آپ نے اس کی

وجہ بیان فرمائی کہ دانت سے تو اس لئے نہیں کہ وہ بڑی ہے، اور ناخون کے بارے میں فرمایا۔ کہ وہ حبشیوں کی چھری ہے، سن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ بڑی ہے اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں عظم سے ذبح نہ کرو اس لئے کہ وہ خون سے نجس ہو جائے گی اور حال یہ کہ تم کو تجیس عظم سے منع کیا گیا ہے لہذا زاد اخوانہ من الجن، اور ظفر سے منع کرنے کی وجہ آپ نے بیان فرمائی کہ وہ اہل حبشہ کی چھری ہے لہذا اس سے ذبح کرنے میں تشبہ بکفار الحبشہ ہے۔

آلہ ذبح کیسا ہونا چاہیے اس میں مذاہب ائمہ

آلہ ذبح کیا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں اوجز المسالک ج ۴ ص ۱۱۱ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے: ابن رشد مالکی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو چیز حیوان کا خون بہادے اور اوداج (گلے کی رگیں) قطع کر دے

خواہ وہ حدید ہو یا پتھر یا کچھ اور اس کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے، لیکن تین چیزوں میں علماء کا اختلاف ہے، سن اور ظفر اور عظم (یعنی سن کے علاوہ دوسری بڑی) پھر آگے لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے مذہب میں اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ذبح بالعظم جائز ہے اذا انبر الدم، البتہ سن اور ظفر ان دو میں مالکیہ کا اختلاف ہے جس میں تین قول ہیں۔

المنع مطلقاً الفرق بین الانفصال والاتصال اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف کراہیت ہے نہ کہ منع، اور ابن قدامہ نے حنابلہ کا مذہب سن اور ظفر کے بارے میں صرف عدم جواز لکھا ہے مطلقاً بمنزوع ہوں یا غیر منزوع، اور مطلق عظم (غیر السن) کے بارے میں امام احمد کے دو قول لکھے ہیں، اباحت اور عدم اباحت، اور انہوں نے اباحت کو ترجیح دی ہے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں والاول اصح ان شاء اللہ تعالیٰ لان العظم دخل فی عموم اللفظ المبیح ثم استثنی السن والظفر خاصۃ فیبقی سائر العظام داخلۃ فیما یباح الذبح بہ اھ اور شافعیہ کا مسلک شرح اقناع وغیرہ میں ان تین (السن والظفر ومطلق العظم) کے بارے میں مطلقاً عدم جواز لکھا ہے اتصال والنفصال کے فرق کے بغیر پھر آگے لکھا ہے کہ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذبح بالعظام سے نہی تعبدی ہے جیسا کہ ابن الصلاح وغیرہ کی رائے ہے یا غیر تعبدی یعنی معلل والیہ مال نووی

یعنی تجیس عظم جو کہ ممنوع ہے، اور حنفیہ کا مذہب جیسا کہ مشہور ہے الفرق بین الاتصال والنفصال یعنی ظفر اور سن اگر بدن سے متصل ہے تب ذبح ناجائز ہے اور اگر منفصل ہو تو جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں، وفی البدایہ، ومارواہ (الشافعی) محمول علی غیر المنزوع فان الحبشہ کا لا یفعلون ذلک، ولانہ آلہ جارحہ فیحصل بہ

ما هو المقصود و هو اخراج الدم، بخلاف غیر المنزوع لانه یقتل بالشغل فیکون فی معنی المنخفة (ملخصاً من الادجز ضحیٰ)

آگے حدیث میں ہے، وقد قدم سرعان من الناس فتعجلوا فاصابوا من الغنائم الخ۔

شرح الحدیث | یعنی بعض جلد باز قسم کے لوگوں نے مال غنیمت میں سے قبل تقسیم بعض بکریاں وغیرہ ذبح کر کے کھانے کے لئے ہانڈیاں چڑھا دیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیچھے کی طرف تھے جب آپ کا

گذران ہانڈیوں پر ہوا تو آپ نے ان کو اونڈھا کر دینے کا حکم دیدیا تاکہ کوئی کھانہ سکے۔

مال غنیمت سے انتفاع قبل التقسیم طعام کے اندر جائز ہے جس کی تفصیل کتاب الجہاد کے ابواب میں گذر گئی اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

پھر آگے حدیث میں ہے وقسم بینہم فعدل بعیرا بعشر شیاہ۔ یعنی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا، اس سے بعض علماء جیسے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ایک اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، لیکن یہ استدلال بس ایسا ہی ہے، حافظ فرماتے ہیں ولعلہ کانت قیمة الغنم اذ ذاک کذلک، یعنی ہو سکتا ہے اس زمانہ میں بازار میں دس بکریاں ایک اونٹ کی قیمت کے برابر ہوتی ہوں آگے حدیث میں ہے وسد بعیر من ابل القوم ولم یکن معہم خیل فرماہ رجل بسہم الخ۔ یعنی اس سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اونٹوں میں سے ایک اونٹ بگڑ گیا اور متوحش ہو کر بھاگنے لگا اور قابو سے باہر ہو گیا تو ایک شخص نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو شکار کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کے اس کے تیر مارا جس سے وہ پھٹ گیا اور قبضہ میں آ گیا، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ان لہذا البہائم اابد کا وابد الوحش کہ بیشک ہمارے ان مانوس جانوروں میں بعض وحشی جانوروں کی طرح متوحش ہو جاتے ہیں پس اگر کوئی جانور اس طرح ہو جائے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جائز ہے، یعنی اس قسم کا جانور شکار کے حکم میں ہو جاتا ہے اور جس طرح شکار کرنے کا شریعت میں طریقہ ہے اس کو ایسے جانور میں اختیار کرنا جائز ہے۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن رجل من بنی حارثۃ انه کان یرعی لقطۃ بشعب من شعاب احد فاخذھا الموت الخ۔ یعنی ایک شخص اپنی اونٹنی کو جبل احد کی کسی گھاٹی میں چروا رہا تھا اسی اثنائے میں وہ اونٹنی قریب المرگ ہو گئی اس شخص نے اس کا خر کرنا چاہا مگر کوئی چیز نہ ملی سوائے لوبہ کی ایک سیخ کے جس کو اس نے اس کے سینہ میں گھسا دیا جس سے اس کا خون بہہ گیا اور پھر آکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی ایدبح بالمرۃ وشقۃ العصا مڑوہ دھاردار پتھر اور شقۃ العصا کسی لکڑی کا دھاردار ٹکڑا اور حصہ۔

وحديث عدي بن حاتم هذا اخرجه النسائي وابن ماجه قاله المنذري۔

باب ماجاء في ذبيحة المتردية

عن ابی العشر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یا رسول اللہ اما تکتون الذکاة الامن

اللبۃ والخلق الخ

شرح الحدیث | ابو العشر اور ان کے باپ کے نام میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بذل الجہود میں ہے، نیز ابو العشر

کے اپنے باپ سے سماع میں بھی اختلاف ہے، امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں ہذا حدیث غریب لانعرفہ الامن حدیث حماد بن سلمہ ولا نعرف لانی العشر عن ابیہ غیر ہذا الحدیث واختلفوا فی اسم ابی العشر فقال بعضهم اسمہ اسماء بن قہطم ویقال یسار بن بکر ویقال ابن بلز، ویقال اسمہ عطاء، نسب الی جدہ اہ، اور مسند احمد میں ہے الا فی الحلق واللبۃ ان صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا زکوٰۃ شرعی حلق اولیہ ہی کے ساتھ خاص ہے؟ (حلق کا تعلق تو ذبح سے ہے اور لبہ کا خمر سے جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الحج میں گذر چکا، لبہ سینہ کا بالائی حصہ (موضع القلادۃ من الصدر اور حلق تو معروف ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ اگر جانور کی ران میں بھی جرح کر دیا جائے تو کافی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذکاۃ شرعی کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری دوسری اضطراری، اختیاری تو وہ ہے جو مانوس اور مقبوض جانوروں میں ہوتی ہے، یہ تو حلق اور لبہ ہی کے ساتھ خاص ہے، اور دوسری قسم یعنی ذکاۃ اضطراری متوحش اور غیر مانوس جانوروں میں ہوتی ہے، یعنی شکار میں یہ حلق اور لبہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بدن کے کسی بھی حصہ میں جرح کر دینا، یہاں حدیث میں سائل کا سوال ذکاۃ اختیاری سے تعلق تھا جو لبہ اور حلق ہی کے ساتھ خاص ہے اسی لئے امام ابوداؤد اس حدیث کی تشریح اور تاویل میں فرما رہے ہیں: قال ابوداؤد! لایصلحہ ہذا الا فی المتدیۃ والمتوحش، متوحش سے مراد تو وہی جانور ہے جسکا ذکر و تذکرہ عن اہل القوم میں گذر چکا، اور متردیہ سے مراد وہ مانوس اور مقبوض جانور ہے جو اوپر سے کسی نیچے جگہ میں گر جائے مثلاً کنویں میں، اور اس قسم کے جانور کا حکم جو کنویں میں گر جائے ظاہر ہے کہ اس میں ذکاۃ اختیاری کا جو طریقہ ہے وہ نہیں ہو سکتا، تو مصنف فرما رہے ہیں کہ حدیث الباب کا محمل یہی مجبوری والی شکل ہے، اسلئے کہ اگر وہاں بھی ذکاۃ اختیاری کو ضروری قرار دیا جائے تو ہو سکتا ہے وہ جانور اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی مر جائے، ہمارے فقہاء نے بھی ایسی مجبوری کی صورت میں اس کا حل یہی لکھا ہے امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ہی تاویل ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں قال یزید بن ہارون ہذا فی الضرۃ اہ۔

فائدہ:- حضرت سہارنپوری نے بذل الجہود میں مصنف کی اس تاویل پر ایک نقد فرمایا ہے جو بظاہر اصول اور قواعد کے مطابق ہے لیکن مصنف جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کی تصریح ہدایہ میں موجود ہے، لہذا مصنف کی تاویل اپنی جگہ درست ہے یتلہ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

علہ اس کی پوری تفصیل کتاب الصيد میں آرہی ہے ۱۲ علیہ میری ایک یادداشت میں اس طرح نکلا کہ مصنف کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ذکاۃ اضطراریہ پر محمول ہے نہ اختیاریہ پر، اور مصنف نے اس کے دو فرد بیان کئے ایک متوحش کا تقدم ان لہذہ البہائم و اوابد کا وابد الوحش الخ، اور ایک متردیہ، اول میں تو کوئی اشکال نہیں خود حدیث میں اس کی تصریح ہے، لیکن متردیہ پر محمول کرنا۔

باب فی المبالغة فی الذبح

یعنی جانور کو اچھی طرح ذبح کرنا ضروری ہے ویسے ہی معمولی سا شتر مار دیا جس سے وہ جانور آہستہ آہستہ خون بہہ کر ختم ہو جائے یہ معتبر نہیں۔

حقیقۃ الذبح بذل میں ترجمۃ الباب کے ذیل میں لکھا ہے حتی یقطع الحلقوم والمرئی والودجان یعنی کامل ذبح یہ ہے کہ ان تینوں رگوں کا قطع ہو جائے، حلقوم کہتے ہیں مجری النفس کو (سانس کی نالی) اور مرئی کہتے ہیں طعام و شراب کی نالی کو، اور وُدجان خون کی دو رگیں فی الہدایۃ ج ۴ ص ۵۵: والعروق الی تقطع فی الذکاة اربعة الحلقوم والمرئی والودجان لقولہ علیہ السلام افزی الادراج بما شئت وھی اسم جمع واقلہ الثلاث فیتناول المرئی والودجین، پھر آگے ہدایہ میں اس مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے ان چاروں کا قطع ضروری ہے یا اکثر کا قطع کرنا کافی ہے؟ اس پر انہوں نے مدلل بالتفصیل کلام فرمایا ہے اور دوسرے ائمہ کا بھی اختلاف لکھا ہے فان رجع الیہ لوشئت۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن شریطة الشیطان۔

شرح الحدیث یعنی آپ نے اس ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے جس کو ناقص طور پر ذبح کیا گیا ہو۔

یہ لفظ ماخوذ ہے شرط الحجام سے حجام یعنی پچھنے لگانے والا جس جگہ پچھنے لگاتا ہے اس جگہ کو پہلے مشرط (نشر) لگا کر زخمی کرتا ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ معمولی سا قطع کرنا جائز نہیں، اس سے وہ جانور حلال نہیں ہوتا زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا ہی کرتے تھے کہ حلق کے بعض حصہ کو قطع کر کے اس جانور کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جاتا تھا، حدیث میں اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب اسلئے کیا ہے کہ ایسی حرکت پر انسان کو وہی ابھارتا ہے، اس حدیث کی شرح خود متن میں بھی موجود ہے وہی الی تنذخ فی قطع الجلد الخ۔

→ مفید نہیں اس لئے کہ متردید کو قرآن کریم میں میت کی جگہ میں رکھا ہے اگرچہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ تردی کے بعد مطلق جرح کافی ہے یعنی ذکاة اضطراری لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر حدیث کو ذکاة اضطراریہ پر محمول کر لیں، تب بھی درست نہیں اسلئے کہ اس صورت میں اس متردید کی موت کے دو سبب جمع ہو جائیں گے ایک تردی اور ایک جرح، جرح تو ذکاة اضطراری میں صحیح ہے لیکن تردی بھی چونکہ سبب موت ہے اور یہاں وہ موجود ہے اور ذکاة اضطراریہ میں اگر دو سبب جمع ہو جائیں جن میں ایک سبب ایسا ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا تو پھر ایسا کیا ہوا شکار جائز نہیں ہوتا، یہی اشکال حضرت نے بذل میں فرمایا ہے حضرت کا یہ اشکال اور تحقیق اصول وقواعد کے مطابق معلوم ہوتی ہے لیکن متردید کی جو شکل مصنف نے لکھی ہے اس کے بارے میں جرنیہ ہدایہ رابع میں مصرح ہے اور اس کو جائز لکھا ہے فلما اشکال فی توجیہ المصنف فتدبر وتشکر، نہنی علی تلک الجزئیۃ بعض الطلبة فی اثناء اندرس جزاء اللہ تعالیٰ فیہ۔

باب ماجاء في ذكاة الجنين

عن ابی سعید قال سالت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن الجنين الخ..... فان ذكاته ذكاة امه.

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہم بعض مرتبہ جس جانور کو ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے اس کا ہم کیا کریں اس کو کھائیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا کہ کھا سکتے ہو اس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح خود اس کا ذبح ہے، یعنی وہ بچہ ذبح میں ماں کے ذبح کے تابع ہے لہذا اس کے مستقل ذبح کی حاجت نہیں اور یہ جو حکم حدیث میں مذکور ہے اس صورت میں ہے جبکہ وہ جنین مردہ ہو، اور اگر وہ زندہ نکلے اس صورت میں یہ حکم نہیں، اس صورت میں اس کے حلال ہونے کے لئے بالاتفاق ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور صاحبین کا عمل ہے امام ابو حنیفہ کی رائے یہ نہیں ہے نفی الہدایۃ: ومن خرقاۃ اود ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعر اولم یشر، وهذا عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وهو قول زفر والحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اذا تم خلقته اکل وهو قول الشافعی لقوله علیہ السلام ذكاة الجنین ذكاة امه الى آخره وفی ہامشہ: وقال الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطاہ: فاما ابو حنیفہ فکان یکرہ اكله حتی یخرج حیاً فیذک دکان یرد عن حماد عن ابراہیم انه قال لا تكون ذكاة نفس ذكاة نفسین۔

الجواب عن الامام ابی حنیفہ | حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مقصود تشبیہ ہے ای ذكاة الجنین کذكاة امه، اور تشبیہ کبھی حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ بھی ہوتی ہے کافی قولہ تعالیٰ: وجنتہ عرضہا السموات والارض، ای عرضہا كعرض السموات والارض، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو کہا گیا ہے کہ ایک روایت اس حدیث میں ذكاة کے بصب کیساتھ بھی ہے ذكاة الجنین ذكاة امه، اور یہ منصوب بنزع الخافض ہے کافی قولہ تعالیٰ: وصی تمرمر السحاب۔

نیز امام صاحب کی طرف سے کہا گیا ہے کہ جنین میتہ جس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پہلے ہی سے اپنی ماں کے پیٹ میں میتہ ہو گا تب تو اس کی حرمت ظاہر ہی ہے، اور یا ماں کے ذبح کے بعد اس پر موت واقع ہوئی ہوگی اختناق یعنی سانس رکنے کی وجہ سے، لہذا اس صورت میں وہ مخففہ ہوا، یعنی ایک صورت میں میتہ اور ایک صورت میں مخففہ وکلاہما حرامان بنص القرآن، نیز کہا گیا ہے کہ اگر حدیث سے مقصود تشبیہ نہ ہو تو بلکہ بیان حکم اور نہایت ہوتا تو پھر اس کے لئے تعبیر اس طرح ہونی چاہیے تھی ذكاة ام الجنین ذکاته۔ والحدیث أخرجه ترمذی وابن جریر اللہ

باب اللحم لا یدری اذکر اسم اللہ علیہ ام لا

ولم یذکر عن حماد و مالک عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

شرح السند | لفظ "عن عائشة" ترکیب میں تم یہ ذکر "کا مفعول بہ ہے مصنف کے اس حدیث میں تین استاد ہیں، موسیٰ اور القعنی تیسرے یوسف، لہذا مطلب یہ ہوا مصنف فرما رہے ہیں میرے استاد موسیٰ نے حماد سے اور قعنی نے اپنے استاد مالک سے اس سند میں لفظ "عن عائشة" ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف تیسرے استاد یعنی یوسف بن موسیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے، لہذا پہلے دو کی روایت مرسل ہوئی اور یہ دوسری موصول۔

مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بعض صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض نو مسلم لوگ ہمارے پاس ذبیحہ کا گوشت لاتے ہیں جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں تو کیا ہم اس کو کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ یعنی جو کھانے کا مسنون طریقہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے وہ کرو، یعنی ان نو مسلموں کے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کرتے ہوئے اس کو کھالینا چاہیے، اور یہ مطلب نہیں کہ تسمیہ عند الاکل - تسمیہ عند الذبح کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ قاله المنذری۔

باب فی العتیرۃ

فرع و عتیرہ کی بحث مع مذاہب ائمہ | عتیرہ کا ذکر کتاب الضحایا کی سب سے پہلی حدیث میں بھی گذر چکا، اور اس آئے والے باب کا حوالہ بھی، عتیرہ اس قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے پہلے عشرہ میں کی جاتی تھی کا تقدم فی اول الکتاب، امام ابوداؤد نے تو یہاں صرف ایک ہی باب (عتیرہ پر) قائم کیا ہے اور امام بخاری نے عتیرہ اور فرع دونوں پر الگ الگ باب قائم کئے ہیں اور دونوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع لافزع ولا عتیرہ ذکر فرمائی ہے، روایات میں دونوں ہی کے بارے میں اختلاف ہے نفیاً و اثباتاً، چنانچہ کتاب کے شروع میں جو حدیث گذری ہے اس میں عتیرہ کا جواز مذکور ہے اور یہاں حدیث الباب میں اس کی نفی مذکور ہے، صحیحین میں تو دونوں کی نفی اور عدم جواز مذکور ہے، البتہ سنن کی روایات اس میں مختلف ہیں، چنانچہ عتیرہ کے بارے میں تو بھی اختلاف گذر چکا اور فرع کے بارے میں اس باب کی پہلی حدیث میں تو اس کا اثبات مذکور ہے فی کل سائمتہ فرزع۔ اور باب کی دوسری حدیث میں اس کی نفی ہے لافزع ولا عتیرہ اسی طرح آگے باب الحقیقہ میں ایک حدیث میں آ رہا ہے والفرع حق جمہور علماء و ائمہ ثلاث کے نزدیک تو یہ دونوں ہی منسوخ ہیں البتہ حضرت امام شافعی اور بعض

دوسرے علماء کے نزدیک یہ دونوں اب بھی مستحب ہیں جیسا کہ امام نووی نے امام شافعی سے انکے استحب کی تصریح نقل کی ہے۔
یہ پہلے گزر چکا کہ جمہور کا عمل تو حدیث صحیحین لافرع ولا عتیرہ پر ہے اور وہ ان دونوں کو منسوخ مانتے ہیں اور حضرت
امام شافعی نے اثبات اور نفی کی روایات میں دفع تعارض ایسے فرمایا ہے کہ نفی کو محمول کیا ہے نفی وجوب پر اور اثبات کی
روایت کو استحباب پر۔

فرع کی تفسیر میں اقوال | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ عتیرہ کی تفسیر تو اوپر گزر چکی اور فرع کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں۔
(۱) کسی دابہ کا پہلا بچہ (جینٹھا) جس کو مشرکین اصنام کے نام پر ذبح کرتے تھے خیر و برکت
کے لئے اور ابتداء اسلام میں اس کو اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کیا جاتا تھا، دوسرا فرق یہ تھا کہ مشرکین تو اس کو پیدائش کے بعد
شروع ہی میں ذبح کرتے تھے اور ابتداء اسلام میں بڑا ہونے کے بعد جیسا کہ آگے الوداؤد کی ایک روایت مرفوعہ میں اس
کا ذکر آ رہا ہے (۲) پورے گلے میں سے جو نسا جائز پہلے بیائے اس کا بچہ، خواہ فی نفسہ وہ اس کا پہلا نہ ہو، (۳) آدمی کی
ملک میں بکری ہو یا اونٹ، سو کاغذ پورا ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو (۴) ہر پچاس بکریوں میں سے ایک بکری کما فی الحدیث
الآتی من کل خمسين شاة شاة۔

فی کل سائمة فرع تغذوه ماشيتك حتى اذا استحصل للحبيج ذبحة فتصدق بلمحه۔
فرع کے بارے میں جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ زمانہ جاہلیت میں اس بچہ کو پہلے ہی دن ذبح کر دیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں فرما رہے ہیں کہ فرع تو برحق ہے لیکن پہلے ہی دن ذبح کرنے کی بات غلط ہے بلکہ تم
کو چاہیئے کہ جب وہ تمہارا اپنا جائز ہے تو اس کو پالو پرورش کرو، جب وہ بڑا ہو جائے سواری کے قابل ہو جائے
تب اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو صدقہ کرو، اور اسی طرح کی ہدایت آپ کی جانب سے آگے ایک روایت میں آ رہی
ہے (جس کا حوالہ اوپر گزر چکا) والفرع حتى وان تتنكوه حتى يكون بكرا شحزباً ابن مخاض وابن لبون
اس کا ترجمہ یہ ہے: اور یہ بات کہ تم اس بچہ کو چھوڑے رکھو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، اور پھر اس کو تم کسی مسکین
عورت کو عطا کر دیا جہاد میں اس کو استعمال کرو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تو پیدا ہونے کے بعد فوراً اس کو ذبح کرے
اور اس کا گوشت اس کی کھال اور اون ہی کو لگا رہ جائے اور تو اپنے دودھ کے برتن کو اوندھا کرے، اور تو اس بچہ کی

لہ فی ہامش البذل: وعند المنايلة لا یسن ولا یکرہ والمراد بالنفی عندہم نفی السنیۃ کما جزم فی "الروض المرید"
لہ جیسا کہ آگے راوی کے کلام میں آ رہا ہے وکم النساء؟ قال: منہ، اور اسی طرح کتاب الطہارۃ میں باب فی الاستنثار میں جو حدیث طویل
گذری ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے وفیر قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تحسبن انامن ابلک ذبحنا، لنا غنم منہ لا نرید
ان نزید فاذا ولد الراعی بہمہ ذبحنا کما ہنا شاة الحدیث۔

ماں کو دکھ پہنچاتے دودھ کے برتن کو اوندھا کرنے کا مطلب ظاہر ہے کہ جب اونٹنی کے بچہ کو بچپن ہی میں ذبح کر دیا جائے گا تو پھر وہ اونٹنی بغیر اپنے بچہ کے دودھ کیسے دے سکتی ہے۔

حدیث نبیشتہ اخرجه النسائی وابن ماجہ، وحديث ابی ہریرۃ اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی العقیقۃ

صحیح بخاری کا عنوان ”کتاب العقیقۃ“ ہے جس کو انہوں نے کتاب الاطعمۃ کے بعد مستصلاً ذکر کیا ہے، باب الفرع والعیرۃ سے پہلے، اور اس میں امام بخاری نے صرف دو باب قائم کئے ہیں۔ ”باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنه وتحنیکہ“ اور دوسرا باب اطعمۃ الماذی عن الصبی فی العقیقۃ جس میں یہ حدیث ذکر کی ہے، مع الغلام عقیقۃ فاهر یقوا عنه دماً وامیطوا عنه الماذی۔

عقیقۃ متعلق بعض ضروری مباحث | عقیقۃ ”عق“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شق اور قطع کے آتے ہیں، عقیقۃ کا اطلاق مولود کے سر کے بالوں پر بھی ہوتا ہے جن کو قطع کیا جاتا ہے، اور اس ذبیحہ پر بھی۔

عقیقۃ ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھے لیکن وہ لوگ یہ کرتے تھے کہ ذبیحہ کے خون کو مولود کے سر پر ملتے تھے، اسلام میں اصل عقیقۃ کو تو باقی رکھا گیا لیکن دوسری خصلت یعنی اللطخ بالدم سے منع کر دیا گیا اور اس کے بجائے زعفران استعمال کیا گیا، یہ مضمون باب کی آخری حدیث میں آ رہا ہے۔

آج زمیں میں کتاب العقیقۃ کے شروع میں دس بحثیں ذکر کی ہیں جن کا ذکر مجملۃ حاشیہ لامع اور الابواب والترجمہ میں آیا ہے۔ بحث اول تو لغوی تحقیق میں ہے اور دوسری بحث اس کے حکم میں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیقۃ ظاہر یہ کہ نزدیک واجب ہے وھو روایۃ عن احمد واھسن، اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور امام مالک کے نزدیک مستحب ہے کما فی الموطا وکلام الدرر دیر اور حنفیہ کی اس بارے میں تین روایات ہیں، اول یہ کہ مستحب ہے وھو المعروف فی فروغہم، دوسری یہ کہ مباح ہے، اور تیسری روایت یہ ہے کہ انھما بدعت و نسب الی الامام، وانکر الانساب العلمۃ العینی، صحیح عند احنفیہ یہی ہے کہ عقیقۃ مستحب ہے البتہ صاحب بدائع کی رائے اس کے خلاف ہے انہوں نے اس کو منسوخ اور مکروہ قرار دیا ہے، موطا میں امام محمدؒ نے بھی نسخ ہی لکھا ہے لیکن اس کے حشی نے اس پر تعقب کرتے ہوئے تفصیلی کلام کیا ہے، اور کتب شافعیہ میں یہ بھی ہے کہ عقیقۃ امت کے حق میں تو مستحب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں واجب۔

ایک بحث ان مباحث میں سے یہ ہے کہ عقیقۃ میں غلام اور جاریہ دونوں کا حکم یکساں ہے یا اس میں فرق ہے؟

جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے یہ ہے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں تصریح ہے کہ غلام کی طرف سے شاتین اور لڑکی کی طرف سے شاة واحدہ، اور امام مالک کی رائے اس میں یہ ہے کہ دونوں کے لئے ایک ایک بکری ہے چنانچہ انہوں نے مؤطا میں حضرت ابن عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ کان یعق عن ولدہ بشاة بشاة للذکور والانات اور التلیق المجد میں یہ ہے کہ جمہور کا مسلک یعنی عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد طرق سے ثابت ہے، البتہ آپ کے فعل میں روایات مختلف ہیں یعنی حضرات حسنین کے بارے میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں بعض روایات میں "کبشا کبشا" ہے اور بعض میں "کبشین کبشین" چنانچہ ترمذی میں ہے عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بشاة الحدیث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن غریب، وفي البذل عن الحافظ: واحتج مالک بما جاء ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عقی عن الحسن والحسين کبشا کبشا ولا حجة فيه فقد اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلفظ کبشین کبشین اھ میں کہتا ہوں اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کبشین کبشین والی نسائی میں بھی ہے اور بعض کتب مالکیہ میں جیسے ارشاد السالک اس طرح ہے العقیقة ذبح شاة اور پھر آگے سے والا فضل عن الذکر بشاتین یعنی اولی ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ لڑکے کی طرف سے شاتین کی جائیں اور ابن رشد مالکی کا میلان بھی اسی طرف ہے کافی الاوجز۔

عن ام کریم الکعبیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول عن الغلام شاتان مکانتان وعن الجارية شاة۔

امام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ وروی عن النسبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایضاً انه عقی عن الحسن بن علی بشاة اھ

شرح الحدیث یعنی لڑکے کی طرف سے عقیقہ دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری مکانتان کی تخریج میں مختلف قول ہیں، تقریباً تین قول ہیں (۱) ایسی دو بکریاں جو آپس میں عمر میں برابر ہوں (چھوٹی بڑی نہ ہوں) حکاہ المصنف عن الامام احمد (۲) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں ان بکریوں کے جو اٹھیہ میں کیجانی ہیں یعنی عمر کے اعتبار سے اس سے کم نہ ہوں، قالہ الزمخشري (۳) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں باعتبار ذبح کے یعنی دونوں کو ایک ساتھ ذبح کیا جائے، یہ نہ ہو کہ ایک کو مثلاً صبح کے وقت ذبح کیا اور دوسری کو شام کے وقت روی ذلک عن زی بن اسلم ہذا ما فهمت من الشروح۔ والحدیث اخرجہ النسائی قالہ الشیخ محمد عوامہ۔

عن ام کریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اقرؤا الطیر علی مکنتہا مکنت۔ کو کئی طرح ضبط کیا گیا ہے فتح میم اور کسر کاف، اور دونوں کاف فتح، اس صورت میں اس کے معنی لکھے ہیں۔ بیضیہ، فتح میم اور ضم کاف اس کی تفسیر کی گئی ہے اما کن کے ساتھ، لہذا پہلی صورت میں حدیث کے

معنی ہوں گے کہ پرندوں کو ان کے بیضوں پر بیٹھا رہنے دو اور برقرار رکھو اور دوسری صورت میں پرندوں کو بیٹھا رہنے دو ان کے اشیانوں میں، اب یہ کہ آپ کی غرض اس سے کیا ہے فقیل الغرض المنع عن زجر الطیر وتفرغها من اماکنها اذ فیہ ائذرا لیلوان، یعنی خواہ مخواہ بلا وجہ پرندوں کو پریشان مت کرو ان کو چھڑ کر، وقیل الغرض المنع عن الصيد لیلان اللیل وقت راحتہا، یعنی رات میں پرندوں کا شکار نہ کیا جائے، رات ان کی راحت کا وقت ہے اگر شکار کرنا ہے تو دن میں کرو، وقیل الغرض المنع عن الطیرۃ یعنی اچھی بری فال نکالنے کے لئے ان کو ان کی جگہ سے مت اڑاؤ، اذلا طیرۃ فی الاسلام لایضی کھا اذ کنا ناک ام انا ثا، یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں نہ ہوں یا مادہ، والمحدث عزاه المزی فی التحف الی النسائی وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد عوامہ۔

قال ابوداؤد: هذا هو الحديث وحديث سننیان وھم، سفیان کے طریق میں عبید اللہ کے بعد عن ابیہ کی زیادتی ہے جو کہ حماد کی روایت میں نہیں ہے، مصنف اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ زیادتی وہم ہے۔
والحدیث اخرجه الترمذی مختفراً واخرجه النسائی بتمامہ ومختفراً، واخرجه ابن ماجہ مختفراً، قالہ المنذری،
کل غلام رھینۃ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم السابع ویحلق رأسہ ویبذق۔

شرح الحدیث | اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے، الغلام مرہن بعقیقۃ، مرہن اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی مرہون اس حدیث کی شرح میں چند قول ہیں (۱) عقیقہ ہر نومولود کے لئے لازم اور ضروری ہے جس طرح شئی مرہون کامرہن کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، تشبیہ باعتبار لزوم کے ہے گویا مقصود تاکید عقیقہ ہے اور بظاہر اس سے تائید ہوتی ہے قول وجوب کی کما ذہب الیہ بعضہم (۲) نومولود اپنے بالوں کی اذیت میں مرہون یعنی مقید اور جکڑا رہتا ہے جب تک ان کو زائل نہ کیا جائے (لہذا یہ گندے بال اس سے جلدی ہی زائل کرنے چاہئیں بعض لوگ اس میں بہت تاخیر اور سستی کرتے ہیں، ہم نے اپنے بعض اساتذہ سے اس حدیث کی شرح میں سنا کہ بچہ کا عقیقہ کر کے بلا تاخیر اس کی آلا بلا کو دور کرنا چاہیے) (۳) حضرت امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث شفاعت کے بارے میں ہے یعنی یہ کہ اگر نومولود کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور پھر وہ صغر سنی میں مر جائے تو اپنے والدین کے بارے میں شفاعت نہیں کرتا۔ یہ پہلے گزر چکا کہ عقیقہ کا اطلاق نومولود کے سر کے بال اور ذبیحہ دونوں پر ہوتا ہے، ان معانی میں سے بھی بعض کا تعلق بالوں سے ہے اور بعض کا ذبیحہ سے

علم میری ایک یادداشت میں اس حدیث کے معانی اس طرح ملے، کل غلام مرہن بعقیقۃ، (۱) عقیقہ سے مراد ذبیحہ بکری وغیرہ جو ذبح کی جاتی ہے، یہ کرنا یہ لازم اور وجوب ہے ہر نومولود کیلئے عقیقہ لازم ہے جس طرح شئی مرہون کامرہن کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے جب تک قرض ادا نہ ہو (۲) ہر نومولود شیطان کے تصرفات کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک اس کا عقیقہ نہ کیا جائے، تو گویا عقیقہ بمنزلہ ذبیحہ کے ہے اس کی وجہ سے وہ نومولود شیطان کے تصرفات سے نجات پاتا ہے۔ (۳) ہر نومولود اپنے والدین کیلئے سفارش ہے کہ اگر ہوتا ہے جب تک والدین اس کی طرف سے عقیقہ کر کے اس کا حق ادا نہ کریں، یہ تقریر المرحوم ابن کثیر کی طرف سے ہے۔ (۴) عقیقہ سے مراد نومولود کے سر کے بال ہیں، یعنی ہر نومولود اپنے سر کے (گندے) بالوں کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک ان بالوں کو اس سے زائل نہ کیا جائے (لہذا عقیقہ

عقیقہ میں یوم السابع کی قید | آگے حدیث میں ہے کہ عقیقہ ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسی طرح سر کا حلق، اس پر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے،

اور اگر ساتویں دن میسر نہ ہو تو پھر چودھویں دن کیا جائے، اور اگر اس میں بھی میسر نہ ہو تو پھر اکیسویں دن کیا جائے، اس تعیین وقت میں فقہار کا اختلاف ہے یوم السابع کی قید مالکیہ کے نزدیک تو معتبر اور ضروری ہے، ان کے نزدیک عقیقہ یوم السابع سے پہلے معتبر نہیں اور نہ اس کے بعد معتبر ہے نیز ان سے منقول ہے کہ جو بچہ یوم السابع سے پہلے مر جائے اس کا عقیقہ ساقط ہے اور ابن وہب کی روایت امام مالک سے یہ ہے کہ اگر سابع اول میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو پھر سابع ثانی میں کیا جائے اور تیسرے میں بھی کچھ حرج نہیں، کذا فی الفتح و کذا فی الدسوقی، حنابلہ کے نزدیک یہ قید ضروری نہیں، ان کے نزدیک قبل السابع بھی جائز ہے کما فی نیل المآرب، و فی الروض المریح، ولایعتبر الا سبوع بعد ذلک فیعق فی ای یوم اراد، اور شافعیہ کا مذہب شرح ائقاع میں یہ لکھا ہے ویدخل وقته من الولادة و لیسن یوم السابع، ویسقط بعد اکثر مدة النفاس و فیما بینہما تردد، اور حنفیہ کا مسلک کما فی بہشتی زیورہ کہ ساتویں روز کی رعایت مستحب ہے اگرچہ کتنے ہی دن گزر جائیں، اور اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ بچہ کا عقیقہ جب بھی کیا جائے ولادۃ والے روز سے ایک دن پہلے کیا جائے، مثلاً اگر پیدائش بچہ کی جمعہ کے دن ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعہ سے ایک روز قبل یعنی جمعرات کو کیا جائے (من ہامش البذل)

ویدعی فکان قتادة اذا سئل عن الدم کیف یصنع بہ قال اذا ذبحت الحقیقة الخ۔

حدیث العقیقہ میں لفظ یدٹی کی تحقیق | اس روایت میں لفظ یدٹی وارد ہے تدمیہ سے، جو ماخوذ ہے "دم" سے یعنی خون ملا جائے، قتادہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا صورت ہوئی چاہیے تو انہوں نے کہا کہ جو بکری تو ذبح کرے تو اس کا تھوڑا سا صوف لے اور اس صوف کو عقیقہ کے گلے کی رگوں پر لگائے اور پھر اس پھائے کو بچہ کے تالو پر مل دے یہاں تک کہ اس کے سر پر سے خون کی دھاری بہنے لگے اور پھر بعد میں سر کو دھو کر اس کا حلق کر دیا جائے۔

آگے کتاب میں ہے مصنف فرما رہے ہیں "یدٹی" کا لفظ اس روایت میں ہمام راوی کا وہم ہے، چنانچہ اس کے بعد والی روایت میں جس کو قتادہ سے روایت کرنے والے سعید ہیں بجائے ہمام کے اس میں یدٹی کے بجائے یدٹی ہے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ "یدٹی" ہی اصح ہے۔

یدٹی کو وہم ہمام قرار دینے پر حافظ نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس کو وہم قرار دینا کیونکر صحیح ہے اس لئے کہ آگے روایت میں تو یہ موجود ہے، ہمام کہتے ہیں کہ جب ہمارے استاد قتادہ سے دم کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے، تو اس پر وہ اس کا طریقہ بتاتے، یہ سب تو ضبط ہمام پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اسکے وہم پر، الا یہ کہ یوں کہا

جائے کہ اصل حدیث میں تو یسعی تھا لیکن اس کے بعد قتادہ نے اہل جاہلیت کے دم کا ذکر کیا تو پھر ہام کے سوال پر انہوں نے اس کا طریقہ بتلایا، لیکن ہام کو وہ ہم ہوا کہ وہ یسعی کے بجائے یدعی نقل کرنے لگے، اور بعض نے یہ توجیہ کی کہ یہ منسوخ ہے، اور ایک توجیہ اس کی یہ گئی کہ اس سے مراد یحش ہے کہ بچہ کی ختنہ کی جائے، لیکن اس سب کے باوجود شرح نے لکھا ہے کہ بعض علماء جیسے ابن عمر اور عطاء وقتادہ استحباب تدمیہ کے قائل تھے، والحدیث رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عقی عن الحسن والحسین کبشا کبشا، اس حدیث کے بعض طرق میں کبشین کبشین ہے کما تقدم قرینا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال سئل النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن العقيقة فقال لا يحب الله العقوق۔

شرح الحدیث یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتے، عقیقہ اور عقوق دونوں ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں یعنی "عق" جس کے معنی قطع اور شق کے ہیں اور اسی سے ماخوذ ہے عقوق الوالدین، آگے روایت میں ہے راوی کا کلام کہ شاید آپ کو یہ نام پسند نہیں، راوی کا یہ خیال صحیح ہے اس لئے کہ اسی حدیث میں اس کے بعد آپ عقیقہ کا حکم فرما رہے ہیں مگر عقیقہ کے لفظ کے ساتھ نہیں بلکہ لفظ نثک کے ساتھ، لہذا اس میں اشارہ ہوا اس طرف کہ عقیقہ کے بجائے اس کو نسیک یا کسی دوسرے لفظ سے تعبیر کیا جائے جو حضرات استحباب عقیقہ کے قائل نہیں بلکہ اس کو مکروہ کہتے ہیں انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے پھر آگے حدیث میں فرع کے بارے میں سوال وجواب ہے جس کی شرح ہمارے یہاں باب العیرہ میں گزری چکی، اس میں ایک لفظ شَعْرُ بَا ہے اس کے بارے میں شرح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ مصحف ہے اور صحیح زُحْرُ بَا ہے ای غلیظاً قویاً، ایسے ہی اس میں ایک لفظ یہ ہے "وَتَوَلَّاهُ نَاقَتًا" یہ تَوَلَّاهُ سے ماخوذ ہے دھو ذہاب العقل لاجل فقدان الولد، یعنی بچے کے مرنے کی وجہ سے اس کی ماں کا پاگل ہو جانا۔ والحدیث اخرجہ النسائی قال المنذری۔

سمعت ابی بریدۃ یقول کنا فی الجاہلیۃ اذا ولد لاحدنا غلاماً۔
بریدہ ترکیب میں بدل واقع ہو رہا ہے "ابی" سے یعنی عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدہ سے سنا، اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں ابتداء میں گذر چکا۔

ابواب الصيد

کذا فی بعض النسخ، اور ہمارے پاس جو نسخہ ہندیہ ہے اس میں ہے "آخر الاضاحی، اول الصيد۔"

باب اتخاذ الکلب للصيد وغيره

من اتخذ كلبا الا كلب ماشية او صيد او سباع انتقص من اجره كل يوم قيراط،
حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کے لئے کتا پالنا اور پھر اس کے ذریعہ شکار کرنا جائز ہے، ترجمۃ الباب سے مصنف کی غرض
بھی یہی ہے مسئلہ اجماعی ہے خود قرآن کریم میں موجود ہے، یسئلونک ماذا احل لہم قتل احل لکم الطیبات
وما علمتم من الجوارح مکلبین الآیۃ، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص امور ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث کے علاوہ کسی
اور غرض کے لئے کتے کو پالے تو ہر روز اس کے ثواب میں سے ایک قیراط گھٹا دیا جاتا ہے۔

قیراط اور قیراطان کے اختلاف کی توجیہ | اس روایت میں قیراط بصیغہ مفرد ہے، اور اسی حدیث کے دوسرے
طریقے میں یعنی من طریق الزہری عن سعید بن المسیب جو مسلم کی
روایت میں ہے اس میں بجائے قیراط کے قیراطان ہے، اس کے بارے میں بادل میں اس طرح ہے واختلاف فی اختلاف
الروایتین فی القیراطین والقیراط فقیل الحکم للزائد لکونه حفظا لم یحفظ الآخر، یعنی زیادتی والی روایت راجح ہے، یا یہ کہا
جائے کہ شروع میں آپ نے ایک قیراط کے بارے میں فرمایا وعید کو ذرا ہلکا کرتے ہوئے پھر اس کے بعد تاکید تنفیہ کے لئے
ذو قیراط فرمایا لیکن ایک راوی نے صرف ایک قیراط والی روایت کو سنا اور دوسرے راوی نے قیراطین کا لفظ سنا، فکل
روی بما سمع (۳) کلاب مختلف ہوتے ہیں قلیل الضرر اور کثیر الضرر، اول میں ایک قیراط کا نقصان اور ثانی میں دو قیراط کا
(۴) قیراطان والی روایت مدینہ منورہ پر محمول ہے اور قیراط والی غیر مدینہ پر وغیرہ ذلک من التوجیہات۔
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی قال المنذری۔

عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالى عنه لولا ان الكلاب امة من الامة لاصرت يقتلها
شرح الحدیث | شروع میں آپ نے کلاب کے بارے میں شدت اختیار فرمائی اور سب کے قتل کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ
اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حتیٰ کہ دیہات سے
آنے والی عورت کے ساتھ بھی اگر کتا ہوتا تھا تو ہم اس کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے، پھر بعد میں آپ کی رائے میں تبدیلی آئی
اور حکم سابق سے روک دیا اور یہ فرمایا کہ کلاب بھی مخلوقات کی ایک نوع ہے تو اول تو مخلوق کی ایک پوری نوع کو
قتل کرنا انسان کے بس میں نہیں، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نوع مخلوق کی تخلیق میں یقیناً مصلحت ہوتی ہے اسلئے
بھی سب کو قتل کرنا مناسب نہیں تاہم ان میں جو زیادہ شریر اور خبیث ہوتا ہے یعنی کلب اسود اس کو تو قتل کر ہی دیا
کرد، امام نووی فرماتے ہیں کلب عقور کے قتل پر تمام علماء کا اتفاق ہے البتہ جو کلب بے ضرر ہو اس کے قتل میں اختلاف ہے

مذہب لیکن یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا جب راوی حدیث الگ الگ ہوتا لیکن جب سب الگ ایک ہی ہے پھر یہ جواب صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی ہے کہ کئے کے سلسلہ میں پہلے پہل تو تشدید زیادہ

امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ شریعت کا استقرار نسخ قتل پر ہی ہو چکا اب کسی کلب کا قتل جائز نہیں حتیٰ کہ اسود بہیم کا قتل بھی جائز نہیں لیکن اس رائے پر ملا علی قاری کو الشرح نہیں وہ فرماتے ہیں یہ محتاج دلیل ہے (بذل)
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب فی الصيد

صید کبھی صید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی معنی مصدری میں، یہاں یہی مراد ہے، یعنی کلب معلم اور تیر کمان وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنے کے بیان میں۔

ذکاة کی دو قسمیں اختیاری اور اضطراری | جانتا چاہیے کہ ذکاة شرعی کی دو قسمیں ہیں اختیاری و اضطراری، اختیاری حیوان مقبوض و مانوس — میں ہوتی ہے اور اضطراری غیر مقبوض اور غیر مانوس جانور میں جیسے شکار، اور جیسا کہ اس سے پہلے بھی گذر چکا کہ ذکاة اختیاری تو خاص ہے لہ اور حلق کے ساتھ، اور ذکاة اضطراری نام ہے مطلق جرح کا، فی ای موضع کان من البدن اور جرح سے مراد امرار الدم ہے، اس تہیکہ بعد اب آپ سمجھئے کہ ذکاة اضطراری جن آلات سے ہوتی ہے وہ تین ہیں، ایحوان الجرح، الخمد یعنی ہر دھار دار چیز جیسے سہم، المشقل کا لٹخ والنخش، ان میں جو پہلی دو چیزیں ہیں ان سے شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور تیسری چیز — یعنی مشقل، اس کے ذریعہ شکار کرنا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، البتہ بعض علماء شام مثل مکحول و اوزاعی ان کے نزدیک جائز ہے، اسی لئے ان کے نزدیک صید مغراض اور ایسے ہی صید بندوقہ جائز ہے (سبل السلام) پھر اسکے بعد جانتا چاہیے کہ اگر ذکاة اضطراری حیوان جارح کے ذریعہ سے ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ وہ جارح معلم ہو، اور یہ امر متفق علیہ ہے قال تعالیٰ۔ وما علمتم من الجوارح مکلبین، اور علامت تعلیم کلب میں دو چیزوں کا پایا جانا ہے اول امساک علی صاحبہ — یعنی عدم الاکل، کہ وہ کتا شکار میں سے کچھ کھائے نہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ جب شکار کی طرف اس کو چھوڑا جائے تو فوراً اس کی طرف جائے، اور جب بلایا جائے اور روکا جائے تو رک جائے یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور امام مالک کے نزدیک تعلیم کلب کے لئے امساک علی صاحبہ ضروری نہیں، صرف امر ثانی کا پایا جانا کافی ہے، اور علامت تعلیم طیر جیسے بازی وغیرہ میں یہ ہے کہ جب اس کو پکارا جائے تو فوراً آئے، اور یہاں امساک بالاعتقاد ضروری نہیں ہے۔ (بذل)

ذکاة اضطراری کے شرائط بالتفصیل ”بذل المحمود“ میں مذکور ہیں وہاں دیکھا جائے۔

تسمیہ عند الذبح وعند الارسال میں اختلاف ائمہ | نیز جانتا چاہیے کہ یہ ارسال کلب شکار کے وقت ایسے ہی تیر کا چلانا بمنزلہ چھری چلانے کے ہے عند الذبح اس لئے اس

ارسال اور رُئی سہم کے وقت تسمیہ ضروری ہے جیسا کہ احادیث الباب میں مصرح ہے، وفي الهدایۃ ج ۴ ص ۱۶۸ واذا ارسل

کلبہ المعلم اوبازیہ و ذکر اسم اللہ تعالیٰ عند ارسالہ فاخذ الصيد وجرص قات حل اکلہ لما روینا من حدیث عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولان الکلب اوبازی آلۃ والذبح لایحصل بمجرد الآلۃ الا بالاستعمال، وذلک فیہا بالارسال فنزل (الارسال) منزلة الرمی وامر السکین فلا بد من التسمیۃ عنده ولو ترکہ ناسیا حل ایضا ویسے دوسرے ائمہ کا اس میں اختلاف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کافی ہاشم البذل و اختلاف نقلاً المذاهب فیہ، والصحیح من مذاہبہم ان ترک التسمیۃ عمدا لا یجوز عندنا وعند مالک و یجوز ان کان ترک سہواً فال تسمیۃ شرط عند الذکر وعند الشافعی یجوز مطلقاً فی السہو والعمد فی سنیۃ عنده واما احمد فانه فرق بین الصيد والذبیحۃ ففی الذبیحۃ هو عندنا فی الصيد لا یجوز مطلقاً (من الادب جز)

عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فکل مما امسکن علیک۔

یہ حدیث ائمہ ثلاث کی دلیل ہے کہ کلب معلم کے ذریعہ شکار میں عدم اکل ضروری ہے، اور یہ روایت مالکیہ کے خلاف ہے امام مالک کا استدلال اُنہندہ آنے والی ابو ثعلبہ انخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں اس طرح ہے اذا رسلت کلبک و ذکر ت اسم اللہ تعالیٰ فکل وان اکل منہ، امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ جمہور علمائے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو مقدم رکھا ہے ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر کیونکہ حدیث عدی اس سے صحیح ہے (مستوفی علیہ ہے) اور بعض علمائے حدیث ابو ثعلبہ کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں کھانے سے عین شکار کے وقت اس کتے کا کھانا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابتداء میں وہ کتا اس شکار کو مار کر فارغ ہو کر چلا گیا اور پھر بعد میں جب اس شکار کو وہاں پڑا دیکھا اس وقت اس میں سے کھانے لگا، پس اسکا یہ کھانا مضر نہیں ہے۔

قلت ارمی بالمعروض فاصیب آفا کل الخ معارض کی تفسیر میں اختلاف سار ہے، ابن التین فرماتے ہیں یعنی وہ عصا جس کے سرے میں دھار دار چیز لگی ہوئی ہو لوہا وغیرہ، اور امام نووی فرماتے ہیں وہ ایک بھاری سی لکڑی ہوتی ہے، یا عصا جس کے سرے پر دھار دار چیز لگی ہوئی ہوتی ہے، اور کبھی سادہ ہوتا ہے بغیر دھار دار چیز کے، میں کہتا ہوں کہ اس کی مثال بلم سے بھی دی جاسکتی ہے وہ بھی ایک عصا ہوتا ہے جس کے سرے پر دھار دار لوہا لگا ہوتا ہے، بہر حال حدیث میں یہ ہے کہ اگر معروض سے شکار کیا جائے تو اگر شکار کے اس کا دھار دار حصہ لگ کر اس کو زخمی کر دیتا اور اس کے اندر نفوذ کر جاتا ہے تب تو وہ شکار حلال ہے اس کو کھا سکتے ہیں، اور اگر وہ معروض اپنی چوڑائی میں سے شکار پر جا کر لگا ہے تو وہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ذقید ہوگا، قال تعالیٰ: والمختفۃ والموقوۃ والمتردۃ، اور موقوۃ اسی شکار کو کہتے ہیں جو مشق اور غیر دھار دار چیز سے مارا جائے۔

بندوق کا شکار اور اسمیں اختلاف | جمہور نے صید بالندقہ کی حرمت پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس میں اوزاعی اور کچول وغیرہ کا اختلاف ہے کما تقدم قریباً، لہذا یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

فائدة:- یہ عدی بن حاتم راوی حدیث حاتم طائی مشہور سنی ہی کے بیٹے ہیں، یہ عمرین میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو اسی سال کی عمر پائی، یہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا ہوں اس وقت سے اب تک کسی نماز کی اقامت نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں اس وقت با وضو تھا (تہذیب الہندیہ) والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عامر عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحیح مسلم کی حدیث کے ایک جملہ کی تشریح | عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث جس کو ان سے روایت کرنے والے عامر شعبی میں متعدد طرق سے صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے

ان روایات میں سے صحیح مسلم اور نسائی میں ایک روایت میں اس طرح ہے۔ حدثنا الشعبي قال سمعت عدی بن حاتم۔ وكان لنا جار اودخیلاً وربطاً بالنهرین۔ انه سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الحدیث، اس میں جار اور دخیل کے معنی تو ظاہر ہیں جار پڑوسی اور دخیل وہ شخص جو کسی سے خصوصی تعلق رکھتا ہو اور اس کے امور میں اس کا معاون اور مشیر ہو، لیکن ربط کے بارے میں امام نووی نے تویہ لکھا ہے: والربط ہمنما بمعنی المربط وہو الملازم والرباط الملازمة، قالوا والمراد هنا ربط نفسه علی العبادۃ وعن الدنیا اھ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح میں ربط کے صرف پہلے معنی لکھ کر اسی پر اکتفا کیا ہے، چنانچہ اس میں ہے: والربط هنا المربط الملازم من الرباط اھ بظاہر امام نووی نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلے اس معنی کو لکھ کر دوسرے معنی جو لکھے ہیں وہ "قالوا" کے ساتھ لکھے ہیں یعنی بعض شراح کی رائے یہ ہے، مرابط کہتے ہیں سرحد پر پہرہ دینے والے کو جیسا کہ کتب احادیث میں آتا ہے اور مشہور ہے، اور دوسرے معنی جو نووی نے لکھے ہیں اس کا حاصل، یعنی وہ شخص جو زاہد اور منقطع عن الدنیا ہو، اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہو، لیکن اس معنی کا دخیل کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا، اور اس "ربطاً بالنهرین" کا تعلق۔ واللہ اعلم۔ بظاہر سمعت سے ہے یعنی شعبی کہہ رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عدی بن حاتم سے جو ہمارے پڑوسی اور دخیل تھے اس وقت میں سنی جبکہ وہ مقام نہرین میں مرابط تھے یعنی پہرہ دے رہے تھے اور ہو سکتا ہے مطلق ان کی صفت بیان کرنا مقصود ہو جار

لہ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے عن ابی سالم الجیشانی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یدکر ذلک وهو مرابط بحصن بآل یون۔ یہاں پر بھی یہی ہے کہ ابوسالم جیشانی نے یہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس وقت سنی جبکہ وہ ان کیساتھ حصن بآل یون میں پہرہ دیرے تھے۔ (کنز العمال) باب ما ینبی عنہ ان یستغنی

اور ذیل کی طرح، اور نہرین ظاہر یہی ہے کہ یہ کسی جگہ کا نام ہے جس کی تصریح تو کہیں اب تک ملی نہیں، البتہ بمعجم البلدان میں نہران کا نام ملا ہے جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: من قرى الیمین من ناحیة ذماراھ ہو سکتا ہے روایت میں نہرین سے یہی مراد ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذار میت سہمک و ذکر اسم اللہ فوجدتہ من الخد ولم تجدہ فی ماء ولا فیہ اثر غیر سہمک فکل
 یعنی اگر کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ اس کے لگ بھی جائے لیکن اس وقت
 وہ شکار نظروں سے غائب ہو جائے، پھر اگلے روز وہ کسی جگہ پڑا ہوا ملے بشرطیکہ
 پانی میں نہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس میں تیرے تیر کے علاوہ کسی دوسرے کے
 تیر کا اثر نہ ہو تو اس کو کھا سکتا ہے۔

اس حدیث میں دو شرطیں مذکور ہیں ایک یہ کہ وہ شکار پانی میں نہ گرے۔ یہ وقوع فی المار کب مضر ہے؟ اس میں
 ائمہ کا اختلاف ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک بہر صورت مضر ہے خواہ جراحت جو شکار کو پہنچی ہے موجب ہلاکت ہو
 یا نہ ہو بشرطیکہ وہ پانی اتنی مقدار میں ہو جو شکار کے لئے قاتل ہو، امام احمد کی مشہور روایت یہی ہے، اور دوسری
 روایت امام احمد سے یہ ہے کہ اگر جراحت موجب ہلاکت ہو تو پھر وقوع فی المار مضر نہیں، یہی قول ہے امام شافعی
 اور امام مالک کا (او جز) اور دوسری شرط جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس میں تمہارے تیر کے علاوہ دوسرے کے تیر
 کا اثر نہ ہو یہ شرط متفق علیہ بین الائمۃ الاربعہ ہے کما یظہر من کلام الشراح و کتب الفروع، شکار کی غیبت والے مسئلہ
 میں ایک یہ بھی اختلاف ہو رہا ہے کہ کتنی غیبت مستقر ہے چنانچہ امام بخاری نے باب باندھا ہے "باب الصيد اذا غاب عنه
 یومین او ثلاثہ" اس میں امام مالک کا مسلک جیسا کہ موطا اور مدونہ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب شکاری سے اس کا
 شکار غائب ہو جائے مجروح ہونے کے بعد، اس کے بعد پھر وہ ملے اور اس میں اس شکاری کے کتے یا تیر کا اثر موجود
 ہو تو اس کو کھا سکتا ہے مالم یتب یعنی جب تک رات نہ گزرے، اور اگر رات گزر گئی تو اب اس کو کھانا جائز نہیں
 اور دوسری روایت ان سے یہ ہے کہ اگر وہ شکار تیر کا ہے تو کھایا جاسکتا ہے اور اگر کلب کا کیا ہوا شکار ہے تو
 کھانا جائز نہیں اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب شکار زخمی ہونے کے بعد
 غائب ہو جائے پھر اس کے بعد وہ ملے ہوا بشرطیکہ اس میں اس کے تیر کے علاوہ کوئی اور اثر نہ ہو تو وہ حلال ہے
 امام شافعی کے ایک قول میں، اور امام مالک کے نزدیک بھی، اور امام شافعی کا قول ثانی یہ ہے کہ حرام ہے وھو الاصح عند
 اصحابنا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ کلب کے شکار میں ناجائز ہے اور تیر کے شکار میں جائز ہے، پھر وہ فرماتے ہیں کہ
 پہلا قول یعنی مطلقاً حل اقویٰ اور اقرب الی الاحادیث الصحیحہ ہے، اور امام احمد کا قول مشہور شکار کے غائب ہونے کی
 صورت میں حلت ہی ہے اور دوسری روایت ان سے یہ ہے ان غاب نہرا فلا بأس به وان غاب لیلا لم یاکلہ، اور تیسری

روایت ان سے یہ ہے ان غاب مدۃ طویلۃ لم یج وان کانت یسیرۃ ایج، قیل لہ ان غاب یوماً؛ قال یوم کثیر، نیز موفقی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت صید کے مسئلہ میں امام احمد کے یہاں اقتضار اور طلب شرط نہیں، اور مالکیہ کے یہاں اس میں دونوں روایتیں معلوم ہوتی ہیں نفی الاوجز ۴۸۲ نقلاً عن الباجی: قال القاضی ابوالحسن اذا کان مجداً فی الطلب حتی وجده علی ہذہ الحالۃ فانه یجوز اکلہ وان تشاغل عنہ ثم وجده میتاً فانه لایجوز اکلہ، وفيہ بعد اسطر: وحکی القاضی ابو محمد عن مالک فی الصيد بالکلب انه یوکل وان بات عنہ سوار کان صاحبہ یطلبہ او لایطلبہ اھ (اوجز وتراجم البخاری) اور حنفیہ وشافعیہ کے یہاں بھی اقتضار شرط ہے کما قال الحافظ فی الفتح وکذا فی فروع الحنفیۃ، یہ اقتضار اور طلب گویا تیسری شرط ہوئی جس کا ذکر آئندہ حدیث میں آ رہا ہے احدنا یرمی الصيد فیقتفی اثرہ الیومین والثلاثۃ الخ یعنی شکار کے غائب ہونے کے بعد اس کے حلال ہونے کیلئے اس کا اقتضار بھی ضروری ہے، یعنی شکاری اس شکار کی تلاش اور طلب میں لگا رہے، اس سے فارغ ہو کر نہ بیٹھے، اور یہ اقتضار اور طلب کی شرط حنفیہ وشافعیہ دونوں کے نزدیک ہے، حنا بلہ کے نزدیک نہیں، وعن المالکیۃ روایتان کما تقدم قریباً۔

عن ابی ثعلبۃ الخشخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ اب تک سلسلہ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا چل رہا تھا اور یہ روایت ابی ثعلبۃ الخشخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو مالکیہ کی دلیل ہے تعلیم کلب کے مسئلہ میں کما تقدم فی اول الکتاب، اور جمہور کا استدلال عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہے جو اس سے زیادہ صحیح ہے لانہ فی الصحیحین۔
وکل ما ردت الیک یدک، اور کھارے تو جو لوٹائے تجھ پر تیرا ہاتھ، اس سے مراد تیرا شکار ہے جس کو آدمی اپنے ہاتھ سے چلاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یارسول اللہ احدنا یرمی الصيد فیقتفی اثرہ الیومین والثلاثۃ الخ اقتضار کے مسئلہ میں اختلاف اوپر گزر چکا، والحدیث اخرہ البخاری معلقاً۔

سمعت ابی ثعلبۃ الخشخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول وما اصدت بکلبک الذی لیس

بمعلم فادرکت ذکاتہ فکل۔

یعنی کلب معلم کا شکار تو جائز ہے، اور جو شکار کلب غیر معلم کے ذریعہ کیا جائے تو اس میں دو صورتیں ہیں اگر اسکو اس کتے نے مار ڈالا تب تو وہ حرام ہے اور اگر مارا نہیں حتی کہ شکاری نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا ہو تب وہ جائز ہے۔ والحدیث ابن ماجہ والنسائی قالہ المنذری، وقال الشیخ محمد عوامہ: عزاه المزنی الی الجماعۃ، وهو عند ابن ماجہ بزیادۃ، واما الترمذی فرواہ بمثل اسناد المصنف اھ

اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے، فکل ذکیتاً وغیر ذکی یعنی مذبوح اور غیر مذبوح، دونوں صورتوں میں

جائز ہے، جو شکار تیر یا کلب معلم کے ذریعہ سے مرجائے اور اس کو ذبح کی نوبت نہ آئے وہ تو ہوا غیر ذکی، اور جو تیر وغیرہ کے ذریعہ سے مرانہ ہو بلکہ وہ زندہ ہی ہے یہاں تک کہ شکاری اس کے پاس پہنچ گیا تو پھر اس کو ذبح کرنا ضروری ہے یہی مراد ہے ذکی سے۔

وان تغیب عنک مالہ یصلّٰ اور تجد فیہ اشر غیر سہمک۔

شرح الحدیث اور لحم منقن کا حکم | یعنی شکار کے غائب ہو جانے کی صورت میں اس کو اس وقت کھانا جائز ہے جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں، ایک یہ کہ وہ جانور سڑنا نہ ہو اور دوسری یہ کہ اس میں تیر سے تیر کے علاوہ دوسرے تیر کا اثر نہ ہو، "مالہ یصلّٰ" فتح یار اور کسر صا د کے ساتھ ہے اور تشدید لام کہا جاتا ہے صلّٰ اللحم صلوا اذا انتن، یعنی جب اس گوشت میں سے بدبو آنے لگے، اور مسلم کی حدیث میں "مالہ یصلّٰ" ہے حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک یہ قید برائے استحباب ہے، ان کے نزدیک لحم منقن کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ کا استدلال حدیث العنبر سے ہے جس کو صحابہ کرام نے نصف ماہ سے زائد تک کھایا تھا، اور اتنی مدت تک گوشت میں رائحہ کریمہ پیدا نہ ہو یہ بہت مشکل ہے، لیکن حافظ فرماتے ہیں بحکم انہم ملحوہ و قد دوه، کہ ممکن ہے صحابہ نے اس کے ٹکڑے کر کے ان کو نمک مل دیا ہو (ہا مش البذل) و فی الشامل للترمذی فی باب تواضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدعی الی خبز الشعیر والاهالة السخنة، وکذا اخرجه البخاری فی البیوع والربہن، ولفظه فی البیوع فی باب شرار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالنسبة عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه مشی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بخبز شعیر واهالة سخنة الحدیث، اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پرانی بودار چکنائی کھانے کا ذکر ہے، حدیث الباب ابو ثعلبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث آئندہ بھی آرہی ہے وہاں بذل میں لکھا ہے: قال القاری قال علماؤنا: وهذا علی طریق الاستحباب والا فان التین لا اثر له فی الحرمة: قال ابن الملک و قد روی انه علیہ السلام اکل متغیر الریح الی آخره۔

قال: افتنی فی آئینۃ المجوس اذا اضطربوا الیہا، قال اغسلہا وکل فیہا۔

اوانی مشرکین کا استعمال کب جائز ہے؟ | آپ مجوس کے ظروف کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا مجبوری کے وقت ان کو استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بعد الغسل ان کو استعمال کر سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل عند الاضطراب جائز ہے، اور یہ بھی کہ بغیر مجبوری کے بعد الغسل بھی ان کا استعمال مکروہ ہے حالانکہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل مطلقاً بلا کراہت جائز ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اوانی مجوس

سے وہ ادائی مراد ہیں جس میں وہ لحم خنزیر کا بطخ کرتے ہوں یا جن کو شرب خمر میں استعمال کرتے ہوں جیسا کہ اس کی تصریح ابوداؤد کی بعض روایات میں ہے، اور فقہاء کا کلام مطلق ادائی سے متعلق ہے یعنی ان ادائی سے جن کو وہ نجاست میں استعمال نہیں کرتے (بذل) اس سلسلہ میں روایات ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں دونوں طرح کی ہیں بعض مطلق ہیں جیسا کہ حدیث الباب، اور بعض مقید ہیں جیسا کہ حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا، حضرت کی مراد یہ ہے کہ روایات مطلقہ میں اختصار ہے وہ بھی مقیدہ پر ہی محمول ہیں۔

باب اذا قطع من الصيد قطعة

ما قطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة۔
یعنی زندہ ماکول جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے حکم میں میتہ کے ہے، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے ابوداؤد کی روایت سے اطول، اس میں یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ اونٹ کا کوہان، اسی طرح مینڈھے کی چلتیاں (الکيات الغنم) کاٹ لیتے ہیں تو اس پر آپ نے وہ فرمایا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے۔
فائدة: فقہار نے نافیجۃ المسک کے بارے میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی طاہر ہے مشک کی طرح اور ماکول ہے اس کا کھانا حلال ہے، لہذا مسئلۃ الباب سے اس کا استثناء کیا جائے گا۔
والحدیث: أخرجه الترمذی اتم منه، وأخرجه ابن ماجہ من حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالہ المنذری۔

باب فی اتباع الصيد

من سکن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل۔
یعنی جنگل میں رہنے والا سخت مزاج ہو جاتا ہے، لوگوں کے ساتھ رہن سہن کی کمی کی وجہ سے، اس لئے کہ جو لوگوں سے خلا ملتا رکھتا ہے تو وہ دوسروں کی اذیتیں اور مشاق برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ ایسے لوگ حکومت اور اس کی دار و گیر سے دور رہتے ہیں۔
اور جو شکار کے درپے ہوتا ہے، مراد تو غل ہے کہ اسی کو اپنا مشغلہ بنالے تو اس کی زندگی غفلت میں گذرتی ہے نماز اذان کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

لہ نفی نور الایضاح فی بیان الدباغۃ، و نافیجۃ المسک طاہرۃ کالمسک واکلہ حلال اھ۔

اور جو امر اور سلاطین کے پاس جاتا ہے وہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ (بذل)
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی مرئوفا قال المنذری۔

عن ابی ثعلبۃ الخشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا رمیت
الصید فادرکتہ بعد ثلاث لیل و سہمک فیہ فکل ما لم ینتن۔
یہ حدیث مصری نسخوں میں نہیں ہے اور ہوئی بھی نہ چاہیے، مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث مکرر ہے، پہلی جگہ
اس میں "ما لم ینتن" کے بجائے "ما لم یصل" کا لفظ آیا تھا۔

اول کتاب الوصایا

وصایا جمع ہے وصیۃ کی جیسے ہدایا و ہدیہ، وصیۃ کا استعمال معنی مصدری یعنی ایصار اور مایوصی بہ، یعنی
جس چیز کی وصیت کی جائے دونوں میں ہوتا ہے، وصیۃ کی تعریف شرعیہ کی گئی ہے ہو عہد خاص مضاف الی ما
بعد الموت، یعنی وہ معاملہ جس کا تعلق با بعد الموت سے ہو، اور وصیت کا استعمال بمعنی نصیحت یعنی امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر پر بھی ہوتا ہے۔ (من البذل)

باب ماجاء فی مایؤمر بہ من الوصیۃ

ہمارے اس نسخہ میں "یأمر" بصیغۃ معروف ہے، اور بعض میں "یؤمر" ہے وهو الاوضح، اس لئے کہ معروف کی صورت
میں اس کے لئے فاعل مقدر ماننا پڑے گا مثلاً الشرع یا الاسلام۔

عن عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما حق
امری مسلم لہ شیء یوصی فیہ بییت لیلیتن الا وصیۃ مکتوبۃ عندہ۔

شرح الحدیث وحکم الوصیۃ | "یوصی فیہ" ترکیب میں "شیء" کی صفت ہے، اور "بییت لیلیتن" "حق" کی
خبر ہے، یعنی جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی شیء ہو جو قابل وصیت ہو تو اس کے
لئے لائق نہیں یہ بات کہ دو راتیں گزارے مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو، اور ایک
روایت میں لیلۃ او لیلیتن ہے، اور مسلم اور نسائی کی روایت میں بییت ثلاث لیل ہے، و بذیل علی انہ للتعریب
لالتحید ای ولوزمانا قلیلاً (بذل)

وصیت ظاہر یہ اور بعض علماء زہری و عطاء و ابن جریر اور امام شافعی کے قول قدیم میں مطلقاً ای فی کل حال
واجب ہے اور عند المجہور جس شخص کے ذمہ دیون یا حقوق العباد ہوں اس پر وصیت واجب ہے لیکن اس کا مکتوب

ہونا اور اس میں تعجیل کرنا یہ مستحب ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں، واجب کا الوصیۃ برد الودائع والدیون المجهولہ، و مستحبہ کا الوصیۃ للکفارات و فدیۃ الصلوات و نحوھا، و متباحہ کا الوصیۃ للاغنیاء من الاجانب والاقارب، و مکروہہ کا الوصیۃ لاهل الفسوق والمعاصی، و فی «الہدایۃ» القیاس یا بی جواز الوصیۃ لانه تملیک مضاف الی حال زوال مالکیتہ الا انما استحسنہا لاجابة الناس الیہا، الی آخرہ اھ من التراجم۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت مات ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیناراً

ولا درہما ولا بعیراً ولا شاة، ولا وصی بشئ۔

شرح الحدیث | اور آپ نے کسی چیز کی وصیت نہیں کی، یعنی مال یا خلافت کے بارے میں، لیکن کتاب اللہ کے بارے میں اور اپنے اہل بیت کے بارے میں اور اخراج الیہود من جزیرۃ العرب وغیرہ ان امور کی

آپ نے وصیت یقیناً فرمائی ہے کافی الاحادیث الصحیحہ۔

دراہم و درناہم کے بارے میں بڈل میں سیرت حلبیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے پاس وفات سے پہلے چھ یا سات دینار تھے آپ نے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر حضرت عائشہ کو دیئے کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے، اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ ان کو علیؑ کے پاس بھیج دو تاکہ وہ صدقہ کر دیں، اس حدیث میں بعر اور شاة کی بھی نفی ہے، اس کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ آپ کی ملک میں بہت سے اونٹ تھے، اور بیس اونٹنیاں تھیں دودھ دینے والی نواحی مدینہ میں، اور سات بکریاں تھیں وغیرہ وغیرہ، اہل سیر کی یہ روایت اس حدیث صحیح کے معارض نہیں ہو سکتی فلا تعیر، اور آگے فرماتے ہیں کہ اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اونٹ صدقہ کے تھے جن کو آپ نے اہل صفہ اور فقراء صحابہ کے لئے چھوڑا تھا، اور اس کے علاوہ جو آپ کی بعض زمینیں تھیں خیر اور فذک میں سوان کو تو آپ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں مسلمانوں کی ضروریات کے لئے صدقہ اور وقف فرما دیا تھا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقسم بشری دیناراً ما ترک بعد نفقة نسائی، و مؤنہ عالمی فہو صدقہ، و فی روایۃ: لا یرث ما ترکنا صدقہ اھ من البذل، یعنی ان

لہ یعنی چونکہ وصیت کا تعلق ما بعد الموت سے ہے اور موت کے بعد انسان میں کسی بھی فعل کی خواہ وہ تملیک ہو یا کچھ اور صلاحیت باقی نہیں رہتی لہذا وصیت کا جواز خلاف قیاس ہے مگر استحساناً اور ضرورۃ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور وہ ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی پر مغرور ہوتا ہے اور کاموں کو ٹٹا رہتا ہے زندگی کے غرور میں جس سے بہت سی واجب الادا چیزیں ذمہ میں رہ جاتی ہیں اچانک موت پیش آنے کی وجہ سے تو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے یہ صورت نکالی ہے۔

زمینوں کے بارے میں تو چونکہ آپ نے اپنی حیات ہی میں فیصلہ فرمادیا تھا، لہذا اس کو وصیت نہیں کہا جائے گا۔
والحدیث انخرجہ وسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ

یعنی مرنے والا اپنے مال میں کتنی وصیت کر سکتا ہے،

عن عامر بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرض مرضاً اشفی فیہ الخ۔

شرح الحدیث عامر اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ شدید بیمار ہوئے ایسے کہ قریب المرگ ہو گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے تو میرے والد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے اور میرے اس مال کا وارث کوئی نہیں سوائے میری بیٹی کے، تو کیا میں اس صورت میں اپنے مال کا دو ثلث صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر انہوں نے نصف کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، اور پھر ایک ثلث کی آپ نے اجازت دی، اذ فرمایا کہ تو اپنے ورثہ کو اغنیاء چھوڑ کر مرے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو فقیر چھوڑ کر جائے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں، اس حدیث میں یہ ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں سوائے ایک بیٹی کے، شرح فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ بیٹی کے علاوہ ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہیں، اور مطلق نفی مراد نہیں اس لئے کہ ذوی الفروض کے علاوہ دوسرے ورثاء عصبہ ان کے تھے جیسا کہ خود اس حدیث میں ہے ان تترک ورثک اغنیار

قلت یا رسول اللہ! اُتَخَلَّفُ عَنْ هَجْرَتِي، قَالَ اَنْتَ اِنْ تَخَلَّفَ بَعْدِي فَعَلَّ عَمَلًا تَرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللَّهِ تَعَالَى
مسئلہ وصیت کے بعد انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ میں اپنی ہجرت سے پیچھے ہٹا جا رہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ مہاجرین میں سے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ میں آکر شدید بیمار ہو گئے تھے حجۃ الوداع کے موقع پر تو ان کو اپنی موت کا خطرہ ہوا مکہ مکرمہ میں یعنی غیر مہاجر تھے، اور اپنی ہجرت کے باطل ہونے کا اندیشہ ہوا اس پر آپ نے ان کو تسلی

لہ لہذا اب یہ اشکال واقع نہوگا کہ آپ نے زمینوں کے بارے میں تو وصیت فرمائی ہے، پھر اس حدیث میں وصیت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟
لہ اور ترمذی کی روایت میں عام الفتح ہے جو ابن عیینہ راوی کا وہم ہے قال الحافظ والنفقوا علی انہ وہم فی ابن عیینہ من اصحاب الزہری، ثم قال، ویکن الجمع بین الروایتین بان یكون ذلک وقع لمرتين مرة عام الفتح ومرة عام حجة الوداع، نفی الاولی لم یکن لہ وارث من الاولاد اصلاً،
وفی الثانیہ کانت ابنہ فقط اس کے بارے میں مزید آگے شرح میں آ رہا ہے ۱۲

سہ مہاجر وہ جگہ اور مقام جہاں آدمی ہجرت کر کے جائے، جیسے مہاجرین مکہ کا مہاجر مدینہ منورہ تھا ۱۲

دلالتی وہ یہ کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تم میرے بعد بہت دن تک زندہ رہو گے اور اعمال کے ذریعہ سے تمہارے درجات بلند ہوں گے، اور بعض اقوام یعنی مسلمین تم سے منتفع ہوں گی، اور بعض دوسرے یعنی مشرکین تم سے ضرر پذیر ہوں گے، اور آپ نے دعا بھی فرمائی۔ اللہھ امض لاصحابی ہجرتھم ولا تذرھم علی أعقابھم۔ شرح نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ پیش گوئی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی، اور یہ صحابی اس مرض سے صحت یاب ہو کر بہت مدت تک زندہ رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق وغیرہ کو فتح کیا اور عراق کے گورنر بنے، اور آپ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے حتیٰ مات سنہ خمسین علی المشہور، وقیل غیر ذلک۔

تنبیہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ واقعہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حجۃ الوداع کا ہے جیسا کہ صحیحین کی بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اور ترمذی کی روایت میں اس کو عالم الفتح کا واقعہ قرار دیا ہے، ہمارے عربی حاشیہ میں یہ گزر گیا ہے کہ حفاظ حدیث نے اس کو وہم قرار دیا ہے اور حافظ کی رائے جمع بین الروایتین کی ہے یعنی تعدد واقعہ، لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف روایتین کو مشکل الآثار میں باقاعدہ اس کے لئے مستقل باب قائم کر کے اس کو بیان کیا ہے اور پھر ایک روایت مفصلہ کے ذریعہ جو بہت واضح ہے عالم الفتح کا واقعہ ہونے کو ترجیح دی ہے گویا ان کی تحقیق اکثر محدثین کی رائے کے خلاف ہے بعد میں حافظ نے بھی اسی روایت مفصلہ کے پیش نظر اپنی رائے بدلی ہے مگر انہوں نے بجائے ترجیح کے تعدد واقعہ کو اختیار کیا ہے تو اب گویا اس میں تین آراء ہو گئیں اکثر محدثین کی جس کی حفاظ اتفاق حفاظ سے تعبیر کر رہے ہیں، اور دوسری امام طحاوی کی اور تیسری حافظ ابن حجر کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لکن الباش سعد بن خولۃ یرقی لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان مات بمکہ۔

شرح الحدیث آپ فرما رہے ہیں: لیکن قابل افسوس حال تو سعد بن خولہ کا ہے یا قابل رحم تو سعد بن خولہ ہیں۔ آگے راوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمہما رہے ہیں سعد بن خولہ پر اس لئے کہ ان کی موت مکہ میں ہوئی، سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت ہی نہیں کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے وہیں وفات پائی، اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت تو کی تھی لیکن وفات ان کی حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، یعنی غیر مہاجر میں باش من اصابہ بؤس ای ضری یعنی نقصان اٹھانے والا، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں صلاحیت مذمت کی بھی ہے اور ترحم کا بھی، لہذا پہلی صورت (عدم الهجرة) میں آپ کا یہ فرمان بطریق مذمت ہوگا، اور دوسری صورت میں بطریق ترحم، یہ میں سے ماخوذ ہے جس کا استعمال میت میں ہوتا ہے، یعنی محاسن میت کا ذکر (تحفہ) علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر مہاجر کی موت مکہ میں واقع ہو تو بعض کہتے ہیں اگر ایسا اس کے اختیار سے ہوا ہے تب تو اس کا اجر ہجرت حبط ہوتا ہے ورنہ نہیں، وقیل یحبط مطلقاً وصیت سے

متعلق بعض ضروری مسائل ہم نے حاشیہ میں لکھے ہیں ان کو دیکھا جائے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب ماجاء فی کراہیۃ الاضرار فی الوصیۃ

اضرار سے اضرار ورنہ مراد ہے، یعنی خلاف قاعدہ وصیت کر کے ورنہ کو ضرر و اذیت پہنچانا۔

لہ وصیت متعلق بعض ضروری حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے لئے زائد سے زائد ایک ثلث کی وصیت غیر وارث کے مسائل مع اختلاف الممہ لئے جائز ہے، الم بخاری کا ترجمہ ہے، باب الوصیۃ بالثلث، اس پر حافظ لکھتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ثلث سے زائد وصیت ممنوع ہے (پھر میت دو حال سے خالی نہیں اس کے ورنہ ہوں گے یا نہیں، شق ثانی میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ایسے شخص کے لئے ثلث سے زائد وصیت جائز نہیں) اور اگر شق اول ہے یعنی میت کے ورنہ میں تو اس وقت بھی ثلث سے زائد کی وصیت کو جمہور علماء ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن حنفیہ اور اسحاق اور احمدی روایت نے اس کو جائز رکھا ہے اہ یعنی بشرطیکہ ورنہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو، چنانچہ ہدایہ میں ہے: ثم یصح للاجنبی فی الثلث من غیر اجازۃ الورثۃ، ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان تجزہا الورثۃ بعد موتہ وحم کبار لان الاستناع لحقہم وحم اسقطہ، ولا معتبر باجازۃ ہم فی حال حیاتیۃ اہ نیز جانتا چاہیے کہ وصیۃ للوارث کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، ظاہر یہ کہ نزدیک قویہ حکم مطلقا ہے بحیث لا وصیۃ لوارث اخرجه ابو داؤد والترمذی وغیرہما اور عند الجمہور وصیۃ لبعض الورثۃ کا جواز موقوف ہے بقیہ ورنہ کی اجازت پر اگر بقیہ ورنہ موت موصی کے بعد اس کی اجازت دیدیں تو پھر وہ وصیۃ معتبر اور جائز ہے لروایۃ الدارقطنی لا وصیۃ لوارث الا ان یشار الورثۃ، قال الحافظ ورجالہ ثقات الا انہ معلول (ترجمہ بخاری) وفی العینی قال المنذری انہما یبطلان الوصیۃ للوارث فی قول اکثر اهل العلم من اهل حقوق سائر الورثۃ، فاذا اجازوها جازت کما اذا اجازوا للزیدۃ علی الثلث، وذهب بعضهم الی انہا لا تجوز وان اجازوها، لان المنع من الشرع وهذا قول اهل الظاہر، (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۷۷) وفی الہدایۃ: ولا تجوز لوارثہ الا ان یجوزھا الورثۃ لان الاستناع لحقہم فیتجوز باجازہم، ولا اجاز بعض ورد بعض تجوز علی المجیز بقدر حصۃ ولایۃ علیہ (اھ ملخصا ملقطا) نیز جانتا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مرض الوفاۃ میں اپنے کسی وارث کو کوئی چیز فی الحال ہبہ کرے تو وہ حکم میں وصیۃ کے ہے وفی الہدایۃ والہبۃ من المریض (مرض الموت) للوارث فی ہذا نظیر الوصیۃ لاہنہا وصیۃ حکما، نیز حدیث میں ہے والثلث کثیر اسی لئے علماء فرماتے ہیں وصیت اگر ثلث سے کم ہو تو یہ بہتر ہے نفی الہدایۃ ویستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سوا کانت الورثۃ اختیار او فقرا، لان فی التفتیص صلوۃ القریب بترک ما علیہم بخلاف استکمال الثلث لانه استيفار تمام حقہ فلاصلۃ ولا منۃ، پھر یہ کہ ما دون الثلث کی بھی وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اس کا ترک اولیٰ ہے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اگر ورنہ، فقرا ہیں اس صورت میں ترک وصیت اولیٰ ہے اور اگر وہ اختیار میں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے موصی کو اختیار ہے جو شی اختیار کرے اس لئے کہ ہر ایک شے میں من وجہ فضیلت ہے اھ مختصر من الہدایۃ۔

یا رسول اللہ! ای الصدقة افضل؛ قال ان تصدق وانت صحيح الخ۔

آپ سے سوال کیا گیا افضل الصدقة کے بارے میں تو آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو اس حال میں کیا جائے کہ آدمی تندرست ہو، اور اس کو مال کی حرص اور محبت بھی ہو صحت اور توانائی کی وجہ سے کافی روز تک اپنے زندہ رہنے کی توقع ہو، اور فقر سے ڈرتا ہو تو جو صدقہ اس حال میں کیا جائے گا وہ سب سے افضل ہوگا، لہذا اسی حالت میں آدمی کو صدقہ کرنا چاہیے، اور پھر آگے اس کی ضد سے آپ منع فرما رہے ہیں کہ مت تاخیر کر اور نہ مہلت دے اپنے نفس کو صدقہ کرنے سے یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو تو کہنے لگے (بطور وصیت کے) فلاں کو اتنا دیا جائے، فلاں کو اتنا دیا جائے، حالانکہ وہ دوسرے فلاں کا ہو چکا یعنی وارث کا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

ان الرجل لیعمل والمراة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار۔ آپ فرما رہے ہیں: بلاشبہ بعض مرد اور بعض عورتیں ایسی ہیں جو ساٹھ ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری میں زندگی گزارتے ہیں، پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو وصیت کے بارے میں ورثہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

مصنف نے اس باب میں بعض حدیثیں تصدق کی ذکر کی ہیں اس لئے کہ تصدق عند الموت وصیت ہی کے حکم میں ہوتا ہے اور جس طرح وصیت ثلث سے زائد کی جائز نہیں ایسے ہی تصدق بھی جائز نہیں، اور اگر تصدق ورثہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہو تو وہ مطلقاً جائز نہیں، خواہ ثلث ہو یا اقل من الثلث (بذل) والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب ما جاء فی الدخول فی الوصایا

یعنی کسی کا وصی بن کر وصیتوں کے مسائل میں داخل ہونا اور ذمہ داریوں میں پڑنا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی فلا تأمرن علی اثنتین ولا تؤکین مال یتیم۔

شرح الحدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر میں تم کو کمزور یا تائبوں یعنی امارت کی مصالح اور اس کی ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں، لہذا کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا (چہ جائیکہ اس سے زائد پر) اور ہرگز کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا۔

لہ اسلئے کہ ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ صدقہ نہ کیا جائے لیکن وہ شخص باوجود اس کے اپنے نفس کی مخالفت کر کے صدقہ کر رہا ہے ۱۲

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آپ تو فرما رہے ہیں احب لک ما احب لنفسی حالانکہ آپ تو امیر الامراء اور ولی الاولیاء تھے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت ابوذر کو قبول امارت و تولیۃ سے منع فرمانا ایک علت کیساتھ معلل ہے یعنی ان کا ضعف اور وہ علت آپ میں مفقود ہے، اور پھر آپ کی امارت اور تولیۃ وغیرہ آپ کی اپنی اختیار کردہ تھوڑا ہی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہے۔ والحدیث اخرجه سلم والنسائی، قال المنذری۔

باب ما جاء فی نسخ الوصیۃ للوالدین والاقربین

شروع میں آیت میراث کے نازل ہونے سے قبل وصیت للوالدین والاقربین کا حکم تھا اقل وجوباً، وقیل استحباباً، قال اللہ تعالیٰ۔ یا ایہا الذین امنوا اذا جاء احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف والآیۃ، پھر آیت میراث کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو گیا، یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مذکورہ فی الباب میں ہے۔

باب ما جاء فی الوصیۃ للوارث

سمعت ابا امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ان وصیت سے متعلق بعض ضروری مسائل مع اختلاف ائمہ گذشتہ باب سے پہلے باب میں گذر گئے جنہیں مسئلۃ الباب بھی ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما انزل اللہ عز وجل «ولا تقربوا مال الیتیم الا بالحق

ہی احسن، وان الذین یا کلون اموال الیتام فی ظلما» الآیۃ الخ۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ ابتداء میں ایسا تھا جن لوگوں کی ذمہ داری میں یتیم بچے پرورش پاتے تھے اور وہ ان کے مالوں کے متولی تھے تو وہ ان یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ شرکت میں تیار کرتے تھے جس میں یتیم ہی کا فائدہ تھا تو جب یہ دو آیتیں۔ جو روایت میں ہیں۔ نازل ہوئیں تو ان اولیاء نے احتیاطاً ایسا کیا کہ ان یتامی کے کھانے پینے کا انتظام مستقل الگ شروع کر دیا، خلط بین الطعام میں سے بچنے کے لئے، جب الگ پکانا شروع کر دیا تو اب اکثر اس کھانے میں سے کچھ بچ جاتا تھا تو وہ بچا ہوا یا تو باسی ان یتامی کو کھانا پڑتا تھا یا وہ مٹتا تھا، یہ صورت حال ان پر گراں گزری اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس پر وہ دوسری آیت نازل ہوئی جو حدیث میں مذکور ہے، اس پر حسب سابق ان صحابہ نے کھانے کے بارے میں عمل شروع کر دیا، والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

باب ماجاء فيما لولي اليتيم ان ينال من مال اليتيم

ولی الیتیم یعنی وصی اور متولی، حاصل ترجمہ یہ ہے کہ کیا متولی یتیم مال یتیم کی نگرانی و خدمت کی اجرت و وظیفہ لے سکتا ہے مال یتیم سے؟۔

شرح الحدیث قال: فكل من مال یتیمك غیر مسرف ولا مبادر ولا متأشل۔
ترجمہ الباب والے مسئلہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ فرمایا کہ ہاں ایسی صورت میں تو اپنے یتیم کے مال سے حق الخدمت لے سکتا ہے اس حال میں کہ اسراف کرنے والا نہ ہو اور نہ جلدی کرنے والا ہو اور نہ سرہانہ جمع کرنے والا ہو۔

یہ اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کی طرف، "ولاتا کلوھا اسرافاً وابدرا ان یکبروا"۔ "بدرا" کا مطلب جس سے روکا جا رہا ہے یہ ہے کہ وہ متولی یتیم جلدی جلدی یتیم کے مال کو خرچ کرے یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے، کیونکہ اس کے بالغ ہونے کے بعد تو تولیہ ختم ہو جائے گی، "متأشل" اسی غیر مستخدم مال، یہ اٹکلہ سے ہے، اٹکلہ اشئ اصلہ یعنی ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ مال یتیم کو اپنے لئے ذخیرہ اور رأس المال بنایا جائے، صرف حق الخدمت لیا جائے، اور شرح میں اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ وہ متولی مال یتیم میں تجارت کرے اور اس کے رأس المال سے کماتا رہے اور یتیم کے بالغ ہونے کے بعد ربح خود رکھ کر اس کو صرف رأس المال دے۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

باب ماجاء متى ينقطع الیتیم

لا یتیم بعد احتلام، ولا صمات یوم الی اللیل،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اچھی طرح محفوظ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ احتلام کے بعد یتیم یتیم نہیں رہتا بلکہ اس پر بالغین کے احکام جاری ہو جاتے ہیں، اور گویا ولی کی تولیت اس سے ہٹ جاتی ہے، وہ خود اپنا اور اپنے مال کا ذمہ دار ہو جاتا ہے، اور دوسری بات جو مجھ کو آپ سے محفوظ ہے یہ ہے کہ صبح سے شام تک خاموش رہنا یعنی صوم سکوت یہ اسلام میں نہیں ہے لہذا من عبادۃ الجاہلیۃ، بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ذکر اللہ اور کلمۃ الخیر زبان سے بولا جائے۔

باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم

حدیث الباب میں ناحق مال یتیم کھانے کو سبع کبار مہلکات میں شمار کیا گیا ہے۔

اجتنبوا السبع الموبقات الخ۔

شرح الحدیث

تو لی یوم الزحف، زحف سے مراد قتال اور جنگ، یعنی لڑائی سے منہ موڑ کر جانا، وقذف المحصنات الغافلات یعنی پاکدامن اور بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا، اور بعد والی روایت میں

اس طرح ہے یا رسول اللہ! الکبائر؟ قال هن سبع مذکر معناه، وعتق الوالدين المسلمين، واستحلال البيت الحرام قبل تلک احیاء وامواتا، اس حدیث میں کبائر کی تعداد آپ نے نو فرمائی ہے، گزشتہ سات کے علاوہ دو کا اضافہ ہے عتق الوالدين، اور کعبۃ اللہ کا استحلال یعنی ہتک حرمت، جو چیزیں اس میں حرام کی گئی ہیں ان سے نہ رکنا، آگے ہے روایت میں کہ وہ کعبہ جو کہ تمہارا قبلہ ہے زندوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی، چنانچہ زندگی میں آدمی اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے، اور مرنے کے بعد قبر میں میت کے چہرہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

گناہوں میں صغائر و کبائر کی بحث

اس حدیث سے ایک قویہ بات معلوم ہوئی معاصی کی تقسیم، یعنی بعض معاصی عند الشارع صغیرہ ہیں اور بعض کبیرہ، دوسری چیز ان کی تعداد، جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں صغائر اور کبائر، اور بعض علماء اس تقسیم کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین کی ہر نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، لیکن ظاہر قرآن و احادیث سے جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، نیز حد کبیرہ یعنی اس کی تعریف میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، نفی الکیبرۃ ہی الموجبۃ للحد، وقیل ما یلحق الوعد بصاحبہ تبص کتاب او سنۃ، یعنی جس گناہ کے بارے میں قرآن یا حدیث میں وعید وارد ہوئی ہو، وقیل کل ذنب ادخل صاحبہ النار وغیر ذلک الی آخر ما فی البذل۔

دوسری چیز حدیث میں تعداد کبائر ہے، پہلی حدیث میں سات اور دوسری میں نو بیان کئے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی احادیث میں دوسرے کبائر ذکر کئے گئے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کل ما ہنی اللہ تعالیٰ عنہ فهو کبیرۃ، نیز ان سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر تو انہوں نے فرمایا بھی الی سبعین یعنی ان کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے اور ایک روایت میں ان سے سبع مئة یعنی سات سو تھے۔

حضرات علماء نے کبائر کے نام سے مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں مثلاً الکبائر للذہبی الصغائر والکبائر لابن نجیم والابن لابن حجر البیہقی، الکبائر لابن عبد الوہاب۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ از جہ البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ از جہ النسائی قالہ المنذری

باب ما جاء فی الدلیل علی ان الکفن من جمیع المال

وفی بعض النسخ من رأس المال یعنی میت کے کفن کا تعلق میت کے پورے مال سے ہے، اگر پورا ترکہ اس میں

صرف ہو جائے تو ہوا کرے، لہذا کن مقدم ہو گا دین اور وصیت اور میراث سب پر، اسی سے اس باب کی مناسبت بھی کتاب الوصیۃ کے ساتھ ظاہر ہو گئی۔

عن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مصعب بن عمیر قتل یوم احد ولم یکن لہ الا نمرۃ اذ قال کا فاعل نمیر مفعول ہے جو خباب کی طرف راجع ہے، اور مصعب ترکیب میں مبتدا اور مفعول، اس کی خبر ہے، حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں اس حال میں شہید کئے گئے کہ ان کے پاس سوائے ایک اونٹنی چادر کے کچھ بھی نہیں تھا، اور وہ بھی ایسی تھی کہ اگر ہم اس سے ان کے سر کو ڈھانپتے تھے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دو، اور پاؤں پر اذخر کے پتے رکھ دو۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

باب ما جاء فی الرجل یهب الہبۃ ثم یوصی لہ بہا ویرثہا

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقالت کنت تصدقت علی اہی بولیدۃ اذ۔

شرح الحدیث یعنی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور میں نے ان کو ان کی زندگی میں ایک جاریہ بہہ کی تھی اور اب وہ اس جاریہ کو ترکہ میں چھوڑ گئی، یعنی کیا میں اس کو لے سکتی ہوں؟ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا تیرا اجر اپنی جگہ قائم ہے اور وہ تیرے پاس میراث میں لوٹ کر آگئی۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ کیا ہو مال اگر میراث کے طور پر آئے تو اس کو لینا جائز ہے، بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو لینے کے بعد صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (بذل) پھر اسی عورت نے یہ سوال بھی کیا کہ میری والدہ کے ذمہ ایک ماہ کے روزے بھی ہیں تو کیا یہ کافی ہے کہ ان کی طرف سے روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: نعم، اور پھر یہی سوال حج کے بارے میں آگے مذکور ہے۔ یہ مسئلہ کہ عبادت میں نیابت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں بالتفصیل کتاب الصوم اور حج میں گذر چکا۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف

ذکر وقف میں مصنفین کا طرز عمل | یہ باب وقف سے متعلق ہے جس کو مصنف کتاب الوصیۃ کے ضمن میں لائے ہیں،

حضرت امام بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اور امام ترمذی نے وقف کا باب ابواب الاحکام کے ضمن میں لیا ہے، اور امام نسائی نے مستقل کتاب "کتاب الاخیاس" کے عنوان سے قائم کر کے اس کے تحت میں متعدد ابواب ذکر کئے ہیں، اور اس کے بعد مستلاً کتاب الوصایا کو ذکر فرمایا۔

وقف کی حقیقت میں امام حسن اور جمہور کا اختلاف

الواقف والتصدق بالمنفعة یعنی اصل شے کو اپنی ملکیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا کسی شخص پر یا کسی جماعت پر خواہ فقرا ہوں یا اغنیاء، یہ تعریف امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: جس العین علی ملک اللہ تعالیٰ والتصدق بالمنفعۃ، یعنی کسی شخص کا اپنی کسی چیز کو مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ٹھہراتے ہوئے اس کی منفعت کا صدقہ کرنا، امام صاحب کے نزدیک واقف کی ملکیت وقف کردہ شے میں باقی رہتی ہے اور صاحبین کے نزدیک وہ شے مالک کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، نیز وقف امام صاحب کے نزدیک جائز ہے لازم نہیں مثل عاریۃ کے ہے، واقف کی حیات میں وہ شے اس کی ملک میں رہتی ہے اور اس کی وفات کے بعد ملک ورثہ ہو جاتی ہے بحیث بیاع و یوہب، وکذا جاز رجوع الواقف عن الوقف فی حیاتیہ مع الکراہۃ، اور صاحبین کے نزدیک واقف کے لئے ابطال وقف جائز نہیں بلکہ وہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح اس میں میراث بھی جاری نہیں ہوتی وغلیہ الفتویٰ (الدر المختار) جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مسلک بھی یہی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اصاب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضاً بخیب فاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ا۔

مضمون حدیث (وقف عمر رضی اللہ عنہ) مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں دونوں کا تعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف سے ہے جنہوں نے اپنی دوزمینیں شمع اور صرۃ ابن الاکوع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ کے بعد وقف کی تھیں، ان دو میں پہلی حدیث تو ذرا مختصر ہے اور دوسری مفصل جس میں پورا وقف نامہ یعنی کتاب الوقف مذکور ہے، پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے: حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ایک ایسی زمین حاصل کی ہے کہ اس سے زیادہ نفیس مال مجھے کبھی حاصل نہیں ہوا، تو میں اس کا کیا کروں اور کیسے صدقہ کروں، اس میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اصل زمین کو روک کر اس کے منافع کا صدقہ کر دو، چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے فرمان کے مطابق اس کا تصدق کر دیا اس شرط کے ساتھ لایباع اصلہا ولا یوہب ولا یورث کہ اصل زمین کو نہ بیع کی جائے نہ ہبہ اور نہ اس میں میراث

جاری کی جائے، آگے موقوف علیہم کا بیان ہے للفقراء والقربى والرقاب وفى سبيل الله قرنی سے مراد یا تو واقف کے اقارب ہیں، اور ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقارب مراد ہوں، اور رقاب سے مراد غلبت رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرنا اور مکاتیب کے دیون ادا کرنا، لاجنح علی من ولیہا ان یا کل منها بالمعروف، یعنی متولی وقف کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اس سے معتاد اور معروف طریقہ سے منتفع ہو اور اپنے دوست کو بھی کھلانا، لیکن یہ نہ ہو کہ اس میں سے اپنے لئے رکھ کر جمع کرے، گویا صرف حسب حاجت اتفاق کی اجازت ہے جمع کی نہیں، تغیر متائل مالا، متائل اثلہ سے ماخوذ ہے اثلہ اصل شئی کو کہتے ہیں قال امرئ القیس ع وقد یدرک المجد الموشل امثالی، یعنی وقف کے مال کو اپنا رأس المال نہ بنائے۔

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقف میں یہ شرطیں لایا باع ولایوہب وغیرہ حضرت عمر کی جانب سے تھیں، اور بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کی ہدایت خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمائی تھی، حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کا مرفوعاً ثابت ہونا ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رفع والی روایت اتم اور اصرح ہے اور صاحب تحفۃ الاحوذی علیہ السلام نے روایتین کا تعارض لکھ کر یہ توجیہ کی ہے کہ ان دونوں کے درمیان جمع اس طور پر ممکن ہے کہ جس روایت میں یہ شرائط حضرت عمر کی طرف منسوب ہیں وہ روایت بعد کی ہے اولاً خود حضور نے ان کو ان شرائط کی ہدایت فرمائی تھی پھر حضرت عمر نے آپ کے حکم کی تعمیل میں وہ شرطیں لکھوائیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث وقف کے سلسلہ میں جہور اور صاحبین کے موافق ہے کیونکہ اس میں لایا باع ولایوہب ولایورث کی تصریح ہے جہور بھی وقف کے بارے میں یہی کہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ یہ امور حقیقت وقف میں داخل ہیں بلکہ یہ تو شرط کے قبیلہ سے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں حقیقت وقف میں داخل ہوں، ہذا ما یخطر بالبال فیلسل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمدی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن یحییٰ بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل عن عبد الحمید

ابن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا ما لک عبد اللہ عمر فی شیع، فقص من خبرہ نحو حدیث نافع، قال غیث متائل مالا فاعطاعہ من شیع فهو للسائل والمعوم کتاب الوقف کی شرح | یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف کے بارے میں کہ اس وقف نامہ کو مجھے لکھ کر دیا یعنی اس کی نقل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پوتے عبد الحمید نے، آگے اس کتاب الوقف (وقف نامہ) کی عبارت ہے، اس عبارت میں "عمر" عبد اللہ سے بدل واقع ہو رہا ہے، ترجمہ یہ ہوگا یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا بندہ عمر لکھ رہا ہے شیخ کے بارے میں، آگے

مصنف حوالہ کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ پھر یحییٰ بن سعید نے آگے وقف کے سلسلہ میں اسی طرح ذکر کیا جیسے اس سے پہلے نافع کی روایت میں آیا تھا اور یحییٰ کی روایت میں غیر متاثر الما ہے پھر اس روایت میں جو گذشتہ روایت سے زائد ہے اس کو روایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ان مصارف مذکورہ میں خرچ کرنے کے بعد بچے اس کے پھلوں میں سے تو سائل اور محرم سبک لئے ہے، قال وساق القصة یعنی راوی نے اور کچھ بیان کیا، اس طرح وہاں کہتے ہیں جہاں اختصار کرنا مقصود ہو جیسے الی آخرہ کہتے ہیں آگے یہ ہے کہ اگر موتی شمع چاہے تو اس زمین کی آمدنی میں سے زمین کی خدمت اور کام کے لئے غلام خرید سکتا ہے۔ وکتب معیقب وشہد عبد اللہ بن الارقمہ یعنی اس وقف نامہ کو لکھنے والا معیقب ہے اور گواہ عبد اللہ بن الارقم ہیں، تحریر کے اخیر میں جس طرح کاتب اپنا نام لکھا کرتا ہے یہ وہی ہے، معیقب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خراجی اور منشی تھے۔

بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما اوصى به عبد الله عمر امير المؤمنين ان يحدث به حدث

ان شمعاً وصورة ابن الاكوع الخ۔

بظاہر یہ وقف نامہ کی اصل اور مسلسل عبارت ہے، اوپر چونکہ مصنف وقف نامہ کی عبارت شروع کر کے اختلاف روایات کو بیان کرنے لگے تھے وہاں پوری عبارت نہیں آسکی تھی اس لئے یہاں وہ پوری عبارت منقول ہے صداما فہمت واللہ تعالیٰ اعلم۔
صرت ابن الاكوع بھی شمع کی طرح زمین کا نام ہے۔

والتمنة التي اطعمه محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالوادی، یعنی اور وہ سو حصے (ان کو بھی وقف میں شامل کر رہے ہیں) جو مجھ کو یعنی عمر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کئے تھے وادی میں، وادی سے مراد وادی القری ہے جو مدینہ اور تبوک کے درمیان ہے۔

تلبہ حفصة ما عاشت یعنی اس وقف کی تولیت میری بیٹی حفصہ کے لئے ہوگی جب تک وہ حیات رہے پھر اس کے بعد اس کے خاندان میں سے جو ذی رائے ہو۔

باب ماجاء في الصدقة عن الميت

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء من صدقة جاریة او علم

لہ اس کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہاں عبارت میں بظاہر تکرار محسوس ہو رہا ہے۔

تلبہ اور صرت بن تیس ایک انصاری صحابی کا نام ہے جو کتاب الصوم کے شروع میں گذرا ہے، اور اس پہلے ابواب الاذان اُحیلت الصلاة ثلاثہ حوالہ کے ذیل میں فتہ ذکر۔

ینتفع بہ اولد صالح یدعولہ۔

شرح الحدیث یعنی آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، اسی طرح سلسلہ ثواب کا بھی منقطع ہو جاتا ہے انقطاع عمل سے، لیکن اس میں آپ نے تین عملوں کا استثناء فرمایا کہ وہاں سلسلہ ثواب انقطاع عمل سے منقطع نہیں ہوتا (۱) صدقہ جاریہ یعنی ایسا صدقہ جس کا نفع لوگوں میں جاری رہے جیسے اوقاف (۲) ایسا علم جس سے لوگ منتفع ہوتے رہیں جیسے تعلیم و تصنیف، قال التاج السبکی التصفیف اوقی من التعلیم بطول بقائہ (۳) ولد صالح جو اپنے باپ کے لئے دعا کرتا ہو، صالح سے مراد یہاں مؤمن ہے کما قال ابن حجر المکی۔ ہمارے ایک استاد فرماتے تھے مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہ "یدعولہ" کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے اسلئے کہ آدمی کی مؤمن اولاد اس کے لئے ویسے بھی صدقہ ہے خواہ دعا کرے یا نہ کرے۔

مصنف نے ترجمہ قائم کیا صدقہ عن المیت، اس میں ایصال ثواب برائے موتی کا مسئلہ ہے اس پر کلام ہمارے یہاں کتاب الزکاۃ باب فی فضل سقی الماریں گذر چکا، اس مسئلہ پر یہاں بذل میں بھی تفصیلی کلام کیا ہے جو دیکھنا چاہے دیکھے۔ والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی قال المنذری۔

باب ماجاء فی من مات عن غیر وصیۃ یتصدق عنه

ترجمہ اور حدیث الباب ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه النسائی وابن ماجہ، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب ماجاء فی وصیۃ الحر بنی سلم ولیہ یلزمہ ان ینفذها

یعنی اگر کوئی کافر کوئی وصیت کر کے مرے اور حال یہ کہ اس کا وارث مسلمان ہو جائے تو کیا اس وصیت میں اس وارث مسلم پر یہ واجب ہے کہ اس کافر باپ کی وصیت کو پورا کرے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس پر وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں جیسا کہ حدیث الباب سمجھ میں آرہا ہے حدیث الباب یہ ہے۔ ان العاص بن واصل اوصی ان یعتق عنه مثله فاعتق ابنہ هشام خمسين رقبة الخ۔

یعنی عاص بن واصل جو کہ کافر تھا اسلام نہیں لایا اگرچہ اس نے اسلام کا زمانہ پایا ہے، اس نے یہ وصیت کی کہ میری

طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے اور اس کے دوسرے بیٹے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ارادہ کیا باقی پچاس آزاد کرنے کا، تو انہوں نے سوچا کہ اول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے، چنانچہ آپ کی خدمت میں آکر انہوں نے دریافت کیا اور آکر آپ کی خدمت میں اپنے باپ کی وصیت کا ذکر کیا اور یہ کہ میرے بھائی نے تو پچاس اس کی طرف سے آزاد کر دیئے ہیں تو کیا باقی پچاس میں اس کی طرف سے آزاد کر دوں، حضور نے فرمایا کہ اگر تیرا باپ مسلم ہوتا اور پھر تم لوگ اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تب تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا (لیکن موجودہ صورت میں آزاد کرنا بیکار ہے) دیکھئے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے کہ اسکی وجہ مرتبہ کی بعد ہی میت کو فوائد پہنچانے جاسکتے ہیں نا الحمد للہ الذی بڑانا

باب ما جاء في الرجل يموت وعليه دين وله وفاء يستظر

غرماءه ويرفق بالوارث

یعنی اگر کوئی شخص اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ کسی کا دین ہو اور وہ اتنا مال چھوڑ کر بھی مرے جس سے دین ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض خواہوں سے کیا مہلت طلب کی جائے اور وارث کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ یہ ترجمہ یا تو بطریق استفہام کے ہے بتقدیر ہمزۃ الاستفہام، اور احتمال اس میں خبر کا بھی ہے (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اخبرہ ان اباہ توفی وتروک علیہ ثلاثین وسقاً للرجل من یهود اذ
حدیث دین جابر کی شرح یہ حدیث دین جابر کی کہلاتی ہے، ان کے دین کا قصہ روایات میں مشہور ہے بخاری میں یہ حدیث متعدد مواضع میں ہے، کتاب البیوع، کتاب الصلح، کتاب الاستقراض، کتاب الہبۃ،

کتاب الوصایا، علامات النبوة الفضاہ وغیرہ، اسی طرح نسائی میں بھی بالتفصیل متعدد طرق سے آئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کے ذمہ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے ایک یہودی کی تیس دسوق کھجوریں تھیں، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غرماء یعنی قرض خواہ بہت سے تھے لہذا ابوداؤد کی روایت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان غرماء میں سے تیس دسوق کھجوریں صرف ایک غریم کی تھیں اور دوسرے غرماء کے جوان بر دین تھے وہ اس کے علاوہ تھے غرضیکہ حضرت جابر نے اپنے والد کے غرماء سے اول تو کچھ دین کی معافی کی بات رکھی کہ چھوڑ دیا جائے، جب انہوں نے اس کو نہ مانا تو پھر انہوں نے استنظار یعنی مہلت طلب کی، جب انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا تو پھر حضرت

عہ منکونہ شریف نصف اول کی یہ آخری حدیث ہے جسکی نسبت اس میں صرف ابوداؤد کی طرف کی ہے۔

جابر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ سفارش فرمادیجئے آپ نے ان غرام سے ان کے لئے سفارش فرمائی، انہوں نے تب بھی نہیں مانا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا اچھا جاؤ اپنے باغ میں اور کھجوریں توڑو اور ہر قسم کی کھجور کو علیحدہ علیحدہ جمع کرو، یعنی ان کو خلط نہ کیا جائے اور جب تم یہ سب کام کر چکو تو مجھے اطلاع کر دینا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور کھجوروں کے ڈھیر لگا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرا دی، آپ تشریف لائے اور ان ڈھیروں میں سے ایک پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کو ناپ ناپ کر کھجوریں دینی شروع کرو، وہ فرماتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اور حضور برکت کی دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ سب کا حق پورا ادا ہو گیا اور میری کھجوروں کا حال یہ تھا کہ گویا ان میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا، ایک روایت میں ہے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے باغ کی کئی سال کی فصلوں میں جا کر یہ قرض ادا ہو گا، مگر وہ ایک ہی سال کی فصل سے ادا ہو گیا، اور روایت میں ہے کہ ہمارے دو باغ تھے ایک چھوٹا ایک بڑا، اور یہ سارا قرض ایک چھوٹے باغ سے پورا ہو گیا حتیٰ وفینا جمیع حقہ من اصغر الحدیقتین، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب سب کے حقوق ادا ہو گئے تو حضور نے حضرت جابر سے فرمایا کہ جاؤ ابو بکر و عمر کو بھی اس کی اطلاع کر دو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اس کی اطلاع کی ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس باغ میں تشریف لیجا رہے ہیں تو پھر ایسا ہی ہو گا، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کو علامات نبوۃ میں بھی ذکر کیا ہے صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری، وفيه البذل، والحدیث تمامہ مذکور فی البخاری ومسلم وغیرہما، قلت لم اجدہ فی صحیح مسلم ولعلہ سبق فلم، والصواب بدلہ والنسائی یلیہ۔

اول کتاب الفرائض

العلم ثلاثة وما سوى ذلك فهو فضل آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة۔

شرح الحدیث | یعنی علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں، اور ان کے علاوہ جو ہے وہ ضرورت سے زائد اور غیر ضروری ہے آگے ان تین کا بیان ہے (۱) آیات محکمہ، یعنی غیر منسوخہ، یا صریحہ غیر محتمل تاویل (۲) احادیث صحیحہ ثابتہ (۳) فریضہ عادلہ فریضہ سے مراد یا تو وہ احکام و اصول ہیں جن سے تقسیم بین الورثۃ عدل کے ساتھ یعنی پوری پوری ہو سکے اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مطلق وہ فرائض و احکام ہیں جن پر عمل واجب ہے، اور عادلہ سے مراد ہے سادہ، یعنی وہ احکام مستنبطہ جو مساوی اور موافق ہوں یا یؤخذ

من الكتاب والسنة کے واللہ تعالیٰ اعلم، فقہیہ اشارۃ الی الاجماع والقیاس، لہذا اس حدیث میں چاروں اولہ شرعیہ کتاب وسنة اجماع و قیاس کا ذکر آگیا۔ اس حدیث کی شرح میں یہ دونوں احتمال بذل میں فتح الودود کے حوالے سے لکھے ہیں، امام ترمذی نے کتاب الفرائض کے شروع میں باب ماجاء فی تعلیم الفرائض کے تحت میں یہ حدیث ذکر کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تعلموا الفرائض والقرآن وعلما الناس فانی مقبوض و فی ہامشہ عن مجمع البحار قیل ای علم المیراث، ولادلیل علیہ والظاہر ما فرض اللہ تعالیٰ، ولیکن ان یراد سنا صادرۃ منہ مشتملۃ علی الاول والاخر والنواہی، ای تعلموا الكتاب والسنة۔

باب فی الکلالۃ

کلالہ عند اکہور وہ میت ہے جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے من لا والد لہ ولاد لہ، اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے وہ ورثہ جن میں میت کا والد اور ولد نہ ہوں، یہ دونوں تو تقریباً ایک ہی ہیں، وقیل من لا والد لہ فقط وهو قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، او من لا ولد لہ فقط۔

انہ سمع جابر ارضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول مرضت فأتانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

..... یا رسول اللہ کیف اصنع فی مالی ولی اخوات قال فنزلت آیت المیراث۔

مضمون حدیث جابر فی الوصیۃ | اس باب میں مصنف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس میں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں اس وقت بے ہوش تھا آپ سے بات نہیں کر سکا، آپ نے وضو فرمائی اور وضو کا بچا ہوا پانی یا غسلہ۔ (وبالآخر جزم الحافظ فی الفتح کما فی ہامش البذل) مجھ پر چھڑکا جس سے میں ہوش میں آگیا، اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے مال میں کیا کروں (یعنی اگر کچھ وصیت کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں) اور میرے وارثوں میں صرف میری بہنیں ہیں، وہ فرماتے ہیں اس پر آیت میراث نازل ہوئی (آیت میراث کمصداق

لہ میری تقریر الوداد کی ایک کاپی میں اس طرح ملا: علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں آیات صریحہ محکمہ، احادیث صحیحہ ثابتہ، وہ احکام اور فرائض جو قسین اولین سے ماخوذ و مستنبط ہوں (اشارۃ الی القیاس والاجماع) العادلہ یعنی برابر یعنی یہ احکام اور فرائض مستنبط معتبر ہوں اور واجب العمل ہونے میں برابر ہیں قسین اولین کے لیکن مصنف کی مراد یہی نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں وہ یہ کہ فریضہ عادلہ سے مراد وہ احکام اور اصول ہیں جن سے عدل بین الورثۃ فی الحصص المعینۃ حاصل ہو، اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے، وبذل المعنی هو المطابق لغرض المصنف لغرضی العادلۃ علی الاولی العادلۃ ای المستویۃ للقسین الاولین فی الحجۃ و علی الثانی بمعنی العادلۃ فی القسمۃ۔

آگے مذکور ہے) "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" اور بعض روایات میں اس طرح ہے: فنزلت یوصیکم اللہ فی اولادکم" اور امام بخاری نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیۃ المیراث سے مراد "یوصیکم اللہ" الایۃ ہے۔

حضرت جابر کے بارے میں | پھر جاننا چاہیے اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت جابر کے قصہ میں ان دو آیاتوں میں سے کونسی آیت نازل ہوئی، آیادہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم" ہے جو سورۃ نسا کے شروع میں مذکور ہے اور بڑی مفصل ہے تمام ورثہ کے حصص

اس کے اندر بیان کئے گئے ہیں، اور اس کے آخر میں مجملہ کلالہ کا بھی ذکر ہے "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ الخ" اور یا اس کا مصداق "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" ہے جو سورۃ نسا کے اخیر میں مذکور ہے جس میں حکم کلالہ کا بیان واضح مذکور ہے جس کو آیۃ الصیف بھی کہتے ہیں پس بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق اول سورۃ والی آیت ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق آخر سورۃ والی آیت ہے، لیکن حضرت جابر کے حال کے مناسب چونکہ وہ کلالہ تھے قول ثانی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن العربی نے اس سلسلہ میں اپنا خلیجان ظاہر کرتے ہوئے آیۃ میراث کو ترجیح دی ہے یعنی "یوصیکم اللہ" پھر آگے حافظ نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت جابر کے قصہ میں آیۃ الصیف کا نزول ہوا یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" اور اسی طرح آیۃ المیراث (یوصیکم اللہ) کا آخری ٹکڑا جس میں کلالہ کا ذکر مجملہ ہے یہ دو تو جابر کے قصہ میں نازل ہوئیں اور آیۃ میراث کے شروع کا حصہ یہ سعد بن الربیع کی دو بیٹیوں کے قصہ میں نازل ہوا (من البذل) میں کہتا ہوں: سعد بن الربیع سے متعلق آیت آئندہ باب میں آ رہی ہے جس میں اس طرح ہے: عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حتی جئنا امرأة من الانصار فجاءت المرأة بابنتین لہا فقال لیا رسول اللہ ہاتان بنتا ثابت بن قیس (قال البوداؤد: اخطأ بشرفیہ انما هما ابنتا سعد بن الربیع) وفي الخیرہ وقال: نزلت سورۃ النساء یوصیکم اللہ فی اولادکم الایۃ (الحديث).

والحدیث اخرہ البخاری وسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات

اس باب میں بھی مصنف نے حضرت جابر ہی والی روایت ذکر کی، کیونکہ حضرت جابر پر یہ بات صادق آتی ہے

لہ تنبیہ: ہم نے اس باب اور گذشتہ باب کے درمیان تکرار سے بچنے کے لئے فرق اگرچہ ظاہر کر دیا لیکن یہ باب بعض نسخوں میں ہے ہی نہیں، بلکہ گذشتہ ہی باب کے تحت چار حدیثیں مذکور ہیں (۱) حدیث احمد بن حنبل (۲) حدیث عثمان بن ابی شیبہ (۳) مسلم ابن ہریم سے

۔ لیس لہ ولد ولہ اخوات۔ اور من لیس لہ ولد یہی کلام ہے (علی قول) لہذا پہلا باب اور یہ باب دونوں کلام سے متعلق ہیں، فالفرق بین الترجمتین بقولہ صہنہ ولد اخوات، وهذا القید لیس بملفوظ فی الترجمة السابقة۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالت اشکیت وعندی سبع اخوات..... الاوصی لاختواتی

بالتین، قال آخسن، قلت الشطر، قال آخسن۔

شرح الحدیث ظاہر الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت جابر نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اپنی بہنوں کے لئے وراثت کی وصیت کر دوں، اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی اخوات کے ساتھ احسان کرو، انہوں نے عرض کیا کہ اچھا نصف کی وصیت کر دوں؟ آپ نے پھر وہی فرمایا آخسن، اس حدیث پر بادی الرأی میں دو اعتراض ہوتے ہیں اول یہ کہ اخوات کے لئے وصیت کہاں جائز ہے وہ تو وارث میں ولا وصیہ لوارث، دوسرے یہ کہ وہ تو ثلثین کی وصیت کی اجازت لینا چاہتے تھے، آپ نے فرمایا احسن الی الاخوات، اس پر انہوں نے نصف کی وصیت کی اجازت طلب کی، اس میں احسان الی الاخوات کہاں ہے اس میں تو اور بھی نقصان پایا جا رہا ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ باب وصیہ میں لام موصی لہ پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں لا خواتی میں یہ لام صلہ کا نہیں ہے اور موصی لہ پر داخل نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ لام اجلیہ ہے یعنی لاجل اخواتی، اور مطلب یہ ہے کہ میں جو آپ سے وصیت کی اجازت طلب کر رہا ہوں وہ اخوات کے موجود ہونے کی وجہ سے ہے کہ چونکہ میرے ورثاء میں میری اخوات موجود ہیں تو کیا ان کے ہوتے ہوئے میں کسی شخص کے لئے ثلثین کی وصیت کر سکتا ہوں، فرال الاشکال بخلافہ، کذا سمعتنا من الاساتذہ۔ پھر آگے روایت میں یہ ہے: آپ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے اس مرض میں وفات نہیں پاؤ گے۔

تنبیہ: حضرت جابر کا کلام ہونا اور پھر محدثین کا ان کی روایت کو باب الکلامہ میں ذکر کرنا یہ ان کی اس موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے جو بوقت سوال تھی ورنہ بعد میں تو جب وہ اس مرض سے صحتیاب ہو گئے تو شادی کی صاحبزاد ہوئے اور بہت زمانہ تک زندہ رہے حتیٰ تو فی ۷۳ھ وھو ابن اربعۃ و تسعین سنۃ وھو آخر من مات بالمدينة من الصحابة (کذا فی التہذیب) والحدیث اخرہ النسائی، قال المنذری۔

۴۔ (۴) حدیثنا منصور بن ابی مزاحم جو ہمارے یہاں اس ترجمہ ثانیہ کے تحت آگے آرہی ہے، اور چاروں حدیثیں ترجمہ الباب کے مطابق ہیں دوسرے اختلاف نسخ یہاں پر یہ ہے کہ ہمارے نسخہ میں ترجمہ ثانیہ کے تحت جو تیسری حدیث ہے حدیثنا موسیٰ بن اسمعیل، اور جو تھی حدیثنا مسدد اور پانچویں حدیثنا ابن السرح، بعض دوسرے نسخوں میں یہ تینوں حدیثیں آئندہ آنے والے باب یعنی باب ماجاء فی میراث الصلح کے تحت میں مذکور ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کہ ان تینوں روایتوں کو ہمارے ترجمہ الباب (من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات) سے کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے منافی ہیں۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: انضاریۃ نزلت فی الکلالۃ الخ۔

”نزلت۔ آیت کی صفت ہے، یعنی آخری آیت جو کلالہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ یہ ستفتونک الخ ہے، اسی آیت کو آیت الصیف کہا جاتا ہے اور وہ جو سورہ نساء کے شروع میں ہے اس کو آیت الشمار کہتے ہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قال المنذری۔

فجاءت المرأة بابتین لہا فقالت یا رسول اللہ۔

اس روایت کا ذکر ہمارے یہاں شروع میں آچکا، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سعد بن الربیع کی زوجہ نے اپنی دو بیٹیوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ دونوں سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں جو آپ کے ساتھ جنگ احد میں تھے اور شہید ہو گئے تھے، ان دونوں کے چچانے ان کا سارا مال اور میراث قبضا لیا، اب کیا کیا جائے، بغیر مال کے ان کا نکاح کیسے کیا جائے گا، آپ نے اس عورت کی بات سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں کچھ فیصلہ فرمائیں گے، اس پر پھر آیت میراث، یو صیکم اللہ فی اولادکم، نازل ہوئی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اس عورت کو اور اس کے صاحب معاملہ کو بلوایا، اور ان کے آنے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا سے فرمایا کہ دوثلث میراث کا ان دونوں کو دے اور تم ان کی والدہ کو، آگے جو بچے وہ تیرے لئے ہے۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، فی حدیثہما سعد بن الربیع، قال المنذری۔

حدثنا منصور بن ابی مزاحم۔۔۔۔۔ عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رجل

الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔

خطابی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلالہ کے بارے میں دو آیتیں نازل فرمائیں ایک سردی کے زمانہ میں اور یہ وہ آیت ہے جو سورہ نساء کے شروع میں ہے جس میں اجمال و ابہام ہے پھر دوسری آیت نازل فرمائی گرمی کے زمانہ میں اور یہ وہ ہے جو سورہ نساء کے آخر میں ہے جس میں تفصیل اور وضاحت ہے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو اسی آیت الصیف کا حوالہ دیا کہ اس کو پڑھ وہ تیرے لئے کافی ہو جائے گی۔

والحدیث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

باب ماجاء فی میراث الصلب

جاء رجل الی ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسلم ان بن ربیعۃ الخ۔

ایک شخص ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس جو کہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے امیر کوفہ تھے اور سلمان بن ربیعہ کے پاس (جو کہ قاضی کوڈ تھے) آیا، اور اس نے ان دونوں

مضمون حدیث

سے فرائض کا یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی ان دونوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ نصف میراث بیٹی کے لئے ہے (لقلہ تعالیٰ ان کانت واحدة فلها النصف) اور نصف بہن کیلئے اور پوتی کو کچھ نہیں دیا اور ان دونوں نے اس سائل سے یہ بھی فرمایا کہ ابن مسعود کے پاس بھی چلے جاؤ وہ بھی اس فیصلہ کی موافقت فرمائیں گے، یہ سائل ان کی خدمت میں پہنچا اور ان دونوں کا فیصلہ سنایا، انہوں نے فرمایا: لقد ضللت اذا وما انا من المهتدين کہ اگر میں یہ فیصلہ کروں تو میں سیدھی راہ سے بھٹک جاؤں گا، اور پھر انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ نصف بیٹی کے لئے اور سدس پوتی کے لئے تکملۃ للثلثین، اور باقی یعنی ثلث بہن کے لئے۔

تکملۃ للثلثین کا مطلب سراجی پڑھنے والے جانتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں تصریح ہے اس بات کی کہ اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو پھر ان کا حصہ دو ثلث ہے (لقلہ تعالیٰ فان کن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا من ترک) یہاں چونکہ بنت ایک تھی کتاب اللہ کی تصریح کے مطابق نصف تو اس کا ہو گیا اور چونکہ بنت الابن بھی بنت ہی ہے مگر ذرا بعید اس لئے بنت کو نصف دینے کے بعد ثلثین میں سے جو سدس باقی رہ گیا تھا وہ دوسرے درجہ کی بنت کو دیدیا گیا تاکہ مجموعہ بنات کا حصہ پورا دو ثلث ہو جائے اور دونوں آیتوں کے مضمون پر عمل ہو جائے، یہی مطلب ہے تکملۃ للثلثین کا۔

والحدیث اخرجه البخاری والترذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

باب فی الجدة

جدہ سے یہاں دادی اور نانی دونوں مراد ہیں کیونکہ دونوں ذوی الفروض میں سے ہیں اور دونوں کا ہم بھی ایک ہی ہے یعنی سدس، اگر دونوں میں سے ایک ہوگی تو تنہا سدس وہ لے لیگی اور اگر دونوں میں تو سدس میں دونوں مشترک ہو جائیں گی جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذوی الفروض یعنی وہ ورثاء جن کے حصص متعین ہیں وہ دو طرح کے ہیں اکثر تو وہ ہیں جن کے حصہ کی تصریح کتاب اللہ میں ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا فرض اور حصہ کتاب اللہ سے ثابت نہیں بلکہ حدیث سے ہے چنانچہ جدہ خواہ ام الاب ہو یا ام الام اسی قسم ثانی میں سے ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ کسی میت کی جدہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اپنی میراث طلب کرنے، تو انہوں نے فرمایا مالک فی کتاب اللہ شیء کہ کتاب اللہ میں تو تیرا حصہ مذکور نہیں اور کسی حدیث سے تیرا حصہ ثابت ہے یا نہیں، یہ میرے علم میں نہیں، البتہ میں اس کے بارے میں لوگوں سے معلوم کروں گا، ان کے سوال کرنے پر حضرت میغرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا کیا ہے، اور محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی

تائید فرمائی، ان دو صحابیوں کی روایت پر حضرت ابو بکر نے اس حصہ کا نفاذ فرمادیا پھر آگے روایت میں یہ ہے کہ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی میت کی جدہ اخری آئی اور اپنی میراث طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ جدہ کے لئے ایک ہی سدس ہے اگر وہ تنہا ہو تنہا لے لے، اور اگر دو ہوں (دادی اور نانی) تو وہ اس میں مشترک ہوں گی۔

جدہ کا اطلاق چونکہ دادی اور نانی دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہے اس لئے یہ کہا جائیگا کہ اگر صدیق اکبر کے پاس آنے والی اس میت کی دادی تھی تو فاروق اعظم کے پاس آئینا اس کی نانی ہوگی، اور ہو سکتا ہے اس کا عکس ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب ماجاء فی میراث الجد

جد سے مراد ابوالاب جو کہ ذوی الفروض میں سے ہے مگر بالسنہ نہ کہ بالکتاب، اور جد سے ابوالام مراد نہیں ہو سکتا جس کو جد فاسد کہتے ہیں اس لئے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے جن کی توریت میں اختلاف ہے اور اس کا باب آگے آ رہا ہے، میراث جد کی طرح سدس ہے۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اتى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم: **مضمون حدیث** ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے، یعنی مرنے والے کا دادا، اس نے عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے مجھے اس کی کتنی میراث ملے گی، آپ نے فرمایا سدس، جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا تیرے لئے ایک سدس اور ہے، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو پکارا اور فرمایا کہ یہ دوسرا سدس تیرے معینہ حصہ سے زائد ہے۔

دادا کا اصل حصہ یعنی فرض تو سدس ہی ہے، اور یہاں سدس آخر جو اس کو ماوہ تعصیب کے طور پر ہے جس کی بظاہر شکل یہ ہوگی کہ مرنے والے نے اپنے جد کو چھوڑا اور بنتیں کو، بنتیں کا فرض دو ثلث ہے تو باقی ایک ثلث میں سے نصف یعنی سدس یہ دادا کا حصہ تھا وہ آپ نے اس کو دیا، اور پھر جو سدس بچا وہ بھی آپ نے اس کو دیدیا، اور شروع ہی میں پورا ثلث اس لئے نہیں دیا تاکہ اس کو معلوم رہے کہ میرا اصل فرض ایک سدس ہے والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن الحسن ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ایکم یعلم ما ورت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لجد الخ۔

مضمون حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی کو یہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد کا میراث میں کتنا حصہ لگایا، اس پر معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے دادا کا حصہ سدس لگایا، حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آپ نے دادا کو سدس کن ورثاء کے ہوتے ہوئے دیا؟ اس پر معقل نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تمہیں اس کا کچھ علم نہیں، صرف اتنا جانتا کہ سدس دلایا مفید نہیں، اور یہ اس لئے کہ میراث میں ذوی الفروض کو اصل فرض کے علاوہ بعض صورتوں میں عصبہ ہونے کی حیثیت سے کچھ زائد بھی ملتا ہے جیسا کہ ابھی اوپر والی حدیث میں گذرا، تو جب تک سب ورثاء کا علم نہ ہو اس وقت تک بات منع نہیں ہو سکتی۔ جاننا چاہیے کہ میراث الیحد میں یعنی اس کی مقدار میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے، خود حضرت عمر سے بھی اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، ابو داؤد میں کتاب الاشراف کے شروع میں حضرت عمر کی یہ حدیث آ رہی ہے، **ثَلَاثٌ وَدُرَّتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَمْ یَفَارِقْنَا حَتّٰی یُعِدَّ لِنَا فِیْہِمْ عِدًّا اَنْتَہٰی اِلَیْہِ الْیَہْدِ وَالْکَلَامَ** والیاب من ابواب الربا، رینظر البذل ۴ (۳۳۹) والحدیث اخرجه النسائی، وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

باب فی میراث العصبہ

جاننا چاہیے کہ وراثت کے اعتبار سے ورثاء کے درمیان ترتیب اس طرح ہے، اولاً ذوی الفروض، ثم العصباء النسبیۃ، ثم العصباء السببیۃ، یعنی مولی العتاقہ اس لئے کہ اس کی عصبیت نسب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سبب کی وجہ سے ہے یعنی عتاق ثم ذوی الارحام۔ عصبہ ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کا حصہ لگابندھا اور متعین نہ ہو، (اگر ہو تو ذوی الفروض کہلاتا ہے بلکہ ذوی الفروض کے دینے کے بعد جو بچے وہ ان کو ملے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقسیم المال بین اهل الفرائض علی کتاب اللہ، فما ترک الفرائض فلا ولی ذکر لہ

لہ ای الاقرب فی النسب الی المورث دون الابلعد فان استوا واشترکوا، واقرب العصباء البنون ثم بھن ثم وان سفوا، ثم الاب ثم الیحد ابو الاب وان علوا، قال الخطابی اقرب العصبۃ الی المیت کالایح والعم فان الاخ اقرب من العم، والعم و ابن العم، فالاول اقرب من الثانی اھ عون۔

یعنی میراث کو اولاً ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے کتاب اللہ کے مطابق، پس ذوی الفروض کو ان کے فرائض دینے کے بعد جو بچے وہ میت کے قریب ترین مرد رشتہ دار کے لئے ہے، اس سے مراد عصبہ بنفسہ ہے جو مرد ہی ہوتا ہے، اور اولی کے معنی اقرب کے ہیں جو ماخوذ ہے ولی بمعنی القرب سے کافی قولہ تعالیٰ "ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه" وقولہ علیہ السلام ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرہم علی صلوٰۃ۔ یعنی اولی سے مراد احق اور ارجح نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں کیا معلوم احق اور ارجح کون ہے، ہاں اقرب نسباً کون ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

باب فی میراث ذوی الارحام

ذوی الارحام کی تعریف یہ لکھی ہے کہ آدمی کے وہ اقارب جو ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ ہیں۔ ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں جاننا چاہیئے کہ ذوی الارحام کی تواریث میں اختلاف ہے صحابہ اور تابعین اسی طرح فقہاء کے درمیان بھی، ائمہ میں سے حنفیہ اور حنبلیہ قائل ہیں، ائمہ کا اختلاف اور دلیل اور شافعیہ و مالکیہ قائل نہیں، "وفی البذل: اما من نفی تواریثہم استدلالاً بآیات المواریث بان اللہ سبحانہ لم يذكر لذوی الارحام شيئاً وما كان ربك نسياً" وايضا تواریثہم زیادہ علی کتاب اللہ وذلك لا يثبت بغير الواحد والقياس، الی آخر ما قال، یعنی آیات میراث میں ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہیں، لہذا خبر واحد یا قیاس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، ومن قال بتواریثہم استدلالاً بقولہ تعالیٰ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ، وهذا اثبات الاستحقاق بالوصف العام، وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخال وارث من لا وارث له، وفي رواية الخال وارث من لا وارث له، يرثه ويعقل عنه، الی آخر ما بسط فی البذل۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ترک کلاً فالی، ومن ترک مالا فلورثتہ وانا وارث من لا وارث له اعقل له وارثه والخال وارث من لا وارث له يعقل عنه ويرثه۔

شرح الحدیث کئی کہتے ہیں ثقل اور بوجھ کو اور یہاں مراد اس سے عیال اور دین ہے، یعنی جو شخص نابالغ بچے چھوڑ کر مر جائے یا دین تو ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور جو مال چھوڑ کر مرے سو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور جس شخص کے کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں چنانچہ اس کی طرف سے میں ہی دیت ادا کروں گا اور اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی اگر وہ کوئی مال چھوڑ کر مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو تو میں اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی بیت المال کے لئے یہ وراثت آپ کی انتظام اور بیت المال کے اعتبار سے ہے، اور یہ جو حدیث میں ہے ماموں وارث ہے اس شخص کا جس کا کوئی وارث نہ ہو دیت ادا کرے گا

وہ ماموں اپنے بھانجے کی طرف سے اور اس کا وارث ہوگا، اس جملہ سے حنفیہ اور حنابلہ کی تائید ہو رہی ہے۔ خال (ماموں) اور خالہ عتمہ یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ خال دیت ادا کرے گا بھانجے کی طرف سے، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ کسی پر جنایت کرے اور اس کے کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کی طرف سے دیت اس کا ماموں ادا کرے گا، جس طرح سے عصبہ دیت ادا کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: اور اسی طرح حدیث میں آتا ہے ابن اخت القوم منہم لہذا ماموں بھانجے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مگر وہ حضرات جو تو ریث ذوی الارحام کے قائل نہیں وہ اس حدیث کو وراثت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اس کو وہ حمایت اور اعانت پر محمول کرتے ہیں، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ حق پر ہو تو اس کے ماموں کو چاہیے کہ اس کی اعانت کرے، یعنی اعانت اور نصرت ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ذوی الارحام کی بھی کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
والحیثیت اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

انا ولی بکل مؤمن من نفسه۔

آپ کی امت کیسا تھ غایۃ محبت | آپ فرما رہے ہیں کہ میں ہر مسلمان کے اسکی ذات سے بھی زیادہ قریب ہوں، یعنی آدمی کے مرنے کے بعد اس کے انور کی ایسی ذمہ داری لیتا ہوں اور اس کی اس طرح نصرت کرنے والا ہوں کہ اگر وہ مرنے والا زندہ ہوتا تو وہ خود بھی اپنا اتنا انتظام و انصرام نہ کر سکتا جتنا میں اس کی طرف سے کر نوا لا ہوں، بڑی عجیب بات ہے آپ کو اپنے ہر فرد امت سے کتنا قوی اور گہرا تعلق ہے کہ آدمی خود بھی اپنے امور کا خیال اتنا نہیں رکھ سکتا جتنا آپ رکھ سکتے ہیں، آپ کی امت سے تعلق اور محبت کی احادیث تو بہت سی ہیں جیسا کہ کتاب الحج میں گذرا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبات میں بار بار فرمایا: خذوا عني مناسككم لعلی لا اراکم بعد عامی هذا، اور ایک حدیث میں ہے وددت انی رأیت اخوانی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو اور ہر وقت پیاس رہنے والے ہو، میری مراد تو اخوان سے وہ امتی ہیں جو میرے بعد میں آئیں گے اور پیدا ہوں گے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وجزاه اللہ عنا ما ہواھلہ۔
آگے حدیث میں ضیعۃ کا لفظ ہے اس سے مراد عیال یعنی چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں کیونکہ اگر ان کی خبر نہ لی جائے تو وہ جلدی ضائع ہو جاتے ہیں اسی لئے ان کو ضیعہ کہا جاتا ہے۔

وانامولی من لامولی لہ ارث مالہ وافک عانہ۔

مولیٰ سے مراد وارث ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گذر چکا ارث مالہ ای لاجل بیت المال وافک عانہ اس کی قید کو چھڑاتا، ہوں عان کے معنی قید، اسی لئے قیدی کو عانی کہتے ہیں جیسا کہ کتاب الجنائز کی ایک حدیث

میں آرہا ہے، اطعموا الجائع وعودوا المريض وقلوا العانی، قال سفیان والغانی الاسیر۔ اور یہاں قید سے مراد مایلمزہ من المحقوق مثل الدین والدیۃ، اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ آدمی ان میں مقید اور جبکڑا رہتا ہے، اور ایک روایت میں جو آگے آرہی ہے اس میں عقی کا لفظ ہے اَفْلَکٌ عُنَیْدَہ۔
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ کما فی التحفۃ، قالہ الشیخ محمد عوامہ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان مولیٰ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مات وترك شیئا ولم یدغ ولدًا ولا حمیمًا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام کا انتقال ہوا اور اس نے کچھ میراث بھی چھوڑی لیکن اس نے اپنی کوئی اولاد اور رشتہ دار نہیں چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اسکی میراث اسکی بستی والوں میں سے کسی کو دیدی جائے۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ | آپ کا اس کی میراث کو اس کے کسی بستی والے کو دلوانا یہ من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث المصروف، کیونکہ اس قسم کی میراث (جس کا کوئی وارث نہ ہو) بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، اور بیت المال کا مال عام لوگوں پر اور ضرورت مندوں پر خرچ ہوتا ہی ہے اس لئے آپ نے پہلے ہی ایسے شخص کو دلوا دی۔

کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ یہ توجیہ اس صورت میں ہے جب یہ مانا جائے کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا آپ خود بھی کسی کے وارث نہیں ہوتے جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، لیکن اگر دوسرا قول لیا جائے جس کو بعض دوسرے علماء نے اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت گنگوہی نے بھی کہ گو آپ کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن خود آپ دوسرے کے وارث ہوتے تھے تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا یہ آپ کا دلوانا من حیث التبرع اور تصدق تھا اپنی جانب سے کیونکہ یہ آپ کا اپنا حق تھا، آپ اگر چاہتے تو خود بھی لے سکتے تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض روایات میں لا نورث کیساتھ لا نورث بھی ہے یہ زیادتی غلط ہے ثابت نہیں، کما فی البذل والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابيہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازديا اذفعہ الیہ الخ۔

شرح الحدیث | ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کہ میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی میراث ہے لیکن مجھے کوئی ازدی شخص مل نہیں رہا ہے جس کو میں یہ مال دوں، آپ نے فرمایا جا اور

کسی ازدی کو ایک سال تک تلاش کرتا رہ، ایک سال کے بعد وہ شخص آیا کہ کوئی ازدی نہیں ملا، آپ نے فرمایا: فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاه فادفعه اليه، فلما ولي قال علي الرجل فلما جاءه لا قال انظر كبر خزاعية فادفعه اليه۔ یعنی جب اس کو کوئی ازدی نہیں ملا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ کسی اول خزاعی کو تلاش کرو جو تمہیں ملے پس اس کو یہ دیدو، اول بمعنی اقرب، یعنی جو شخص قبیلہ خزاعہ کے مورث اعلیٰ سے زیادہ قریب ہو اس کو یہ مال دے دو، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا بلاؤ اس شخص کو جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا انظر كبر خزاعية، آپ کا یہ فرمانا بطور تفسیر کے ہے، یعنی اول خزاعی کی تفسیر اور اس کی مراد آپ نے اس لفظ سے بیان فرمائی، كبر یعنی اکبر، اکبر سے مراد بھی وہی اقرب ہے، یہاں پر سوال یہ ہے کہ ازد جو کہ مین کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے اسکی میراث ایک خزاعی شخص کو کیوں دلائی جا رہی ہے اس کا جواب شرح نے یہ دیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ بھی دراصل ازد ہی سے ہے یعنی شروع کے اعتبار سے جب یہ سب لوگ مین میں تھے، پھر جب یہ لوگ مین سے نکل کر مکہ مکرمہ میں آئے تو وہاں آکر انہوں نے بنو ہاشم سے محالفت کر لی تو ان کا نام خزاعہ پڑ گیا، ففی القاموس الخرج القطع والخزاعة القطعة تقطع من الشیء حتی من الازد سموا بذلک لانہم تخرجوا عن قومہم واقاموا بمکة۔ الحمد للہ حدیث کا مطلب واضح ہو گیا۔ والحدیث اخرجه النسائی مسنداً ومسلماً، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً مات ولم یَدَعْ وارثاً الا غلاماً لہ کأن اعتقلہ الخ۔ یعنی ایک شخص کا انتقال ہوا اور کوئی وارث اس نے اپنا نہیں چھوڑا البتہ اس نے اپنا آزاد کردہ غلام چھوڑا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ نے اس شخص کی میراث اسی آزاد کردہ غلام کو دلوادی۔ اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو سوائے اس کے آقا اور سید کے تو اس کی میراث کا اس کا آقا مالک ہوتا ہے جس کو ولا کہتے ہیں، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، لحدیث الاولار لمن اعتق اور یہاں اس حدیث میں یہ صورت نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے یعنی آقا کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دی گئی، یہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں سوائے شریح اور طاووس کے، ان دونوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا اور جہور جو اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ولا منحصر ہے معتق کے حق میں حدیث صحیح کی بنا پر وہ حدیث الباب کی تاویل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ میراث دلانا من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث التصدق والمصرف تھا، کما مر فی الحدیث السابق ای حدیث الازدی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

لے میری ایک کاپی میں اس طرح ملا۔ ینظر البذل فیہ کلام الشیخ الگنگوہی، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جس ترکہ کا کوئی وارث نہ ہو وہ حکم میں لفظ کے ہوتا ہے اور لفظ کا حکم چونکہ تصدق ہے تو یہ بھی بطور تصدق کے تھا، اور اکبر خزاعہ کی تخصیص اسوجہ ہے کہ وہ بنسبت دوسرے زیادہ اقرب ہے۔

باب میراث ابن الملائعنة

باب اللعان میں یہ مسئلہ گذر چکا کہ لعان کے بعد ملائعنة کے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اس کی ماں یعنی ملائعنة سے تو ثابت ہوتا ہے اور باب سے ثابت نہیں ہوتا اسی لئے ماں اور بیٹے کے درمیان تو میراث جاری ہوتی ہے لیکن اس لڑکے اور اس کے باپ یعنی ملائعنة کے درمیان جاری نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ جماعی ہے۔

المراۃ تحصر ثلاثاً مواریث عتیقہا ولقیطہا وولدہا الذی لاعنت علیہ۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ | یعنی عورت تین قسم کی میراث حاصل کرتی ہے ایک اپنے آزاد کردہ غلام کی دوسرے اپنے لقیط کی یعنی اگر کوئی عورت کسی لڑکے کو اٹھا کر اس کو پالے پرورش کرے اور وہ بڑا ہو جائے تو اس کے مال کی وہ عورت وارث ہوگی، اور تیسری میراث حدیث میں وہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔

اس حدیث کا پہلا جز اور آخری جز یہ دونوں تو متفق علیہ ہیں اور درمیانی یعنی میراث لقیط کا مسئلہ یہ صرف اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے، جمہور علماء و منہم الائمة الاربعہ کے نزدیک لقیط کی میراث بیت المال کے لئے ہے الایہ کہ ملقط فقیر ہو تو پھر بحیثیت مصرف کے وہ اس کو بھی بن سکتی ہے، اس حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے ایک تو یہی ہے کہ اس سے مراد استحقاق نہیں بلکہ مقصود بیان مصرف اور تصدق ہے اور دوسرا جواب یہ ہے ان هذا الحدیث غیر ثابت کمافی شرح السنۃ۔ لہ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب هل يرث المسلم الكافر

کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے | حدیث الباب میں اس کی نفی ہے چنانچہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے، اور اتفاق جانین سے ہے کہ ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا، بعض صحابہ اور تابعین جیسے معاذ بن جبل اور سعید بن المسیب وغیرہ فرماتے ہیں کہ کافر تو مسلم کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے لحدیث الاسلام یزید ولا ینقص، و لحدیث الاسلام

لہ قال الخطابی فی المعالم ہذا الحدیث غیر ثابت عند اهل النقل، و اذا لم یثبت الحدیث لم یلزم القول بہ و کان ما ذهب الیہ عامۃ العلماء ادلی اھ و زاد علیہ المنذری قال الیہی لم یثبت البخاری و لا مسلم ہذا الحدیث لجمالہ بعض رواۃ اھ۔

یعلو ولا یعلیٰ، کما سیأتی فی آخر الباب۔

مرتد کی وراثت کا مسئلہ | یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ مرتد کا حکم کیا ہے وہ اپنے مسلم رشتہ داروں کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ سو اس پر تو اجماع ہے کہ مرتد وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مسلم رشتہ دار اس کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ امام مالک و شافعی کے نزدیک وارث نہیں ہوتا، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتد نے جو مال حاصل کیا ہو اپنی ردت کی حالت میں وہ تو بیت المال کیلئے ہے اور جو مال اس نے حاصل کیا ہو قبل الارتداد، اسلام کی حالت میں اس کے اندر وراثت جاری ہوتی ہے، امام ترمذی نے بھی اس مسئلہ کو اسی حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قلت یا رسول اللہ این تنزل غداً - فی حجة - قال

وہل ترک لنا عقیل منزلاً؟

شرح الحدیث | اس حدیث کی پوری شرح کتاب الحج میں گذر چکی اور وہاں یہ بھی گذر چکا کہ یہ حدیث کتاب الفرائض میں بھی آرہی ہے اور اس کی وجہ بھی گذر چکی، خلاصہ کے طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جس منزل کا حضور ذکر فرما رہے ہیں اس سے مراد حضور کا جدی مکان ہے جس کو عبدالمطلب نے جب وہ معمر ہو گئے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا تھا جس میں حضور کے والد عبد اللہ بھی تھے پھر اخیر میں وہ مکان ابو طالب کے قبضہ میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ یہ دونوں تو، ہجرت کر کے پہلے ہی مدینہ منورہ چلے آئے تھے، اور ابو طالب کی وفات کے وقت علی و جعفر دونوں اسلام لا چکے تھے، وہ دو تو اس مکان کے اس لئے وارث نہ ہو سکے، اور ابو طالب کا ایک تیسرا بیٹا طالب جنگ بدر میں مفقود ہو گیا تھا، البتہ عقیل موت ابو طالب کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اسی لئے تنہا وہ اس کے وارث ہوئے مگر انہوں نے اس مکان کو۔ کہا گیا ہے کہ۔ فروخت کر دیا تھا اسی کو حضور فرما رہے ہیں کہ عقیل نے ہمارے لئے مکان کہاں چھوڑا ہے، یعنی اگر وہ فروخت نہ کرتے تو پھر منی سے روانہ ہو کر ہم مکہ پہنچ کر اس میں قیام کر لیتے، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ رائے ہوئی کہ منی سے نکلنے کے بعد رات محصب ہی میں گزار دی جائے، پھر صبح کو وہاں سے مکہ روانہ ہو کر صبح کی نماز اور طواف و دایع کرتے ہوئے مدینہ چلے جائیں گے، اس صورت میں قیام مکہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور نہ قیام گاہ کی ضرورت پیش آئے گی

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يتوارث اهل ملتین شتی۔

حدیث الباب میں مذاہب ائمہ | توارث کے لئے وارث اور مورث کے درمیان اتحاد ملت بالاتفاق شرط ہے، اس حدیث میں یہی مسئلہ مذکور ہے لیکن اس کے باوجود اس مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف ہے حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک تو یہ ہے الکفر ملۃ واحدة، خواہ وہ کتابی ہو یا مشرک یہودی ہو یا نصرانی ان دونوں کے نزدیک یہ سب ایک ہیں لہذا ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اصل تقابل اسلام اور کفر کے درمیان ہے وہاں اختلاف ملت ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک ادیان سماویہ جیسے یہودیت اور نصرانیت یہ آپس میں مختلف ہیں لہذا ان میں ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا، اور ادیان غیر سماویہ کے بارے میں امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ انواع مشرک سب ملت واحدة ہیں، اور امام احمد فرماتے ہیں مختلف انواع مشرک مختلف مل ہیں مثلاً بت پرست اور آتش پرست یہ الگ الگ ہیں لہذا توارث نہیں ہوگا اور امام مالک کے نزدیک توارث ہوگا۔ (من ہامش الکوکب پنہ) والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

ان معاذ اقال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول الاسلام يزيد ولا ينقص حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اور یہ حدیث اور اس پر کلام ابھی قریب میں گذر چکا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اسی طرح، الاسلام یعلو ولا یعلی، اس کا تعلق اسلام کی عزت اور غلبہ سے ہے، میراث سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

باب فی من اسلم علی میراث

شرح الترجمہ | یعنی جو شخص تقسیم میراث کے موقع پر اسلام لے آئے، یعنی موت مورث کے بعد۔ جاننا چاہیے کہ یہ جو ابھی مسئلہ گذرا ہے کہ توارث کے لئے اتحاد ملت شرط ہے اختلاف ملت کے وقت میراث جاری نہیں ہوتی اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ اتحاد ملت وہ مفید اور معتبر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اگر بعد میں اتحاد پایا جائے تو وہ مفید نہیں، اسی طرح اختلاف ملت وہ مضر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اور اگر اختلاف کا تحقق موت مورث کے بعد ہو تو وہ مضر نہیں، اب ہر ایک کو مثال سے سمجھئے اول صورت کی مثال یہ ہوگی کہ ایک مسلمان کا انتقال ہوا اور حال یہ کہ اس کا ایک بیٹا مسلمان تھا اور ایک کافر، باپ کے انتقال کے بعد تقسیم میراث سے پہلے وہ ولد کافر بھی اسلام لے آیا تو یہاں یہ اسلام لانے والا بیٹا وارث نہیں ہوگا، جو پہلے سے مسلمان ہے صرف وہی وارث ہوگا، اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے ایک کافر شخص کا انتقال ہوا جبکہ اس کا ایک بیٹا مسلم تھا اور ایک کافر، تقسیم میراث سے پہلے وہ ولد کافر بھی اسلام لے آیا،

یہاں پر یہ اسلام لانے والا وارث ہوگا، اور جو پہلے سے مسلم تھا اس کی وراثت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کل قسم قسم فی الجاہلیۃ فهو علی ما قسمہ وکل قسم ادرکہ الاسلام فانه علی قسم الاسلام۔

یعنی جس میراث کی تقسیم اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں ہو چکی ہے اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اس میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور جو تقسیم کسی میراث وغیرہ کی اسلام میں داخل ہونے کے بعد کی جائے گی اس کو اسلامی قانون کے مطابق کیا جائے گا اور وہ اسلامی قانون وہی ہے جو اوپر گزرا کہ اتحاد ملت کی صورت میں تواریث ہوتا ہے اختلاف ملت کی صورت میں نہیں۔

والحدیث أخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الولاء

ولاء کی قسمیں مع اختلاف علماء یہاں مصنف نے ولاء کے سلسلہ میں دو باب ذکر کئے ایک یہ اور دوسرا اس کے بعد "باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل" اس کے بعد ایک تیسرا باب

دو بابوں کے فصل کے ساتھ آرہا ہے "باب نسخ میراث العقب میراث الرحم" ان تینوں بابوں کا تعلق ولاء سے ہے کیونکہ ولاء کی تین قسمیں ہیں، ولاء العتاقہ، ولاء الاسلام، ولاء الموالاة، پہلے باب میں قسم اول مذکور ہے اور دوسرا باب میں قسم ثانی اور تیسرے باب میں قسم ثالث، قسم اول یعنی ولاء العتق یہ تو بالاتفاق معتبر اور ثابت ہے اور قسم ثانی یعنی ولاء الاسلام یہ جمہور علماء ومنہم الائمۃ الاربعہ کے نزدیک معتبر نہیں، بعض دوسرے علماء ابراہیم مخفی، سعید ابن المسیب کے نزدیک معتبر ہے، اور تیسری قسم ولاء الموالاة یہ حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، عند الجمہور ولاء کی یہ قسم منسوخ ہے

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارادت ان تشتري جارية تعتقها فقال اهلها نبيعكها علی ان ولاء هالت الخ۔

شراء بریرہ والی حدیث پر کلام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث شراء بریرہ کے سلسلہ میں آگے آ رہی ہے اس پر کلام وہیں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس حدیث میں یہ ہے الولاء لمن اعتق جو کہ مسئلہ اجماعی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مر جائے اور وہ اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے تو پھر اس صورت میں اس کی میراث کا مستحق اس کا مولیٰ یعنی اس کا آزاد کرنے والا ہوگا، اس واقعہ میں ایک مشہور اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کو کیسے اجازت دی، شراء بریرہ میں ولاء کی شرط کہ وہ بائع کے لئے ہوگا لگانے کی

اسلئے کہ یہ شرط بالاجماع ناجائز ہے، جواب یہ ہے کہ آپ نے ایسا زجر فرمایا تھا یعنی اس شرط کی اجازت اس کو باقی رکھنے کے لئے آپ نے نہیں دی تھی بلکہ اس کو باطل کرنا مقصود تھا، چنانچہ آپ نے بعد میں خطبہ دیا تھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بیع کے اندر ولار کی شرط لگاتے ہیں، لوگوں کا شرط لگانا باطل ہے وان کان متہ شرط، شرط اللہ الحق، یہ زیادتی روایات مفصلہ میں ہے، یہاں پر روایت مختصر ہے۔

والحیث اثخرہ البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری، واخرہ الترمذی ایضاً فی آخر کتاب الوصایا مفصلاً و فی بیع الولار وھبۃ مختصراً۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رباب بن حذيفة تزوج امرأة فولدت له ثلاثة غلمة فماتت امهم فورثوها رباعها وولاء موالدها۔

شرح الحديث والكلام عليه باليسط | یہ حدیث تو ریث الولار کے سلسلہ میں ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص جس کا نام رباب بن حذیفہ ہے اس نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام ام وائل بنت عمر ہے، اس کے اس بیوی سے تین لڑکے پیدا ہوئے کچھ روز بعد ان لڑکوں کی ماں کا انتقال ہو گیا اور وہ لڑکے اپنی ماں کے رباع یعنی مکانات جائداد وغیرہ کے اور اس کے موالی کے ولار کے وارث ہو گئے (یہاں تک تو اس روایت پر کوئی اشکال نہیں، مسئلہ صاف ہے اب آگے سنئے) آگے روایت میں یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لڑکوں کے عصبہ تھے (روایت میں رشتہ کی کوئی تعیین نہیں، ممکن ہے عم یا ابن العم ہوں) تو یہ عمرو بن العاص ان لڑکوں کو اپنے ساتھ سفر میں ملک شام لے گئے، وہاں پر اس زمانہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا یعنی طاعون عمو اس جو۔۔۔ تاریخ میں مشہور ہے اور حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا تھا، یہ تینوں لڑکے بھی اس طاعون میں ختم ہو گئے، حضرت عمرو بن العاص جب سفر سے لوٹ کر واپس آئے تو واپسی میں ان کو معلوم ہوا کہ اس عورت یعنی ام وائل کا ایک مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام اور مرا ہے اور اس نے مال بھی چھوڑا ہے، اب اس ولار میں ام وائل کے بھائیوں کا اور عمرو بن العاص کا اختلاف ہوا، یعنی عمرو بن العاص مدعی تھے کہ یہ ولار مجھ کو ملنا چاہئے اور ام وائل کے برادران کہتے تھے کہ اس کے مستحق ہم ہیں اس لئے کہ ہم اس عورت کے عصبہ ہیں جس کے غلام کا یہ ولا ہے، اور عمرو بن العاص کا یہ کہنا تھا کہ میں اس عورت کے بیٹوں کا عصبہ ہوں اگر وہ بیٹے زندہ ہوتے تو اس کے وہ وارث ہوتے تو اب جبکہ وہ نہیں رہے تو ان بیٹوں کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے مجھے وارث ہونا چاہیئے چونکہ یہ واقعہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ کا ہے اس لئے یہ مقدمہ وہاں پیش ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صورت مسئلہ سمجھنے کے بعد یہ فرمایا: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ما احرز الولد او الولد فهو لعصبته من کان۔ یعنی میت کا بیٹا یا والد جو کچھ ترکہ میں حاصل کرے

وہ اس کے بعد اس کے عصبہ کے لئے ہے وہ عصبہ جو بھی ہو یہاں اس حدیث کی رو سے عصبہ الولد کا مصداق عمرو بن العاص بنتے ہیں چنانچہ حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے حق میں فیصلہ فرمایا اور اپنے فیصلہ کو لکھ کر جس میں دو شخصوں کی شہادت یعنی عبدالرحمن بن عوف اور زید بن ثابت اور ایک اور تیسرے شخص کی بھی تھی۔

فلما استخلف عبد الملك اختصموا الى هشام بن اسماعيل فرفعه الى عبد الملك۔

چونکہ اخوة المرأة کو حضرت عمر کے فیصلہ پر تسلی نہیں ہوئی تھی گو خاموش ہو گئے تھے اسی لئے جب عبد الملك بن مروان کا زمانہ آیا تو اس وقت میں امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل تھا لہذا یہ اخوة المرأة اپنا یہ معاملہ اس کے پاس لے گئے، ہشام بن اسماعیل نے یہ قضیہ عبد الملك کے سامنے پیش کیا، عبد الملك نے اس فیصلہ کو سمجھ کر یہ کہا: هذا من القضاء الذي ما كنت اراه، بذل میں یہ لکھا ہے کہ اس لفظ ما میں دو احتمال ہیں، یہ کہ زائد ہو اور یا نافیہ، زائد ہونے کی صورت میں تو مطلب یہ ہوگا کہ میری بھی رائے حضرت عمر کے اسی فیصلہ کے مطابق ہے اور نافیہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عبد الملك یہ کہہ رہا ہے کہ اس فیصلہ میں اگرچہ میری رائے یہ نہیں ہے مگر چونکہ عمر فاروق کا کیا ہوا یہ فیصلہ ہے اس لئے میں اسی کو برقرار رکھتا ہوں۔

ففتح فيه الى الساعة۔ سخن کا مصداق عمرو بن العاص کی اولاد کہ ہم آج تک اسی فیصلہ پر ہیں، یہ روایت بالتفصيل سنن ابن ماجہ میں ہے جیسا کہ بذل میں اس کو نقل کیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملك نے حضرت عمر کے فیصلہ کی موافقت ہی فرمائی، لہذا ما كنت اراه میں ما نافیہ نہیں ہے بلکہ موصولہ یا زائد ہے۔

اس کے بعد سمجھئے کہ یہاں پر روایت میں یہ ہے فقد مع عمرو بن العاص ومات مولی لها، یہ جملہ ومات مولی لها محتاج تاویل ہے ای وقد مات مولی لها، اور یہ جملہ حالیہ ہے، یعنی عمرو بن العاص جب ملک شام سے واپس آئے تو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس عورت کا ایک غلام مرچکا ہے یعنی ان لڑکوں کی زندگی میں، اور یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن العاص کے آنے کے بعد اس عورت کے ایک مولی کا انتقال ہوا، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو استدلال اس مقام پر ما احرز الولد سے ہے وہ درست ہو جائے اور اس واقعہ پر منطبق ہو جائے اس لئے کہ ظاہر ہے احرار ولد اس کی حیات ہی میں ہو گانہ کہ بعد الوفا، یہ اشکال وجواب ابو داؤد کی اس روایت پر تذکرۃ الترشد میں اپر مذکور ہے، حضرت گنگوہیؒ سے یہ اشکال ایک عالم نے کیا تھا حضرت نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا حاصل تو ریثہ الولاء ہے یعنی یہ کہ ولار کے اندر بھی میراث جاری ہوتی ہے جس طرح اور دوسرے امور میں جاری ہوتی ہے لیکن جمہور علماء ومنہم الائمة الاربعہ اس کے قائل نہیں ہیں نعم فی روایۃ عن احمد وکذا روی عن علی دون الخلفاء الثلاثة، جیسا کہ ابوداؤد کے ایک نسخہ میں ہے جو بذل الجہود کے حاشیہ پر ہے۔ اس نسخہ کی عبارت یہ ہے: الناس یتہمون عمرو بن شعیب فی هذا الحدیث، قال ابوداؤد: وروی عن ابی بکر وعمر وعثمان خلاف هذا الحدیث الا انه روی عن علی بن ابی طالب بمثل هذا، جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے، "الولاء لمحۃ کلحمة النسب لایباع ولا یورث، یعنی ولار تو ایک قسم کا نسب ہی ہے اور نسب کی بیع یا تو ریثہ تھوڑی ہی ہوتی ہے بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ولار مولیٰ کے لئے ہوتا ہے اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اقرب العصبہ الی المولیٰ کے لئے ہے، دوسرے اموال کی طرح اس میں باقاعدہ میراث جاری نہیں ہوتی کہ تمام ورثہ میں تقسیم ہو، امام ابوداؤد کے جواب کا حاصل۔ جو ہم نے حاشیہ سے نقل کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ ثابت نہیں اس لئے کہ یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ہے جس پر کلام مشہور ہے، اور دوسرے اسلئے بھی کہ یہ ایک دوسری مشہور اور صحیح حدیث کے خلاف ہے یعنی الولاء لمن اعتق مگر حضرت گنگوہی کی بعض تہاویر میں یہ ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے، "ما حرز الولد" تو احراز کا تعلق تو ترکہ سے ہوتا ہے ولار سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا اذہو لمحۃ کلحمة النسب فلما یکن احرازہ مثل النسب، اور وراثت جاری ہوتی ہے مال میں نہ کہ نسب میں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کا تعلق رباہ وغیرہ اموال سے ہے ولار سے نہیں ہے اھ قلت لکن فیہ مافیہ۔ یہ حدیث مجھے سبق میں بہت مشکل معلوم ہوئی، الحمد للہ کہ حل ہو گئی۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، واخرجه النسائی ایضاً مرسلًا، قالہ المنذری۔

باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل

ان تیسار ضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یا رسول اللہ! ما السنۃ فی الرجل یسلم علی یدی الرجل؟ قال

هو اولى الناس به حیاة ومماتہ۔

شرح الحدیث والکلام علیہ من حیث الفقہ | یعنی آپ سے سوال کیا گیا کہ شریعت کا فیصلہ اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لاتے؟ (ظاہر بات ہے کہ یہ اس کا احسان عظیم ہے اس نو مسلم پر چنانچہ آگے آپ فرما رہے ہیں) وہ یعنی جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لایا گیا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچو ہے اس نو مسلم کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی، جب تمام انسانوں میں سب سے زیادہ وہی اولیٰ اور احق ہے اس نو مسلم کا تو اس کا ولار بھی اسی کے لئے ہوگا جس طرح

آزاد کردہ غلام کا ولاہ معق کے لئے ہوتا ہے۔

یہ حدیث جو علماء ولاہ الاسلام کے قائل ہیں ان کی دلیل ہے جیسے عمر بن عبد العزیز اور سعید بن المسیب وغیرہ کا تقدم فی مبدأ البای اور جمہور کا استدلال مشہور حدیث ولاہ لمن اعتق سے ہے جو کہ متفق علیہ ہے کیونکہ اس حدیث میں حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ولاہ کا معق کے لئے ہونا، معلوم ہوا ولاہ کا سبب صرف عتق ہے اسلام یا اور کچھ نہیں، اور حدیث البای کا جواب یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کیا ہے اور دوسرے حضرات محدثین نے بھی، اس میں ایک راوی عبد العزیز بن عمر ہے وہ ضعیف ہے اسی طرح ابن وہب راوی غیر معروف ہے، بخلاف جمہور کی دلیل کے کہ وہ متفق علیہ حدیث ہے، اور دوسرا جواب اس حدیث کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے، ہو سکتا ہے کہ ابتداء اسلام میں آپ نے فرمایا ہو، کیونکہ ابتداء اسلام میں اسلام اور نصرة کی بنیاد پر توارث ہوتا تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا، بعض شراح نے حنفیہ کا مذہب بھی اس حدیث کے موافق لکھ دیا ہے کہ حنفیہ بھی ولاہ الاسلام کے قائل ہیں، لیکن یہ نقل مطلقاً صحیح نہیں ہاں اگر اسلام کے ساتھ موالاة اور کالفة کا بھی اقرار ہو جائے تو امر آخر ہے اس صورت میں ہمارے یہاں یہ معتبر ہوگا اور اس صورت میں اس کے لئے ولاہ ہوگا، کیونکہ احناف ولاہ الموالاة کے قائل ہیں جس کے جمہور قائل نہیں کما تقدم قبل ذلک، خوب سمجھ لیجئے! کذا قال الشيخ فی البذل.

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی بیع الولاء

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن بیع الولاء وعن ہبۃ۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ ولاہ کی بیع کرتے تھے اور اس کا معاوضہ لیتے تھے، اسلام نے آکر اس سے منع کیا کیونکہ ولاہ۔ کوئی مال نہیں ہے کہ اس کی بیع کی جا سکے بل ہو حق من الحقوق فلا یرد علیہ البیع (بذل) یعنی ولاہ استحقاق ارث کا نام ہے یعنی معق (آزاد کردہ غلام) کی میراث کا استحقاق جو معق کو حاصل ہوتا ہے عتق کی بدولت، عتق ایک احسان عظیم ہے مولیٰ کی جانب سے اپنے غلام پر تو اس کے صلہ میں شریعت نے معق کو معق کی میراث کا حق عطا کیا تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے آقا کو ملے، جیسے نسب سبب استحقاق ہوتا ہے پس جس طرح نسب سے حق میراث حاصل ہوتا ہے اسی طرح عتق سے حق میراث حاصل ہوتا ہے جس کو ولاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے بیع اور ہبہ وغیرہ ہوا کرتی ہے جو اس کی نہ کہ معانی اور اغراض کی، اصل معنی تو ولاہ کے ہیں یہ، ویسے اس کا اطلاق اور استعمال میراث المعق پر بھی ہوتا ہے۔

والله تعالى اعلم وهذا غاية تسهيل لهذا المقام والحديث اخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه قال المنذري

باب في المولود يستهل ثم يموت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا استهل المولود وُرث، استہلال کے اصل معنی تو چاند دیکھنے کے ہیں (رویت ہلال) اسکے بعد اس کا استعمال ہو ارفع الصوت میں یعنی چیخنا چلانا، اس مناسبت سے کہ پہلی رات میں چاند کو دیکھ کر لوگ شور کرتے ہیں کہ چاند ہو گیا، پھر اس کے بعد اس کا استعمال آثار حیات اور بچہ کے رونے میں ہونے لگا وہی یہاں حدیث میں مراد ہے۔

حدیث الباب میں اختلاف ائمہ | اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اگر اس میں آثار حیات پائے گئے اور اس دوران میں اس کا کوئی عزیز قریب مرا تو وہ مولود اس کا وارث ہوگا اور اگر نہ پائے گئے تو نہیں ہوگا، حنفیہ شافعیہ کے یہاں تو اسی طرح ہے کہ صرف آثار حیات کا پایا جانا کافی ہے، وقال مالک و احمد بشرط الرضاع، کذا فی ہامش البذل عن الشعمانی۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے صلوة علی الطفل کا جو کتاب الجنائز میں آ رہا ہے، وہ یہ کہ صلوة علی الطفل کے لئے بھی آثار حیات کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک تو وہاں بھی استہلال شرط ہے، امام احمد کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک شرط نہیں، دلیل مسئلہ کی اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تبعاً آگیا۔

باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم

شرح الحدیث وایضاح المسئلة | یہ دلائل کے سلسلہ کا تیسرا باب ہے جس کا ذکر شروع میں آچکا عقد سے مراد عقد موالاة جس کو دلائل الموالات بھی کہتے ہیں، مصنف کا یہ ترجمہ

ائمہ ثلاث کے مسلک کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عقد موالاة کے ذریعہ استحقاق ارث اب نہیں رہا منسوخ ہو چکا میراث رحم کے ذریعہ سے، رحم سے مراد رشتہ اور قرابت ہے، یعنی اقارب کی میراث نے اگر عقد موالاة کی میراث کو منسوخ کر دیا، نسخ اور منسوخ دونوں کا بیان حدیث الباب میں مذکور ہے چنانچہ پہلی آیت والذین عاقدت ایمانکم میں میراث موالاة کا ثبوت ہے جیسا کہ ابن عباس فرما رہے ہیں کہ شروع میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کسی اجنبی شخص کے ساتھ محالفت یعنی دوستی کا عقد کر لیتا تھا بغیر کسی نسبی تعلق کے اور پھر اس عقد کی وجہ سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا جیسا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایسا ہو چکا ہے، ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس آیت کو سورہ انفال کی آیت "واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض" نے منسوخ کر دیا، اور ابن عباس کی اس کے بعد انیوالی

روایت میں بھی بعینہ یہی مضمون ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں پہنچے تو ان کو انصار کا وارث بنایا جاتا تھا نہ کہ اقارب کو یعنی انصار کے وارث مہاجرین ہوتے تھے بجائے اقارب کے وارث ہونے کے، فلما نزلت هذه الآية ولكل جعلنا موالی مما ترك قال نسختها، یعنی جب یہ دوسری آیت "ولكل جعلنا موالی" نازل ہوئی اس نے اس پہلی آیت کو منسوخ کر دیا، اس عبارت میں نسخہ کا فاعل یہ آیت ثانیہ یعنی "ولكل جعلنا موالی" ہے اور ضمیر منسوب راجع ہے آیت اولی "والذین عاقدت ایمانکم" کی طرف، اور یہ جملہ بس یہیں پورا ہو گیا ناسخ اور منسوخ دونوں کا بیان آچکا، پھر اس کے بعد دوبارہ جو آیت اور عبارت آرہی ہے "والذین عاقدت ایمانکم فأتوہم نصیبہم" من النص والنصیبۃ الخ اس سے مقصود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ بیان کرنا ہے کہ اس آیت کے منسوخ ہونے کے بعد اب اس آیت کا مفہوم جس پر عمل ہونا چاہیے وہ صرف نصر اور نصیحت باقی رہ گیا وقد ذهب المیراث، یعنی میراث کے بارے میں یہ آیت منسوخ ہو گئی اور باقی نصرت اور تعاون اور خیر خواہی کے بارے میں باقی رہ گئی، یعنی ہر لحاظ سے یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی صرف میراث کے اعتبار سے منسوخ ہوئی اس کی اس طرح وضاحت کرنے کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی کہ بادی الرائی میں عبارت اس طرح ہے۔ "نسختها والذین عاقدت ایمانکم" یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ کا فاعل "والذین عاقدت ایمانکم" ہے اور "ہا" ضمیر "ولكل جعلنا" کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں مطلب بالکل برعکس ہو جاتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، محنت اور غور کرنے کی ضرورت ہے بغیر اسکے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ ابن عباس کی روایت اور جو کچھ انہوں نے نسخہ کے بارے میں فرمایا ائمہ ثلاث کے موافق ہے اور ان کی رائے یہی ہے، اس کے برخلاف حنفیہ جو میراث اللہ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ والذین عاقدت ایمانکم اس آیت کے لئے وہ دوسری آیت اولوالارحام بعضهم اولی ببعض ناسخ نہیں ہے بلکہ دونوں آیتیں معمول بہا ہیں فرق یہ ہے کہ شروع میں عقد موالاة پر میراث جاری ہوتی تھی اور اقارب کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا، پھر بعد میں جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی تو اس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ اقارب کو توریث میں مقدم رکھا جائے عقد موالاة والوں پر یعنی ان کے ہوتے ہوئے مولی الموالاة وارث نہ ہوگا، اور اگر ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو اس وقت مولی الموالاة وارث ہو جائے گا، ذوی الارحام سے مراد اقارب اور رشتہ دار ہیں۔ بکذا ینبغی ان نفہم ہذا المقام فانه من زوال الاقدام۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی، قال المنذری۔

عن داؤد بن الحصین قال كنت اقرأ علی ام سعد بنت الربیع وكانت یتیمۃ فی حجر ابو بکر رضی اللہ عنہ
مضمون حدیث | داؤد بن الحصین کہتے ہیں کہ میں ام سعد کے پاس قرآن پڑھا کرتا تھا اور ان سے سیکھتا تھا اور یہ ام سعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پلی تھیں، چونکہ یہ یتیم ہو گئی تھیں

اس لئے انہی کے یہاں پرورش پائی، تو ایک روز جب میں ان کے پاس قرارت کر رہا تھا تو میں نے یہ آیت اس طرح پڑھی
والذین عاقدت ایمانکم، باب مفاعلة سے) تو انہوں نے مجھے ٹوکا کہ اس طرح مت پڑھ بلکہ، "والذین عقدت ایمانکم"
پڑھ (یعنی مجرد سے) اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے عبدالرحمنؓ
کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب شروع میں عبدالرحمنؓ نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے
ان سے ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں تجھ کو وارث نہیں بناؤں گا، یعنی تو ہم میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا
جب تو اسلام نہیں لا رہا ہے، وہ کہتی ہیں کہ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت
ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ اس کو اس کا حصہ دیں اور وارث بنائیں، ام سعدیہ کہنا چاہتی ہیں کہ اس آیت میں عقد سے مراد
حلف ہے اور قسم کھانے والے تنہا ابو بکرؓ تھے تو اس کے لئے لفظ عقدت، مناسب ہے نہ کہ، "عاقدت" کیونکہ باب
مفاعلت تو شرکت اور تعدد کو چاہتا ہے۔

یہ ام سعدیہ کی بات ایک لحاظ سے تو اپنی جگہ درست ہے لیکن "عاقدت" تو مستقل ایک قرارت ہے ہو سکتا ہے
ان کو اس کا علم نہ ہو، آگے روایت میں ہے راوی کہتا ہے فہما اسلم حتی حمل علی الاسلام بالسیف،
راوی عبدالرحمنؓ کے اسلام کا حال بیان کر رہا ہے کہ وہ ابتداء میں تو اسلام لائے نہیں تھے ابتداء میں تو مسلمانوں
کے دشمن ہی رہے، مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی (اسلئے کہ یہ جنگ بدر میں مشرکین کیساتھ آئے تھے)
ثم هداه اللہ تعالیٰ فاسلم قبیل الفحج۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو اسلام سے سرفراز فرمایا، فتح مکہ سے کچھ پہلے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما..... فكان الاعرابی لایرث المهاجر ولا یرث المهاجر الا
اعرابی کہتے ہیں غیر مہاجر کو یعنی جو شخص اسلام لا کر اپنی ہی بستی میں بٹھرا رہے اور ہجرت نہ کرے، یعنی
شروع میں وراثت کا مدار نسب پر نہیں تھا بلکہ ہجرت و نفرت پر تھا اسی لئے مہاجر انصاری کا اور انصاری
مہاجر کا یا وجود عدم نسب کے وارث ہوتا تھا، اور مہاجر غیر مہاجر کا یا وجود نسب کے وارث نہ ہوتا تھا۔

باب فی الحلف

یہ حلف کس حار اور سکون لام کے ساتھ ہے بمعنی محالفت، نفی القاموس؛ والحلف بالکسر العہد بین القوم اھ
اور وہ جو حلف قسم کے معنی میں ہے اس کو قاموس میں تین طرح ضبط کیا ہے حلف حلف اور حلف۔
قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا حلف فی الاسلام۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں قتال اور غارات اور مظالم پر آپس میں تو میں معاہدہ کیا کرتی تھیں
تو ظاہر بات ہے اسلام میں اس کی کہاں گنجائش ہے، اسی کو آپ فرما رہے ہیں۔

لا حلف في الاسلام واما حلف كان في الجاهلية لم يزد الاسلام الاشدّة - زمانه جاهليت میں محالفت کبھی خیر اور امور حق پر بھی ہوتی تھی، اس جملہ میں آپ اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس طرح کے حلف کو اسلام نے نہیں توڑا بلکہ اور مضبوط کیا ہے جو معنی حلف کے ہم نے جملہ ثانیہ میں لئے ہیں اگر یہی معنی فقرہ اولیٰ میں بھی لئے جاتیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اسلام میں امور حق اور خیر پر محالفت کی حاجت نہیں بلکہ اخوت اسلامی بذات خود کافی ہے امور خیر پر تعاون کے لئے کذا قالوا۔
والحدیث اخرجه مسلم قاله المنذرى۔

باب فی المرأة ترث من دية زوجها

عن سعيد قال كان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه يقول: الدية للعاقلة، ولا ترث المرأة من دية زوجها شيئاً۔

یعنی شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے تھی کہ مقتول کی دیت عصبہ المقتول کے لئے ہوگی، اور عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث نہ ہوگی، یہاں تک کہ حضرت عمر سے ضحاک بن سفیان نے بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر میرے پاس یہ آئی تھی وَرَثَ امْرَأَةُ أَشِيمِ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا یعنی ایشیم ضبابی جب مقتول ہو گئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضحاک کو لکھا کہ ان کی دیت میں سے ان کی بیوی کو بھی وارث بنانا، تو اس پر حضرت عمر نے اپنی سابق رائے سے رجوع فرمایا۔

یہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے صدقات وصول کرنے پر عامل بنایا تھا، اس مسئلہ میں جو رائے حضرت عمر کی تھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی کی رائے بھی وہی تھی، لیکن حضرت عمر کا تو رجوع ثابت ہو گیا جہور کے مسلک کی طرف ضحاک بن سفیان کی روایت کی وجہ سے۔

دیت کے بارے میں ابتداءً حضرت عمرؓ کی رائے اور پھر اس سے رجوع جاننا چاہیے کہ دیت کا مسئلہ اور قاعدہ عند الجہور یہ ہے کہ وہ واجب تو ہوتی ہے عاقلہ یعنی عصبہ القاتل پر اور ملتی ہے ورثۃ المقتول کو، اس میں حضرت عمرؓ کی رائے جہور کے خلاف

تھی وہ یہ کہ دیت واجب بھی عاقلہ پر ہوتی ہے اور ملتی بھی ہے عاقلہ ہی کو، تو چونکہ ان کا مسلک یہ تھا اسی کے پیش نظر وہ زوج کی دیت میں سے زوجہ کے حصہ کے قائل نہ تھے کیونکہ زوجہ عاقلہ میں سے نہیں، لیکن جب ان کو ضحاک بن سفیان کی روایت پہنچی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے کیوں تھی کہ دیت میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور وہ ورثاء کو نہیں ملتی بلکہ صرف عاقلہ کو ملتی ہے؟

اس کی وجہ جیسا کہ شرح نے لکھا ہے علی ظاہر القیاس یہ ہے کہ وراثت جاری ہوتی ہے اس مال میں جو ملک میت ہو عند الموت (جیسے عام مال ہوتے ہیں دیت کے علاوہ) اور دیت کا وجوب و ثبوت چونکہ ہوتا ہے موت مقتول کے بعد اور میت میں مالک ہونے کی صلاحیت ہے نہیں اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ دیت میں وراثت بھی نہ ہونی چاہیے، بس صرف عاقلہ کو ملنی چاہیے تحمل دیت کی وجہ سے، یعنی چونکہ عاقلہ ہی قاتل کی طرف سے مقتول کی دیت کے تحمل ہوتے ہیں اس تحمل کی وجہ سے ملنی بھی صرف عاقلہ کو چاہیے، لہذا نہ زوجہ کو ملنی چاہئے نہ اس کے علاوہ دوسرے ورثاء کو، لیکن پھر جب حضرت عمر کو ضحاک بن سفیان کے واسطے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کا علم ہوا کہ آپ نے دیت زوج میں زوجہ کا حصہ لگانے کو فرمایا ہے تو اس پر انہوں نے اپنی رائے اور قیاس کو ترک کر کے رجوع نہ کیا والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ النذری۔

تنبیہ: ضحاک بن سفیان کی یہ روایت حضرت عمر کی رائے دیت زوج کے سلسلہ ہماری سنن کی روایات میں ابوداؤد ترمذی وغیرہ صرف اتنی ہی ہے جس سے بادی الرأی میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ رائے صرف زوجہ سے متعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت عمر کی رائے دیت کے بارے میں مطلقاً یہ تھی کہ وہ للعاقلہ ہے للورثۃ نہیں بخلاف جمہور علماء کے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ دیت واجب تو ہوتی ہے عاقلہ پر اور وراثت میں مستحق ہوتے ہیں اس کے ورثاء، تو گویا حضرت عمر کا اختلاف جمہور سے اصل مسئلہ میں ہے، چنانچہ نصب الرایۃ ج ۳ میں ہے اسی سلسلہ کی روایات کے ذیل میں علامہ زلیعی نے سنن والی روایت کی تخریج کے بعد مصنف عبدالرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے ورواہ عبدالرزاق فی مصنفہ اخرنا معمر عن الزہری عن ابیہ عن ابن المسیب ان عمر بن الخطاب قال: ما رى الدیۃ الا للعبۃ لاہم یعقلون عنہ، فہل سمع احدکم من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ذلک شیئاً؟ فقال الضحاک بن سفیان الکلابی وکان علیہ السلام استعمل علی الاعراب۔ کتب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اُورث امرأۃ اشیم الضبابی من دیتہ زوجہا، فاخذ بہ عمر اھ اور اسی طرح موطا محمد میں باب الرجل یرث من دیتہ امرأۃ والمرأۃ یرث من دیتہ زوجہا، میں روایت اس طرح ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نشد الناس بمنی: من کان عنده علم فی الدیتۃ ان یخبرنی بہ، فقام الضحاک بن سفیان فقال: کتب الخ۔ اور یہ جوان روایات میں زوجہ کی تخصیص ہے اس کا منشاء بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت عمر سے منی میں اپنے لئے دیت زوج میں سے حصہ کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ التعلیق المجید میں ہے عن سعید قال جارت امرأۃ الی عمر تسأکہ ان یورثہا من دیتہ زوجہا فقال ما علم لک شیئاً، فنشد الناس الحدیث۔ پھر اس کے بعد اسی

حاشیہ میں وہ روایت بھی مذکور ہے جو شروع میں ”نصب الرایۃ“ سے ہم نے نقل کی، نتیجی علیٰ هذا التفصیل وان اختلف عمریس فی ہذہ الجزیئۃ فقط بل فی اصل المسئلۃ عزیزی المولوی حبیب اللہ المظاہری الجبارنی ثم المدنی جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً۔

۱۔ کتاب الفرائض

مسائل میراث کی تفصیل مستقل ایک فن ہے جو اس فن کی کتب میں مسطور و مذکور ہے، لیکن اس فن کی جو بنیاد ہے یعنی قرآن کریم کی آیات میراث جی چاہا کہ کم از کم ان آیات میں مذکور ورثا اور ان کے حصص ہم اپنی اس کتاب میں ذکر کر دیں۔ تاکہ بنیاد علم میں آنے کے بعد پڑھنے والوں کو مزید تفصیل معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو، اور اس طور پر حدیث شریف تعلیم الفرائض و علومہا الناس فابہا نصف العلم پر عمل کی توفیق میسر ہو جائے، واللہ الموفق۔ بندہ نے یہ خدمت اپنے مدرسہ کے بعض فضلا کو سونپی، ماشاء اللہ وہ اس کو محسن و خوبی لکھ کر لاتے جو حاشیہ میں درج ہے۔

۱۔ وراثت کے سلسلہ میں زمانہ قدیم ہی سے معاشرہ کے اندر پائے جانوالی زیادتیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اس مسئلہ کو بہت اہمیت اور خاصی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ نسا کی آیت ۱۱، ۱۲ اور ۱۷ کے تحت اس مسئلہ کی بنیادی تفصیل انتہائی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب تفسیر دفعہ کی روشنی میں محقق تشریحات کیساتھ ان آیات میں مذکور حصص اور ان کے مستحقین کو یہاں ترتیب کیساتھ ذکر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا آیات میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ میت کے کل مال سے اولاً اس کے دین ادا کئے جائیں اور اس سے بچے ہوئے مال کے تہائی سے تنفیذ وصیت کی جائے۔

چنانچہ آیت ۱۱ اور ۱۲ دونوں ہی میں کچھ کچھ حصص اور ان کے مستحقین کے ذکر کے بعد ارشاد ہے: **ثم بعد وصیۃ یوصی بہا اودین**، کہ یہ سب تقسیم میراث دین کی ادائیگی اور تنفیذ وصیت کے بعد ہو۔

پھر ان آیات میں حصے کل چھ بیان کئے گئے ہیں: نصف (کل مال کا آدھا)، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں)، ثلثان (دو تہائی)، ثلث (ایک تہائی)، سدس (چھٹا حصہ)۔

اور ان کے مستحقین سات طرح کے ہیں: اولاد (جس میں مذکور مؤنث ساری فروغ داخل ہیں یعنی بیٹے، بیٹیاں، پوتے پوتیاں، اسی طرح نیچے تک۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اوپر والی فرع کی موجودگی میں نیچے کی فروغ محروم رہیں گی، جیسے بیٹے بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے پوتیاں) باپ (اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا، اسی طرح اوپر تک) ماں (اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادی اور نانی جو ایک درجہ میں ہیں اسی طرح اوپر تک، لیکن ان میں جو اقرب الی اللیت ہو وہ ابعدا کی میت کیلئے حاجب ہوگی) شوکر، بیوہ، اختیاتی (مال شریک) بھائی بہن۔ حقیقی (مال باپ دونوں) و علانی (صرف باپ شریک) بھائی بہن۔

مذکورہ حصص اور ان کے مستحقین کی تفصیل حسب تصریح قرآنی اس طرح ہے: اولاد۔ ان کے وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں (۱) مذکور مؤنث دونوں ہوں تو اس صورت کیلئے حکم ہے: **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**، کہ مذکور دو حصے

اور مؤنث کو ایک حصہ ملے گا (۲) صرف ایک مؤنث ہو تو وان کانت واحدة فلها النصف۔ کی بنا پر نصف ترکہ کی مستحق ہوگی۔
 (۳) اگر مؤنث اولاد دیا اس سے زائد ہو تو۔ فان کن نساء فوق اثنتين فلهن ثلث ما ترک۔ کی وجہ سے دو تہائی مال کی مستحق ہوگی
 (واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دُک سے زائد کے لئے ہے لیکن اقتضاء النفس اور احادیث سے دُک کے لئے بھی یہی حصہ ثابت
 ہوتا ہے، تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے) (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ وارث صرف مذکر اولاد ہو (ایک یا زائد)
 وہ عصبہ ہو نیکی بنا پر ذوی الفروض سے بچے ہوئے کل مال کی مستحق ہوگی (کتب تفسیر و سراج)

باب ۲: اس کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اگر اس کے ساتھ میت کی کوئی اولاد مذکر بھی ہو (خواہ مؤنث ہو یا نہ ہو) تو
 اس صورت میں ولایہ لکل واحد منہما السدس ماترک ان کان ولد۔ کی وجہ سے وہ کل مال کے چھٹے حصہ کا مستحق ہوگا (۲) اولاد مذکر نہ
 ہو نیکی صورت میں جبکہ اولاد مؤنث ہو (ایک یا متعدد) باپ بطور فرض کے ایک سدس کا۔ اور بطور عصبہ کے بچے ہوئے کل مال کا مستحق ہوگا۔
 (۳) اور میت کی کسی بھی قسم کی اولاد نہ ہو تو ذوی الفروض سے بچا ہوا کل مال باپ کو ملے گا تقصیب کی بنا پر (ان دونوں صورتوں کا حکم کتب تفسیر
 اور کتب فقہ میں دیکھئے)

مات ۲: (۱) میت کی اولاد (مذکر و مؤنث) میں سے کسی کے بھی ہوتے ہوئے سدس کی مستحق ہوگی ارشاد ہے "ولایہ لکل واحد
 منہما السدس۔ (۲) میت کے بھائی بہنوں میں سے دویا اس سے زائد کیساتھ ہو جب بھی اُسے سدس ملے گا۔ فان کان له اخوة فلامہ
 السدس۔ (۳) نہ میت کی کوئی اولاد ہو نہ بھائی بہنوں میں سے دو کا نصب ہو تو۔ فان لم یکن له ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث۔
 کے حکم کے مطابق ثلث دیا جائیگا (پھر اس ثلث میں کچھ اختلاف ہے کہ کس صورت میں کل مال کا تہائی دیا جائیگا، اور کب ثلث باقی کی مستحق ہوگی)
شوہر: (۱) اگر بیوی کسی بھی طرح کی اولاد چھوڑ کر مری ہے، خواہ اسی شوہر سے یا کسی اور شوہر سے تو۔ فان کان لہن ولد فلکھ
 الربع مہاترک۔ کی بنا پر شوہر جو بھائی مال کا مستحق ہوگا (۲) اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو نصف ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ:
 "ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولد۔"

بیوی: (۱) اگر بیوی کے ساتھ مرنے والے شوہر کی کوئی اولاد بھی ہو تو۔ فان کان لکم ولد فلهن الثمن۔ کے مطابق بیوی
 کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا (۲) اور اگر اولاد نہ ہو تو اس کے حصہ میں چوتھائی آئیگا۔ ولہن الربع مہاترک تم ان لم یکن لکم ولد۔
تنبیہ: اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو (اور اس کے حقیقی و علاقائی بھائی بہنوں میں سے کوئی ہو) تو ایسی میت کو "کلالہ" کہتے
 ہیں۔ ان امرؤ هلك ليس له ولد۔ سے یہی مراد ہے۔

حقیقی و علاقائی بھائی بہن: (۱) اگر میت (کلالہ) مذکر ہو اور اسکی حقیقی و علاقائی صرف ایک بہن ہو تو اسے کل مال کا آدھا ملے گا۔
 "ولہ اخت فلها نصف ما ترک۔ (۲) اور اگر دویا اس سے زائد بہنیں ہوں تو دو تہائی مال کی مستحق ہو کر اس میں برابر کی شریک
 ہوں گی۔ فان کانت اثنتین فلهن ثلث ما ترک۔"

واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دو ہی کے لئے ہے لیکن اقتضاء النص کی روشنی میں قیاساً علی الاولاد الاناث اور

بطریق اولیت دو سے زائد کے لئے بھی حکم ہے (دیکھو کتب تفسیر وفقہ) (۳) اور اگر میت مؤنث ہے اور ورثہ میں صرف بھائی ہیں (خواہ ایک ہوں یا زیادہ) وہ بطور عصبہ کے کل مال کے مستحق ہوں گے۔ "وہویرشہان لم یکن لہا ولد" (۴) اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو سب عصبہ بنیں گے، اور بھائی دو دو، بہنیں ایک ایک حصہ کی مستحق ہوں گی۔ ارشاد ہے: "وان کانوا اخوة رجالاً ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین"۔

تنبیہ:- علاقائی و حقیقی بھائی بہنوں کا حکم تقسیم میراث میں ایک ہی ہے، لیکن حقیقی بھائی علاقائی بھائی بہنوں کے لئے حاجب کی اسی طرح حقیقی بہن بھی جب کہ وہ میت کی اولاد اناث کی وجہ سے عصبہ ہو۔ اور ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاقائی بہنوں کو سدس ملے گا کلمۃ للثلثین۔

اخیانہ بھائی بہن:- (۱) ماں شریک بھائی بہنوں میں سے اگر کوئی تنہا ہو تو اس کو سدس ملے گا۔ "ولہ اُخ أو اُخت فذلک واحد منہما السدس" (۲) اور اگر ایک سے زائد ہو خواہ صرف بھائی یا صرف بہنیں یا مخلوط ہوں تو ان کے لئے ثلث مال ہوگا، جس میں وہ برابر کے شریک ہوں گے۔ "فان کانوا اکثر من ذلک فہم شرکاء فی الثلث"۔

تنبیہ:- (۱) یہاں آیت کریمہ میں "ولہ اُخ أو اُخت" سے اخیانہ بھائی بہن مراد ہیں، جیسا کہ بعض صحابہ کی قرآنہ میں "من اُم" کی زیادتی وارد بھی ہوئی ہے، اور اس کی یہی تفسیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی بھی ہے۔ (ابن کثیر) (۲) اخیانہ بھائی بہن حصص میں برابر کے شریک رہتے ہیں "فہم شرکاء فی الثلث" کے اطلاق کی وجہ سے، لہذا للذکر مثل حظ الانثیین، کا کلیہ ان پر جاری نہ ہوگا۔ (دیکھو کتب تفسیر اور سراجی وغیرہ)

(۳) حقیقی و علاقائی بھائی بہن اسی طرح میت کے اصول مذکور اور فرد مطلق یہ سب کے سب اخیانہ بھائی بہنوں کیلئے حاجب ہیں خاتمۃ:- میراث کے حصص اور ان کے مستحقین کا یہ ایک اجمالی بیان ہے، جو قرآن کریم کے عبارتہ النص کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شریعت کے اصول چار ہیں (جن سے ثابت شدہ احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہے) تو کسی بھی مسئلہ کی مکمل وضاحت ان چاروں اصول کی مراجعت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا مسئلہ میراث میں بھی مزید تفصیل و توضیح کے لئے اس فن کی مستقل کتابوں (مثلاً سراجی وغیرہ) کی طرف مراجعت ناگزیر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَوَّلُ كِتَابِ الْخِرَاجِ وَالْفَيْ وَالْاِمَارَةِ

اس کتاب کی مناسبت ماقبل میں کتاب الجہاد سے ظاہر ہے اس لئے کہ جہاد کے ذریعہ جو زمینیں فتح کی جاتی ہیں بعض تو ان میں سے خراجی ہوتی ہیں اور بعض عشری اس لئے ضرورت پیش آتی خراج و عشر وغیرہ کے احکام بیان کرنے کی، اور چونکہ ان تمام چیزوں کے انتظام و انصرام کے لئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے مصنف نے امارت کو بھی ترجمہ الباب میں لے لیا، نیز فی سے مراد مصنف کی صرف فی ہی نہیں ہے بلکہ غنیمت بھی اس میں شامل ہے اس لئے کہ مصنف نے اس کتاب میں غنیمت اور خمس غنیمت کے مصارف سب کچھ بیان کئے ہیں اور ایسے ہی خراج کے ساتھ جزیہ کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب الخراج کا موضوع اور حاصل | جانتا چاہیے کہ خراج جو کہ زمین کے ٹیکس کا نام ہے اور جزیہ یوں سمجھئے جان کے ٹیکس کا نام ہے جو ان کفار (ذیموں) سے لیا جاتا ہے جو ہمارے ملک دارالاسلام میں رہتے اور بستے ہیں، یہ سب چیزیں ملک کے اندر کی آمدنیاں ہیں تو کتاب الخراج میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً جزیہ کس کس سے لیا جائے گا اور کتنی مقدار میں لیا جائے گا اور کس زمین سے خراج لیا جائے گا، اور کس سے عشر لیا جائے گا اور پھر ان سب چیزوں کو وصول کرنے کے بعد ان آمدنیوں کے مصارف کیا ہوں گے، کون سے مال کو کہاں اور کس ضرورت میں خرچ کیا جائے گا، گویا کتاب الخراج کے موضوع کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسلام کے نظام اقتصادی کا ایک حصہ و شعبہ ہے اور اس موضوع پر علماء نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں، مثلاً، کتاب الخراج للامام ابی یوسف، الخراج لیحمی بن آدم، الاموال لابی عبید القاسم بن سلام، کتاب لاموال

لہ اور کتاب الجہاد کے بعد متصلاً جو ابواب و کتب گذریں اضحیہ، صید، وصیۃ، فرائض یہ سب بھی جہاد سے مربوط ہیں،

ادنی تامل سے ربط سمجھ میں آجائے ۱۲۔

لزنجویہ وغیرہا، اور ہمارے زمانہ کے مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ناظم جمعیتہ العلماء ہند جو بڑے جید عالم اور بہت سی تصانیف کے مصنف ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہی اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ چنانچہ مولانا نے اپنی اس تصنیف میں مذکورہ بالا قدیم تصنیفات سے ہی اپنی یہ کتاب ترتیب دی ہے چنانچہ اس میں جا بجا ان کتابوں کا حوالہ ہے اور ان کے اقتباسات درج ہیں، اسی طرح مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب ”اسلامی معاشیات“ بھی اسی موضوع پر ہے، لہذا ابوداؤد کی اس کتاب الخراج کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے طلبہ حدیث کو اردو کی ان تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ موجب بصیرت ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔

باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ

اس باب میں مصنف نے یہ مشہور حدیث الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ذکر فرمائی ہے، یہ حدیث بہت اہم ہے ہر بڑے کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملہ میں یہ پیش نظر رکھنے کی ہے، خواہ وہ پورے ملک کا ذمہ دار ہو یا کسی ادارہ کا یا کسی محکمہ کا یا اپنے گھر ہی کا، سب کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب ما جاء فی طلب الامارۃ

یہ امارت بکسر الهمزہ ہے، اور جو امارت بفتح الهمزہ ہے اس کے معنی علامت کے ہیں، حدیث الباب میں طلب امارت سے روکا گیا ہے، اور آپ نے فرمایا کہ جو عہدہ اور امارت طلب کر کے حاصل کیا جائے اس میں آدمی کی من جانب اللہ تعالیٰ اعانت نہیں ہوتی، کیونکہ طلب کرنا مقصود ہے اپنے نفس پر اعتماد کو، اللہ تعالیٰ کی نصرت ہوتی ہے اظہار احتیاج و افتقار پر۔
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مختصراً ومطولاً بخوة، قال المنذری۔

عن ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع رجلین الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ اس روایت کا مضمون اور حوالہ ہمارے یہاں کتاب الطہارت ”باب کیف یستاک“ کے ضمن میں گذر چکا اس کو دیکھا جائے، اس حدیث میں ایک لفظ یہ ہے فقال ان اخوتکم عندنا من طلبہ، ”اخوان خیانت سے اسم تفضیل ہے یعنی عہدہ عمل کو طلب کرنا لا تم میں سب سے بڑا خائن ہے۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم قال المنذری، زاد الشیخ محمد عوامہ النسائی ایضاً۔

باب فی الضریر یؤتی

یعنی نابینا شخص کو امور مسلمین میں سے کسی کام پر والی اور ذمہ دار بنانا۔

عن انس رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم استخلف ابن ام مكتوم على المدينة مرتين۔ ابن ام مكتوم کو آپ نے مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا دوسرے مرتبہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ولایت ولایت عامہ نہ تھی، احکام اور قضایا پر، بلکہ صرف نماز کے بارے میں تھی، اور یہ آپ کی جانب سے ان کا اکرام تھا اس خاص واقعہ کی بنا پر جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں تنبیہ کی گئی تھی (عبس وتولى ان جاره الاعی) حافظ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول غزوات میں تشریف لے جاتے وقت ان کو اپنا نائب بنانے کا تھا نماز کی امامت میں، اور یہ استخلاف ان کے حق میں تیرہ مرتبہ پیش آیا، ان سب غزوات کا نام بذل میں مذکور ہیں، اس کے بعد حافظ لکھتے ہیں کہ وہ جو اس روایت میں استخلاف مرتین مذکور ہے وہ راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا۔

باب فی اتخاذ الوزير

یعنی خلیفہ کے لئے ایک وزیر بھی ہونا چاہیے اور وہ کیسا ہونا چاہیے وہ آگے حدیث میں آرہا ہے۔ وزیر "وزر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں، وزیر اس شخص کو کہتے ہیں جو امیر کا بوجھ اٹھائے اور جو ذمہ داریاں امیر نے لے رکھی ہیں اس کے ساتھ بوجھ اٹھانے میں وہ بھی شریک ہو، نفی الجمع "الوزير من يوازر الامير فحمل عنه ما حمل من الاثقال، الى آخر ما في البذل"۔ اس باب میں مصنف نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون واضح ہے۔

باب فی العرافة

عرافہ کہتے ہیں عمل العریف کو، عریف یعنی چودھری اور اپنی قوم کا ذمہ دار، عرافت چودھراہٹ۔

افلحت يا قديما من امت ولعنتك اميرا ولا كاتب ولا عريفا۔

قدیم مصغر ہے مقدم کا بحذف الزوائد، مطلب ظاہر ہے

عن رجل عن ابيه عن جده انهم كانوا على منهل من المناهل فلما بلغهم الاسلام جعل

صاحب الماء لقومه مئة من الابل على ان يسلوا فاسلموا

لہ اور یہ اس لئے کہ امارت عامہ اور امامت کبریٰ کے لئے کمال خلقت شرط ہے، نفی ہامش البذل: قال الموفق (فی شرائط الامارة) بشرط

کمال الخلق۔ فیکون متکلماً بصیراً، وقال بعض اصحاب الشافعی يجوز ان يكون اعمى لان شعیبا علیہ السلام کان اعمى الخ، وفي المدایہ، بشرط

فیہ شرائط الشهادة، وقال فی باب الشهادة: لا تقبل شهادة الاعی ۱۲۔

اس حدیث کا راوی صحابی اور اس سے نیچے کا راوی دونوں تینوں مجہول ہیں۔

مضمون حدیث مضمون حدیث یہ ہے ایک نامعلوم الاسم صحابی کہتے ہیں کہ ہم اور ہماری قوم ایک چشمہ آباد تھے جب ان لوگوں کو اسلام کی خبر پہنچی تو صباغ الماریع یعنی اس چشمہ پر جو قوم آباد تھی اس کے

چودھری نے اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم سب اسلام لے آئے تو میں تم کو ستواونٹ دوں گا، اس پر وہ سب لوگ اسلام لے آئے اور اس چودھری نے سواونٹ بھی ان پر تقسیم کر دیئے، لیکن پھر بعد میں اس کی رائے اپنے بہرے سے رجوع کرنے کی ہوئی، تو رجوع سے پہلے اپنے بیٹے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور اس بیٹے سے یہ بات کہی کہ آپ کی خدمت میں جا کر یہ کہنا کہ میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور پھر اس واقعہ کا ذکر کرنا قوم کے اسلام لانے اور ان پر اونٹ تقسیم کرنے کا، اور یہ پوچھنا کہ اب اس کی رائے اس میں رجوع کی ہو رہی ہے تو کیا اس کے لئے رجوع کرنے کا حق ہے؟ اور کہا کہ آپ اس کا جو بھی جواب دیں ہاں یا نہیں اس کو سنکر دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ میرا باپ اب بوڑھا ہو گیا اور وہ ان چشمہ والوں کا عریف ہے، تو وہ آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھ کو میرے باپ کی جگہ عریف بنادیں، چنانچہ اس کا بیٹا ان سب باتوں کو لیکر حضور کی خدمت میں پہنچا، اور اولاً اپنے باپ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا، وعلیک وعلى ایک السلام۔

رجوع فی البہ کے جواز کی دلیل اس کے بعد قوم کے اسلام لانے کا اور ان کو ستواونٹ دینے کا، اور پھر اس بہ میں رجوع کرنے کا ساری بات اس نے حضور سے عرض کی، آپ نے

فرمایا کہ وہ اونٹ ان کو دینا چاہے دے، اور رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے پھر اگر وہ اسلام پر باقی رہتے ہیں نبی، ان کا اسلام ان کو مبارک، اور اگر اسلام سے پھریں تو ان سے قتال کیا جائے، اس کے بعد اس نے عرفات کے بارے میں دریافت کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ عرفات برحق ہے، کوئی ناجائز چیز نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لئے عرفاء کا ہونا ضروری بھی ہے۔ لکن العرفاء فی النار۔ لیکن یہ عریف لوگ جہنم میں جائیں گے۔

آپ کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ یہ چودھری لوگ جو ہوتے ہیں اپنی چودھراہٹ میں عام طور پر لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

والحدیث سکت علیہ المنذری، وعزاه المزی الی النسائی، وفیہ طرف لیسیر منہ، وهو عند المصنف ایضاً (۵۱۸۹) قالہ شیخ

محمد عروامہ۔

باب فی اتخاذ الکاتب

کتاب الخراج کی سرخی میں چونکہ فی اور امارت کا بھی ذکر ہے اسلئے بہت سی چیزیں امارت سے بھی متعلق بیان کی جا رہی ہیں، اس باب میں یہ کہہ رہے ہیں کہ امیر کے لئے ایک کاتب اداری کی بھی ضرورت ہے اس کو بھی رکھنا چاہیئے

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: السَّجِّلُ کاتب کان للنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قرآن کریم میں جو آیت ہے یوم نظوی السماء کطی السجل للکتاب، اس کے بارے میں ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں سجل سے مراد وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا، اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بروز قیامت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح سجل کاتب لکھائی سے فارغ ہونے کے بعد تمام منتشر اوراق کو یکجا لپیٹ کر رکھ دیا کرتا ہے، سجل کی تفسیر میں دو قول اور ہیں، قیل اسم ملک (ایک فرشتہ کا نام ہے) وقیل اسم الصیفة، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح بڑے رجسٹر میں اوراق سمیٹ کر رکھ دیئے جاتے ہیں اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے، ان اقوال میں آخری قول کو اصح کہا گیا ہے۔

آپ کے کاتبین کے اسماء یہاں پر بذل الجہود میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین کی تعیین اور ان کے اسماء مذکور ہیں، بیش نام اس میں مذکور ہیں۔

باب فی السعیۃ علی الصدقة

یعنی صدقات اور ایسے ہی خراج وغیرہ وصول کرنے کے لئے مستقل آدمی کی ضرورت ہوتی ہے لہذا امیر کے فرائض میں سے عاملین کو بھی مقرر کرنا ہے، حدیث الباب میں دیانت دار عامل کی فضیلت اور اس کا ثواب مذکور ہے،

العامل علی الصدقة بالحق کالغازی فی سبیل اللہ حتی یرجع الی بیتہ۔ یعنی ان عاملین کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جس طرح مجاہدین کو سفر جہاد میں ملتا ہے، گھر لوٹنے تک ملتا ہی رہتا ہے، قلت ومثلہ سفراء المدارس فی هذا الزمان، بشرطیکہ پوری دیانتداری اور محنت سے کام کریں والاعمال بالنیات۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

لا یدخل الجنة صاحب مکس۔

شرح الحدیث (مکس) یعنی ٹیکس اور صاحب مکس کو مکس کہتے ہیں، وهو العشار، یعنی چنگی پر بیٹھنے والے جو مال لیکر گزرنیوالوں سے ٹیکس وصول کرتے ہیں، بظاہر اس حدیث میں ان ٹیکسوں کا ذکر ہے جو خلاف شرع طریقہ پر حکومتیں رعایا سے وصول کرتی ہیں، اور جن لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے وہی صاحب مکس ہیں، توجب صاحب مکس گنہ گار ہے تو وہ امیر جس کے حکم سے وہ ٹیکس وصول کر رہا ہے بطریق اولیٰ عاصی اور گنہ گار ہوگا، اور عشر وغیرہ جو شرعی قاعدہ کے مطابق وصول کئے جاتے ہیں وہ اس سے مراد نہیں، اس کی فضیلت تو اوپر والی حدیث میں گزر رہی چکی ہے کہ وہ بمنزلہ غازی کے ہے۔ (بذل)

باب فی الخلیفۃ یتخلف

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال عمرانی ان لا یتخلف فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یتخلف وان یتخلف فان ابابکر قد استخلف۔

شرح الحدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میرے والد عمر نے فرمایا یعنی اپنے مرض الوفا میں۔ کہ اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ ابوبکر نے خلیفہ بنایا تھا، آگے یہ ہے، ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے اس جملہ سے میں سمجھ گیا کہ وہ حضور کے طرز عمل کو ابوبکر کے عمل کے برابر نہیں رکھیں گے بلکہ یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ترجیح دیں گے۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے، صحیح مسلم میں مفصل ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے تو فرمانے لگے اتحمل امرکم حیاً ومیتاً کہ تمہارا ابوجہ زندگی میں بھی اٹھاؤں اور مرنے کے بعد بھی، لوددت ان حظی منها الکفاف لاعلی ولائی، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ اس خلافت میں برابر سرا بر ہو جائے، نہ مجھے اس پر کچھ ملے، اجر و ثواب، اور نہ کچھ مواخذہ ہی ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں معاملہ برابر سرا بر نمٹ جائے تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں، اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس خشیت و لہیت کا، ساتھ میں امید و رجاء غفوی بھی ہے الایمان بین الخوف والرجاء۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خلیفہ پر اپنی زندگی میں نہ استخلاف واجب ہے نہ ترک استخلاف، دونوں صورتیں اس کے لئے جائز ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ خلافت کا انعقاد خلیفہ اول کے استخلاف سے بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ استخلاف نہ کرے تو پھر ارباب حل و عقد کے اختیار کرنے سے اس کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور اس کے جواز پر بھی اجماع ہے کہ خلیفہ اول امر خلافت کو کسی جماعت کے سپرد کر دے، کما فعل عمر بالسنۃ، نیز وہ لکھتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کے موقع پر ابو لؤلؤہ موسیٰ کے حملہ کے بعد انتقال سے پہلے خلافت کے مسئلہ کو چھ صحابہ کرام کے مشورہ پر محمول فرمادیا تھا، عثمان و علی و عبد الرحمن بن عوف و طلحہ بن عبید اللہ و زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ یہ آپس میں مشورہ سے جس کو مناسب سمجھیں اسکو خلیفہ بنا دیں چنانچہ مشورہ کے وقت میں یہ ہوا کہ ان میں سے پانچ حضرات نے عبد الرحمن بن عوف کو حکم بنا دیا کہ وہ اپنی رائے سے جس کو مناسب سمجھیں اُنہوں نے حضرت عثمان کو انتخاب فرمایا، صحابہ کرام کی ایک جماعت کی موجودگی میں، اور حضرت عمر کی وفات کے تین دن بعد لوگوں کی بیعت ہوئی (نہ اس شرح عقائد)

کسی خلیفہ کی خلافت پر تصریح نہیں فرمائی اور یہ تمام اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس اجماع کی بعضوں نے مخالفت کی ہے، چنانچہ بکر ابن اخیت عبد الواحد نے دعویٰ کیا ابو بکر کی تنصیف پر، اور ابن الراوندی نے عباس کی تنصیف پر، اور شیعہ اور روافض کہتے ہیں علی کے بارے میں، وھذہ دعاوی باطلہ جسارۃ علی الافترار الی آخر ما ذکر (مسلم ج ۲ ص ۲۸۷)

والحیثیث اخرجه مسلم والترمذی، قال المنذری۔

باب ماجاء فی البیعة

قالت ما من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بیدۃ امرأۃ قط الا ان یاخذ علیہا فاذا اخذ علیہا فاعطتہ قال اذہبی فصد بایعتک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بیعت النساء کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بوقت بیعت اپنے دست مبارک سے کسی بھی عورت کو نہیں چھوا، بس آپ زبانی عہد لیتے تھے، زبانی عہد کو جب وہ قبول کر لیتی تھی تو آپ اس سے فرما دیتے تھے کہ بس اب چلی جا میں نے تجھے بیعت کر لیا۔

والحیثیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

حدثنا ابو عقیل زھرة بن معبد عن جندۃ عبد اللہ بن ہشام الخ

مضمون حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ بن ہشام جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اپنے بچپن میں ان کو ان کی والدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، اور کہا یا رسول اللہ اس کو بیعت کر لیجئے، آپ نے فرمایا: ہو صغیر فمسح رأسہ، یعنی آپ نے ان کی بیعت سے عذر فرما دیا کہ یہ ابھی بچہ ہے البتہ اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیر دیا۔

بیعت چونکہ ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جو باب تکلیف سے ہے اور نابالغ غیر مکلف ہوتا ہے اسلئے آپ نے بیعت نہیں کیا۔

والحیثیث اخرجه البخاری، قال المنذری۔

باب فی آرزاق العمال

آرزاق یعنی وظائف جو عمال کو بیت المال سے دیئے جاتے ہیں۔

من استعملناہ علی عمل فرزقناہ رزقا فما اخذ بعد ذلک فهو غلول۔

آپ فرما رہے ہیں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کی جو تنخواہ اور وظیفہ ہم مقرر کریں وہ تو اس کے لئے حلال ہے

اس سے زائد سے جو وہ لے گا تو وہ غلول اور خیانت ہوگا۔

من کان لنا عاملاً فلیکسب زوجة۔

جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کو چاہیے کہ اپنی شادی کر لے یعنی بیت المال کے خرچہ سے اور ایسے ہی اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو ایک خادم بیت المال سے حاصل کر لے، اور رہنے کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مسکن کا انتظام کر لے۔

باب فی ہدایا العمال

یعنی عمال جب صدقات وصول کرنے جائیں اور صدقات کے علاوہ ان کو کہیں سے ہدیہ میں کچھ ملے تو اس کا کیا حکم ہے، ابن عبدالبر کی التہدید میں ہے کہ ہدایا العمال عند الجمهور فی حکم الفی ہیں، لہذا ان کو بیت المال میں داخل کرنا چاہیے، بخلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی خدمت میں جو ہدیہ پیش ہو وہ آپ کے لئے ہے۔ (ہامش البذل) وھذا فی السیر الکبیر۔

تنبیہ: بعینہ یہی ترجمہ باب فی ہدایا العمال آگے کتاب لقضاء میں بھی آ رہا ہے، وہاں مصنف نے ایک دوسری حدیث ذکر کی ہے:

عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعمل رجلاً

من الازدی قال لہ ابن اللتیبة قال ابن السرح ابن اللتیبة علی الصدقة الخ۔

شرح الحدیث | اس رجل ازدی عامل کا نام عبد اللہ ہے، یہاں نسبت ماں کی طرف ہے، بنو لُثَبِ ایک قبیلہ ہے نام اس کی ماں کا معلوم نہیں کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صدقات پر

عامل بنایا، ایک مرتبہ وہ صدقات لے کر آیا اور کہا کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چونکہ عادت شریفہ ایسے موقع پر ایک عام نصیحت فرمانے کی ہوتی تھی بلا تخصیص کے اس لئے آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ تنبیہ فرمائی کہ بعض عامل ایسے ہیں کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں وہ پھر آکر کہتے ہیں کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے، اور یہ ماں میرے لئے ہدیہ ہے، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ یہ شخص اپنی مٹی یا باب کے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں، پھر آگے جو آپ نے فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کا مال مال غلول ہے، اور جو غلول کے بارے میں وعید آئی ہے وہ آپ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ مال غلول میں اگر اونٹ ہو تو میدان حشر میں وہ اونٹ اس کی پشت پر سوار ہو کر آواز نکالتا ہوا آئے گا، اور اگر وہ مال غلول بقرہ ہو گا وہ بھی اسی طرح آئے گی، اسی طرح بکری، الی آخر الحدیث۔

عمال کے ہدایا کے بارے میں شراح نے لکھا ہے وہ حرام ہے اور رشوت ہے، وہ دوسرے ہدایا کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ عاملین کو لوگ جو ہدایا پیش کرتے ہیں اس کی غرض فاسد ہوتی ہے تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے میں تخفیف کرے

اور پورا حق واجب اس سے نہ لے۔

جو چیز ذریعہ بنے امر محظور کا وہ بھی محظور ہے | نیز شرح نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شئی ذریعہ بنے کسی امر محظور و ممنوع کا تو وہ ذریعہ بھی

محظور و ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اس قسم کے عامل کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اس کو وہ ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ نہیں ملے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کو جو ہدیہ دیا گیا ہے وہ اس کی ذات کو نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ کسی چیز کے عوض میں دیا گیا ہے اور وہ وہی ہے یعنی عدم استیفاء حق واجب یعنی پوری زکاۃ وصول نہ کرنا، تو یہ ہدیہ ذریعہ بن رہا ہے عدم استیفاء زکوٰۃ کا جو امر محظور ہے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم، قال المنذری۔

باب فی غلول الصدقة

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یحدث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساعیا الخ۔
غلول فی الصدقة ہی کے بارے میں یہ حدیث ہے اور اس پر وعید ہے، جس کا مضمون ابھی اوپر گذرا۔

باب فیما یلزم الامام من امر الرعية

یعنی امام پر رعایا کا جو حق واجب ہے ان کی خبر گیری ان کی ضروریات کو پورا کرنا وغیرہ۔

ان ابامریعہ الازدی اخبرہ قال دخلت علی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما انعمنا بک ابا فلان الخ۔
مضمون حدیث | ابو مریم ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا اور عرب لوگوں کی عادت کے موافق

ما انعمنا بک یہ جملہ استعمال کیا، یہ صیغہ تعجب ہے یعنی یہ آپ کا ہمارے پاس آنا اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، انہوں نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی وہ تم کو سنانے آیا ہوں، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا ذمہ دار بنائے اور پھر وہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے سامنے نہ آئے پس پردہ بیٹھ جائے تو ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ اس کی حاجت اور ضرورت کے وقت اس سے پردہ میں ہو جاتے ہیں، آگے روایت میں ہے فجعل رجلا علی حوائج الناس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سن کر ایک شخص کو مقرر کر دیا لوگوں کی حاجت پر، یعنی جوان کی حاجتیں اور مطالبات ان تک پہنچا دے۔

یہ حضرت معاویہ کا کمال اتباع و انقیاد ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص نے ان کی تنبیہ کے لئے ایک حدیث سنائی تو اس کے سنتے ہی فوراً اس کے مطابق عمل شروع کر دیا بغیر کسی قسم کی ناگواری اور ترش روئی ظاہر کئے، آخر خلیفہ تھے امیر تھے، حضرت معاویہ کے اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں کتب حدیث میں جو ان کے کمالِ حلم پر دلالت کرتے ہیں اور ان کا حلم مشہور بھی ہے۔
والحدیث اخرجه الترمذی، قالہ المتذری۔

عن مالک بن اوس بن الحدثان قال ذکر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوماً الفی فقال ما انا باحق بهذا الفی منکم وما احدٌ منا احق به من احدٍ الا انا علی منازلتنا من کتاب اللہ عز وجل وقسم رسولہ فالرجل وقد ملئ، والرجل وبلادۃ والرجل وعیالہ والرجل وحاجتہ۔

مال فی کے بار میں اثر عمر کی تشریح
یعنی ایک روز حضرت عمر فاروق نے لوگوں کے سامنے مال فی کا ذکر کیا اور یہ فرمایا اس مال فی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، بلکہ کوئی بھی ہم میں سے اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے (بلکہ یہ مال مشترک ہے سب اس میں برابر کے شریک ہیں، پھر آگے فرمایا گو نفس استحقاق میں سب برابر ہیں لیکن فرق مراتب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ کتاب اللہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل تقسیم کی روشنی میں، پھر آگے اس کی وضاحت ہے فرماتے ہیں، ایک شخص ہے اور اس کی قدامت یعنی ایک شخص قدیم الاسلام ہے، اسلام میں اس کی خدمات ہیں، اور ایک شخص ہے اور اس کی مشقتیں و بلائیں (جو اس نے دین و اسلام کے بارے میں برداشت کی ہیں) اور ایک شخص ہے اور اس کی عیال اور اولاد یعنی ایک شخص ذی عیال ہے اور دوسرا غیر ذی عیال اور ایک شخص ہے اور اس کی حاجت، یعنی ایک شخص واقعی حاجت مند ہے اور دوسرے شخص کی ایسی کوئی حاجت ہے نہیں الحاصل ان تمام چیزوں کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔

مال فی اور غنیمت میں فرق
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں مال فی کا حکم مذکور ہے مال فی وہ مال ہے جو بغیر قتال کے حاصل ہو جیسے وہ ارضیں جنکو مسلمانوں نے مشرکین سے ان کو جلاوطن کر کے خالی کر لیا ہو بغیر قتال کے، جیسے ارض بنو نضیر وفدک اسی طرح اور ہر ایک کا حکم و مصرف

ارض مفتوحہ کے بار میں حضرت عمر کی رائے | اے اسی طرح ارض مفتوحہ کے بار میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسکو تقسیم نہ کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کی ضروریات کیلئے اس کو محفوظ رکھا جائے تاکہ سب لوگ منتفع ہو سکیں و نہ تقسیم کی صورت میں تو اس میں اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے۔
چنانچہ انکی یہ حدیث آگے آرہی ہے باب جار فی حکم ارض خیر کی آخری حدیث یہی ہے، و لا آخر المسلمین ما نحت قرۃ الا قسمتها کا قسم سوال اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر

کسی مقام اور شہر کو فتح کرنے کے بعد اس شہر کے اندر کی جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسے جزیہ وغیرہ اور معادن یہ سب مال فی ہے، مال غنیمت کا حکم تو قرآن کریم میں منصوص ہے کہ اس کی تخمیس کی جائے، یعنی ایک خمس کو تو علیحدہ کر لیا جائے اور باقی اربعہ اخماس کو غنائم میں تقسیم کر دیا جائے، پھر اس خمس کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ **وَالَّذِينَ آمَنُوا غَنِمُوا مِمَّا قَاتَلُوا بِإِذْنِ اللَّهِ فَرَأَى ظَنًّا لَّهُ خَمْسَةَ وَاَلَّذِي الْقَرَبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ** اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام تو برکت کے لئے ہے آگے پانچ باقی رہ گئے تو گویا اس خمس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا ہے، اس صورت میں ہر ایک کے حصہ میں خمس الخمس بیٹھتا ہے، آگے ایک مستقل باب آرہا ہے "باب بیان مواضع قسم الخمس" وہاں مزید تفصیل اس کی ان شاء اللہ تعالیٰ آجائے گی، یہاں تو بتائی کے تقابل کی وجہ سے بیان کر دیا گیا۔

فی کے بارے میں جو رائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور ہوئی وہی جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کی رائے ہے اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک جو حکم غنیمت کا ہے وہی فی کا ہے یعنی مال فی کی تخمیس کی جائے پھر اس خمس کو مصارف خمس میں صرف کیا جائے، اور باقی اربعہ اخماس کو مقاتلین پر تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ شرح افناع میں ہے: **بخمس الفی فیصرف الخمس مصارف الخمس، ویصرف اربعہ اخماس علی المقاتلۃ ای المرتزقۃ للقتال خلافاً للائمۃ الثلاثۃ اذا قالوا لا یخمس الفی بل جمیعہ لمصالح المسلمین** یہ

لے حکم فی کے بار میں مزید تحقیق | **وفی الجواب النقی ص ۲۹۴ ذکر النزوٰی ان جماعة العلماء سوى الشافعی قالوا لا خمس فی الفی، وقال ابن المنذر لا نعلم احد قبل الشافعی قال باخمس فی الفی، وقال ابو عمر فی التبیید وهو قول ضعیف لا وجه له من جهة النظر الصحیح ولا الاثر، وفي العالم للخطابی كان رأى عمر فی الفی ان لا یخمس لکن یكون لجماعة المسلمين لمصالحهم، والیه ذهب عامة اهل الفتوی غیر الشافعی فانه کان یری ان یخمس فی وفی قواعد ابن رشد قال قوم الفی یصرف لجمیع المسلمين الفقیر والغنی ولعطی الامام منه المقاتلۃ والولایة والحکام وینفق منه فی النواصب التي تنوب المسلمين کبناء القناطر واصلاح المساجد ولا خمس فی شئ منه ویه قال الجمهور، وهو الثابت عن ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولم یقل احد تخمیس الفی قبل الشافعی، وانما حمله علی ذلک انه رأى الفی قسم فی الآیۃ علی عدد الاصناف الذی قسم علیہم (الخمس)، فاعتقد ان فیه (الفی) الخمس لانه ظن ان هذه القسمة محتصة بالخمس وليس ذلک بظاهر بل الظاهر ان هذه القسمة تخص جمیع الفی لا جزاء منه، وفي التجرید للمقدوری ما لمخصه قال اصحابنا الفی کل مال وصل الینا من المشرکین بلا قتال کالاراضی التي اهلوا عنها وهو الخراج والعشر والجزیة تعرف الی مصالح المسلمين وقال لشافعی اربعہ اخماس للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخمسہ یقسم کما یقسم خمس الغنیۃ، الی آخر ما ذکر من الدلیل للحنفیۃ، اور بیان القرآن میں ہے: جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہو وہ فی ہے کذا فی الہدایۃ اموال بنو نضیر اسی قبیل سے تھے اور ذلک اور نصف خیر بھی، مال فی میں امام صاحب کے نزدیک خمس نہیں ہے، اور ان اموال کا حکم یہ ہے کہ**

یہ اختلافی مسئلہ کتاب الجہاد باب دعار المشرکین میں حدیث کے تحت اس طرح گزر چکا ہے کہ شافعیہ کے یہاں بیت المال میں مال دو طرح کا ہوتا ہے، ہر قسم کا مصرف الگ ہے (۱) زکوٰۃ و صدقات کا مال، یہ عامۃ المسلمین غیر غزاة کیلئے ہے۔ (۲) مال فنی، یہ مصرف غزاة اور مجاہدین کے لئے ہے، صرح بہ النذری وقال ایضاً: ولم یفرق بینہما ابو حنیفہ و مالک۔ مصنف کو حضرت عمر کی یہ حدیث آئندہ باب ہی میں ذکر کرنی چاہئے تھی کہ اس میں یہی مسئلہ مذکور ہے تقسیم فنی کا، مگر میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ مصنف بسا اوقات ایسا کرتے ہیں کہ سابق باب کے اخیر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو آنے والے باب کے مناسب ہو بمنزلہ تمہید کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فی قسم الفئی

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل علی معاویۃ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن؟ فقال عطاء المحرّرين الخ۔

مضمون حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت معاویہ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا کیا حاجت ہے۔ کیسے آئے؟ انہوں نے فرمایا محررین کا حصہ لینے آیا ہوں، اسلئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس کہیں سے مال آتا تھا تو اس کی تقسیم کی ابتدا محررین سے آپ فرماتے تھے، محررین کے مصداق میں تین قول۔ بذل میں لکھے ہیں (۱) معتقین یعنی آزاد کردہ غلام (اسلئے کہ ان کی ضرورت ظاہر ہے ابھی تو آزاد ہوئے ہیں معاش کا مستقل بندوبست اتنی جلدی کہاں ہوتا ہے) (۲) مکاتبین تاکہ وہ اپنا بدل کتابت ادا کر سکیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ روایات کے الفاظ معلوم ہوتا ہے اس کے مالک تھے اور اس میں جو مصارف آپ کو ملتے گئے وہ جو بایا نہ ہوا وہ ایسا ہے جیسے اہل اموال پر زکاۃ و صدقہ ہے، البتہ یہ اموال مملوک آپ کے بعد محل میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے اور یہ خصوصیت بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رواہ الشیخان، چنانچہ آپ نے اموال بنو نضیر کا اکثر حصہ مہاجرین کو اور انصار میں سے بعض کو تقسیم فرمایا رواہ البیہقی، اور یقینہ میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچ دیکر جو بچا وہ سامان جہاد سلاح و کراع میں صرف فرمایا جانا آخر ہر شیخان وغیرہما، اور خیرہ کی آمدنی سے فقرہ مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے آخر ہر بوداؤد و ابن مردویہ، اور بعد آپ کی حیات کے سکے مصارف صرف مصالح عامہ ہیں مثل مد ثغور و بنار قناطر و جسور اور قضاۃ و مال و علماء مسلمین و ارباب مقانیلین و ذرائع مقانیلین کذا فی الہدایۃ اور ان مصالح میں مصارف خمس غنیمت یتامی و تساکین۔ ابن السبیل بھی داخل ہیں، و فیہ بعد ذلک، اور یہ تقریر مذکور (جس کو ہم نے مختصر کر دیا) حنفیہ کے مسلک پر ہے اور شافعی کے نزدیک فنی میں بھی خمس ہے اور حیار اخصاص مصارف مذکورہ میں صرف ہوں گے اھ مختصر لیکن مکی پوری عبارت جو پورے ایک صفحہ کے اندر ہے طلبہ اور مدرسین کیلئے قابل مطالعہ اور اس مقام کو سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

(۳) عبادت گزار اللہ تعالیٰ کے بندے جو گوشہ نشین ہوں۔

حدیث کی مناسبت ترجمہ الباب سے ظاہر ہے اس لئے کہ اول ماجاء شئی اس سے مال فی ہی مراد ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم أتى بظبية فيها خروقة فقسها للحرة والامة، یعنی آپ کے پاس ایک بھیلی آئی جس میں پیرے جواہرات تھے تو آپ نے ان کو عورتوں میں حرہ اور باندی سب میں تقسیم کر دیا، آگے حضرت عائشہ فرمادی ہیں کہ اسی طرح میرے والد بھی حرہ اور عبد سبھی میں تقسیم فرمایا کرتے تھے، یعنی مال فی کو، اور عائشہ کی روایت مرفوعہ میں حرہ اور امة کی تخصیص خرز کے لحاظ سے ہے کہ وہ ان ہی کے کام کی چیز ہوتی ہے

عن عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم كان اذا آتاه الفئ قسمه في يومه فاعطى الاهل حظيلين واعطى العزب حظاً۔

یعنی جب آپ کے پاس مال فی آتا تھا تو اسی دن آپ اس کو تقسیم کر دیتے تھے، غیر شادی شدہ اور مجرد کو ایک حصہ، اور شادی شدہ کو اس کا دو گنا مرحمت فرماتے تھے۔

باب فی أرزاق الذرية

ذریۃ سے مراد یتیم نابالغ بچے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فقیر ہوں تو ان کا نفقہ بیت المال سے ہوگا، حدیث الباب کا مضمون پہلے گزر چکا ہے، خطابی کی شرح میں ہے کہ عورتیں بھی اسی حکم میں ہیں یعنی بیوہ اور ضرورت مند۔

والحدیث اخرجه ابن ماجه، قال المنذرى۔

احادیث الباب کتاب الفرائض میں گزر گئیں، فلا حاجة الى شرحها۔

باب متى يفرض للرجل في المقاتلة

شرح الحدیث | المقاتلة بكسر التاء وصيغة المؤنث باعتبار الجماعة، اس سے مراد مقاتلین اور غزاة ہیں، اور یہ ذریۃ کا مقابل ہے جو باب سابق میں گذرا، فرض کہتے ہیں اس مقررہ حصہ کو جو بیت المال سے مجاہدین کو ملتا ہے، اور جہاد میں وہی شخص جاسکتا ہے جو بالغ ہو، تو ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہوا کہ آدمی کو مقاتلین میں شمار کر کے لب یعنی کس عمر میں اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا؟ اور جواب اس کا یہ ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے گا، اور قبل البلوغ

نہ وہ مقابلین کی فہرست میں آسکتا ہے اور نہ اس کو مقابلین والا حصہ مل سکتا ہے۔

اس باب میں مصنف نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کو ان کے گھر والوں نے جنگ احد کے موقع پر آپ کے سامنے پیش کیا یعنی جہاد میں شرکت کی اجازت کے لئے جبکہ وہ چودہ سال کے تھے تو آپ نے اجازت نہیں دی، اور پھر آئندہ سال غزوہ خندق کے موقع پر جب ان کو آپ پر پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے ان کو اجازت دیدی جبکہ وہ پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔

ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک یہی ہے کہ حد بلوغ پندرہ سال ہے، وعند الامام ابی حنیفہ خمس عشرۃ سنۃ لانی، وثمانیۃ عشر للذکر، وفی البذل هذا اذ لم یحکم، واما اذا احکم قبل ذلک حکم ببلوغہ من الاحتلام اھ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی کراہیۃ الافتراض فی اخر الزمان

افتراض یعنی اخذ الفرض والحصۃ، یعنی بیت المال سے غازی کا اپنا حصہ اور وظیفہ لینا، فرض کے معنی حصہ دینا اور افتراض کے معنی حصہ لینا، مثل الکیل والاکتیل۔

حدثنی ابی مطیرانہ خرج حاجا حتی اذا کان بالسویداء اذا اناب رجل قد جاء کاذب یطلب دواعی لوخصاً
شرح الحدیث | سلیم بن مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میرے باپ مطیر نے کہ وہ حج کے لئے جا رہے تھے، جب مقام سویدار میں پہنچے تو مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص ملا جو کوئی دوا تلاش کر رہا تھا، یا یہ کہا کہ محض تلاش کر رہا تھا، یہ بھی ایک دوا کا نام ہے جس کو رسوت کہتے ہیں، عطار لوگ خوب جانتے ہیں، مطیر کہتے ہیں اس آنے والے شخص نے مجھے ایک حدیث سنائی جو ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بالواسطہ پہنچی تھی، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے حجۃ الوداع میں، اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا یا ایہا الناس خذوا العطاء ما کان عطاء فاذا تباحفت قریباً علی الملک وکان عن دین احدکم قدعوه۔
 یعنی آپ نے فرمایا کہ عطا لیتے رہو جب تک کہ وہ عطاء عطا رہے، اس سے مراد وہ وظیفہ ہے جو بیت المال سے غزاة اور مجاہدین کو ملا کرتا ہے، پس جبکہ قریش حکومت اور بادشاہت پر لڑنے کیلئے لگیں اور وہ عطا دین کے مقابلہ اور بدلہ میں ہو جائے تو پھر اس کو چھوڑ دو، اور اس سے اگلی روایت میں ہے وعاد العطاء رؤسافد عوہ یعنی جب وظیفہ وظیفہ نہ ہے بلکہ رشوت بن جائے تو پھر اس کو چھوڑ دو، یعنی جب حکومت فوج کو باطل اور ظلم کی حمایت میں استعمال کرنے لگے

لے رؤسافد رشوة والرشوة ما یعطی للاحقاق باطل ادا بطل حتی۔

حق اور ناحق کو نہ دیکھا جائے تو اس وقت کے وظیفہ کی نوعیت رشوت کی ہو جائے گی اور رشوت لینا ناجائز ہے۔

باب فی تدوین العطاء

یعنی مجاہدین کے ناموں کے اندراج کے لئے دیوان مرتب کرنا یعنی رجسٹر۔

قبل اول من دون الدیوان عمر، یعنی سب سے پہلے یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، دیوان بمعنی رجسٹر جس کی جمع دواوین آتی ہے، مجاہدین (فوج) کے نام باقاعدہ رجسٹر میں لکھے جاتے ہیں پھر اسی کے مطابق ان کو وظیفہ دیا جاتا ہے، نیز ان کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے سال بہ سال کما فی حدیث الباب۔

عن عبد اللہ بن کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان جیشا من الانصار کانوا بارض

فارس مع امیرھم وكان عمر یُعقب الجیوش فی کل عام فثَغَلَ عَنْھُمْ عمر فلھام الرّاجل قفل اھل ذلک الثغر
مضمون حدیث یعنی انصار کا ایک لشکر اپنے امیر کے ساتھ ارض فارس جہاد کے لئے گیا ہوا تھا، لڑائی کا سلسلہ چونکہ مسلسل تھا اس لئے حضرت عمر ہر سال لشکر بدلتے رہا کرتے تھے، یعنی سال پورا ہونے پر جو لشکر گیا ہوا ہوتا تھا دوسرے لشکر کو اس کی جگہ بھیج کر پہلے لشکر کو بلا لیا جاتا تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمر ۶ سال پورا ہونے پر دوسرا لشکر بھیج سکے، اس لشکر کی جب مدت پوری ہو گئی تو وہ وہاں سے چلا آیا، جب حضرت عمر نے ان کو دیکھا تو ان پر بکڑے اور سخت سست کہا، راوی کہتا ہے دھما صحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یعنی وہ آخر عالی مرتبت صحابہ کرام تھے، جب انہوں نے زیادہ ہی ڈانٹا تو ان حضرات نے کہا (ذرا ہمت کر کے) یا عمر انک غفلت عنا، اے عمر دیکھتے! غفلت اور چوک آپ کی طرف سے ہوئی ہے، آپ نے وہ چیز جس کا حضورؐ نے حکم فرما رکھا ہے یعنی متبادل فوج روانہ کرنا آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

یہاں ٹوکنے والے ڈانٹنے والے اور ڈانٹ سننے والے دونوں ہی پیکر اخلاص تھے، ہر ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد تھا یہ جماعت جانتی تھی حضرت عمر کی شان اللہ کان وقفا عند کتاب اللہ تعالیٰ کہ وہ حق بات کے سامنے فوراً سرنگوں ہو جاتے تھے اسی لئے ان حضرات کو جواب دینے کی ہمت ہوئی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انکو ان کے اس جواب پر ذرا ناگواری نہیں ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورزقنا شیئاً من اتباعہم۔

مناسبة الحدیث للترجمة یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے کیا مطابقت ہے، بظاہر کچھ نہیں، باقی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر کے اعقاب جیش میں جو دیر ہوئی وہ شاید اسی وجہ سے ہوئی ہو کہ وہ دیوان کے تیار کرنے میں مشغول تھے، کذا فی البذل عن فتح الورد للعلامة السدی یا یہ کہیے کہ بروقت جو اعقاب جیش نہ ہو سکا اس میں اسی کو دخل تھا کہ اب تک اس قسم کا کوئی دیوان تیار نہیں ہوا تھا

جس میں شکر یوں کے نام ہوا کرتے ہیں اسی لئے متبادل جماعت بھیجنے سے ذہول ہو گیا اور پھر اس واقعہ کے پیش آنے پر اس کو مرتب کیا گیا۔

ان عمرو بن عبد العزیز کتب ان من سال عن مواضع الفی فہو ما حکم فیہ عمر بن الخطاب قرآہ المؤمنون عدلا موافقا لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبہ فرض الاعطیۃ و عقد لاهل الادیان ذمۃ بما فرض علیہم من الجزیۃ لم یضرب فیہا بخمس ولا مضجع

شرح الحدیث یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز، عمر ثانی نے اپنے عمال کے نام یہ مضمون لکھا کہ جو شخص تم سے سوال کرے تقسیم فی کے بارے میں (کہ وہ کس کس کو دیا جاتا ہے) تو تم اس کو یہ جواب دینا کہ مواضع فی وہی ہیں جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا اور تمام مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے موافق پایا جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبہ۔ (اس کے بعد حضرت عمر کا طرز عمل مذکور ہے) انہوں نے شکر یوں کے وظائف مقرر کئے اور اہل ادیان یعنی اہل کتاب کے لئے عہد و پیمان کا معاملہ کیا جزیہ کے بدلہ میں، انہوں نے اس جزیہ میں (اور ایسے ہی دوسرے اموال فی میں) خمس مقرر نہیں کیا، عدم تخمیس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے مال فی بیت المال میں رکھ چھوڑا عام مصالح مسلمین کے لئے، اور اسی کو عمر ثانی عمر بن عبد العزیز نے اختیار کیا ہے، اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف اوپر گذر چکا کہ وہ مال فی میں تخمیس اور تقسیم بین الغزاة کے قائل ہیں

باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من الاموال

یہ باب خاصا طویل ہے نیز محتاج توضیح بھی ہے میرے نزدیک بہت مشکل ہے۔

ترجمۃ النیاب کی تشریح اور غرض مصنف صفایا صفی کی جمع ہے، چند ابواب کے بعد ایک باب آرہا ہے۔ باب ماجار فی سہم الصفی، لیکن اس کو تکرار نہ سمجھا جائے دونوں صفی الگ الگ ہیں، یہاں پر تو صفایا سے مطلق اموال فی مراد ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو مال فی حاصل ہوتا تھا وہ حسب تصریح قرآن کریم خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوتا تھا، واما ان اللہ علی رسولہ نہم فما اوجفتم علیہ من خیل و لار کاب و لکن اللہ یسلطہ رسالہ علی من یشاء۔ اسی لئے یہاں صفایا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی اضافت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ گذشتہ باب میں مال فی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد

کے لئے ہے، یعنی عام حکم، اب جب یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا مال فنی وہ خالص آپ کی ملک تھا آپ کو اس میں اختیار تھا کہ آپ اس کو جہاں چاہیں صرف فرمائیں، تو پھر اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس قسم کے صفایا یعنی اموال خالصہ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ کیا گینا ہیں، نیز یہ کہ آپ ان صفایا میں اپنی حیات میں کس طرح تصرف فرماتے تھے کہاں اور کیسے خرچ فرماتے تھے اور یہ کہ اس کے بارے میں مابعد الوفا کے لئے آپ نے کیا فیصلہ فرمایا یہ حاصل ہے ترجمہ الباب کا جسکی تفصیل آگے کتاب میں مذکور ہے۔

آپ کے لئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے اور وہ سہم صفی جس کا ذکر آئندہ باب میں آرہا ہے وہ دوسری چیز ہے اس لئے کہ مشہور ہے یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین سہام تھے (۱) سہم سہم احد الفانین (۲) خمس الخمس، یعنی خمس مال غنیمت کو چونکہ پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا ہے اس میں ایک حصہ آپ کا ہے جو خمس الخمس ہوا (۳) سہم صفی، صفی بمعنی منتخب اور پسندیدہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حق تھا کہ وہ کل مال غنیمت میں سے کوئی سی ایک چیز جس کو پسند فرمائیں سواری ہو، جاریہ ہو یا کوئی ہتھیار ہو وہ لے سکتے ہیں، ان تین سہام میں سے پہلے دو کے بارے میں تو روایات میں تصریح اور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے لئے ہر حال میں تھے خواہ آپ اس غزوہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں شہد القتال اولم یشهد اور اس قسم ثالث میں روایات مختلف ہیں، اس آئندہ آنے والے باب میں ایک روایت میں تصریح ہے کہ سہم صفی شرکت فی الغزوۃ کی صورت میں آپ کے لئے ہوتا تھا ویسے نہیں، اور اسی باب کی آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً تھا، حضرت گنگوہی کی رائے یہی ہے کہ وہ بھی آپ کے لئے مطلقاً ہی تھا، لیکن حضرت سہارنپوری نے بذل میں تحریر فرمایا ہے لم اجد التصریح فی کتب الفقہ بذلک۔

آپ کے صفایا کا مصداق و تعیین اب موجودہ باب کے بارے میں یعنی صفایا کے سلسلہ میں آپ سنئے، یہ صفایا کیا کیا تھے، اس کی تفصیل اس پورے باب میں جو خاصا طویل ہے

مختلف روایات کے ضمن میں پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ آگے ایک روایت میں اس طرح آرہا ہے کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر وخیبر وفدک الی آخر الحدیث۔ لیکن ان تین ہی میں انحصار نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی ہیں، اس باب کی مجموعہ روایات اور کلام شراح سے آپ کے صفایا کی تفصیل جو سمجھ میں آتی ہے وہ حسب ذیل ہے (۱) بسا تین موہوبہ یعنی چند وہ باغات جو بعض یہود نے بوقت اسلام لانے کے آپ کو ہبہ کئے تھے بطریق وصیت کے، اور اسی طرح بعض وہ اراضی جو بعض انصار نے آپ کو ہبہ پیش کی تھیں (۲) نصف ارض فدک جس وقت یہود خیبر کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور مسلمان اس کو فتح کر رہے تھے تو اس وقت یہود فدک نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نصف ارض فدک پر صلح کر لی تھی آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا تھا

اور وہاں قتال وغیرہ کی ذہبت نہیں آئی تھی اسلئے یہ نصف ارض فذک مال فی ہوا اور مال فی آپ کی ملک ہوتا ہی تھا لکما تقدم، ہماری اردو کی کتابوں میں یہ باغ فذک کے ساتھ مشہور ہے۔ (۳) نصف ارض خیبر آپ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد نصف ارض خیبر کو تو غنائم کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا اور نصف کو باقی رکھا تھا بلکہ (۴) ارض بنو نضیر بنو نضیر یہود کا مشہور ایک بڑا قبیلہ تھا جو مدینہ کے قریب ہی متصلاً تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک قریہ میں آباد تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ ان سے قتال کے لئے تشریف لے گئے۔ معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ لوگ اپنی جان بچانے کیلئے قلعہ بند ہو گئے وہاں مسلمانوں کا محاصرہ رہا، تم نزلوا علی الجلاء یعنی اس شرط پر وہ نیچے اتر آئے کہ ہم اپنے اس قریہ کو چھوڑ کر چلے جاتیں گے اور ان سے یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ اپنے اموال منقولہ میں سے جتنا ساتھ لے جاسکتے ہیں لے جائیں سوائے اسلحہ کے تو چونکہ ارض بنو نضیر کے فتح کرنے میں بھی باقاعدہ ایجاب خیل و رکاب کی ذہبت نہیں آئی مدینہ کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے اس لئے یہ بھی مال فی ہوا تو یہ ارض بنو نضیر تو آپ کی ملک ہوئی، اور بعض دوسرے اموال منقولہ جن کو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے ان کو آپ نے مسلمانوں پر تقسیم فرمادیا۔ (۵) ثلث ارض وادی القری، چونکہ وادی القری کے یہود سے ثلث ارض پر آپ نے مصالحت فرمائی تھی، لہذا ارض فذک کی طرح یہ بھی مال فی ہوا۔ (۶) خمس غنائم خیبر، یعنی نصف خیبر جس کو آپ نے تقسیم کیا اس کا خمس (بذل الجہود عن القاضی غیاض) یہ ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صفایا اور املاک جس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا ہے۔

ان صفایا کے مصارف کا بیان
فی حیاتہ و بعد وفاتہ

مصنف کی غرض ترجمہ سے ایک تو یہی ہے کہ ان صفایا کی تعیین ہو، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں ان صفایا کے ساتھ کیا معاملہ فرماتے تھے، اور ما بعد الوفات کے لئے کیا فیصلہ فرمائے، سوا احادیث بالآ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصرفہا علی ازواجہ و علی المسلمین عامۃ ای فی حیاتہ، وجعلہا صدقۃ بعد وفاتہ حیث قال ماترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فہو صدقۃ، وفی روایۃ کما فی الصحیحین ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقسم وراثتی دیناراً، وفی روایۃ لا نورث ماترکنا صدقۃ، یعنی آپ ان تمام اموال کو اور ان اراضی کی تمام آمدنی کو اپنی حیات مبارکہ میں تو مصالح مسلمین اور خیل جہاد وغیرہ میں اور ازواج مطہرات کے نفقات میں خرچ فرماتے تھے، اور اپنی وفات کے بعد ان ہی مصارف کے لئے وقف فرما گئے، اور ان زمینوں کو آپ نے اپنی جاگیر اور ایسا ذاتی مال جس میں آپ کے بعد بطور میراث تقسیم جاری ہو ایسا قرار نہیں دیا بلکہ

لہ یہ مسئلہ کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری مختلف فیہ میں الائمہ ہے جو آگے آئے گا۔

دقت کا فیصلہ فرما گئے۔

آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا | لیکن اس کے باوجود آپ کے بعض ورثہ نے خلیفہ اول سے میراث کا مطالبہ کیا، ان بعض نے مراد حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، حضرت عباس کا مطالبہ بحیثیت عصبہ ہونے کے اور حضرت علی کا اپنی اہلیۃ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی طرف سے تھا، ان دونوں کی طلب میراث کی روایات اسی باب میں آ رہی ہیں بلکہ باب کی پہلی ہی حدیث میں ہے جو کافی مفصل روایت ہے۔

آگے ایک روایت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ ازواج مطہرات نے بھی میراث میں اپنے حصہ کے مطالبہ کا ارادہ کیا تھا اور حضرت عثمان کو صدیق اکبر کی خدمت میں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث یاد دلا کر ان کو اس مطالبہ سے روک دیا اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا رضی اللہ عنہن۔

عن مالک بن اوس بن الحدّ ثان قال ارسل الی عمرّ حین تعالیٰ النہار فجنّۃ فوجدتہ جالساً علی سریر مفضیلاً الی رمالہ، فقال حین دخلت علیہ یا مال انہ قد دَفَعَ اَہْلُ ابیات من قومک۔

حضرت عمر کی طویل حدیث اختصام | مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مجھے بلانے کے لئے ایک علی و عباس کے باریکیں اور اسکی مفصل شرح | قاصد بھیجا ارتفاع شمس کے وقت، میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ ایک تخت جس پر بویا بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھ ہوئے تھے، رمال الحصر کہتے ہیں کھجور کے لورے کے پھٹوں کو، اس کا حاصل یہ ہے وہ خالص لورے پر بیٹھ ہوئے تھے اس پر اور کوئی کپڑا وغیرہ بچھا ہوا نہیں تھا، حضرت عمر نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں اسلئے بلایا ہے کہ تمہاری قوم کے کچھ گھرانے آئے ہوئے ہیں تو میں ان پر تمہارے ذریعہ کچھ تقسیم کرانا چاہتا ہوں، میں نے اس سے عذر کرنا چاہا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ مجھ کو تقسیم کے لئے دے ہی دیا، مصنف کے ترجمہ کے لحاظ سے یہ اتنا مضمون ضمنی اور غیر مقصود ہے، اصل مصنف کے کام کی بات اب متروک ہو رہی ہے۔

فجاء یوفیٰ فقال یا امیر المؤمنین هل لك فی عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف والزبیر بن العوام؟ قال نعم،

لے آپ کا جسم پہنچنے والا تھا رمال حصر کی طرف یعنی بدن لگا ہوا تھا رمال سے، رمال کی اضافت یہاں بظاہر سریر کی طرف ہے جو ادنی ملا بہتہ کی وجہ سے ہے اسلئے کہ رمال سریر کے نہیں ہوتے بلکہ حصر کے ہوتے ہیں مگر چونکہ وہ حصر تخت پر بچھا ہوا تھا اس لئے اس کی اضافت سریر کی طرف کر دی گئی، ہذا خاطر ربالی واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

یہ فاحضرت عمرؓ کے صاحب کا نام ہے، مالک بن اوس راوی حدیث یہ کہ رہے ہیں کہ میری موجودگی میں حضرت عمرؓ کے دربان نے آکر ان سے عرض کیا اور ان مذکور چاروں صحابہ کے نام لیکر یہ کہا کہ یہ حضرات کھڑے ہیں آنے کی اجازت لے رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی اور وہ اندر داخل ہو گئے، تھوڑے ہی دیر کے بعد یزیدؓ پارہ آئے اور کہا یا امیر المؤمنین ہلک فی العباس وعلی، یعنی عباس اور علی کھڑے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں چنانچہ ان کو بھی اجازت دے دی گئی، اور وہ اندر داخل ہو گئے بیٹھتے ہی حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔

حضرت عباسؓ کے علیؓ کے حق میں سخت الفاظ اور اس کی توجیہ

ابوداؤد کی روایت میں تو صرف بین ہذا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے بین و بین ہذا الاثم الکاذب الغادر، مراد علی ہیں جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے اسی طرح اسی حدیث میں آگے چل کر حضرت عمرؓ کے کلام میں آ رہا ہے فقال ابو بکر قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقة، اس کے بعد ابوداؤد میں تو یہ ہے واللہ یعلم انہ صادق با راشد تابع للحق، اور مسلم میں اس سے پہلے یہ جملہ ہے جس کو مصنف نے حذف کر دیا، فرأیتماہ کاذبا آثما خائنا، اس کے بارے میں میری ایک کاپی میں اس پر اس طرح اشکال و جواب لکھا ہے، مسلم میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ کاذب ہے خائن ہے غادر ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے کلام میں ہے کہ تم دونوں نے

مصنف کی ایک عادت مشریفہ کمال ادب کی | اے مصنف کی عادت ہے کہ وہ جب کسی حدیث میں کسی شخص کے بارے میں کوئی سخت وعید یا کوئی سخت لفظ آتا ہے تو مصنف اس کو ادباً حذف کر دیتے ہیں، اور کبھی اس کی طرف مجمل اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جیسے کتاب الجنائز میں مصنف نے ایسا کیا چنانچہ باب التعزیه میں ایک حدیث ہے جس میں یہ ہے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن میت کے بعد قبرستان سے لوٹ رہے تھے، آپ جب اپنے دروازہ کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور دیکھا کہ سامنے سے ایک عورت آرہی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے آپ نے اس کو پہچان لیا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب آئیں تو پتہ چلا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ ہیں، آپ نے ان سے معلوم کیا کہ تم کہاں سے آرہی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یہاں پڑوس میں جو میت ہو گئی ہے ان کے یہاں گئی تھی تعزیت کے لئے، آپ نے پوچھا کہ تم ان کے ساتھ قبرستان تو نہیں گئی تھیں، انہوں نے عرض کیا نہیں، معاذ اللہ، تو آپ نے فرمایا۔ لوبلغت معہم الکدی۔ فذکر تشدید انی ذلک۔ یہاں بھی مصنف نے ایسا ہی کہا، حالانکہ سنائی کی روایت میں اس طرح ہے۔ فقال لہما لوبلغتہما معہم ہا آیت الجنت حتی یراھا جدا یک۔ کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو قواس وقت تک جنت میں نہ جاسکتی جب تک تیرے باب کا دادا جنت کو نہ دیکھ لیتا۔

ابو بکر کو خائن غادر کا ذب سمجھا۔ اب اس روایت پر اشکال ظاہر ہے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے بارے میں اس طرح سخت الفاظ اور بدگمانی کرے۔ امام نووی ج ۲ صفحہ ۲ پر مازری سے نقل کرتے ہیں کہ بعض علماء نے تو اس سب کو دہم رواۃ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو اپنی کتاب سے حذف بھی کر دیا ہے، لیکن اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس، علی کے بڑے تھے بمنزلہ باپ کے اور بسا اوقات جب بڑا اپنے کسی چھوٹے کو تنبیہ کرتا ہے تو اس کو بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جس کے بارے میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ یہ اس میں نہیں ہیں، وذلک علی جہۃ الادلال، اور یا یہ کہا جاتے کہ مطلب یہ ہے کہ اے علی جو کچھ تم کر رہے ہو اگر یہ سب کچھ تم اس صورت میں کرتے کہ تمہارے ذہن میں بھی وہی ہوتا جو میرے ذہن میں ہے اور تمہاری رائے اس مال کے بارے میں وہی ہوتی جو میری ہے اور پھر تم وہ کرتے جواب کر رہے ہو تو یقیناً خائن غادر کا ذب ہوتے، اور آگے حضرت عمر کے کلام میں جو آیا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصد یہ ہے کہ تم دونوں کا ابو بکر صدیق سے اس طرح سوال کرنا اور اپنے حق کا اس طرح مطالبہ کرنا اور تمہارا ان پر خفا ہونا اس سب کا مقتضی تو یہ ہے کہ گویا وہ تمہارے نزدیک ایسے اور ویسے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ہکذا فی البدل والنحل المفہم ص ۷) فقال بعضهم اجل یا امیر المؤمنین، اس پر ان حاضرین میں سے جن کا اوپر ذکر آچکا بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ضرور فیصلہ فرمادیجئے، قال مالک بن اوس انما جب ان حاضرین نے ان دونوں کی تائید کی تو اس پر مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس جماعت کو ان دوہی نے اپنے آنے سے پہلے دربار عمری میں

بھیجا تھا (بطور سفارش) فقال عمر اتعدا شتم اقبل علی اولئک الرھط فقال انشد کھم باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض، اب حضرت عمر فیصلہ کے لئے تیار ہو کر حاضرین کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرو اطمینان رکھو، اور اس جماعت کی طرف خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں یہ فرمایا تھا لا نورث، ماترکننا صدقۃ کہ ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے، اس پر ان سب نے اس کی تصدیق کی، پھر امیر المؤمنین، حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم دیکر حضور کی حدیث کے بارے میں یہی سوال کیا فقال لانفسہم، انہوں نے بھی اس حدیث کے جاننے کا اعتراف کیا۔

قال فان اللہ خص رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عمر کی جانب سے یہ بیان ہے اس چیز کا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدقہ کر کے چھوڑ گئے، اور اس موقع پر انہوں نے اموال بنو نضیر کا ذکر فرمایا۔ لہ

لہ حضرت عمر کے اس کلام سے استفادہ ہو رہا ہے کہ آیت کریمہ "وما افار اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہم من خیل ابھ" میں بنو نضیر جو مال فی تھا اس کا ذکر ہے، اس پر ایک اشکال بھی ہو آگے آئے گا۔

فوالله ما استأثر بها عليكم ولا اخذها دونكم يعني آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارض بنو نضیر کے ساتھ نہ تو تمہارے علاوہ کسی اور کو ترجیح دی اور نہ تمہیں چھوڑ کر سارا خود لیا، بلکہ یہ کیا۔ جو آگے روایت میں مذکور ہے،
وكان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يأخذ منها نفقة سنة - یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مال میں سے اپنا اور اپنی ازواج کا ایک سال کا نفقہ لیتے تھے ویجعل ما بقى اسوة المال، اور اس نفقہ کے علاوہ باقی سب کو مال غنیمت کے برابر قرار دیتے تھے یعنی خمس غنیمت کے برابر، باعتبار صرف کے کہ جس طرح خمس غنیمت کو کراہ اور صلاح اور مصالح مسلمین میں صرف فرماتے۔ اسی طرح اس مال فی کو صرف فرماتے۔

ثم اقبل على اولئك الرهط ثم اقبل على العباس وعلى، یعنی حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کو بیان کرنے کے بعد اولیٰ اصحابہ کرام کی جماعت سے ثانیاً ان دونوں سے اپنے اس بیان کی تصدیق طلب کی ان سب نے آپ کی تصدیق اور تائید کی کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل اس مال فی کے ساتھ یہی تھا، فلما توفي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ابو بكر انا ولي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اب حضرت عمر یہاں سے ان دونوں حضرات پر حجت قائم فرما رہے ہیں کہ دیکھو تم اس سب کے جاننے کے باوجود خلیفہ اول کے پاس میراث طلب کرنے کے لئے آئے، عباس اپنی میراث (عصبہ ہونے کی وجہ سے) اور حضرت علی، حضرت فاطمہ کی میراث، اس پر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث لا وراثہ، ماترکنا صدقہ، تم کو یاد دلائی، واللہ یعلم انہ صادق بار راشد تابع للحق، یہاں پر اس کا مقابل محذوف ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں پہلے آچکا، فوليها ابو بكر پس اس ارض بنو نضیر کے ابو بکر ہی متولی رہے یعنی انہوں نے وہ زمین تم کو نہ بطریق میراث دی اور نہ بطریق تولیت، فلما توفي ابو بكر پھر جب ابو بکر کی وفات ہو گئی اور میں ان کی جگہ آیا اور کچھ زمانہ میری خلافت کا گزر گیا پس اس وقت تم اور یہ دونوں میرے پاس آئے تھے، اس وقت تم دونوں باہم متفق تھے اور اگر مجھ سے اس زمین کا سوال کیا۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کہ یہ سوال اور مطالبہ کس لحاظ سے تھا، آیا بطور میراث کے یا بطریق تولیت؟۔ مگر آگے حضرت عمر کے کلام میں بطریق تولیت کی تصریح آرہی ہے، فقلت ان شئنا ان ادفعها اليكما على ان عليكما عهد الله ان تليها بالذي كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يديها۔ یعنی میں نے تم سے اس وقت یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو کہ میں تم کو وہ زمین اس عہد کے ساتھ دوں کہ تم اس کی ولایت اور انتظام اسی طرح کرو جس طرح حضور فرماتے تھے تو دے سکنا ہوں، چنانچہ تم نے وہ زمین مجھ سے اس عہد پر لے لی تھی یعنی مشترک تولیت پر بلا تقسیم کے، ثم جئتماني لاقضي بينكما بغير ذلك، یعنی پھر

لے ای اے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم يجعل هذا الفی وهو مال بنی النضیر لکان لفقہ فاصلة بل بعداخذہ حسب الحاجة یصرف فی مصالح المسلمین۔

اب دوسری مرتبہ میرے پاس آئے ہوتا کہ پہلے فیصلہ کے خلاف اب فیصلہ کروں، یعنی بجائے مشترک تولیت کے ہر ایک کی تولیت الگ الگ ہو جائے، واللہ لا افضی بینکما بغیر ذلک، یعنی بخدا پہلے فیصلہ کے خلاف میں اب کوئی فیصلہ نہیں کروں گا قیامت تک، پھر اگر تم اس طرح تولیت کرنے سے عاجز ہو تو پھر اس زمین کو میری طرف لوٹا دو۔

آگے روایت میں ہے: قال ابو داؤد اراد ان لا یوقع علیہ اسم قسم مصنف فرما رہے ہیں کہ حضرت عمر کا منشاء یہ تھا کہ یہاں پر تقسیم کا نام بھی نہ آئے، یعنی خواہ وہ بطریق تولیت ہی کیوں نہ ہوتا کہ تطاول زمان کے بعد اور بات پرانی ہو جانے کے بعد لوگ یوں سمجھنے لگیں کہ یہ میراث کا مال ہے خصوصاً جبکہ میراث کی تقسیم بین البنات والعم ہے بھی نصف نصف طلب میراث کے سلسلہ میں | جانتا چاہئے کہ اس مقام کی توضیح و تفتیح میں ایک دوسوال ہیں، اول یہ کہ ان دونوں حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟ جواب اس کا یہ دیا

بعض اشکال وجواب

گیا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں کے علم میں یہ حدیث نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سننے کے باوجود ذھول ہو گیا ہو لیکن جب صدیق اکبر نے ان دونوں کو یہ حدیث سنائی تو ان کو تنبیہ ہو گیا اور پھر خاموش ہو گئے، پھر اب دوسرا اشکال یہ ہو گا کہ جب حدیث مستحضر ہو گئی تھی تو عمر فاروق سے — ان کی خلافت کے زمانہ میں دوبارہ کیوں مطالبہ کیا، اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حضرت عمر سے ان حضرات کا مطالبہ میراث کا نہیں تھا بلکہ تولیت کا تھا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ اگر ان کا مطالبہ میراث کا ہوتا تو حضرت علی کم از کم اپنی خلافت کے زمانہ میں تو اس پر قادر تھے کہ اس کو میراث قرار دیکر تقسیم فرما دیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بعض دوسرے مسائل میں جن میں رائے کا اختلاف تھا ان میں حضرت علی اپنی رائے پر قائم رہے جیسے متعہ الحج کے مسئلہ میں کہ حضرت عمر و عثمان وغیرہ اس کو منع فرماتے تھے لیکن حضرت علی کی رائے جواز کی تھی وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے پر قائم رہے اور حضرت عمر وغیرہ کی اس میں انہوں نے پرواہ نہیں کی، لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عمر کے پاس طلب میراث ہی کیلئے آئے تھے تو اس کا منشاء حضرت گنگوہی کی تقریر (الکوکب الدریج، ص ۴۲۲) میں یہ لکھا ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں اس حدیث (لا نورث ما ترکنا صدقہ) کا محل عام نہ تھا بلکہ وہ اس حدیث کو صرف منقولات پر محمول کرتے تھے ان کے نزدیک غیر منقولات یعنی اراضی اس حدیث کے مفہوم میں داخل نہ تھیں، اسی لئے یہ دونوں حضرات اس توقع پر کہ ممکن ہے عمر فاروق کو ہماری اس رائے سے اتفاق ہو جائے کہ یہ حدیث عام نہیں بلکہ خاص ہے ان کے

لے کہذا قال الشراح لیکن حدیث الباب میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر ان دونوں حضرات نے بلکہ تمام ہی حاضرین نے اس حدیث کے علم میں ہونے کا اعتراف کیا۔ فالادلی فی الجواب ماسیاتی من تقریر الشیخ الکتکوی ص ۱۲۔

پاس طلب میراث کے لئے آئے لیکن عمر فاروق کو بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہ ہوا۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مطولاً ومختصراً، قال المنذری۔

عن مالك بن اوس بن الحدثان عن عمر رضي الله تعالى عنه قال كانت اموال بني النضير مما
افاء الله على رسوله مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب۔

حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ ارض بنو نضیر اور اموال بنو نضیر اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں، وما افاء الله على رسوله منهم
فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب، یعنی ارض بنو نضیر ایسی ہے کہ جس کو حاصل کرنے اور فتح کرنے میں مسلمانوں کو ایجاز
خیل و رکاب کی ذمت نہیں آئی لہذا یہ مال فی ہوا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خالص تھا جس میں سے
آپ اپنے ازواج پر انفاق فرماتے تھے سالانہ قوت کا، اور پھر جو باقی بچتا تھا اس کو کرایع یعنی خیل جہاد اور جہاد کی
دوسری تیاریوں میں صرف فرماتے تھے۔

ارض بنی نضیر کے مال فی ہونے میں اختلاف | جانتا چاہیے کہ اموال بنو نضیر کے فی ہونے میں کتب تفسیر وغیرہ
میں اشکال کیا گیا ہے وہ یہ کہ ارض بنو نضیر کو فتح کرنے کیلئے
قتل و قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی ذمت آئی ہے اسی پر ان لوگوں نے مصالحت علی الجلاء کی لہذا یہ اموال
تو غنیمت کے قبیل سے ہوئے نہ کہ مال فی، اسی لئے بعض مفسرین کی تو رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا نزول ارض
بنو نضیر کے بارے میں نہیں ہے اس لئے کہ وہاں تو ایجاز خیل و رکاب ہوا ہے، بلکہ اس کا مصداق ارض فدک ہے
وہاں ان چیزوں کی واقعی ذمت نہیں آئی، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق ارض بنو نضیر ہی ہے، اسلئے
کہ وہاں کچھ زیادہ دوڑ دھوپ اور قتل و قتال کی ذمت نہیں آئی، اور نہ کوئی خاص مسافت طے کرنے کی ضرورت
پیش آئی، کیونکہ یہ لوگ مدینہ سے صرف دو میل پر آباد تھے صحابہ کرام وہاں پیدل ہی پہنچ گئے تھے بغیر سواروں
کے، اور آپ کے علاوہ کوئی سوار نہیں تھا، اس لئے اس کو ان اموال سے قرار دیا گیا جو بغیر قتال کے حاصل
ہوتے ہوں (من البذل ۱۲۳)

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن الزهري قال قال عمر رضي الله تعالى عنه وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من
خيل ولا ركاب، قال الزهري قال عمر هذه لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة قرى
عونية وفدك وكذا وكذا، ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول۔

لہ چنانچہ اسکے موافق ایک حدیث آگے قریب ہی میں آرہی ہے ۱۲۳ لہذا یہ لفظ ہمارے ہندی نسخے میں اسی طرح ہے عروینہ۔

شرح الحدیث

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں پر دو آیتیں ذکر فرمائیں آیت اولیٰ کی ابتداء و ما افار اللہ سے ہے حرف عطف کے ساتھ اور دوسری آیت کی ابتداء و ما افار اللہ علیٰ رسولہ سے ہے بغیر حرف عطف کے، اور اس دوسری آیت میں بجائے منہم کے من اهل القری ہے، حضرت عمر پہلی آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں اس مال فی کا ذکر ہے جو خالص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا، اور اس کا مصداق انہوں نے ان مقامات کو بیان کیا قرنی عربینہ اور مذک، اور ان کے علاوہ اموال کی طرف اشارہ کیا، کذا سے یہ اشارہ اموال بنی نضیر کی طرف ہے جیسا کہ اس سے اوپر والی حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عمر ہی سے مروی ہے، اور دوسرے کذا سے نصف خیر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس کو آپ نے تقسیم نہیں فرمایا تھا اس بنا پر کہ وہ صلحا فتح ہوا تھا علی ماقیل؛ (اس کے بعد حضرت عمر دوسری آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں جس کے اندر رسول کا ذکر ہے اور ذوی القرنی، یتامی اور مساکین اور ابن السبیل اور فقراء مہاجرین اور انصار اور ان سب کے بعد میں آنے والوں کا، کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا استیعاب اور احاطہ کر لیا، اور اب مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد بشارتی نہیں رہا جس کا اس مال فی میں حق نہ ہو سوائے غلاموں کے (کیونکہ غلام میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ تو خود ہی دوسرے کا مملوک ہوتا ہے) ابوداؤد میں تو یہ اثر عمر اتنا ہی ہے اور سنن نسائی میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے "ولئن عشت ان شار اللہ لیا یتین علی کل مسلم حقہ" اوقال حفصہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ اور زندہ رہا تو ان شار اللہ ہر فرد مسلم کو بالضرور اس کا حق پہنچ کر رہے گا

بادی الزائے میں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت اولیٰ میں صرف اس مال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ خاص تھا اور آپ کی ملک تھا، اور دوسری آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور باقی مصارف سبعہ مذکورہ فی الآیۃ کے درمیان مشترک ہیں، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ جو مال فی آپ کی حیات میں حاصل ہو گا وہ آپ ہی کی ملک ہو گا اور اس کی تقسیم آپ کی رائے پر مفوض ہوگی کہ مالکانہ طور پر اس کو جہاں چاہیں اور خصوصاً ان مصارف میں جو آیت میں مذکور ہیں تقسیم فرمادیں، ہر اس

بالن بعد الیا التمانیۃ تصغیر عرنة، اور نسخہ عون المعبود میں بھی اسی طرح ہے، اور شارح نے اس کو اسی طرح ضبط بھی کیا ہے اور پھر آگے لکھا ہے موضع بری قری کا نہ بنوا حی الشام، یعنی کوئی علاقہ ہے جس میں متعدد گاؤں ہیں، شاید اطراف شلم میں اہ اور ابوداؤد کے اکثر مصری نسخوں میں قری عربیہ ہے اور صرف ایک نسخہ میں وہاں کے عربینہ ہے، شیخ محمد عوامہ نے اس اختلاف کو خوب بسط سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ زائی سنن کبریٰ و صغریٰ ان دونوں میں بھی عربیہ ہی ہے، اور بھی بہت سی کتب تفسیر وغیرہ کے حوالے دیے ہیں جن میں بعض میں عربینہ ہے اور بعض میں عربیہ، اور ان قری کے اہماریہ نقل کئے ہیں، الصفار، والینیو و وادی القری، اہ لخصار ہمارے پاس جو نسائی کا نسخہ ہے اس میں جیسا کہ شیخ عوامہ نے لکھا، قری عربیہ ہی ہے اور اس کے حاشیہ پر نسخہ کی علامت بنا کر عربینہ لکھا ہے ۲۰

مال فی کا یہی حکم ہے جو آپ کی حیات میں حاصل ہوگا، اور کسی مال فی کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ فلاں آپ کی ملک خاص ہے اور فلاں آپ اور آپ کے غیر میں مشترک ہے، پھر آیت میں دو قسمیں کر کے کیوں بیان کیا ہے اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پہلی آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو نزول آیت کے وقت حاصل ہو چکے تھے، اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان اموال فی کے علاوہ بھی اس کے بعد جو حاصل ہوں گے ان کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ آپ کی ملک ہیں آپ اپنی صوابدید سے جیسے چاہیں ان مصارف مذکورہ میں مالکانہ تصرف و اختیار کیسا سمجھیں فرمائیں (مستفاد من بیان القرآن للشیخ التھالوی)

فائدہ: اس حدیث عمر میں "قریٰ عرینہ" کا ذکر آیا اور بعض نسخوں میں "قریٰ عربیہ" ہے اس کے بارے میں تفصیل حاشیہ میں دیکھی جائے، یہاں پر ایک لفظ اور ہے "وادی القریٰ" وہ بھی ابوداؤد میں چند مقامات پر آیا ہے مثلاً کتاب الجہاد باب فی تعظیم الغلول وغیرہ: قال فوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نحو وادی القریٰ، اسی طرح آئندہ کتاب الخراج ہی میں باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں، اس میں ہے قال مالک: عمر جلی اهل نجران ولم یجلوا من تیار لانہا لیس من بلاد العرب، فاما الوادی فانی اری انما لم یجل من فیہا من الیہود انہم لم یروا من ارض العرب، بذل میں اس وادی کی شرح وادی القریٰ سے کی ہے، اسی طرح باب احیاء الموات میں ایک طویل حدیث کے اخیر میں فلما اتینا وادی القریٰ قال للمرأة کم کان فی حدیقتک الحدیث، اور ہمارے یہاں حاشیہ پر جو تحقیق مذکور ہے اس میں قریٰ عربیہ کے مصداق میں وادی القریٰ بھی مذکور ہے، وقد ذکرنا هذا لمزید فائدة الطلاب۔

عن مالک بن اوس بن الحدّثان قال کان فیما احتج بہ عمر انہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنوا النضیر وخیب وندک، فاما بنو النضیر الخ۔

یہ بھی مالک بن اوس کی روایت ہے، دراصل باب کے شروع میں منازعت عباس وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی طویل روایت جو گزری ہے اس کے راوی بھی مالک بن اوس ہی ہیں، اس کے بعد بھی مالک بن اوس ہی کی چند روایتیں گزر چکیں، اب یہ بھی ان ہی کی روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو یہ حدیث متعدد اسانید و طرق سے پہنچی ہے، اور ان روایات میں کمی زیادتی ہے اسی لئے امام ابوداؤد اس روایت کو مختلف طرق سے لارہے ہیں تاکہ وہ جو زیادات ہیں اس میں وہ سامنے آجائیں۔

شرح الحدیث | اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عباس وعلی کے باہمی نزاع کے سلسلہ میں حضرت عمر نے جو تقریر اور استدلال ان دونوں کے سامنے فرمایا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین صفایا تھے۔ فلاں و فلاں۔ اور پھر ہر ایک کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کہ اس کو کہاں صرف فرماتے تھے، ہر ایک کی تعیین بالتفصیل انہوں نے بیان کی، اور بظاہر غرض حضرت عمر کی اس سبب یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان صفایا و اموال خالصہ میں سے صرف بقدر ضرورت لیتے تھے، اپنی ضرورت اور ازواج مطہرات کی، باقی سب کو کُراع اور سلاح و مصالح مسلمانوں میں صرف فرمادیتے تھے، اور آپ نے ان چیزوں کو اپنی ملک اور جاگیر نہیں بنایا، یعنی ایسی ملک اور جاگیر جس میں میراث جاری ہو، یہ تو ہوا آپ کا طرز عمل، اور قولاً آپ نے اس طرح تصریح فرمادی، "ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤتہ عامی فهو صدقۃ" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہا اخبرتہ ان فاطمۃ

بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارسلت الی ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسأله فی اثبات

شرح الحدیث اس روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صدیق اکبر کے پاس اپنی میراث طلب کرنے کے لئے کسی قاصد کو بھیجا۔ بظاہر یہ قاصدان کے شوہر علی ہی ہوں گے، جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے اس مال فی سے جو آپ کا مدینہ میں ہے یعنی ارض بنو نضیر اور ارض فدک سے اور غنائم خیبر کے خمس سے، یعنی جس نصف خیبر کو آپ نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا اس مال غنیمت میں جو آپ کا حصہ یعنی خمس النخس پیٹھا ہے، اس کی میراث، پھر آگے حدیث میں صدیق اکبر کا جواب مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو میراث دینے سے انکار فرمادیا۔

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بطریق عروہ ہے، اس کو مصنف نے آگے بھی دو طریق سے ذکر کیا ہے

اس کے ایک طریق میں آگے یہ آ رہا ہے، "فاما صدقۃ بالمدينة فدفعها عمر الی علی و عباس فغلبہ علیہا

حضرت علی و عباس کے درمیان تولیۃ میں اختلاف کا منشا یعنی مدینہ میں جو آپ کی موقوفہ زمین تھی یعنی ارض بنو نضیر اس کو حضرت عمر نے بطریق تولیت علی اور عباس دونوں کے حوالہ کر دیا لیکن حضرت علی کا اس زمین کی تولیت پر غلبہ رہا یعنی اس کے انتظام و انصرام میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لیا، گویا حضرت علی پیش قدمی فرماتے تھے اس کے انتظامات میں۔ میں نے حضرت شیخ سے یہاں سبق میں سنا تھا کہ دراصل حضرت علی کے مزاج میں بہت زیادہ سخاوت اور فیاضی تھی، وہ اس کی آمدنی کو خوب لٹاتے تھے، لے بھائی اور

لے بھائی، ادھر بھی اور ادھر بھی، اور حضرت عباس کے مزاج میں یہ بات تھی نہیں وہ بہت احتیاط سے خرچ

کرنا چاہتے تھے، لیکن اس معاملہ میں ان کی جلی نہیں، اسی بنا پر ان دونوں میں اختلاف اور نزاع کی نوبت آئی جس کو

لیکروہ فاروق اعظم کے یہاں پہنچے تقسیم تولیت کیلئے کما سبق مفصلاً فی الحدیث الاول من الباب، آگے روایت میں ہے

واما خیبر و فدک فامسکھما عمر اذ یعنی ان دونوں کی تولیت میں صرف ارض بنو نضیر دی گئی، اور ارض خیبر

و فدک کو حضرت عمر نے اپنے انتظام کے تحت رکھا ان کی تولیت میں نہیں دیا۔

قال صالح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اهل فذک وقری۔ قد سماها الا حفظها۔ وهو محاصروما اخرین فارسلوا الیہ بالصلح۔

قری سے مراد وہی قری عربینہ ہے۔ راوی کہہ رہا ہے کہ ان قری کے نام مجھے محفوظ نہیں رہے۔

روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل فذک سے مصالحت ایسے وقت میں فرمائی جبکہ آپ ایک دوسری قوم یعنی اہل خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو اسی دوران اہل فذک نے آپ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا، یعنی جس وقت آپ جنگ خیبر میں مشغول تھے اور ابھی تک فذک کی طرف آپ نے رخ بھی نہیں فرمایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہیبت اور رعب طاری فرمایا کہ انہوں نے از خود مصالحت کی پیش کش کی اور گھبرا کر وہیں سے اس کام کے لئے ایک آدمی بھیجا، اسی لئے ارض فذک مال فی کہا جاتا ہے۔ قال خدا او جفتہ علیہ من خیل ولارکاب یقول بغیر قتال۔

سورہ حشر کی آیت کا نزول
ارض فذک کے بارے میں
 اس اثر زہری کے سیاق سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ آیت کریمہ فذک کے بارے میں ہے نہ کہ ارض بنو نضیر کے، چنانچہ بعض مفسرین کی رائے یہی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بنو نضیر کو فتح کرنے میں تو قتال کی نوبت آئی تھی وقد تقدم الكلام علیہ قبل ذلک لیکن اسکے بعد امام زہری ارض بنو نضیر کے بارے میں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اس کو بھی صلح ہی فتح کیا گیا تھا اب ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ آیت کا نزول تو فذک ہی کے بارے میں ہوا لیکن حال بنو نضیر کا بھی یہی ہے۔ آگے اموال بنو نضیر کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے اس کو مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا، انصار کو اس میں سے آپ نے کچھ نہیں عطا فرمایا سوائے دو شخصوں کے جو حاجت مند تھے، اس کے بارے میں یہاں پر بذل میں یہ لکھا ہے لم اتف علی تسمیتہا لیکن آگے باب فی خبر بنی نضیر میں ان انصار کا تسمیہ بذل میں حضرت نے تفسیر کبیر سے نقل فرمایا ہے اور وہاں تین نام مذکور ہیں، ابو دجانہ، سہل بن حنیف، الحارث بن الصمۃ۔

عن المغيرة رضي الله تعالى عنه قال جمع عمر بن عبد العزيز بن مروان حين استخلف فقتل ان

رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف
 مضمون روایت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی جس میں یہ بیان کیا کہ یہ ارض فذک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھی جس کی آمدنی آپ بنو ہاشم کے بچوں پر خرچ فرماتے تھے، اور بیواؤں کی شادی میں ————— اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ نے اس فذک کو آپ سے مانگا تھا آپ نے انکار فرمادیا تھا، غرضیکہ آپ اپنی حیات میں اسکو اسی

طرح خرچ فرماتے رہے پھر آپ کے بعد جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس میں وہی طرز عمل رکھا جو حضورؐ کا تھا اور اس کے بعد پھر اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی، پھر جب ہمارے جد امجد خلیفہ بنے یعنی مروان تو انہوں نے اس پر قبضہ مالکانہ کر لیا، پھر اب شدہ شدہ وہ منتقل ہو کر عمر بن عبدالعزیزؒ کے لئے ہو گیا۔ اس پر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچا کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کو نہیں دیا تو میں اس کا حقدار کیسے ہو سکتا ہوں، اور دیکھو! میں تم سب کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں اس باغ فدک کو اس کی سابق حالت پر لوٹا رہا ہوں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عدل و انصاف زہد و تورع خشیت و انابت الی اللہ ضرب المثل ہے جس کے واقعات کتب تاریخ میں معروف ہیں، خاص ان کی سیرت پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ابن عبدالحکم جو امام مالک کے بلا واسطہ شاگرد ہیں انہوں نے بھی ان کی سوانح عمری لکھی ہے جو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہے، اسی طرح ابن الجوزی نے بھی مناقب عمر بن عبدالعزیزؒ لکھی ہے، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

جب آپ دیکھیں کہ کوئی شخص حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے محبت کرتا ہے ان کے محاسن کا ذکر اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہی خیر ہے۔

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں ایک عبارت ہے جو بذل الجہود کے حاشیہ پر علامت نسخہ بنا کر لکھی ہے۔

قال ابوداؤد ولی عمر بن عبد العزیز الخلافة وغلته اربعون الف دينار و توفي وغلته اربع مئة دينار ولویبقی لکان اقل یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذاتی سالانہ آمدنی خلافت سے قبل چالیس ہزار دینار تھی، اور خلیفہ بننے کے بعد وہ آمدنی گھٹے گھٹے چار سو دینار پر اتر آئی تھی، اور اگر کچھ اور زندہ رہتے تو اس سے بھی کم رہ جاتی۔

لہ خطابی کی شرح معالم السنن میں ہے انما اقطعہا مروان فی ایام حیاة عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یعنی مروان نے فدک کا اقطاع اپنے لئے حضرت عثمانؓ کی حیات میں کیا تھا اور یہ من جملہ ان اعتراضات کے ہے جو ان پر کئے گئے ہیں۔ پھر آگے انہوں نے اس کی حضرت عثمانؓ کے جانب سے تاویل و توجیہ کی ہے وہ یہ کہ اس کا منشاء ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہو جو ان کو پہنچی ہو اذا اطعم اللہ نبیا طعمہ فی اللذی یقوم من بعدہ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کوئی خاص مال عطا فرمائیں تو وہ اس نبی کے بعد اس کے لئے ہے جو ان کے قائم مقام بنے، اور چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارض فدک سے اپنے اوپر بھی خرچ فرماتے تھے اور اپنی عیال کے لئے سالانہ قوت بھی اس سے لیتے تھے اور باقی کو آپ مصرف فی میں صرف فرمادیتے تھے، اب جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اور قائم مقامی کی نوبت حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو اس ارض فدک میں ان کا بھی استحقاق ہوا وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر سکتے تھے لیکن وہ چونکہ اپنے ذاتی متول کی وجہ سے اس سے مستغنی تھے اس لئے انہوں نے اس کی آمدنی کو اپنے اقرباء کے لئے روا سمجھا۔ مگر مکتبہ خدیلیہ سہارنپور نے شائع کیا ہے۔

مگر عمر بن عبدالعزیزؒ رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے گورنر رہے اور ان کے والد مصر کے گورنر تھے، اور دوسری جائیدادیں بھی ہونگی اس لئے یہ مستبعد نہیں۔

چاء فاطمة الی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تطلب میراثہا من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
قال فقال ابو بکر یعنی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں میراث لینے
کے لئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی
نبی کو کسی چیز کا مالک بناتا ہے تو پھر وہ اس کے لئے ہو جاتی ہے جو اس نبی کے بعد اس کا قائم مقام ہو، یعنی باعتبار انتظام
و تولیت کے (بذل) اس حدیث میں حضرت فاطمہ کے صدیق اکبر سے طلب میراث کا ذکر ہے

یہاں ابو داؤد کی روایت میں تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا جواب مذکور ہے کہ انہوں نے حدیث سنا کر دینے سے انکار فرمایا
اور اس کے بعد کچھ نہیں، اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس ۴۲۵
اور ترک کلام اور اسکی توجیہ

میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے فغضبت فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فہجرت ابابکر فسلمتزل
مہاجرت حق تو فیت الحق، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے ناراض ہو گئیں اور
صدیق اکبر سے ترک کلام کر لیا آخر حیات تک، حضرت فاطمہ کے اس طرز پر ہجران مسلم کا اشکال مشہور ہے کہ ہجران مسلم
حرام ہے، اس پر لامع اور حاشیہ لامع میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلی کلام فرمایا ہے اور پھر اخیر میں حضرت شیخ
نے اپنی رائے بھی لکھی ہے، شرح حدیث نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں، بعض شرح نے بنیادی طور پر
ہجران مسلم کا جواب یہ دیا ہے کہ ہجران مسلم جو حرام ہے وہ تو یہ ہے کہ ان یلتقیان فلا یسلم احدهما علی صاحبه کہ اتفاقاً
جب ان دونوں کا کسی راستہ میں گذر ہو رہا ہو تو ایک دوسرے کو دیکھ کر اس سے منہ موڑ لے اور
سلام و کلام سے اعراض کرے اور صرف ترک ملاقات، یعنی قصداً ملاقات کے لئے نہ جانا اور
اس کو چھوڑ بیٹھنا یہ ممنوع نہیں، اور یہاں ان دونوں کے درمیان یہ ثابت نہیں کہ کسی موقع پر
یہ دونوں حضرات جمع ہوئے ہوں اور پھر حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے ترک سلام و کلام اور اعراض کیا ہو
اور رہا مسئلہ ترک نقار کا سو اس کا منشاء غضب اور ناراضگی نہیں ہے بلکہ اس کا منشاء انقباض طبعی ہے

یہ جواب علامہ عینی نے مشہور شارح بخاری ہلب سے نقل کیا ہے، یہ جواب تو ہوا ترک کلام و ہجران کا، رہی بات ان کے
غصہ کی جو کہ بخاری کی روایت میں مصرح ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر کا استدلال صحیح نہیں تھا کیونکہ
فاطمہ کے نزدیک حدیث مؤول تھی اور وہ اس بارے میں تخصیص کی قائل تھیں اور ابو بکر قائل بالعموم تھے، عموم و خصوص
سے مراد وہی فرق اور عدم فرق بین المنقولات و غیر المنقولات ہے کما تقدم فی شرح حدیث عمر، اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا
گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ہجران سے مراد جو بخاری کی روایت میں ہے — ترک کلام فی المال والمیراث ہے جیسا
کہ عمر بن شہب کی روایت میں ہے بطریق معرفلم تکلمہ فذلک المال، حافظ کہتے ہیں کہ ایسے ہی امام ترمذی نے اپنے بعض

مشایخ سے نقل کیا ہے کہ ترک کلام فی المیراث مراد ہے، اس جواب پر بعض شراح کو اشکال ہے کہ روایت میں غضبت کی تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک کلام مطلقاً تھا لیکن یہ اشکال قوی نہیں اسلئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ غصہ ہی کی وجہ سے تو دوبارہ میراث کا سوال نہیں کیا کہ اچھا امت دو ہم بھی آئندہ کبھی سوال نہیں کریں گے۔ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ غضب اور ترک کلام وقتی طور پر تھا بعد میں صلح صفائی ہو گئی تھی، چنانچہ بیہقی نے روایت کیا بطریق شعبی کہ صدیق اکبر حضرت فاطمہ کی عیادت کے لئے ان کے دروازہ پر پہنچے اس پر حضرت علی نے فاطمہ سے کہا ہذا ابو بکر یستأذن علیک، کہ ابو بکر اندر آنے کی اجازت چاہ رہے ہیں۔ اس پر وہ بولیں کہ کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہے کہ میں ان کو اجازت دیدوں، حضرت علی نے اس کا اثبات میں جواب دیا پس حضرت فاطمہ نے اجازت دیدی فدخل علیہا فذضاها حتی رضیت کہ حضرت ابو بکر نے ان کے پاس جا کر ان کو راضی کر لیا اور منالیا، قال الحافظ وهو ان کان مسلماً فاسنادہ الی الشیعی صحیح وہ یزول الاشکال فی ترمادی فاطمہ علیہا السلام علی ہجرابی بکر، اس سب کے بعد حاشیہ لامع میں شیخ نے اپنی رائے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر مذکورہ بالا توجیہات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ کی ناراضگی اور ترک سلام و کلام میراث ہی کی وجہ سے تھا تب بھی کوئی — اشکال نہیں بلکہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تصلب فی الدین ہے اور اپنے حق شرعی کا جو ان کے نزدیک شرعاً واجب و ثابت ہے اس کا مطالبہ تھا اور یہ بات صحابہ کرام کے احوال سے معلوم و معروف ہے کہ وہ امر دین میں بڑے پختہ کار اور مضبوط تھے، اور وہ اس میں لومتہ لائم کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں یہ بات تھی کہ حدیث اِثْث عام نہیں لہذا میراث میں ان کا حق شرعی ثابت ہے اس لئے وہ اپنے حق شرعی کی طلب میں مُصر ہوئیں اور صدیق اکبر کے نہ دینے پر ناراض ہو گئیں، پس ان کی یہ ناراضگی خدا نخواستہ کسی حرص اور طمع و طلب دنیا کے لحاظ سے نہ تھی، ان کا زہد و قناعت اور اعراض عن الدنیا تو اظہر من الشمس ہے بلکہ یہ ناراضگی ان کے نزدیک صدیق اکبر کے حق شرعی کے انکار کی بنا پر تھی اھ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقتسم ورثتی دیناراً، ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فهو صدقۃ۔

آپ فرما رہے ہیں کہ میرے ورثہ میرے مال کو بطریق میراث نہ لیں، اس لئے کہ میں جو کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ بعد نفقۃ ازواج — اور مؤنۃ عامل کے باقی سب صدقہ ہے۔

عامل کی تفسیر میں اختلاف ہے، فقیل المراد بہ الخلیفۃ، وقیل العامل علی الصدقۃ أو خادمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المنذری۔

عن البیہقی قال سمعت محمد بن یحییٰ بن زبیل فاعجبنی فقلت اکتبہ لی، فاتی بہ مکتوباً مذبذباً

ابو البیہقی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی تو مجھے وہ بہت پسند آئی اسلئے میں نے اس سے کہا

کہ یہ حدیث مجھ کو لکھ کر لادے، چنانچہ وہ اس حدیث کو لکھ کر لایا بہت عمدہ۔ آگے روایت میں اس حدیث کا بیان ہے یہ وہی اختصام عمب اس و علی کی حدیث ہے۔ جو ہمارے یہاں باب کے شروع میں مفصلاً گزری، اور پھر بعد میں مختلف روایات میں اس کے قطعات گزر چکے، جس کے راوی مالک بن اوس بن الحد ثانی ہیں، اس روایت میں رجل مبہم سے یہی مراد ہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ان ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حین توفی اغ۔ اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں باب کے بالکل شروع میں گزر چکا کہ ازواج مطہرات نے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی میراث طلب کرنے کا ارادہ کیا تھا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حدیث یاد دلانے پر اپنا ارادہ انہوں نے ملتوی کر دیا تھا۔

والحدیث اخرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔
الحمد للہ تعالیٰ کہ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو ایک طویل اور اہم باب تھا اسکی احادیث کی شرح اور بحث پوری ہوئی۔

باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربی

گذشتہ باب اور اس کی احادیث کا تعلق تو مال فی سے تھا، اس باب کے اندر خمس غنیمت کا حکم اور یہ کہ وہ اب کن کن مصارف میں تقسیم کیا جائے گا بیان کر رہے ہیں۔

تقسیم غنیمت کے باریمس آیت کریمہ | مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ خود قرآن کریم میں منصوص و مصرح ہے۔
واعلموا ان ما غنمتم من شئ فان الله خمسہ للرسول ولذی القربى والیتام والمساکین

یعنی اولاً کل مال غنیمت کی تخمیس کی جائے یعنی اس کے برابر برابر پانچ حصے کئے جائیں اور پھر ایک حصہ کو ان مواقع میں جو اس آیت میں مذکور ہیں ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی اربعہ اخماس یہ ظاہر ہے کہ مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے، اس آیت میں تقسیم خمس کے چھ مواضع مذکور ہیں، جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس کے بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو سب کچھ ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا نام یہاں تبرکاً مذکور ہے، امام نسائی نے اپنی سنن صغریٰ میں اس پوری آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد خود اس کی تشریح اپنے کلام سے فرمائی ہے، کافی مفصل کلام ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ذکر کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، اور ایک بات اور لکھی ہے ولعلہ انما استفتح الکلام فی الفی والخمس بذکر نفسه لانہا اشرف الکسب ولم ینسب الصدقة الی نفسه عز وجل لانہا اوساخ الناس یعنی اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے مضاف جہاں بیان کئے ہیں وہاں شروع میں اپنا نام ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس طرح فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساکین العالمین علیہا

علیہا السلام بخلاف غنیمت کے کہ وہ اشرف المکاسب میں سے ہے، اسلئے اس کی ابتداء اپنے نام سے فرمائی، اور صدقاً چونکہ اوساخ الناس ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ذکر نہیں فرمایا اور پھر آگے انہوں نے بعض علماء کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی نکالا جائے اور پھر اس کو کعبۃ اللہ پر حشر کر دیا جائے۔ الی آخر ما ذکر، اس بعض سے مراد ابو العالیہ ہیں۔

ترجمة الباب الی مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اب اس کے بعد آپ ترجمۃ الباب سے متعلق خلاصہ کے طور پر سمجھتے وہ یہ کہ اس کی تقسیم علی رأی الامام ہے، جملہ مصارف مذکورہ فی الآیہ میں صرف کرنا ضروری نہیں البتہ ذوی القربی کا حصہ ضرور لگایا جائے گا، اور شناعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ خمس غنیمت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی پانچ جگہ تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ بھی نکالا جائے گا جس کو امام المسلمین وہاں صرف کرے جہاں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف کرتے تھے، مصارف المسلمین ہیں، اور باقی چار حصے ان کو دیتے جائیں گے جو ایت میں مذکور ہیں، اور حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا، ایسے ہی سہم ذوی القربی کے ہارے میں بھی ان کی رائے یہی ہے کہ ان کو فقر کی وجہ سے دیا جاتا تھا، لہذا فقر ذوی القربی کو دیا جائے گا انصار کو نہیں، لہذا باقی تین جو رہ گئے (یتامی بساکین۔ ابن السبیل) ان ہی میں اس کو تقسیم کیا جائے گا، اور ان تین کو بھی ان کے نزدیک سستی ہو نیکی حیثیت سے نہیں بلکہ معارف ہونے کی حیثیت سے

اشرف المکاسب کی بحث | لے اس سلسلہ میں امام بخاری نے بھی کتاب البیوع میں ایک باب قائم فرمایا ہے۔ "باب کسب الرجل وعملہ بیدہ" و اخرج فیہ عن المقدم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ راو دکان یاکل من عمل یدہ، و ایضا اخرج حدیث ما تہی رضى اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما استخلف ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لقد علمت فی ان حرفتی لم تکن تجوز عن مؤنہ اھل و عیلت بالمسلمین فیاکل آل ابی بکر من هذا المال و یحترف المسلمین فیہ (بخاری ص ۲۶۸) و فی "الابواب والترجم" ص ۲۳۳ عن الحافظ قد اختلف العلماء فی افضل المکاسب، قال الماوردی، اصول المکاسب الزراعة والتجارة والعنصر، والاشبه بمذہب الشافعی ان اطیبها التجارة قال والاربع ہندی ان اطیبها الزراعة لانها اقرب الی التوکل، وتعقبہ النووی بحديث المقدم، وان الصواب ان اطیب الکسب ما کان بعمل الید، قال فان کان زراعا فهو اطیب المکاسب لما یشتمل علیہ من کونہ عمل الید ولما فیہ من التوکل۔ الی آخر ما قال۔ قال الحافظ، ووفق ذلک من عمل الید ما یکتب من اموال الکفار بالجہاد وھو کسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وھو اشرف المکاسب لما فیہ من عطا کلمۃ اللہ تعالیٰ و فذلک کلمۃ امداء، والنفع الاخری، قال ومن لم یعمل بیدہ فالزراعة فی حقہ افضل۔ الی آخر ما فی الابواب والترجم من اقوال الشارح فی ذلک وفی قلت وظاہر الترجمة الاشارة الی ترجیح المحرفة وہ مرجع العینی والقسطانی۔ الی آخر ما فیہ، فارجع الیہ لوضت التفصیل۔

دیا جاتا ہے، حتیٰ لو صرف الی صنف واحد نہم جاز، امام نسائی نے بھی سہم ذوی القربی کے بارے میں اپنی رائے یہی لکھی ہے جو حنفیہ کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: وقد قيل انه للفقير منهم دون الغني كاليتامي وابن السبيل وصوا شبه القولين بالصواب عندی، واللہ اعلم۔ اھ

نیز جانتا چاہیے کہ تقسیم خمس میں ذوی القربی کے مصداق میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی داخل ہیں جیسا کہ حدیث الثبا میں اس کا ذکر آ رہا ہے، البتہ مسئلہ زکاة میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب کا داخل ہونا مختلف فیہ ہے وقد مر فی کتاب الزکاة۔

اخبر فی جبیر بن مطعم انه جاء هو و عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما یکلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ما قسم من الخمس بین بنی ہاشم و بنی المطلب اء۔

مضمون حدیث | مضمون حدیث سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خمس ذوی القربی کو بنی ہاشم اور بنو المطلب دو کے درمیان تقسیم فرمایا تھا، اس پر حضرت جبیر بن مطعم جو کہ نوقل ہیں نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ عبشی ہیں عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ آپ نے ہمارے بھائی بنو المطلب کے لئے خمس میں حصہ لگایا اور ہم دو کو کچھ نہیں عطا فرمایا حالانکہ جو قرابت بنو المطلب کی آپ سے ہے وہی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کی بھی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انما بنو ہاشم و بنو المطلب شیء واحد اس روایت میں تو صرف یہی ہے اور آگے یہ آ رہا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب ہمیشہ جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ساتھ رہے ہیں، وانما نحن و ہر شیء واحد و بشک بین اصابعہ، یعنی آپ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں داخل کر کے فرمایا کہ یہ دونوں قبیلے ہمیشہ اس طرح ساتھ رہے ہیں، آپ کے اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تو صحیح ہے کہ قرابت کے اعتبار سے چاروں خاندان برابر ہیں، لیکن بنو المطلب کو جو دیا گیا ہے وہ صرف قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت مع النصر والاغانہ کی بنا پر، جو بنو المطلب میں پائی جاتی ہے، باقی دو میں مفقود ہے۔

آگے روایت میں یہ ہے۔ وكان ابوبکر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه

واله وسلم فلو انه لم يكن يعطى قربي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ما كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم يعطيهم، قال كان عمر بن الخطاب يعطيهم منه و عثمان بعده۔

لہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جد رابع عبد مناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، نوفل، عبد شمس۔ لہذا یہ چار خاندان ہوتے، بنو ہاشم حمین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، بنو المطلب، بنو نوفل، بنو عبد شمس۔

حضرت جبیر کا سلسلہ نسب ہے جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف حضرت عثمان کا یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس

یعنی ابوبکر بھی خمس کو اسی طرح تقسیم فرماتے تھے جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، بس فرق یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو ذوی القربی کو ان کا حصہ عطا فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر نہیں دیتے تھے، اسی طرح عمر اور عثمان بھی حضور کی طرح دیتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے حنفیہ کی ذوی القربی کے مسئلہ میں تائید ہوتی ہے کہ ان کا مستقل حصہ نہیں ہے بلکہ عند الحاجة والفقر بذل میں لکھا ہے غالباً صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو نہ دینا اسی بنا پر تھا کہ وہ ان کے زمانہ میں اغنیاء تھے، اور انہوں نے غیر ذوی القربی کو احوال سمجھا ان سے اسی لئے ان کو دیا۔
والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذری۔

عن السدی فی ذی القربی قال ہر بنو عبد المطلب

حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ تمام مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں ای طرح ہے، لیکن نسخہ مصریہ میں بجائے اس کے بنو المطلب ہے، اگر بنو المطلب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بنو ہاشم کے ساتھ اس میں صرف بنو المطلب شامل ہیں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس ذوی القربی کے مصداق میں داخل نہیں، اور اگر یہاں روایت میں بنو عبد المطلب ہے تو چونکہ وہ بنو ہاشم سے بھی اخص ہے چہ جائیکہ بنو المطلب کو شامل ہو، اس لئے یوں کہا جائے گا کہ اس تفسیر سے مقصود حصر نہیں ہے۔

اخبرنا یزید بن ہرمزان بخدة الحروری حین حج فی قنصلۃ ابن الزبیر اسرسل الی ابن

عباس یسأله عن سهم ذی القربی ویقول لمن تراہ؟

مضمون حدیث | حروری یعنی خارجی اور یہ بخدة رئیس الخوارج تھا، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتال کے سال میں جب اس نے حج کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک قاصد بھیج کر سهم ذوی القربی کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کو ملنا چاہیے آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء کے لئے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم — ان کا حصہ لگاتے تھے۔ آگے ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اسی حصہ میں سے ہمیں کچھ پیش کیا تھا مگر ہم نے اس کو اپنے حق سے کم سمجھ کر اس کو رد کر دیا تھا۔

اس روایت سے ایک حیثیت سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے سهم ذوی القربی کے سلسلہ میں وہ یہ کہ ان کا حق حصہ عند الحاجة وبقدر الحاجة ہے تو حضرت عمر نے بقدر الحاجة پیش فرمایا ہوگا، اور ابن عباس کے طرز عمل سے شافعیہ وحنابلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جن کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ہر صورت میں واجب ہے۔

لہ بنو المطلب اور بنو عبد المطلب درمیان فرق ظاہر ہے کہ عبد المطلب بنو ابن ہاشم، والمطلب بنو ابو ہاشم ۱۲۔

یہ قتال ابن الزبیر کا واقعہ اور اس کا بیان کتاب کج میں گزر چکا۔

والحدیث أخرجه مسلم والنسائی، قاله المنذرى۔

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال سمعت علياً رضي الله تعالى عنه يقول ولا في رسول الله صلى الله تعالى

عليه وآله وسلم خمس فوضعت مواضع حياة رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وحياة
أبي بكر وحياة عمارؓ۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ خمس غنیمت میں جو حصہ ذوی القربی کا ہے خمس انھیں
حضرت علی کی تولیت خمس انھیں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حضرت علی کی تولیت میں دیدیا تھا

یعنی ذوی القربی میں تقسیم کرنے کے لئے، آپ کی حیات میں بھی ایسا ہی رہا اور حضرات ابوبکر و عمر کی حیات میں بھی، یعنی ان
دو لوگوں نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں علی کی تولیت میں اس کو لئے رکھا تھا۔ چنانچہ علی فرماتے ہیں کہ میں اس کو تقسیم کرتا رہا۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھی اور حضرات شیخین کی حیات میں بھی۔ آگے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ
حضرت عمرؓ نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے فرمایا اوپنا حصہ، میں نے کہا کہ میرا ارادہ نہیں ہے لینے کا، انہوں نے دوبارہ فرمایا اس
پر میں نے عرض کیا کہ اس سال میں اس سے استغناء حاصل ہے، چنانچہ انہوں نے اس کو پھر بیت المال میں داخل کر دیا
اس سے بھی مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے کہ دیکھتے حضرت علی نے عدم حاجت کے وقت اس کو نہیں لیا۔

تنبیہ: حضرت علی کی اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت علی کو اس ذوی القربی کے حصہ کی تولیت حضور
اور حضرات شیخین دو لوگوں کی طرف سے ملی تھی، اور اس سے پہلے جبیر بن مطعم کی زور دایتوں میں یہ گزر چکا کہ صدیق اکبر نے اپنی
خلافت کے زمانہ میں ذوی القربی کو ان کا حصہ خمس میں نہیں دیا، فالجی ریشان متعارضان شیخ
ابن البہام نے اس تعارض کا جواب حافظ منذری سے یہ نقل کیا ہے، الصحيح حدیث جبیر و حدیث علی لایصح
پس صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عمر فاروق و عثمان کی جانب سے تو علی کو متولی بنایا گیا تھا
صدیق اکبر کی جانب سے نہیں، آیا گیا۔ (بذل)

اس کے بعد والی روایت علی میں بھی اسی طرح آرہا ہے اس کو بھی یہی کہا جائے گا، اور اس میں یہ بھی آرہا ہے کہ حتی

إذا كانت آخر سنة من سني عمر فانه اتاه مال كثير فعزل حقنا ثم ارسل الى، فقلت: بنا عنه العام
غني۔ وبالْمُسْلِمِينَ اليه حاجة، یہ مضمون اس سے پہلی روایت میں بھی گزر چکا۔

آگے روایت میں یہ ہے: ثم لم يدعني اليه احد بعد عمر، فلقية العباس بعد ما خرجت من عند
عمر، فقال يا علي! حرمتنا الغداة شيئاً لا يرد علينا ابداً، وكان رجلاً داهياً۔

حضرت علی فرما رہے ہیں کہ میرے ایک مرتبہ رد کرنے کے بعد پھر کسی نے مجھے اس کی طرف نہیں بلایا، حضرت عمر کے بعد

آگے یہ بھی ہے کہ جب میں حضرت عمر کی مجلس سے باہر نکل کر آیا تو میری ملاقات حضرت عباس سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے علی! آج تو تم نے ہمارے حصہ سے ہمیں محروم کر ڈالا، اب کبھی ہمیں یہ نہیں ملے گا، حضرت علی کہتے ہیں کہ واقعی تھے حضرت عباس بڑے فہیم اور تجربہ کار۔

اخبرني عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمي ان عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب اخبره ان ابا ربيعة بن الحارث وعباس بن عبد المطلب قال لعبد المطلب بن ربيعة وللفضل بن عباس اثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقولا له يا رسول الله قد بلغنا من السن ما ترى واحببنا ان نتزوج الخ۔

حدیث میں شادیوں کے مسائل سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ

یہ حدیث طویل ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے عبد المطلب کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ ربیعہ نے، اور فضل بن عباس سے ان کے والد عباس نے یہ کہا کہ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، اور جا کر عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ہم دونوں کی جو عمر ہو گئی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں (یعنی شادی کے قابل ہو چکے ہیں) اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں، اور آپ لوگوں میں سب سے زیادہ احسان اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، اور ہم دونوں کے باپوں کے پاس اتنا نہیں ہے کہ وہ ہماری طرف سے مہر کا انتظام کر سکیں لہذا آپ ہم دونوں کو صدقات وصول کرنے پر عامل بنالیں جس طرح عامل اموال زکاۃ لا کر آپ کو پہنچاتے ہیں اسی طرح ہم بھی پہنچائیں گے، اور جو کچھ ہمارا حق ہوگا وہ ہمیں مل جایا کرے گا، یعنی عامل کی تنخواہ اور وظیفہ، یہ ربیعہ جن کے بیٹے عبد المطلب ہیں آپ کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضرت عباس کا آپ کا چچا ہونا تو مشہور ہی ہے، تو گویا یہ عبد المطلب آپ کے چچا زاد بھائی کے بیٹے ہوئے اور فضل چچا زاد بھائی۔ یہ قصہ ان دو ہی سے متعلق ہے، آگے روایت میں ہے عبد المطلب کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ہماری یہ گفتگو اور مشورہ ہو رہا تھا، وہاں علی بن ابی طالب اتفاق سے پہنچ گئے (جب ان کے علم میں وہ بات آئی جو یہاں مجلس میں چل رہی تھی، تو اس پر وہ فرمانے لگے بخدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی کو عامل علی الصدقہ نہیں بنائیں گے اس پر عبد المطلب کے والد ربیعہ بولے کہ تم کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی ملی ہے ہم نے تو تم سے اس پر کبھی حسد کیا نہیں (مطلب یہ کہ پھر تمہیں کیوں ہمارے اس مشورہ سے پریشانی اور حزن ہو رہی ہے) خالق علیؑ رداءۃ شہ اضطلع علیہ فقال انا ابو حسن القرم یعنی حضرت علی کو بھی ربیعہ کا یہ جملہ سن کر طیش آگیا اور اور اپنی چادر جو اوڑھ رہے تھے اس کو بچھا کر اس پر لیٹ گئے اور لیٹے وقت فرمایا (لو میں بھی کہیں نہیں جاتا) میں بھی اپنے نام کا ابو حسن بہادر ہوں، واللہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک تم دونوں کے بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لے کر نہ آجائیں۔ (خوار بمعنی جواب) عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل دونوں مشورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں چل دیئے، جب ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر میں اور فضل دونوں، باب حجرہ کی طرف گئے، اس دن حضرت زینب کی باری تھی اس لئے آپ ان کے یہاں تھے، غرضیکہ ہم آپ سے پہلے ہی دروازہ پر جا کر کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، اور ہم دونوں میں سے ہر ایک کا کان پکڑ کر فرمایا کہ اپنے جی کی بات بتاؤ کہ کیا ہے (ہم خاموش رہے) پھر آپ اندر تشریف لے گئے اور اندر پہنچ کر ہم دونوں کو بھی اندر آنے کی اجازت دیدی، ہم اندر چلے گئے، ہم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو حضور سے عرض کرنے کو کہتا، غرضیکہ ہم دونوں میں سے کسی ایک نے راوی کو تعین میں شک ہو رہا ہے۔ حضور کے سامنے وہی بات رکھی جس کا ہمارے باپوں نے حکم کیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری بات سن کر خاموش رہے اور اپنی نگاہ چھت کی طرف اٹھائے رہے (جیسے بعض مرتبہ سوچ میں آدی کرتا ہے) جس میں کافی دیر ہو گئی، ہم سمجھے شاید کچھ جواب نہیں ملے گا (ہم کچھ مایوس سے ہوئے) یہاں تک کہ حضرت زینب کو ہم نے دیکھا جو ہمارے سامنے کی جانب میں پس پردہ نقیص وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگیں جس کا مفہوم یہ تھا کہ جلدی نہ کرو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ہی مسئلہ کا حل سوچ رہے ہیں، پھر کافی دیر بعد اپنے سر اوپر سے نیچے کی طرف کیا اور فرمایا کہ ارے بھائی یہ صدقہ کا مال لوگوں کا میل کچل ہے یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے حلال نہیں (پھر آپ نے ان کے مسئلہ کا جو حل سوچا تھا اس کو فرمایا) اور فرمایا آپ نے کہ نوفل بن الحارث کو بلاؤ، پس نوفل سے آپ نے فرمایا کہ عبد المطلب کا نکاح کر دو، نوفل نے میرا نکاح کر دیا، اور فرمایا بلاؤ میرے پاس نجمیہ بن جزم کو، راوی کہتا ہے کہ یہ نجمیہ آپ کی جانب سے آٹماس کے منتظم تھے، تو آپ نے فرمایا نجمیہ سے کہ فضل کی شادی کر دو اور پھر معاملہ سے یہ فرمایا کہ ان دونوں کی جانب سے خمس میں سے مہر ادا کر دو۔

یہ جو اس حدیث کا آخری جملہ ہے اَصْدَقُ عَنْهُمَا مِنَ الْخَمْسِ اسی سے ترجمہ الباب ثابت ہو رہا ہے، ایسے موقع پر شرح لکھا کرتے ہیں فیہ الترجمة، مصنف کی غرض اس قصہ کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خمس میں سے اپنے ذوی القربی کا حصہ نکالتے تھے، کیونکہ عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس دونوں ذوی القربی میں سے ہیں، اس قصہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بیاہ شادی میں زیادہ فکر کی چیز وہ پس مہر (اور نفقہ) کا مسئلہ ہے اور تیسری چیز ولیمہ ہے جس کا ذکر آگے حضرت علی کے قصہ میں آ رہا ہے۔ دوسرے لوازمات فضول ہیں۔
والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

ان الحسين بن علي رضي الله تعالى عنهما خبرنا ان علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه قال
كان لي شارف من نصيبي من المغنم يوم بدر وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اعطاني
شارفا من الخمس يومئذ الخ

حضرت علیؑ کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ | یہ بھی ایک طویل قصہ ہے اسی قسم کا وہ یہ کہ حسین بن علی فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا

کہ میری ملک میں ایک جوان اونٹنی تھی جو جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ملی تھی اور ایک ایسی ہی اونٹنی اور تھی جو آپؐ نے مجھ کو حصہ خمس میں سے دی تھی (ترجمۃ الباب تو اسی سے ثابت ہو گیا آگے مصنف قصہ کی تکمیل کرتے ہیں) جب میرا ارادہ ہوا فاطمہ کو نکاح کے بعد اپنے یہاں لانے کا (جس کو رخصتی کہتے ہیں) تو ولیمہ کی تیاری میں میں نے یہ منصوبہ بنایا جس کو آگے بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ میں نے ایک صواغ یعنی زرگر سے یہ وعدہ لیا کہ وہ میرے ساتھ جنگل جاتے تاکہ ہم وہاں سے اذخر جمع کر کے لائیں اور صواغین کے ہاتھ اس کو فروخت کریں تاکہ اس کی آمدنی سے ولیمہ کا بندوبست ہو سکے، چنانچہ میں نے ایسا کیا کہ ان دونوں اونٹنیوں کو ایک انصاری کے گھر کے سامنے لا کر بٹھادیا اور خود میں ان اونٹنیوں پر باندھنے کے لئے پالان تھیلے اور رسیاں وغیرہ جمع کرنے کے لئے چلا گیا، جب میں وہ سب چیزیں جمع کر کے لایا تو دیکھتا کیا ہوں کہ میری ان دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لئے گئے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت بھی کاٹ لیا گیا، اور ان کی کلیجیاں نکال لی گئیں، مجھے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار رونا آ گیا، پھر میں نے پوچھا لوگوں سے کہ ایسا کس نے کیلئے ہے؟ انہوں نے کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے کیا ہے، اور سامنے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اس میں بہت سے شراب پینے والوں کے ساتھ، اس مجلس میں ایک گانے والی نے ان کے اور ان کے اصحاب کے سامنے اپنے غناور میں یہ شعر پڑھ دیا ہے

الایا حمزہ للشرف البوار

وهن مُعطلات بالهناء

ضع السکین فی اللبائت ہنبا

وضر جن حمزہ بالدمار

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے حمزہ دیکھو یہ سامنے جوان اور فربہ اونٹنیاں ہیں جو گھر کے سامنے بندھی ہوئی ہیں ان کے گلوں پر چھری چلاؤ اور ان کو خون میں لت پت کر دو، شرف جمع ہے شراف کی بمعنی جوان اونٹنی، اور بوار جمع ہے نادیدہ کی یعنی فربہ، حضرت حمزہ گانے والی کا یہ شعر سنکر اپنی تلوار کی طرف لپکے اور یہ سب کام کر گزرے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سنکر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا، اس وقت آپ کے پاس حضرت زید بن حارثہ تھے آپ نے میرے چہرہ کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا میری پریشانی کا اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج جیسا ناگوار منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور سارا واقعہ بیان کیا، اور میں نے یہ بھی بتلادیا کہ وہ ایک گھر میں مجلس ہو رہی ہے شراب نوشی کی اس میں ہیں (تحریم خمر سے پہلے کا واقعہ ہے) اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر منگائی اور اس کو اوڑھ کر چل دیئے، میں اور زید آپ کے پیچھے پیچھے، یہاں تک کہ آپ اس گھر تک پہنچے جس میں حمزہ تھے آپ استیذان کے بعد اندر داخل ہوئے جہاں سب لوگ موجود تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حمزہ کو ملامت

کرنے لگے ان کی اس حرکت پر، حمزہ کا حال یہ تھا کہ وہ شراب کے نشہ میں مست تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اب حمزہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیز نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، اور نشہ کے ایک خاص انداز میں پہلے تو حضور کے پاؤں کی طرف گھورتے رہے کچھ دیر بعد نظر ذرا اوپر اٹھائی اور آپ کے گھٹنوں کو گھورتے رہے، پھر نظر کچھ اوپر اٹھائی آپ کی ناف کے قریب تک، وہاں ہورتے رہے، اسی طرح پھر چہرہ کو گھورتے رہے، یہ گھورنا تو بالکل خاموشی کے ساتھ رہا، اور پھر اخیر میں بولے تیز لہجے میں دھل انتم الاعبيد لابی کہ ارے تم سب میرے باپ کے غلام ہی تو ہو (چونکہ حمزہ کے باپ حضور کے بھی اور علی کے بھی دادا اور بڑے تھے، اور گویا سردار تھے، اور حمزہ ان سے بہ نسبت ان دو کے زیادہ قریب تھے اس لئے بطور فخر یہ جملہ کہا) علی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ تو مست ہیں (اور معاملہ گڑ بڑ ہے) اسلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الٹے پیروں لوٹ گئے (تاکہ کہیں دست درازی نہ کر بیٹھیں) اور غرضیکہ آپ وہاں سے نکل آئے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم، قاله المنذرى۔

یہ قصہ ہمارے لئے بڑا قابل عبرت ہے کہ دو جہان کے سردار کی صاحبزادی کی رخصتی ہو رہی ہو جسکے ولیمہ کے انتظام کیلئے آپ کے داماد محترم جنگل سے گھاس اکٹھا کرتے پھریں، اور اس میں بھی پھر حسب منشا کامیابی نہ ہو۔

حدثني عياش بن عتبة الحضرمي عن الفضل بن الحسن الضمري ان ام الحكم اوضباعة

ابن الزبير بن عبد المطلب، حدثته عن احداها۔

تحقیق سند یہ سند محتاج تحقیق و تفتیش ہے، یہاں نسخے مختلف ہیں چنانچہ دو اختلاف دیکھئے: آئے ہمارے اس نسخے میں ان ام الحكم اوضباعة ہے اور ابن داسہ کے نسخے میں (کما فی تعلیق الشيخ محمد عوالہ) اس کے بجائے۔ ان ابن ام الحكم اوضباعة ہے، اور دوسرا اختلاف اس کے بعد لفظ "حدثته" میں ہے ہمارے اس نسخے میں بصیغہ مؤنث ہے اور ایک دوسرے نسخے میں کما علی الہامش "حدثه" بصیغہ مذکر ہے، یہ روایت ابو داؤد میں مکرر ہے دوبارہ مصنف اس حدیث کو کتاب الادب باب فی التشیع عند النعم میں بھی لائے ہیں بعینہ اسی سند سے لیکن وہاں ابن داسہ کے نسخے کی طرح ہے، ان ابن ام الحكم اوضباعة ابنی الزبير حدثته عن احداها، اور تہذیب الکمال میں حافظ مزنی نے اپنی سند سے اس حدیث کو جب ذکر کیا تو اس میں بھی اسی طرح ہے، لہذا ترجیح ابن داسہ والے نسخے کی روایت کو ہوگی اور اس صورت میں سند کا مطلب یہ ہوگا، فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحكم کے بیٹے یا ضباعہ کے بیٹے نے بیان کیا، ان دونوں (ام الحكم وضباعہ) میں سے کسی ایک سے روایت کرتے ہوئے۔ اور

لہذا راوی بیٹا ہوا اور مروی عنہ اس کی ماں یا خالہ ۱۲

ہمارے موجودہ نسخہ کی صورت میں سند کا مفہوم یہ ہوگا کہ فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحکم یا ضباعتہ کسی ایک نے روایت کیا دوسری سے، یعنی فضل کو شک ہو رہا ہے کہ میرا استاد اس حدیث میں ام الحکم ہے یا ضباعتہ اور بہر صورت ان میں سے ایک دوسری سے روایت کر رہی ہے، چونکہ صاحب عون المعبود کا بھی نسخہ یہی ہے اسلئے انہوں نے سند کی شرح اسی طرح کی ہے، لیکن اس نسخہ کو اگر اختیار کیا جائے تو اس میں معنی کے لحاظ سے یہ اشکال ہے کہ جب حضور کی خدمت میں جانے والی یہ دونوں بہنیں تھیں جیسا کہ روایت میں تصریح ہے فذہبت انا واخوتی تو پھر ایک کے دوسرے سے روایت کرنے کی کیا وجہ؟ دونوں صاحب واقعہ ہیں نیز کتب رجال سے بھی ان میں سے ایک کا دوسری سے روایت کرنا ثابت نہیں، کما فی البذل۔ بخلاف نسخہ ثانیہ کے کہ وہ اس اشکال سے محفوظ ہے، مگر حضرت شیخ الہند نے اپنے حاشیہ میں ہمارے موجودہ نسخہ کی سند کی اس طرح توجیہ و تاویل فرمائی ہے جس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا، حضرت شیخ الہند کی تاویل کا حاصل یہ ہے کہ عن اصحابنا بطور لب لباب کے بدل واقع ہو رہا ہے اپنے سابق سے کہ فضل بن الحسن روایت کرتے ہیں ان دو عورتوں میں سے کسی ایک سے، بدل قرار دینے کی صورت میں اوپر والا اشکال پیدا نہیں ہوتا، ہمارے حضرت سہارنپوری نے سند کا مفہوم تو یہی متعین فرمایا ہے جو نسخہ ابن داسہ والی سند کا ہے مگر اس میں یہ توضیح و تشریح نہیں ہے کہ ہماری یہ سند محتاج تاویل ہے یا نہیں، بلکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے نسخہ کی عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو دوسرے نسخہ کی عبارت کا ہے، والا مگر کما فی حاشیہ شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ، و هذا جهد المقل فی شرح هذا السند والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔ مضمون حدیث واضح ہے کہ یہ دونوں اور تیسری حضرت فاطمہ خمس غنیمت میں سے خادم طلب کرنے کیلئے گئیں تھیں تو آپ نے عذر فرمایا سبقتن یتامی بدو کہ یتامی بدو تم سے پہلے چونکہ طلب کرنے آگئے تھے اس لئے سارے غلام ان کو دیدیتے گئے اور یا مطلب یہ ہے کہ یتامی بدو استحقاق کے اعتبار سے تم پر مقدم اور راجح تھے اسلئے ان کو دے دیا یا دیا جائے گا، اس صورت میں حدیث حنفیہ کی مؤید ہو سکتی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ذوی القربی کے حق کا مدار افتقار اور احتیاج پر رکھتے ہیں، پھر آپ نے ان تینوں کی دجوئی اور تلافی میں خادم کا بدل، یعنی بدل معنوی تجویز فرمایا جو تسبیح فاطمہ کے نام سے معروف ہے۔

عن ابن اُعبَد قال قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا احذ ثلک عنی وعن فاطمة الزہراء

اس حدیث اور پہلی حدیث کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اس میں یہ ہے کہ حضرت علی نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ کے پاس جا کر ایک خادم ان سے لے لو، اس پر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں، ابی انصر العقصۃ وقد اخرج البخاری ومسلم والبوداؤد والنسائی عن حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہذا الحدیث بخوہ، وسیحی ان شاء اللہ تعالیٰ فی کتاب الادب من کتابنا هذا، قال المنذری۔

حدثنا محمد بن عیسیٰ نا عنہ بن عبد الواحد القرشی، قال ابو جعفر یعنی ابن عیسیٰ

کنا نقول انه من الابدال قبل ان تسمع ان الابدال من الموالی۔

محمد بن عیسیٰ استاد مصنف جن کی کنیت ابو جعفر ہے وہ اپنے استاد عنبنہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ یہ سمجھتے تھے عنبنہ کے بارے میں کہ وہ ابدال کی جماعت میں سے ہیں قبل اس کے کہ ہم یہ سنیں کہ ابدال موالی میں سے ہوتے ہیں یعنی غلاموں میں سے۔

مطلب یہ ہے کہ عنبنہ تو موالی میں سے نہیں ہیں لہذا وہ ابدال میں سے بھی نہیں، لہذا ہمارا پہلا خیال غلط نکلا اختار هذا یعنی شیخانی البذل، اور صاحب عون المعبود نے موالی کو ممالیک کے معنی میں نہیں لیا بلکہ سادات کے معنی میں لیا یعنی مولیٰ اعلیٰ، اور عنبنہ تشریف ہیں سادات میں سے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شروع میں تو یہ ہمارا گمان ہی گمان تھا بعد میں پھر وہ گمان یقین سے بدل گیا اور ہمیں ان کے ابدال میں سے ہونے کا یقین ہو گیا، ہذا المعنی عکس المعنی الساتی۔

ابدال واوتاد کا ثبوت احادیث سے | یہاں اس روایت کی سند میں ابدال کا ذکر آیا، ابدال کا ذکر ابوداؤد میں کتاب الفتن کے بعد باب فی ذکر المہدی میں بھی آیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں

فاذا رأی الناس ذلک آتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیما یعونہ جس کا مضمون یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں جب امام مہدی کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگ ان سے بیعت ہوں گے تو اس کے بعد ان کے مخالفین کا ایک لشکر اٹھے گا ملک شام سے جو ان سے لڑنے کے لئے جائے گا تو ان کو اللہ تعالیٰ راستہ ہی میں مکہ مدینہ کے درمیان زمین میں دھنسا دیں گے، جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا تو اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی وقعت بڑھے گی، چنانچہ عراق کے عباد و زہاد اور ملک شام کے ابدال اگر ان کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حاشیہ بذل میں ہے علامہ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ صحاح ستہ میں ابدال کا ذکر نہیں ہے سوائے ابوداؤد کی اس روایت کے، و آخر جہ الحاکم و صحیحہ، وورنی غیر الصحاح ذکر ہم فی عدۃ احادیث جمعہ ثانی مؤلف، حضرت شیخ نے اپنے اس حاشیہ میں ابدال کے بارے میں بہت سی کتب حدیث و تصوف و رجال تاریخ کے حوالے تحریر فرمائے ہیں، اس حاشیہ میں ہے کہ علامہ شامی کا بھی ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "اجابۃ الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والابدال والاوتاد والغوث" اسی طرح علامہ سیوطی کی الحاوی للفتاویٰ میں ایک رسالہ ہے "الحجۃ الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال" اور سیوطی نے التعقیبات علی الموضوعات میں حدیث الابدال کے بارے میں لکھا ہے: صحیح وان شئت قلت متواتر اھ

حدثنی الذخیل بن ایاس بن فوح بن مجاعة عن ہلال بن سراج بن مجاعة عن ابیہ عن جدہ
مجاعة انه اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یطلب دية اخیه قتلته بنو سدوس من بنی ذهل۔

اے مجھ سے محب مکرّم مولانا حکیم سعید صاحب (المعروف بحکیم اجیری) نے ذکر کیا کہ میں نے بھی ابدال سے متعلق تقریباً ستر روایات جمع کی ہیں ۱۲

مضمون حدیث

اس حدیث کے راوی مجاہد بن عمرہ ہیں جو یمامہ کے رہنے والے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھے یہ صحابہ میں سے ہیں اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کے کافر بھائی کو بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا تو اسکی دیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لینے آئے تھے، شاید بیت المال سے لینا مراد ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر مشرک کی دیت ہو اگر تو میں تیرے بھائی کی دیت بھی دیدیتا، ہاں البتہ میں دیت کے عوض میں کچھ دوں گا یعنی ان کی تالیف قلب کے لئے کیونکہ یہ اپنی قوم کے رئیس تھے تاکہ ان کی قوم بھی اسلام کی طرف مائل ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ مجاہد اس طلب دیت کے وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے (بذل) چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایک تحریر لکھ دی کہ مشرکین بنو ذہل کی غنیمت سے جب پہلے پہل خمس نکالا جائے تو اس میں سے سو اونٹ ان کو دیتے جائیں، ان سو میں سے کچھ حصہ تو ان کو مل گیا اور کچھ باقی رہ گیا، اور ادھر یہ ہوا کہ بنو ذہل اسلام لے آئے، پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ مجاہد ان کے پاس آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر لیکر، تو انہوں نے ان کو باقی دیت کے بارے میں لکھ دیا بارہ ہزار صاع اس صدقہ سے جو — یمامہ سے وصول ہو، چار ہزار صاع گہیوں، چار ہزار جو اور چار ہزار تمر، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر جو آپ نے ان کو دی تھی وہ اس طرح ہے: **بسم الله الرحمن الرحيم: هذا كتاب من محمد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لمجاعة بن مرارة من بني سلمى، اني اعطيته مئة من الابل من اول خمس يخرج من مشركي بني ذهل عقبة من اخيه۔**

باب ماجاء في سهم الصفي

اس باب پر کلام "باب فی الصفا" میں گزر چکا، اور صفی سے متعلق مسائل بھی، اس باب کی پہلی حدیث میں ہے۔ **يختار قبل الخمس** کہ آپ ہم صفی لیا کرتے تھے، خمس نکالنے سے پہلے، یعنی اصل غنیمت سے، بذل میں لکھا ہے کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے، لیکن اس کے بعد والی روایت میں آرہا ہے، **والصفي يؤخذ له رأس من الخمس قبل كل شيء**، یہ پہلی حدیث کے خلاف ہے، اور دفع تعارض ایسے ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں قبل الخمس سے مراد قبل تقسیم الخمس لیا جاتے، یعنی خمس میں سے ہم صفی لینے کے بعد اس کی تقسیم کی جاتی، فار تغف التعارض۔

باب کی تیسری حدیث یہ ہے، **عن قتادة قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا غزا كان له سهم صاف**۔ اس روایت میں ہم صفی کے بارے میں یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے اس وقت ہوتا تھا جبکہ آپ اس غزوہ میں خود شریک ہوں اور وہ آپ کا جو دوسرا حصہ ہوتا تھا غنیمت میں وہ مطلقاً تھا، غزوہ کے اندر آپ کی شرکت ہو یا نہ ہو لیکن اس باب کی جو آخری حدیث آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم صفی اور ہم غنیمت دونوں ہی عام تھے، یہ ساری بحث باب الصفا میں گزر چکی۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كانت صفية من الصفي
يعني آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو بہم صفی میں ملی تھی، یہ روایت آئندہ آنے والی مفصل
روایت کے خلاف ہے، اور صحیح بات وہی ہے جو روایت مفصل میں آرہی ہے لہذا اس روایت کی تاویل یہ کیجائے کہ مراد
من حیث المال ہے اور وہ جو آئندہ روایت آرہی ہے اس میں اس طرح ہے: عن انس رضي الله تعالى عنه قال جمع
السبي بغدير فجاء دحية فقال يا رسول الله اعطني جارية من السبي، قال اذهب فخذ جارية فاحذر
صفية ابنة حبيبي۔

حضرت صفیہ آپ کے حصّہ میں کیسے آئیں؟ | یعنی خیبر کے قیدیوں کو جب جمع کیا گیا تو دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ان قیدیوں میں سے ایک
باندی کی فرمائش کی، آپ نے ان کو اختیار دیدیا کہ ایک جاریہ لے لو، انہوں نے صفیہ کو لے لیا، تو ایک شخص آپ کی خدمت
میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے دحیہ کو صفیہ دیدی وہ تو بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں کی سردار ہے وہ دحیہ کے لئے
مناسب نہیں آپ ہی کے لئے مناسب ہے، اس پر آپ نے دحیہ کو صفیہ کے ساتھ بلایا، اور آپ نے ان پر نظر ڈال کر فرمایا کہ
کوئی دوسری جاریہ لیلو، اور پھر آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

ان روایات میں سے ایک میں یہ بھی ہے صفیہ کے بارے میں وقد قتل زوجها وكانت عروسا، نیز یہ بھی ہے
فخرج بها حتى بلغنا سد الصهباء حلت نخبی بها، یعنی خیبر سے واپسی میں جب آپ مقام سد الصهباء پر پہنچے تو وہ آپ
کے لئے حلال ہو گئیں، اس سے طہارت من الحیض مراد ہے، یعنی استبراء حاصل ہو گیا، اسکے بعد آپ نے ان کیساتھ بنار کی (تخلیہ)
اور روایات الباب میں سے ایک میں یہ ہے کہ دحیہ کے حصّہ میں ایک جاریہ جمیلہ آئی تھی فاشتراها رسول الله صلى الله
تعالى عليه وآله وسلم بسبعة ارؤس، یعنی آپ ایک باندی کو سات باندیوں کے بدلے میں خریدا، اس سے مراد یہ ہے کہ
آپ نے دحیہ سے صفیہ کو لیکر ان کے بدلے میں سات باندیاں عطا کیں، اور یہ جو روایت میں آیا کہ ایک صحابی نے آپ سے
آکر عرض کیا کہ وہ آپ ہی کے مناسب ہے دحیہ کے مناسب نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا دحیہ کے پاس جانا خلاف مصلحت
ہے، اس لئے کہ صحابہ میں دحیہ جیسے بلکہ ان سے افضل بہت سے تھے اور یہ ایک عالیشان جاریہ تھیں تو دحیہ کے پاس
ہونے سے دوسرے حضرات کو احساس ہوتا اور بتقاضا تے بشریت تنافس کا یہ مقام تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے پاس ہونے کی صورت میں کسی کو کوئی اشکال نہوتا۔

کہا گیا ہے کہ صفیہ کا نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصطفاء سے پہلے زینب تھا پھر جب وہ بہم صفی میں سے
قرار دے دی گئیں تو ان کا نام صفیہ رکھ دیا گیا، کذا فی البذل، لیکن عون المعبود میں امام نووی سے نقل کیا ہے کہ
صحیح یہ ہے کہ ان کا نام صفیہ پہلے ہی سے تھا۔

سمعت یزید بن عبد اللہ قال کنا بالمربد فجاہ رجل اشعث الرأس بیدہ قطعۃ اذیم احمر
فقلنا کانک من اهل البادیۃ۔

مضمون حدیث یہ اس باب کی آخری حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں ابھی قریب میں آیا تھا۔ اس کا مضمون یہ ہے
یزید بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم مقام مرید میں تھے (موضع بالمصرۃ) تو ایک شخص پر آگندہ بالوں والا آیا
جس کے ہاتھ میں سوخ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا (جس پر کچھ لکھا ہوا تھا) ہم نے اس سے کہا کہ تو دیہاتی معلوم ہوتا ہے
اس نے کہاں ہاں، ہم نے کہا تیرے ہاتھ میں جو یہ ٹکڑا ہے ذرا ہمیں دے اس نے ہمیں دے دیا تو ہم نے دیکھا اس میں
یہ لکھا ہوا تھا، من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم الی بنی زہیر بن اقیس انکم ان
شهدتم ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ واقتمم الصلوۃ واتیتم الزکاۃ وادیتم الخمس من
المغنم وسهم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم وسهم الصفی انتم آمنون بامان اللہ ورسولہ۔

آپ کی اس تحریر میں آپ کے دو حصوں کا ذکر ہے ایک سہم غنیمت اور دوسرا سہم صفی، اور ان دونوں کے بارے میں
یہ ہے کہ اگر تم یہ دونوں ادا کرتے رہو گے (مع ان باقی امور کے جو تحریر میں مذکور ہیں) تو تم ہماری طرف سے امن میں ہو
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لئے دونوں حصے مطلقاً تھے، شرکت فی الغزوہ کی قید نہ تھی، سہم غنیمت کے بارے میں تو
روایات میں بھی اتفاق ہے اور علماء کے مابین بھی لیکن سہم صفی کے بارے میں باب کے شروع میں جو حدیث گذری ہے وہ
اس کے خلاف ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس آخری حدیث کے پیش نظر عدم تفسید کہ ہے، اور گذشتہ باب
میں یہ گذر چکا کہ حضرت نے بذل میں یہ لکھا ہے کہ کتب فقہ میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی۔
حدیث یزید بن عبد اللہ مسکت علیہ المنذری وکتب الشیخ محمد عوامہ ان المرزی عزاء الی النسائی۔

باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ

مختصر تاریخ متعلق بہ غزوات یہود ترجمۃ الباب یعنی کیفیت اخراج یہود من المدینہ کے بارے میں آپ یہ سمجھئے کہ یہ یہود
جن سے آپ کو غزوات کی نوبت آئی دو طرح کے تھے، بعض تو وہ تھے جو مدینہ
سے باہر خیبر میں آباد تھے، یہ خیبر جو ایک بڑی بستی ہے مدینہ سے شمال مغرب میں تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع
ہے، اور بعض قبائل یہود وہ تھے جو مدینہ اور اس کے آس پاس میں پھیلے ہوئے تھے، اس لئے اولاً تو غزوہ کی نوبت آئی
یہود مدینہ کے ساتھ جن کو مدینہ سے خارج کر دیا گیا یا قتل کر دیا گیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہود خیبر سے قتال کی
نوبت بعد میں آئی لیکن بعد الفتح ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ان سے معاہدہ ہو گیا
کہ جب مسلمان چاہیں گے نکال دیں گے۔

اس کے بعد آپ سمجھے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت وہاں کی آبادی جیسا کہ حدیث الباب میں آرہا ہے مخلوط تھی بین المسلمین والمشرکین والیہود، مشرکین کے دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج جن کا لقب ان کے مشرف باسلام ہونے کے بعد انصار ہوا، اور یہود کے تین بڑے قبیلے وہاں آباد تھے، بنو نضیر (جن کا شمار اشراف میں تھا) اور بنو قریظہ (جو کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے) اور بنو قینقاع (عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اوائل ہجرت ہی میں یہود مدینہ سے معاہدہ فرمایا تھا ان لمان قائم رکھنے کا۔ مگر یہ لوگ عہد شکنی کرتے رہے جس پر ان کے ساتھ قتال ہوتا رہا، چنانچہ سب سے پہلے عہد شکنی بنو قینقاع نے کی، یہ واقعہ شوال ۲ھ کا ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے قتال کا ارادہ فرمایا تو وہ لوگ مقابلہ سے بچکر قلعہ بند ہو گئے، آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا، جب وہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ جلا وطنی منظور کر کے قلعہ سے بچے اتر آئے اور ملک شام چلے گئے، اس کے بعد ۳ھ میں یہود بنو نضیر نے مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کی ان کی اس بد عہدی کا واقعہ آئندہ باب فی خبر النضیر میں متن میں آرہا ہے، چنانچہ ان سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے حتی کہ عاجز ہو کر جلا وطنی منظور کی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا بسے اور گویا خیبر یہود کام کر اور ان کی سازشوں کا اڈہ بن گیا، بنو قریظہ سے اس موقع پر مصالحت ہو گئی تھی، چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے عن ابن عمر ان یہود النضیر و قریظہ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاجلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر و اقر قریظہ۔ الحدیث یعنی اس موقع پر بنو قریظہ کو مدینہ میں برقرار رکھا گیا، لیکن ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مشرکین کا ساتھ دیا چنانچہ آپ نے غزوہ احزاب سے فارغ ہو کر ۴ھ میں ان پر چڑھائی کی وہ بھی قلعہ بند ہو گئے اور انہوں نے مجبور ہو کر قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا، انہوں نے ان کے قتل کا فیصلہ دیا جس پر یہود بنو قریظہ کے مردوں کو جن کی تعداد روایات میں چار سو آتی ہے سب کو مدینہ منورہ میں قتل کیا گیا، اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بنو نضیر مدینہ سے اجڑ کر خیبر جا بسے تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ ۵ھ میں آپ نے ان پر خروج فرمایا مسلمانوں کو فتح ہوئی، غنیمت میں مسلمانوں کو بہت مال و دولت حاصل ہوئی، حضرت علی فارخ خیبر مشہور ہیں، باقی اس فتح میں ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ معاہدہ ہو گیا کہ وہ وہیں ذمی بن کر رہیں گے، مزید برآں ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گزارش کی کہ آپ حضرات کو تو اپنے دین کے کاموں ہی سے فرصت نہیں ہے آپ کا کام کاشتکاری نہیں ہے، ان زمینوں اور باغات کو ہمارے ہی حوالہ فرمادیں ہم ہی ان زمینوں میں کاشت کریں گے اور آپ کو تیار غلہ ملا کرے گا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس پر مزارعت کا معاملہ فرمایا جس کو معاہدہ بھی کہتے ہیں، اور باغات کا بھی معاملہ کر لیا جس کو مساقاۃ کہتے ہیں یہ بہت بڑے

بڑے کھجوروں کے باغات تھے یہ اور ان سے اس وقت یہ طے ہو گیا کہ تم یہاں رہتے ہوئے کاشت وغیرہ کرتے رہو، جب مسلمان چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج کر دیں گے، حضرت صدیق اکبر کی خلافت تک تو وہاں بستے رہے، حضرت عمر کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے ان کو اریحار اور تیمار کی طرف نکال دیا تھا جیسا کہ آگے روایت میں آ رہا ہے۔ شروع میں یہ مختصر تاریخ غزوات یہودی کی اور ان کے ساتھ جہاد کی مجملہ لکھ دی تاکہ آئندہ الجواب اور ان کی احادیث کے سمجھنے میں سہولت ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ الموفق والمیسر۔

عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک عن ابیہ۔ وكان احد الثلاثة الذين تيب عليهم عبد الرحمن ابنه باپ عبد اللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، آگے روایت میں ہے: وكان احد الثلاثة ضمیر بظاہر عبد اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، مگر مراد وہ نہیں بلکہ ان کے باپ کعب بن مالک مراد ہیں (یہ امر قابل تنبیہ ہے) ورنہ ظاہر عبارت سے خلاف واقعہ کا شبہ ہوتا ہے

کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ | یہ کعب بن الاشرف یہودی قینقار سے تھا بہت شان بان والا اور شاعر قسم کا آدمی تھا اور بڑا موزی تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشعار میں ہجو کرتا تھا، اور کفار قریش کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا، آگے راوی کہتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کی آبادی مخلوط تھی مسلمین اور مشرکین اور یہود سب ہی وہاں بستے تھے اور یہ یہودی حضور اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچاتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو عفو اور صبر کا حکم دیتے رہے، چنانچہ آپ ان کو درگزر فرماتے رہے، فلما ابی کعب بن الاشرف ان یئزع عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سعد بن معاذ ان یبعث رھطاً یقتلونه فبعث محمد بن مسلمہ۔

یعنی جب کعب بن الاشرف آپ کو اذیت پہنچانے کے کسی طرح باز نہ آیا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ایک جماعت کو اس کے قتل کے لئے بھیجیں، چنانچہ انہوں نے محمد بن مسلمہ وغیرہ کو بھیجا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ جب کعب بن الاشرف کو قتل کر دیا گیا جو ان کے ایک ہم آدمی کا قتل تھا تو اس پر یہود اور مشرکین سب گھبرائے اور چونکہ یہ قصہ ان کے قتل کا رات میں پیش آیا تھا اس لئے یہ لوگ علی الصبح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے جا کر شکایت کی کہ رات ہمارا فلاں آدمی مار دیا گیا ہے، تو آپ نے ان سے اس کی شرارتوں اور ایذا رسائیوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے ان کے سامنے معاہدہ کی بات رکھی، چنانچہ عہد نامہ لکھا گیا، روایت میں اتنا ہی ہے

لہ چنانچہ ان باغات میں ایک باغ کا نام کتیبہ ہے جس کا ذکر باب ماجاء فی حکم ارض خیبر میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ امام مالک سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ کتیبہ کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ خیبر کا ایک باغ ہے جس میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔

لیکن صرف اس سے ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر نہیں ہوتی اس لئے یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث میں معاہدہ کا ذکر ہے یہی تو سبب بنان کے اخراج کا کہ چونکہ وہ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہے اور نقص عہد کیا اسی پر ان سے قتال اور اخراج ہوا اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے قتل کعب کا حکم سعد بن معاذ کو دیا، حالانکہ اس سے پہلے کتاب الجہاد میں باب فی العدو یؤتی علی غرۃ میں یہ گزر چکا کہ آپ نے فرمایا: من لکعب بن الاشرف؛ فقام محمد بن مسلمۃ الحدیث بطولہ جس میں اس کے قتل کی تفصیل مذکور ہے، اس اشکال کا جواب بظاہر وہاں گزر چکا ہوگا، وہ یہ کہ اصل تو وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی لیکن جب محمد بن مسلمہ قتل کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ ان کے ساتھ چند آدمی اور کر دیئے جائیں چنانچہ سعد بن معاذ وغیرہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

یہ قتل کعب ربیع الاول مسلمہ میں پیش آیا، اور اس روایت میں یہ ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ اس واقعہ کے بعد ہوا، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہود کے ساتھ معاہدہ کی ابتداء مسلمہ سے ہے۔

وقد اخرج البخاری ومسلم والبوداؤد والنسائی قتل کعب بن الاشرف ثم من ہذا، وقد تقدم فی کتاب الجہاد قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما اصاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریشا یوم بدر و قد قدم المدیۃ جمع الیہود فی سوق بنی قینقاع، فقال یا معشر یہود اسلموا قبل ان یتصیبکم مثل ما اصاب قریشا۔

مضمون حدیث | یعنی جب آپ نے جنگ بدر میں قریش پر فتح پالی اور بدر سے مدینہ واپس پہنچ گئے تو آپ نے یہود کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ اسلام لے آؤ قبل اس کے کہ تم پر وہ مصیبت آئے جو قریش پر آئی، اس پر انہوں نے آپ کو یہ جواب دیا کہ دیکھئے آپ کو یہ چیز دھوکہ میں نہ ڈالے کہ آپ نے اپنی قوم قریش کے چند افراد کو قتل کر ڈالا، کانوا اعضاءاً (یہ غم کی جمع ہے بمعنی نا تجربہ کار اور اناڑی) جو کہ اناڑی تھے، جنگ کرنا نہیں جانتے، فنون حرب سے واقف نہیں، آپ ہم سے قتال کر کے دیکھئے تو آپ پہچان جائیں گے کہ ہم یعنی یہودی انسان ہیں، اور آپ کو ابھی تک ہم جیسوں سے سابقہ نہیں پڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "قتل للذین کفروا استغلبون و تحشرون الی جہنم"۔

حدثنی بنت محیصۃ عن ابیہا محیصۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من ظفر تبعہ من رجال یہود فاقتلوا۔ یعنی ایک دن آپ نے یہ فرمایا کہ رجال یہود میں سے جو بھی ملے اسے قتل کر ڈالا، تو راوی حدیث یعنی محیصہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک یہودی شبیبہ نامی جو تجار یہود سے تھا اور ان محیصہ کا اس کے ساتھ رہن بہن اور لہجہ دین بھی تھا (مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے) محیصہ نے اس کو قتل کر دیا اور محیصہ کا بڑا بھائی حویصہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا اس کو اس پر بہت غصہ آیا، اور لگا محیصہ کی پٹائی کرنے اور کہتا تھا ائی عذراً للہ اما واللہ لو لم شح فی بطنک من مالہ کہ اے اشتر کے دشمن تیرے

پیٹ میں بہت ساری چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے جس کو تو نے قتل کر دیا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال انطلقوا الی یہود فخرجنا معہ حتی جئناہم۔

مضمون حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگ مسجد میں بیٹھے تھے، اچانک

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہماری طرف، پس فرمایا کہ چلو یہود کی طرف، ہم آپ

کے ساتھ چلے گئے حتیٰ کہ آپ ان کے یہاں پہنچے، آپ نے وہاں کھڑے ہو کر ان کو پکار کر فرمایا یا معشر یہود اسئلوا تسئلوا

کہ اے یہودیو! اسلام لے آؤ تاکہ صحیح سالم رہو (اور نہ تمہاری خیر نہیں) انہوں نے یہ سن کر کہا قد بلغت یا ابا القاسم

کہ آپ نے اپنی بات ہم تک پہنچا دی ہے حضور نے پھر یہی فرمایا، انہوں نے بھی پھر وہی اس کے جواب میں کہا، اس پر آپ

نے فرمایا ذلک اربید کہ ہاں بس میں بھی یہی چاہتا تھا (کہ تم میری تبلیغ کا اقرار کرو) اور اس کے بعد پھر آپ نے یہ فرمایا:

جان لو کہ بلا شک یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور میں تم کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ کر رہا ہوں، پس جو شخص

تم میں سے اپنے مال کے بدلہ میں کچھ حاصل کر سکتا ہو۔ تو اس کو فروخت کر دے، یعنی جو مال تمہارا ایسا ہے کہ تم اٹھا کر

بیجا سکتے ہو اس کو اٹھا کر بیجاؤ، اور جس کو اٹھا کر نہیں بیجا سکتے اور اس کا عوض تمہیں یہاں مل سکتا ہو یعنی کسی خریدار

سے تو اس کو فروخت کر دو، اور اگر نہیں بیچو گے تو نقصان تم ہی اٹھاؤ گے اور یہ اچھی طرح جان لو کہ زمین تو ہماری ہے۔

بنو نضیر جو مسلمانوں کے محاصرہ پر قلعہ بند ہو گئے تھے تو وہ جلا وطنی کی شرط منظور کر کے نیچے اترے تھے اس طور پر کہ

جو سامان قابل نقل ہے اس کو تم جس طرح بھی بیجا سکتے ہو بیجاؤ، زمین جو ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے ہو چکی

ہے، چنانچہ انہوں نے منقولات کو منتقل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، دروازے اور چوکھٹے تک اتار کر ساتھ لیکے

اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے "يُخْرِفُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ،

اس حدیث میں ظاہر یہ ہے کہ یہود بنو نضیر کا ذکر ہے، سیاق روایت سے ہی ظاہر ہوتا ہے

اسلئے کہ نہ تو وہ خاص مدینہ کے اندر تھے اور نہ زیادہ فاصلہ پر تھے جس کیلئے لمبی چوڑی مسافت

طے کرنی پڑے یا سواری کی ضرورت پڑے، مختصر سی مسافت تھی جہاں پیدل چل کر پہنچ گئے جیسا کہ روایت سے مستفاد

ہو رہا ہے، لیکن اس پر۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان کا اجلاز تو سبھ میں ہوا تھا اور یہاں پر اس قصہ کے راوی حضرت

ابو ہریرہ ہیں جن کا اسلام سبھ میں ہے تو پھر ابو ہریرہ کا خروج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیسے

ہو سکتا تھا، اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے جملہ بنو نضیر مراد نہیں بلکہ ان میں سے بعض اور بقایا جو وہاں رہ گئے ہونگے

اور یا پھر یہ کہا جائے کہ حدیث مرسل صحابی ہے، مگر تقدم هذا التوجیہ فی حدیث ذی الیدین۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

باب فی خبر النضیر

ای فی بیان ما فعلوا بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وما آل الیہ امر ہم من اخراجہم واجلاہم من المدینۃ۔
اس باب میں مصنف نے وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں بنو نضیر کے نقض عہد اور غداری کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے ان پر چڑھائی کی، جس پر عاجز آکر وہ جلا وطنی کی شرط پر نیچے اترے اور
مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کیسے غدر کرنا چاہا تھا اس کا بیان آگے آئے گا۔

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کفار قریش کتبوا الی ابن ابی و من
کان یعبد معہ الاوثان من الاوس والخزرج۔

مضمون حدیث | یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ کفار قریش نے رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو کہ مشرکین
میں سے تھا اور جو اس کے ساتھ دوسرے مشرک تھے اوس و خزرج میں سے، ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ
تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اور اس کو اپنے یہاں ٹھہرایا ہے (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم تم کو خبردار
کرتے ہیں کہ یا تو تم اس کے ساتھ قتال کرو یا اس کا وہاں سے اخراج کرو، ورنہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سارے مکہ
والے تم پر چڑھائی کر دیں گے، تمہارے مقابلین یعنی مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مسباح
کریں گے جب عبداللہ بن ابی کے پاس ان کی یہ تحریر اور دھمکی پہنچی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قتال
کرنے کے لئے جمع ہونے لگے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
ان کے پاس تشریف لے گئے ملاقات کے لئے، جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ مجھے
معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس قریش کی حد درجہ کی وعید پہنچی ہے، دیکھو! یہ قریش تم کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے
جتنا تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کر رہے ہو، پھر اگلے جملہ سے آپ نے اس کی تشریح فرمائی تو یہ دونوں
ان تقات لوا ابتاء کھواخت کھ کیا تم خود اپنے ہاتھ اپنی ہی اولاد اور بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو، مطلب یہ تھا کہ
تم میں سے بعض کی اولاد اور بعض کے بھائی اور دوسرے اعزہ اسلام لا کر ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں تو اس صورت میں
مسلمانوں پر حملہ کرنا خود اپنے لوگوں پر حملہ کرنا ہے۔ آگے روایت میں ہے کہ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی یہ تقریر سنی تو وہ سب لوگ جو قتال کیلئے جمع ہو گئے تھے منتشر ہو گئے اس ساری بات کی اطلاع کفار قریش کو بھی ہو گئی، تو اب
کفار قریش نے دوبارہ تحریر لکھی اور یہ جنگ بدر کے بعد کی بات ہے، اور اس مرتبہ بجائے مشرکین کے یہود کی طرف وہ
تحریر لکھی جس کا مضمون یہ ہے کہ بیشک تم ہتھیار والے ہو قلعوں والے ہو (ایسے ہو اور ویسے ہو) یا تو تم ہمارے
آدمی کو قتل کرو ورنہ ہم تمہارا یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے اور ہمارے درمیان اور تمہاری عورتوں کے پازیبوں کے درمیان

کوئی چیز حائل نہ رہے گی، یعنی ہم ان کی عصمت دری کریں گے۔ (خدم جمع خدمۃ کی یعنی یازیب جس کو راوی کہہ رہا ہے) وہی الخلا خیل فلما بلغ کتابہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی پس جب ان کی یہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ یہاں پر یہ اشکال ہے کہ وہ تحریر تو یہود کے نام تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیسے پہنچی چنانچہ درمنثور کی روایت میں ہے فلما بلغ کتابہم الیہود، جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے فلما بلغ خبر کتابہم، اصل کتاب مراد نہیں بلکہ اس کی خبر آگے روایت میں ہے۔ اجمعت بنو نضیر بالغدر فارسلوا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أخرج الینا فی ثلاثین رجلا من اصحابک۔

بنو نضیر کا آپ کیساتھ غدروقتک کا قصہ | یعنی یہود بنو نضیر نے کفار قریش کی اس وعید پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غدرو کارا رہا کیا، یعنی آپ کے قتل کی خفیہ سازش دھوکہ دیکر، چنانچہ آپ کے سامنے بات رکھی گئی مذہب اسلام کو قبول کرنے نہ کرنے کی، وہ یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ کہلویا کہ تیس آدمیوں کو آپ لے کر چلے اور تیس آدمی ہمارے احبار علماء یہود نکلیں، اور کسی معین جگہ پر ملاقات کریں اور ہمارے احبار آپ کی بات سنیں، پس اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے مصنف نے یہ واقعہ اتنا ہی ذکر کیا، آگے کیا ہوا اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا فقط خبرہم یعنی راوی نے پورا قصہ بیان کیا، اس قصہ کو حضرت نے بذل میں سیوطی سے نقل کیا ہے وہ اس طرح کہ حسب قرار داد دونوں طرف سے تیس تیس نفر چل دیئے، یہ منظر دیکھ کر بعض یہود کو تردد ہوا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ تیس آدمی ہیں تو پھر تم ان تک کیسے پہنچ سکو گے، ان میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ سے پہلے میری موت آجائے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم سب مل کر ساتھ آدمی ہو گئے، ساتھ آدمیوں کے درمیان مسئلہ کیسے حل ہوگا، یعنی یہ بڑی جماعت ہو گئی اس میں سب کا ایک رائے پر متفق ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، لہذا آدمیوں کی تعداد میں کمی کرنی چاہیئے، بجائے تیس کے تین آپ لیں، تین ہم، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا صرف تین تین ہو گئے، لیکن ان خبیثوں نے خنجر اپنے ساتھ خفیہ طور پر لے لئے کہ فی الواقع مناظرہ مقصود نہیں تھا بلکہ دھوکہ سے قتل کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے غیب سے آپ کی حمایت کی یہ صورت پیدا فرمائی کہ ایک یہودی عورت کا بھائی مسلمان تھا اس کو اپنے بھائی کی فکر ہوئی تو اس نے چپکے سے اپنے بھائی کے پاس یہود کی اس خفیہ سازش کی خبر پہنچا دی، اس کا بھائی فوراً دوڑا ہوا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے اس بارے میں سرگوشی کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک یہود کے پاس پہنچے نہیں تھے اسلئے آپ لوٹ آئے، پھر اگلے دن آپ نے ان پر علی الصبح چڑھائی کر دی جیسا کہ یہاں روایت میں ہے۔

لے قصہ کی ضمیر راوی کی طرف راجع ہے، اور صاحب عون المعبود سے یہاں پر چوک ہوئی کہ انہوں نے اسکی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹائی۔ کذا فی البذل

فلما كان الغد عند اعلیهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالكتائب فحضرهم، سارے دن ان سے قتال ہوا اور پھر اگلے روز علی الصباح بنو قریظہ پر آپ نے چڑھائی کی، اور بنو نضیر جو قلعہ بند ہو گئے تھے ان کو اسی حال میں چھوڑا، اور بنو قریظہ کے سامنے آپ نے معاہدہ کی بات رکھی وہ معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے، لہذا آپ وہاں سے لوٹ آئے اور اگلے روز پھر بنو نضیر کی طرف متوجہ ہو گئے قتال کے لئے، حتیٰ نزلوا علی الجلاء فجلت بنو النضیر ای الی الشام وبعضہم الی خیبر، اور اپنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے گئے، دروازے اور ان کی لکڑیاں تک۔ آگے راوی کہہ رہا ہے کہ: نکان نخل بنی النضیر لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة، آگے جو روایت کا مضمون ہے وہ ہمارے یہاں پہلے گزر چکا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یہود النضیر وقریظۃ حاربوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔ اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اس روایت کے اخیر میں یہ ہے کہ مدینہ میں جتنے یہودی تھے بنی قینقار (قوم عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یہود بنو حارثہ اور ہر اس یہودی کو جو مدینہ میں تھا آپ نے سب کو مدینہ سے نکال دیا۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم قال المنذری۔

باب ماجاء فی حکم ارض خیبر

باب متعلق مباحث اربعہ مفیدہ | ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث کو سمجھنے کے لئے بطور تمہید چند امور کا جاننا ضروری ہے (۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اور خیبر کو کیسے فتح کیا صلحا یا عنوة (۲) فتح کے بعد ارض خیبر کو کیسے تقسیم فرمایا (۳) ارض مفتوحہ کا حکم کیا اس کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری (۴) ارض خیبر عشری ہے یا خارجی، کونسی زمین عشری ہوتی ہے اور کون سی خارجی، یہ سب اہم علمی مباحث ہیں اب ہم ان امور کو ترتیب وار بخون اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں وہو الموفق والمیسر۔

بحث اول: گذشتہ روایات کے ضمن میں یہ آچکا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اخراج الیہود من المدینہ سے فارغ ہو گئے تو پھر شام میں آپ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے ان کے ساتھ قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی نوبت آئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں نے یہود کو زیر کر کے خیبر کو فتح کر لیا، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پورا خیبر عنوة فتح ہوا یا بعض صلحا، اس کی بحث اس باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں آرہی ہے۔

بحث ثانی: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصف ارض خیبر کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا، کتاب الجہاد میں مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت گزر چکی، اور آگے یہاں بھی آرہی ہے اس میں تقسیم کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ مجاہدین کی کل تعداد پندرہ سو تھی جس میں بارہ سوار اہل اور تین سوار اس تھے، اور چونکہ فارس کا حصہ عند تحقیق دو گنا

ہوتا ہے اسلئے تین سو فارس تھیں سو راجل کے برابر ہو گئے بارہ اور چھ کل اٹھارہ ہوئے تو اس نصف ارض کو آپ نے اٹھارہ سہام پر تقسیم فرمایا، ہر سہم مشتمل تھا سو حصوں پر، اور جس روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ نے ارض خیر کو چھتیس سہام پر تقسیم فرمایا وہ بھی اپنی جگہ درست ہے یعنی مجموعہ زمین کے اعتبار سے، اور نصف ارض کو آپ نے اپنی اور اپنی ازواج اور مصاح مسلکین کے لئے باقی رکھا۔

بحث ثالث: ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الشافعی ضروری ہے اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ ایقاف ضروری ہے یعنی اس کی آمدنی بیت المال میں رہے گی اور مصاح مسلکین میں اس کو صرف کیا جائے گا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کی تقسیم اور عدم تقسیم علی رأی الامام ہے اس کو دونوں کا اختیار ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ایقاف اور ترک تقسیم تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تقسیم اور عدم تقسیم دونوں کا ثبوت ہے، لہذا حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، اسی طرح امام مالک کے مسلک پر بھی۔ کوئی خاص اشکال نہیں کیونکہ آپ سے دونوں طرح ثابت ہے، البتہ حضرت امام شافعی کے مسلک پر اشکال ہوگا عمل عمر سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لم یقسم عمر برضا الغائبین یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمین کو تقسیم نہیں فرماتے تھے غائبین کی اجازت اور ان کی رضا مندی سے، لیکن اس جواب پر اشکال ہے چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں: ولا یصح ان یقال انہ استطاع

لہ اور اگر فارس کے لئے تین سہام ہوتے کما قال الائمة الثلاثة۔ والصحاحان، تو پھر اس کا مقتضی یہ تھا کہ ارض خیر کو اکیس سہام پر تقسیم کیا جاتا یہ بحث کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے۔

ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث ائمہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ اور ان کے بعد ائمہ کی رائے یہ ہے کہ ارض مفتوحہ غنائم میں داخل ہی نہیں ہے، چنانچہ خلفاء راشدین کا طرز عمل یہی رہا ہے اسی لئے حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے جب حضرت عمر سے مطالبہ کیا اس بات کا کہ وہ زمین جس کو انہوں نے غنوة فتح کیا ہے وہی ارض الشام و ما حولہا کو اس کا خمس نکال کر باقی کو تقسیم کر دیجئے تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ خمس نکال کر باقی کو تقسیم کرنا مذہب میں داخل نہیں ہے اسلئے میں تو اس کو روک کر رکھوں گا تم اور سب مسلمانوں کی ضروریات کے لئے، لیکن اس کے بعد بھی حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے تقسیم ہی پر اصرار کیا تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا: اللہم الکفنی بلا لاؤذوہ، باقی تمام صحابہ کو حضرت عمر کی اس رائے سے اتفاق ہوا، پھر آگے ابن قیم نے حضرت عمر کی اس رائے کی بہت زیادہ تعریف اور اس کے ثمرات و فوائد لکھے، حضرت عمر کے اس طرز پر حضرت بلال وغیرہ بعض صحابہ کی ناگواری کی طرف اشارہ حضرت عمر کے کام میں صحیح بخاری کی روایت میں بھی موجود ہے، اس کی ایک طویل حدیث میں ہے وایم اللہ انہم لیرون انی قد ظلمتہم الحدیث۔ (بخاری کتاب الجہاد ص ۲۳۳) باب اذا سلم قوم فی دار الحرب الذی اوفی الہدایۃ اذا فتح الامام بلاداً غنوة فہو بالخیار ان شارقبہا ین المسلمین کما فعل علیہ الصلاۃ والسلام بخیرہ دان شار اقرار صلی اللہ علیہ وسلم علی اراضہم الخراج کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسواد العراق بموافقة من الصحابة، وفي العقار خلافاً للشافعی، الی آخرہ۔ من ہامش البذل مختصراً۔

نفوسہم ووقعہا برضاہم فانہم قد نازعوا فی ذلک وہو یابی علیہم ودعا علی بلال واصحابہ، یعنی حضرت بلال اور ان کے بعض ساتھیوں کو حضرت عمر نے جب وہ فعل عمر پر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے ان کو بددعا بھی دی۔

بحث رابع: زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے اعتبار سے جو تفصیل ہے وہ اس طرح ہے مزید تفصیل کیلئے مطولات کی طرف رجوع کیا جائے حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس کے بارے میں بہت سی کتب کے حوالے اور کچھ عبارات درج ہیں۔ صاحب بدائع نے بھی اس پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے

جاننا چاہیئے کہ ارض کی اولاد دو قسمیں ہیں مفتوحہ اور غیر مفتوحہ، غیر مفتوحہ سے مراد وہ زمین جس کو فتح کرنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ اس کے باشندگان خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے جیسے ارض یمن و مدینہ و طائف و بحرین، یہ قسم ثانی زمین کی عشری ہے، اور قسم اول یعنی ارض مفتوحہ اس کی پھر دو قسمیں ہیں ارض عنوہ، و ارض صلح، عنوہ: جس کو قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض عراق و مصر و شام و خیبر، اور دوسری وہ ہے جس کو خراج معین پر صلح کر کے فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض بخارا، اس قسم ثانی کا حکم یہ ہے کہ جس چیز پر ان سے صلح ہوئی بس وہی ان سے لیا جائے گا، وہی اس کا خراج ہے اور قسم اول یعنی ارض عنوہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کو غنائم کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو جیسے نصف ارض خیبر اور دوسری وہ جس کو فتح کے بعد کفار سے نہ لیا گیا ہو بلکہ ان ہی پر چھوڑ دیا گیا ہو جیسے باقی نصف ارض خیبر اور اسی طرح ارض عراق وغیرہ ان دو میں سے اول عشری ہے اور دوسری خراجی (ملخصاً من البدائع)

نیز بدائع میں لکھا ہے کہ تمام ارض عرب عشری ہے جس سے مراد ارض حجاز و تہامہ و یمن اور مکہ مکرمہ و طائف ہے، اور یہ زمین عشری اس لئے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج وصول نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عشری ہے اس لئے کہ زمین احدی المؤمنین سے خالی نہیں ہوتی یا اس سے عشر وصول کیا جائے گا یا خراج۔

اراضی ہند عشری ہیں یا خراجی؟ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اراضی ہند کیا ہیں عشری یا خراجی؟ اس کے بارے میں فتاویٰ رشتہ میں اس طرح ہے، مسئلہ: ہمارے یہاں کی ارضیات عشری ہیں یا خراجی ہیں؟

لے نصاریٰ بخران سے مصالحت کپڑے کے دو ہزار جوڑوں پر ہوئی تھی جیسا کہ آگے باب فی اخذ البحرۃ میں آ رہا ہے صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بخران علی انہی حلۃ، النصف فی صفر والنصف فی وجب یؤدوہا الی المسلمین الحدیث۔ لے ایسے ہی مکہ مکرمہ کی زمین بھی کیونکہ مکہ مکرمہ کو عنوہ فتح کیا گیا اور اس کی زمین کو اسکے ارباب پر چھوڑ دیا گیا، غنائم میں تقسیم نہیں کیا گیا، لہذا قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ خراجی ہو لیکن چونکہ خراج میں صفار یعنی ذلت کے معنی پائے جاتے ہیں جو مکہ کی شان کے خلاف ہے اسلئے اس کو خراجی نہیں قرار دیا گیا، ارض مکہ کے بارے میں آگے مستقل باب ہمارے

اور عملداری جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: ارضیات ہند بعضی عشری میں بعضی خراجی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد غنی عنہ۔
نیز اس میں یہ سوال وجواب بھی مذکور ہے، مسئلہ: یہاں زمینوں میں سرکاری جمعیت اور معانی بھی ہیں، لہذا ایسی زمینوں میں
عشر ہے یا نہیں؟ الجواب: زمین معانی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو، محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر
کافی نہیں ہو سکتا، پس اگر زمین عشری ہے تو عشر ادا کرنا جدا چاہیے، اور اگر خراجی ہے تو خراج اس کا مالگذاری سرکاری میں
محسوب ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت گنگوہی کی رائے | حضرت گنگوہی کے جواب میں تو اجمال ہے کہ ہندوستان کی بعض زمینیں عشری ہیں اور

بعض خراجی، اب یہ کہ کونسی عشری ہیں اور کونسی خراجی اس کے جاننے کے لئے دوسری
کتب فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، خود فتاویٰ رشیدیہ میں جو عشر و خراج کے مسائل مذکور ہیں اس سے بھی اس میں
استفادہ ہو سکتا ہے آگے عرف الشذی سے حضرت گنگوہی کی مزید رائے آرہی ہے، فتاویٰ محمودیہ ج ۳ میں یہ سوال جواب
مختلف انداز میں مفصل و مجمل مختلف زمانوں کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر سے مجموعہ ہی کو دیکھنے سے اس میں بعضیت حاصل
ہو سکتی ہے، بہر حال ایک جگہ (ص ۱۷۷) میں اسی سوال کے جواب میں کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی اس طرح تحریر
فرمایا ہے: جوز زمینیں بادشاہ اسلام کے وقت سے مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جوز زمینیں اس وقت
مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بنا بر استحباب حال ان پر قبضہ مسلم
ستمران کران کو بھی عشری قرار دیا جائے گا حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہو سکتا ہے لیکن عشر کے حق میں
محسوب نہیں ہو سکتا، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵۵ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی موتوں عشر و خراج سے مستثنیٰ
کر دیا ہے..... حکومت اگر ارض عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ
حکومت مصرف زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور
۱۸/۴/۱۳۵۸ھ، الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۵)

مولانا انور شاہ صاحب کی رائے | اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے عرف الشذی ص ۲۷ میں یہ
تحریر ہے کہ اراضی ہند میں عشر واجب نہیں اس لئے کہ وہ دارالحرب کی اراضی ہیں

ہكذا حصل لی من کتب الفقہ، اور آگے دارالحرب کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ دارالحرب وہ مقام ہے کہ جس میں فصل الامور یعنی
خصومات و مقدمات کا فیصلہ کفار کے ہاتھ میں ہو (یعنی کفار کے قانون کے موافق چاہے فیصلہ کرنے والے مسلمان ہوں) اور
وہ جو بعض لوگوں نے دارالحرب کی تعریف یہ کی ہے کہ دارالحرب وہ ملک ہے جس میں مسلمانوں کو ادار فرض صوم و صلوة سے
روکا جاتا ہو، یہ صحیح نہیں اور اس تعریف کی کوئی اصل نہیں اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف میں

ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی، بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی اراضی بیت المال والمملکت، اور میں نے سنا ہے کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس شخص کی ملک میں اس وقت جو زمین ہے اور اس شخص کے علم میں یہ بات نہیں کہ اس کی یہ زمین کفار کی طرف سے منتقل ہو کر آئی ہے تو اس پر عشر واجب ہے اھ، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے چنانچہ فتاویٰ محمودیہ ص ۴۴ میں ایک سائل کا سوال ہے: اراضی ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، الجواب: حامداً ومصلياً: علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج ہمیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے جو خلیفہ خاص تھے حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ اراضی ہند ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اور ان کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے، مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیف، اسلام کا اقتصادی نظام، کے اخیر میں اس مسئلہ پر کئی قدر تفصیل سے لکھا ہے، بہت سے علماء اور فتاویٰ کی عبارتیں اس میں درج ہیں۔

اب ان تہمیدی امور کے جاننے کے بعد حدیث الباب کو لیجئے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قاتل اہل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجأہم الی قصوہم فصالحوہ علی ان لوسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المصراۃ والبیضاء والحلقة، ولہم ما حملت رکابہم۔

غزوہ خیبر کا بیان اس حدیث میں غزوہ خیبر اور فتح خیبر کا بیان ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ قتال کیا، اور ان کی زمینوں اور باغات پر غلبہ پالیا اور ان کو مجبور کر دیا قلعہ بند ہونے پر، قلعہ میں محصور ہونے کے بعد انہوں نے آپ سے ان شرائط پر مصالحت کی کہ جو کچھ ہمارے پاس سونا چاندی اور اسلحہ ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہے اور ان کے لئے وہ سامان ہوگا جس کو وہ منتقل کر سکیں اس طور پر یہ صلح ہوئی کہ کسی چیز کو (سونا چاندی وغیرہ) چھپائیں گے نہیں اور اس کو غائب نہیں کریں گے، اور اگر انہوں

لے اس کے بعد یہ ہے مختصر عرض یہ ہے کہ جو زمین ملک مسلم نہ ہو جیسا کہ فاتمہ زیندار کی بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے انہیں عشر واجب نہیں، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ لے اس سے معلوم ہوا کہ یہ باب بہت اہم ہے اسی لئے اسکے واسطے اتنی لمبی تہمید کی ضرورت پیش آئی، دراصل یہ کتاب الخراج والفی ساری ہی بہت مشکل اور اہم ہے اسکے سمجھنے کیلئے بندہ کو بہت محنت کرنی پڑی، احقر کی توسلطا ہی کیا ہے، حضرت مولانا تھانوی نور اللہ تعالیٰ مرقہ نے سورہ ہشر کی ان آیات کی تفسیر کے بعد جن میں اموال فی کا حکم مذکور ہے یہی تحریر فرمایا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ مقام مثل سورہ براۃ کے احقر کو بہت دشوار معلوم ہوا تھا یہ احادیث و کتب فقہ کی مراجعت کے بعد غایت جدوجہد سے جو کچھ میں آیا وہ لکھا گیا یہاں بھی عرض ہے کہ اگر اس احسن اور اقلن تفسیر ممکن ہو تو اس کو ترجیح دیجائے اھ ۱۲۳ ج ۱۱

نے ایسا کیا تو پھر ان کے لئے کوئی عہد اور ذمہ نہ ہوگا۔ فقہیہاؤں کا لکھنا کہ بنی اخطب قد کان قتل قبل خیبر کان احملہ معہ بنی النضیر حین اجلیت النضیر فیہ خلیفہم، یعنی انہوں نے خلاف معاہدہ حی بن اخطب کا چمڑہ کا مشکیزہ جس میں ان کے زیورات اور سونا چاندی تھے اس کو غائب کر دیا، لکھا ہے کہ اس کے اندر دس ہزار دینار کے بقدر سونا تھا، یہ حی بن اخطب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ ہی تو ہے بنو قریظہ کا سردار، تو چونکہ اپنی قوم کا چودھری تھا اسی لئے غالباً پوری قوم کے زیورات وغیرہ اس کے پاس محفوظ ہوں گے، راوی کہہ رہا ہے کہ یہ ابن اخطب خیبر سے پہلے ہی مارا گیا تھا، چونکہ بنو قریظہ میں سے تھا اسی لئے ان کے ساتھ شہر میں قتل ہو گیا ہوگا، جنگ بنو نضیر جو اس سے ایک سال پہلے ہوئی ہے جب ان کا اجلاز کیا جا رہا تھا اس وقت اس نے وہ مشکیزہ اٹھالیا تھا، روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعید (اسم یہودی) سے دریافت فرمایا کہ حی بن اخطب والا مشکیزہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا اذہبتہ الحروب والنفاقات، یعنی لڑائیوں اور دوسری ضروریات میں خرچ ہو گیا لیکن بعد میں وہ مل گیا تھا جیسا کہ روایت میں مذکور ہے، فقتل ابن ابی الحقیق، یعنی آپ نے ابن ابی الحقیق (جو کہ قبیلہ بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھا اور حضرت صفیہ کا سابق شوہر بھی ہی تھا) اس کو قتل کیا اور ان کی خورتوں اور بچوں کو قید کیا، پھر جب ان یہودی خیر کے مردوں کے اخراج کا آپ نے ارادہ فرمایا تو انہوں نے کہا: یا محمد ذننا نغفل فی هذه الارض، یہ مضمون ہمارے یہاں کہیں گذر چکا یعنی یہودی خیر نے آپ سے بڑی کجاجست کیسا تمہارے عرض کیا کہ بیشک اب ان سب زمینوں کے آپ مالک ہیں لیکن کاشتکاری آپ لوگوں کے بس کی نہیں ہے آپ ہمیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں تاکہ ان زمینوں میں کھیتی اور باغات کی خدمت ہم کریں اور ان کی پیداوار میں سے نصف ہماری ہو جائے اور نصف آپ کی، آپ نے ان کی اس رائے کو اس شرط کے ساتھ کہ جب ہم چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج کر دینے منظور فرمایا۔ وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعطی کل امرأۃ من نسائہ ثمانین وسقاً من تمر وعشرین وسقاً من شعیر، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غنائم خیبر کے خمس سے اپنی ہر زوجہ کو سالانہ نفقہ انسی وسق تمر اور بیس وسق شعیر عطا فرماتے تھے، اور اگلی روایت میں شوہر وسق تمر کا ذکر ہے، تو ہو سکتا ہے شروع میں ثمانین ہو اور بعد میں ایک تنوکر دیا ہو، اور یا یہ کہیے کہ احد العدیین کا ذکر بالتحقیق (تقریبی) اور دوسرے کا بالتحقیق ہے، یا یہ کہ کسی سال یہ مقدار اور کسی سال وہ مقدار، پیداوار کی کمی زیادتی کے لحاظ سے۔

خیبر کی فتح عنوة ہے یا صلحاً اس روایت کے شروع میں تصریح ہے اہل خیبر کے ساتھ قتال کی اور یہ کہ انہوں نے مجبور ہو کر آپ سے مصالحت کی، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ اس کو فتح صلحاً نہیں کہا جائے گا گو صورتہ لفظ صلح مذکور ہے حقیقتہً یہ بھی فتح عنوة ہی ہے، میں کہتا ہوں ویسے مسئلہ فی نفسہ مختلف فیہ ہے آگے ایک روایت میں تصریح آرہی ہے، عن ابن شہاب ان خیبر کان بعضہا عنوة وبعضہا صلحاً والکتابۃ اکثہا عنوة وفيہا صلح اور ایک روایت میں آگے صرف عنوة بھی آرہا ہے اسی لئے ایک جماعت امام طحاوی، امام شافعی

اور یہی کہ رائے یہی ہے یعنی بعضہا صلحا و بعضہا عنوة اور پھر اس پر ایک اختلافی مسئلہ بھی متفرع ہے وہ یہ کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک ارض مفتوحہ عنوة کی تقسیم ضروری ہے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نصف ارض خیبر کو تقسیم فرمایا، تو اس کا جواب امام شافعی یہی دیتے ہیں کہ جو نصف خیبر عنوة فتح ہوا تھا اس کو آپ نے تقسیم فرمادیا اور نصف باقی جو صلحا فتح ہوا تھا وہ مال فی ہوا اس کو آپ نے تقسیم نہیں کیا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ارض مفتوحہ کی تقسیم ہی ضروری نہیں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسی فعل سے استدلال کرتے ہیں: وقد تقدم هذا الاختلاف في اول الباب وهو البحث الثالث، حضرت نے بعضہا صلحا پر لکھا ہے لعل المراد بالصلح على ان يخرجهم (مستی شاء لانی الحال) و یحقق دماہم ولیس هذا بالصلح الا اصطلاحی بل ہوا یضاح عنوة، اس پر حضرت شیخ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں: وبہ جزم ابن قیم فی الہدی وتبعہ ابن الہمام فی الفتح ۴ ص ۳۲۰۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان عمر قال يا ايها الناس ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان عامك يهود خيبر على ان يخرجهم اذا شئنا ومن كان له مال فليدحق به فاني اخذ يهود فافخر بهم۔
مضمون حدیث یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز یہ اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر سے یہ معاملہ کیا تھا کہ جب ہم چاہیں گے تم کو نکال دیں گے حضرت عمر فرماتے ہیں: میں اب یہود کو نکال رہا ہوں لہذا جس شخص کی زمین یا باغ کسی یہودی کے پاس ہو تو وہ اس کو جا کر اس سے لے لے اور اپنی چیز کو سنبھال لے، چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت عمر نے ان کا اخراج فرمادیا، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ حضرت عمر نے ازواج مطہرات کے پاس ایک مستقل آدمی بھیجا کہ تم میں سے جو یہ چاہے کہ جتنی مقدار غلہ اور تمر کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو عطا فرماتے تھے وہ میں اس کے پاس بھیج دیا کروں اور جو یہ چاہے کہ اس کے بقدر کاشت کی زمین اور کھجوروں کے درخت اس کو دیدوں تو میں ایسا کروں، اس پر بعض نے تو اؤناساق غلہ و تمر کو اختیار کیا اور بعض نے زمین کو، و کانت عائشة منہا ای من اخذ الارض والنخل۔

اگلی روایت میں آ رہا ہے: وكان التمر يفسخ على الشهمان من نصف خيبر وياخذ رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخمس۔ یعنی نصف خیبر کی تمر کی تقسیم حسب حصص ہوتی تھی، اور آپ بھی اپنا حصہ ایک خمس لیتے تھے اس نصف خیبر سے مراد وہ نصف ہے جس کو آپ نے غانمین کے درمیان تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنے نواب کے لئے رکھ چھوڑا تھا اور جو نصف تقسیم کر دیا تھا وہ تو ظاہر ہے کہ غانمین کی ملک ہو گیا، نیز اس تقسیم سے مراد تقسیم فی مصارف النبی ہے نہ کہ تقسیم علی الغانمین کیونکہ یہ نصف مال فی تھا (علی قول) والحدیث اخرجه مسلم، قال المنذرى۔

لہ یعنی فتح صلحا تو یہ ہے کہ قتال کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر قتال پیش آنے کے بعد عاجز ہو کر صلح کیجائے تو یہ فتح صلحا نہیں ہے بلکہ عنوة ہی ہے۔ ۱۱۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه فاصبناها عنة.

اس روایت میں صلح کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلقاً یہ ہے کہ خیبر کو عتوة فتح کیا۔

والحیث اخبرنا البخاری ومسلم والنسائی، باتم منہ، قالہ المنذری۔

قسمہا بینہم علی ثمانیۃ عشر سہما اور اس کے بعد والی روایت میں ہے، قسمہا علی ستۃ وثلاثین سہما۔

پہلی روایت میں جیسے اٹھارہ سہام کا ذکر ہے وہاں نصف ارض کی تقسیم مراد ہے اور اس دوسری روایت میں کل زمین کی تقسیم مراد ہے، اور اس سب کی تفصیل ابتدائی مباحث میں گذر چکی۔

فغزل نصفها للنواثبة وما ينزل به الوطیحة والكتيبة (رواية السلاطین) وما أحیز معهما۔

شرح الحدیث یعنی نصف ارض خیبر کو اپنی ضروریات اور جو و فود اور مہمان وغیرہ آپ کے پاس آتے تھے ان کیلئے روک لیا اور یہ و طیحہ اور کتیبہ جو کہ زمینوں کے نام ہیں یہ اسی نصف کا مصداق ہیں جس کو آپ نے تقسیم

نہیں کیا، وما أحیز معهما کا مطلب ہے کہ خوزمینیں و طیحہ و کتیبہ سے ملحق تھیں الشق والنظارة وما أحیز معهما، یہ وہی زمینیں ہیں جو آپ نے غامین کے درمیان تقسیم فرمادی تھیں، آگے راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ان زمینوں میں تھا جو ملحق بالشق والنظارة تھیں، آگے وہ مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت ہے جو کتاب الجہاد میں بھی گذر چکی۔ اسی لئے اسی کو ہم یہاں ذکر نہیں کرتے۔

بقیت بقیۃ من اهل خیبر فتح حصنوا۔ یعنی بعض حصون خیبر کو تو آپ نے فتح فرمایا اور بعض فتح سے باقی رہ گئے

اس سے مراد و طیحہ اور سلاطین ہیں۔ تو ان بقیہ کے یہودی ان قلعوں میں جان بچانے کیلئے داخل ہو گئے (تحقق العدوی دخل فی الحصن) اور قلعہ میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہماری جانوں کو محفوظ کر کے ہمیں یہاں سے چلتا کر دیں، آپ نے اسکو منظور فرمایا، جب اہل فدک کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی آپ سے اسی طرح صلح کا معاملہ کر لیا، فكانت لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة اس کا تعلق ظاہر سیاق کے پیش نظر فدک اور بقیۃ من اهل خیبر دونوں سے ہے اور اس تاہید ہوتی ہے ان حضرات کی جو فتح خیبر کے بارے میں بعضہا عتوة وبعضہا صلح کے قائل ہیں ہنم الامام الطحاوی، لیکن حضرت نے اس، کانت، کا تعلق صرف فدک سے قرار دیا ہے ولہ وجہ ایضاً اسلئے کہ اقرب وہی ہے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ خیبر میں تو جنگ کا سلسلہ قائم تھا اور فدک میں نہیں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال ابو داؤد وقرئ علی الحارث بن مسکین وانا شاهد۔

مصنف کا حارث بن مسکین سے روایت کرنیکا طرز یہ حارث بن مسکین والی سند نسائی میں بکثرت آتی ہے وہاں بھی اسی طرح آتا ہے، "قرارة علیہ وانا سمع" اور یہاں ابو داؤد میں بھی

تقریباً اسی طرح ہے، نسائی میں چونکہ بکثرت آتا ہے اسلئے اسی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حارث بن مسکین کو امام نسائی سے کچھ کہہ دیتا تھا جس کی وجہ سے امام نسائی مجلس میں ان کے سامنے نہ بیٹھتے تھے بلکہ چپکے سے کونہ میں بیٹھ کر سن لیتے تھے، اسی لئے امام نسائی جب ان سے روایت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں، مجھے اس پر یہ ظن ہوتا ہے کہ اگر امام نسائی کی اس تعمیر کی یہی وجہ ہے تو کیا حارث بن مسکین امام ابو داؤد سے بھی ناراض تھے، اس پر اور مزید کلام الفیض السانی علی سنن النسائی کے مقدمہ میں کیا گیا ہے۔

قلت لعمالک: وما الکتیبۃ؟ الخ امام مالک کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ کتیبہ جس کا ذکر روایت میں ہے یہ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خیبر کے ایک باغ کا نام ہے جس میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔

عن ابن شہاب قال ختم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر ثم قسمہ سائرہا علی من

شهدہا ومن غاب عنہا من اہل الحدیبیۃ،

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غنائم خیبر میں سے خمس نکال کر باقی اربعہ اخماس کو جو جنگ خیبر میں شریک تھے اور جو غائب تھے اہل حدیبیہ میں سے سب کے درمیان تقسیم فرمایا۔

من اہل الحدیبیۃ، اس لئے راوی نے کہا کہ جنگ خیبر میں شرکت کرنے والے سارے کے سارے وہ اہل حدیبیہ ہی تھے وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ جب غزوہ حدیبیہ سے مدینہ لوٹے تو مدینہ پہنچتے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کے ایما سے فتح خیبر کے لئے اپنے جملہ ہمراہیوں کے ساتھ چل دیئے، پھر اس روایت میں یہ ہے کہ ان میں سے جو صحابہ آپ کے ساتھ فتح خیبر میں شریک تھے آپ نے ان کا بھی حصہ لگایا اور جو غائب تھے ان کا بھی، بذل میں تاریخ خمیس سے نقل کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان غائبین میں سے ہیں جن کا آپ نے حصہ لگایا، اسی طرح بعض وہ صحابہ جو حبشہ سے واپس مدینہ آئے اور پھر خیبر پہنچے بعد الفراغ عن القتال یعنی حضرت جعفر اور ان کے اصحاب من اہل السفینۃ (مکا تقدم فی کتاب الجہاد) ان کا بھی آپ نے حصہ لگایا صحابہ کی رضامندی سے۔ (بذل)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لولا اخر المسلمین ما فتحت قریۃ الا قسمتها کما قسم رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر۔

ارض مفتوحہ کے بارے میں حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کا اگر مجھے خیال نہ ہوتا اور ان کی رعایت ملحوظ نہ ہوتی تو ہر قریہ کو فتح کے بعد اس کو خائنین کے درمیان تقسیم کر دیا کرتا جس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا (مگر چونکہ بعد میں آنے والوں کی رعایت ملحوظ تھی اس لئے تقسیم نہیں کرتا) اسلئے کہ زمین تقسیم کے بعد تو اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور آگے اس میں میراث وغیرہ جاری ہوتی ہے، حاجت اور عدم حاجت کا وہاں کوئی لحاظ نہیں ہوتا، بخلاف انفا

کے کہ اس صورت میں زمینوں کی آمدنی بیت المال میں محفوظ رہتی ہے اور پھر ہمیشہ حسب حاجت حاجتمندوں کو ملتی رہتی ہے یہی مطلب ہے حضرت عمر کے اس ارشاد کا جزاء اللہ تعالیٰ عنہ الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔
در اصل بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقسیم کا مطالبہ کیا تھا تو اسی موقع پر حضرت عمر نے عدم تقسیم کی معذرت میں اس طرح کی بات فرمائی تھی، یہ مضمون ابھی قریب میں ہمارے یہاں گذر بھی چکا۔
والحدیث سکت علیہ المنذری وقال الشیخ محمد عوامہ: اخرجه البخاری۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس باب اور اس کی احادیث پر کلام پورا ہوا، جس پر بندہ کو بہت محنت کرنی پڑی واللہ الموفق وہو المیسر۔

باب ماجاء خبر مکة

فتح مکہ کے بعد ارض مکہ کیسا تھا
آپ نے کیا معاملہ فرمایا
یعنی فتح مکہ کا قصہ اور بیان، مکہ کی فتح عند الجہور عنوة ہوئی ہے، اور امام شافعی کی رائے میں صلحا فتح ہوا ہے، ارض مکہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غائبین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اس کو وہیں کے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اس کی علو شان اور دار النشک ہونے کی وجہ سے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الجہور لازم بھی نہیں ہے، لیکن امام شافعی کے یہاں ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے، مگر ان کے مسلک پر بھی اشکال اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ ان کے نزدیک مکہ مکرمہ کی فتح صلحا ہے، ان کے نزدیک تقسیم تو اس زمین کی واجب ہے جو مفتوحہ عنوة ہو، اب رہی یہ بات کہ ارض مکہ خراجی ہے یا عشری؟ اس کے بارے میں پہلے گذر چکا ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ خراجی ہو لیکن مکہ کے علو شان کی بنا پر خلاف قیاس اس کو خراجی قرار نہیں دیا گیا۔

یہاں ایک بحث اور ہے جو کتاب الحج میں الانبی للہ بمعنی بیتا الحدیث کے تحت گذری ہے وہ یہ کہ ارض حرم موقوف ہے یا ملوک؟ اور اس میں علماء کا اختلاف بالتفصیل گذر گیا، فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام الفتح جاءہ

العباس بن عبد المطلب بابی سفیان فاسلم بسم الظہران۔

باب کی یہ پہلی روایت تو مختصر ہے، یہی حدیث دوسرے طریق سے اس کے بعد آ رہی ہے، اس میں تفصیل ہے۔

مضمون حدیث در فتح مکہ مکرمہ
مضمون حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۃ الفتح کے سفر میں مرا الظہران میں پہنچے

جو کہ مکہ مکرمہ کے قریب ہے تو میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں یہ سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس لشکر کیساتھ اسی حال میں عنوة داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ سے امن طلب کرنے

کے لئے نہ آئے تو پھر اس میں قریش کی یقیناً ہلاکت ہے، وہ فرماتے ہیں میں اسی فکر میں تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہو کر ادھر ادھر کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو اپنی کسی ضرورت سے مکہ جا رہا ہو پس وہ جا کر اہل مکہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پہنچنے کی خبر کر دے تاکہ اہل مکہ یہاں آپ کی خدمت میں آکر آپ سے امن طلب کر لیں، میں اسی تلاش میں تھا کہ اچانک میں نے ابوسفیان اور بديل بن ورقاء کے بات کرنے کی آواز سنی (یہ دونوں آپ ہی کی خدمت میں مدینہ طیبہ آئندہ کیلئے صلح یا حرب ہی کی بات کر چکے تھے) کمافی الطبرانی جب میں اسکی آواز سنی تو میں کہا یا ابا حنظلہ! اس نے میری آواز پہچان لی، فوراً بولا ابو الفضل یعنی کیا تم ابو الفضل ہو (دونوں کا ابھی تک آمناسا منانا نہیں ہوا تھا) میں نے کہا ہاں، وہ بولا کیا بات ہے میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں، عباس کہتے ہیں: میں نے کہا: ہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس، میں نے کہا قریب ہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھ مجمع موجود ہے، وہ بھی سن کر گھبرا گیا اور کہا فمنا الحیلۃ، آگے روایت میں یہ ہے حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور بديل جو تھا وہ مکہ لوٹ گیا، جب صبح ہوئی تو میں ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور وہ اسلام لے آیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایسا شخص ہے جو فخر کو پسند کرتا ہے (شیخی باز ہے) لہذا آپ اس پر کچھ کرم فرمائیے، یعنی اس کو کوئی ایسی چیز عطا فرمادیجئے جو اس کے لئے موجب فخر ہو، تو آپ نے فرمایا اچھا، اور پھر فرمایا مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سَفْيَانَ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ مِنْهُمْ، اہل مکہ میں سے جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ ہماری طرف سے مامون ہے، اور ایسے ہی اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے باہر نہیں نکلے گا۔ وہ بھی مامون ہے، اس پر لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے اور بعض مسجد حرام میں۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی ہے۔ وَمَنْ الْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ مِنْهُمْ وَعَمَدَ صَنَادِيدَ قُرَيْشٍ فَدَخَلُوا الْكَعْبَةَ فَغَضَّ بِهَمٍّ۔ کہ اس اعلان پر سرداران قریش کعبہ میں داخل ہو گئے، کعبہ اُن سے پُر ہو گیا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا، خلف المقام دو گانہ طواف ادا کیا، اس کے بعد آپ بیت اللہ کے دروازہ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اس پر وہ سب لوگ اندر سے نکل کر آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کی۔

سَأَلَتْ جَابِرًا هَلْ غَنِمُوا يَوْمَ الْفَتْحِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا۔ یعنی اس فتح مکہ میں مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت حاصل نہیں ہوا

لے اور خود حضرت عباس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہجرت کی نیت سے مکہ سے نکل چکے تھے، چنانچہ انکی ملاقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے راستہ میں حنفہ ذوالحلیفہ میں ہوئی جبکہ آپ فتح مکہ کیلئے جا رہے تھے تو پھر حضرت عباس بھی آپ کیساتھ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور اپنے اہل و عیال کو مدینہ بھیج دیا (بذل القوة فی حوادث سنی النبوة ص ۲۲)

اسلئے کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آئی ہی نہیں، گو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کے انتظامات اور تیاری اسی طرح ہوئی جس طرح جنگ میں ہو ا کرتی ہے مگر وہ لوگ کھل کر مقابلہ پر آئے نہیں اور اگرچہ ان کی جانب استیمان بھی نہیں پایا گیا تاکہ یوں کہا جاسکے کہ صلحی فتح ہوا مسلمانوں کے لشکر کے بعض دستوں کے ساتھ کسی قدر مقابلہ کی نوبت آئی اور احترام مکہ میں ان کے ساتھ بہت رو رعایت کا معاملہ کیا گیا پھر مال غنیمت کہاں حاصل ہوتا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما دخل مکة سترح الزبیر ابن العوام وابا عبیدۃ بن الجراح وخالد بن الولید علی الخیل۔

ابو داؤد کی اس روایت میں اختصار ہے، مسلم کی روایت اس میں مفصل ہے، مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کے اندر داخل ہوئے تو چوں کہ مکہ کے اندر داخل ہونے کے راستے

متعدد تھے اور سب راستوں کی ناکہ بندی کرنی تھی اسلئے آپ نے لشکر کے متعدد دستے بنا لئے ان دستوں میں بعض سوار تھے اور بعض پیادہ پاتھے، اور ہر دستہ کے لئے آپ نے ایک نگران تجویز فرمادیا اور ہر امیر کو اسکے داخل ہونے کیلئے راستہ کی تعیین فرمادی، یعنی فلاں امیر اپنے دستہ کو لیکر فلاں راستہ سے داخل ہو مثلاً اعلیٰ مکہ اور فلاں اسفل مکہ سے داخل ہو، ابو داؤد کی اس روایت میں تو یہ ہے آپ نے حضرت زبیر اور ابو عبیدہ اور خالد بن الولید ان تینوں کو گھوڑے سواروں پر

لے سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقام کدار میں سے گذرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن الولید کو اسفل مکہ مقام کدئی سے داخل ہونے کا اور زبیر کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کدار میں سے داخل ہونیکا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداء بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا، صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ قریش نے کچھ ابواش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کئے ہیں وہ اگر مقابلہ کے لئے آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندہ میں بقصد مقابلہ کچھ ادباشوں کو جمع کیا، خالد بن الولید سے مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے خنیس بن خالد اور کرز بن جابر فہری، اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے، باقی سب بھاگ اٹھے، یہ ابن اسحاق کی روایت ہے، اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن الولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل اور کچھ ابواش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے، حضرت خالد کے پیچھے ہی ان لوگوں نے ہل بول دیا، خالد بن الولید جب ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لاسکے شکست کھا کر بھاگے، بنو بکر کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے باقی ماندہ اشخاص میں بھی بڑی کوئی مکان میں جا کر چھپا، اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اھ

پر امیر بنا کر روانہ کیا، لیکن مسلم کی روایت میں ہے وبعث ابا عبیدہ علی الحزمہ کہ ابو عبیدہ کو آپ نے اس دستہ پر امیر بنایا جو پیادہ پاتھی اور ان پر زربیں وغیرہ نہیں تھیں، وقال یا اباہریرۃ اہتف بالانصار قال اسکو اھذا لطریق فلا تترقن لکھ احدا الا ائمتھو، یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا کہ انصار کو آواز لگا کر بلاؤ چنانچہ وہ سب حاضر ہو گئے تو آپ نے ان کو ایک راستہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم کو اس راستہ سے جانا ہے اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ان مشرکین مکہ میں سے جو بھی تمہاری طرف گردن اٹھائے تو تم اس کو وہیں سلا دینا، یعنی جو قتال کے لئے بڑ ہے اسی کو قتل کرنا اور جو تمہیں دیکھ کر سر جھکالے یا پیچھے ہٹ جائے اس کو کچھ مت کہنا، فنادی منادی الاقریش بعد الیوم، اور ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ آج کے بعد قریش کا خاتمہ ہے، یعنی اگر وہ مقابلہ پر اترے، ورنہ تو آپ نے ان کو پروانہ امان دے ہی دیا تھا عدم قتال کی صورت میں۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه مسلم بخوہ مطولاً، قالہ المنذری۔

باب ماجاء فی خبر الطائف

غزوہ طائف | غزوہ طائف کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا، اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوبی بت (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے حملانے کے لئے روانہ فرمایا، آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو بھی پہنچ گئے اور ایک دباہ (ٹینک) اور مخینق ساتھ لائے۔ مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خور و نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا اور مخینق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے، ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازی کو بٹھلادیا انہوں نے ایسی سخت تیر بازی کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن الولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں، سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لیکر اتریں گے، مسلمانوں نے دباہوں میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی، انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برساتی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا، اہل قلعہ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑ دیتا ہوں، بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوا دیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آئے اسی اشارہ میں

آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اس میں چوہ خ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دلمی کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ نوفل نے کہا یا رسول اللہ! لوٹری اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگر عرض کیا یا بنی اللہ! ان کے حق میں بددعا کیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دھار دی اللھم اھد ثقیفاوات بہم، چنانچہ بعد میں وہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نفری ان کا سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

تنبیہ: ہمارے یہاں ابوداؤد کے باب الاقطاع میں اسی غزوہ طائف سے متعلق ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی صحز بن عیملہ الاحسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کے ساتھ غزوہ کر رہے ہیں تو میں بھی ایک جماعت لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کے لئے طائف پہنچا وہاں جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے چکے ہیں اور آپ نے اس کو فتح نہیں کیا تو میں نے عہد کیا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا کہ میں اس قہر کو فتح کر کے رہوں گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا، الحدیث، لیکن جو چند کتابیں غزوہ طائف سے متعلق ہم نے دیکھیں اس میں اس صحز بن عیملہ کا قصہ کہیں نہیں ملا، فلیفتش، اسکے بعد البدایہ والنہایہ ص ۲۵۱ میں یہ ملا کہ انہوں نے غزوہ طائف کا پورا قصہ لکھنے کے بعد اخیر میں ابوداؤد کی یہ روایت (صحز بن عیملہ والی) نقل کرنے کے بعد فرمایا: تفرد بہ ابوداؤد، وئی اسنادہ اختلاف اھ۔

سالت جابر عن شان ثقیف اذ بايعت، مضمون حدیث یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف جب آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت علی الاسلام اس نے کی تو انہوں نے اس وقت یہ شرط لگائی کہ ہم پر زکوٰۃ اور جہاد کچھ نہ ہوگا، آپ نے ان کی یہ شرط اس وقت منظور فرمائی، روایت میں ہے کہ آپ نے بعد میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صدقہ اور جہاد سب کچھ کریں گے، دوسری حدیث میں ہے فاشترطوا علیہ ان لا یحشر و لا یعشر و لا یجبتوا۔ کہ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ جہاد میں لے جایا جائے، نہ عشر و زکاۃ لی جائے، اور نہ وہ نماز پڑھیں گے، لایجبوا مثل لا یصلوا لفظاً و معنی والتجبیۃ ان یکون کھیدۃ رکوع یعنی اس طرح جھکنا جس طرح رکوع میں جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی پہلی دو شرطیں منظور فرمائیں اور تیسری شرط کے بارے میں فرمایا لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع، کہ ایسے

دین میں کیا خیر ہو سکتی ہے جس میں رکوع و سجود (نماز) نہ ہو۔

اس حدیث سے اسلام میں نماز کی جو اہمیت معلوم ہو رہی ہے وہ ظاہر ہے، اس حدیث کو ہم نے کتاب الصلاۃ کے

ابتدائی مباحث میں ذکر کیا ہے۔

یہ باب خبر طائف سے متعلق تھا، اہل طائف چونکہ خود بخود اسلام میں داخل ہوئے اسلئے ارض طائف عشری ہوئی
کما قبل ذلک فی بیان النزاع الاراضی المفتوحة۔

باب ماجاء فی حکم ارض الیمن

اہل یمن بھی چونکہ از خود طوعاً اسلام میں داخل ہوئے اس لئے ارض یمن بھی عشری ہے۔

عن عامر بن شہر قال خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقالت لي همدان: هل انت

أب هذا الرجل ومرة تأد لنا فان رضيت لنا شيئاً قبلتنا۔

شرح الحدیث

عامر بن شہر یعنی ہمدانی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور نبوت کا ظہور ہوا تو مجھ سے میری قوم ہمدان نے کہا کہ کیا تم اس شخص کے پاس جاسکتے ہو اور ہمارے لئے کوئی چیز طلب کر سکتے ہو یعنی خیر کی بات اور حق، پس اگر تم نے کسی چیز کو پسند کیا (دین اسلام کی طرف اشارہ ہے) تو ہم بھی اس کو قبول کر لیں گے، اور اگر تم نے پسند نہ کیا تو ہم بھی پسند نہ کریں گے، میں نے جواب میں کہا ہاں میں یہ کام کر سکتا ہوں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی بات مجھے پسند آگئی جس پر میری قوم (ہمدان) اسلام لے آئی، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تحریر لکھوا کر عمیر ذی مران کی طرف بھیجی، یہ بھی ہمدانی ہیں جو آپ کے زمانہ میں اسلام لاپچکے تھے جو بظاہر اپنی قوم ہمدان کے رئیس تھے، اور نیز آپ نے مالک بن مرارہ کو بھیجا تمام اہل یمن کی طرف یعنی دعوت اسلام کے لئے، پس اس پر نکت ذویخوان اسلام لے آیا یہ شخص بھی ہمدانی اور یمنی ہے، ذویخوان اس کا لقب ہے، یہ بھی اپنی قوم کا بڑا آدمی تھا، چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تو بھی جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب الامان حاصل کر لے اپنی پوری بستی اور مال کے بارے میں، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں آیا اور آپ نے اس کو یہ تحریر لکھوا کر دیدی

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لعك ذی خيوان ان كان

صادقاً في ارضه وماله وريقه فله الامان وذمة الله وذمة محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وكتب خالد بن سعيد بن العاص، یعنی اس تحریر کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام لکھا، یہ خالد بن سعید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ چونکہ عک ذویخوان، اسی طرح عمیر ذی مران از خود اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں کو ان کے ساتھ غزوہ اور فتح کی ضرورت پیش نہیں آئی لہذا یہ لوگ اپنی زمینوں کے اور دوسری املاک کے خود مالک ہے اور ان کو اس بات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عہد نامہ اور کتاب الامان (سرٹیفکٹ) حاصل ہو گیا، اور

یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔

عن ابیض بن حمال انہ کلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی الصدقة حین وفد علیہ فقال یا الخاسر! لبد من صدقة فقال انما زرعنا القطن یا رسول اللہ وقد تبدلت سبأ ولم یبق منهم الا قلیل بمأرب۔

شرح الحدیث | مأرب بلاد یمن ہے اور سبأ ایک قوم کا نام ہے جو وہاں آباد تھے، یہ ابیض بن حمال مأرب سبائی ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بظاہر اسلام لانے کیلئے) تو انہوں نے آپ سے صدقہ کے بارے میں گفتگو کی یعنی یہ کہ وہ معاف کر دیا جائے یا اس میں تخفیف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا کہ اے سبأ والے! صدقہ تو اسلام میں ضروری ہے انہوں نے اپنی اقتصادی حالت اور کمزوری بیان کی، یہ کہ ہماری پیداوار تو قطن ہے یا رسول اللہ! (یعنی معمولی سی) اور ہماری قوم سبأ منتشر ہو گئی اور ان میں سے کچھ چھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں مأرب میں۔ اس کے بعد حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جس چیز پر مصالحت فرمائی اس کا ذکر ہے، فضالہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی سبعین حلة من قیمة وفاء بن الماعفر کل سنة عن یقی من سبأ بمأرب، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر جو کچھ صدقہ واجب ہوتا تھا اس کے بارے میں سبعین حلة پر مصالحت فرمائی، کہ ہر سال کپڑوں کے ستر جوڑے تم کو دینے ہوں گے قبیلہ سبأ کے ان سب لوگوں کی طرف سے جو موضع مأرب میں باقی رہ گئے ہیں حلة چونکہ قیمت کے اعتبار سے گھٹیا اور بڑھیا ہوتا ہے تو اس لئے آپ نے اس جوڑے کی قیمت متعین فرمادی تاکہ مصالحت شعی مجہول پر لازم نہ آئے، بز معاف، یعنی کپڑے کی ایک مشہور قسم ہے جو معلوم قیمت ہے تو مطلب یہ ہوا اس عبارت کا کہ ایسے ستر جوڑے جو قیمت میں بز معاف کے برابر ہوں وہ ادا کرتے رہیں آگے روایت میں یہ ہے کہ یہ لوگ یہ مقدار ادا کرتے رہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں، اور آپ کی وفات کے بعد عمال نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا یعنی اس کا لحاظ نہیں کیا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قرارداد کے موافق برقرار رکھا، صدیق اکبر کی وفات کے بعد پھر وہ معاملہ رل رلا گیا وصارت الی الصدقة، یعنی اصل صدقہ قاعدہ کے مطابق جتنا بیٹھتا ہے اس پر آکر ٹھہر گیا۔

ما استفید من الحدیث | اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے صدقہ کے بارے میں ایک مقدار معین پر صلح فرمائی، حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اگر صدقہ سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے اور اگر زکوٰۃ کے مقابلہ میں آپ نے ایک مقدار معین پر مصالحت فرمائی، تو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہوگی، آپ کے علاوہ کسی اور امام کے لئے زکوٰۃ مفروضہ کے بارے میں کسی مقدار معین پر صلح کرنا جائز نہیں، اور اگر صدقہ سے مراد یہاں پر زمین کی پیداوار کا عشر ہے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال نہیں، عشر میں گنجائش ہے (دوسرے کیلئے بھی) (بذل)

باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصداق | جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جس کے چاروں طرف پانی ہو، سرزمین عرب کے تین جانب پانی ہے مشرق، مغرب اور جنوب اور شمال میں آبادی ہے اسی لئے عرب کو جزیرہ نما سے تعبیر کرتے ہیں، جزیرہ عرب کی تحدید اور اس کا مصداق آگے متن میں اس طرح آرہا ہے۔

جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصى الیمین الی تخوم العراق الی البحر، یعنی جنوب میں انتہائے یمین سے لے کر شمال میں عراق کے حدود تک اور وادی القری سے لیکر سمندر تک درمیان کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے یعنی شمال میں حدود عراق جنوب میں اقصائے یمین، مغرب میں جدہ و ماحولہا، یمن سے لیکر وادی القری تک اور مشرق میں خلیج فارس تک کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے اور بذل میں حضرت نے علامہ شامی سے یہ نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب پانچ مناطق پر منقسم ہے، تہامہ، نجد، حجاز، عروص، یمین، تہامہ تو حجاز کا جنوبی حصہ ہے، اور نجد اس حصہ کا نام ہے جو حجاز و عراق کے مابین ہے، اور حجاز اس پہاڑ کے سامنے والے حصہ کو کہتے ہیں جو یمین سے لیکر شام تک مسلسل چلا گیا ہے اور عروص یمامہ کا علاقہ ہے جو بحرین تک ہے اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب جو انزل الوقد میں ہے کہ مغیرہ بن عبد الرحمن سے سوال کیا گیا جزیرۃ العرب کے بارے میں فقال مکۃ والمدینۃ والیمامۃ والیمین۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اوصی بثلاثۃ فقال

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزہم۔

شرح الحدیث | یعنی آپ نے وفات کے وقت تین چیزوں کی وصیت فرمائی ایک جزیرۃ العرب سے مشرکین کے اخراج کی مشرکین میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں، یہ دونوں مشرکین اہل کتاب ہیں لاہم یقولون عن غیر ابن اللہ،

لہ بایں طور کہ یمین داخل اور عراق خارج ۱۲

۱۱ اب یہ کہ جزیرۃ العرب سے تمام جزیرہ عرب مراد ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے، اس کے بارے میں بذل میں یہ ہے قبل المراد بہ مکۃ والمدینۃ ونقل الطیبی ان الشافعی خص ہذا الحکم بالحجاز وهو عندہ مکۃ والمدینۃ والیمامۃ وحوالہ ہادون الیمین وغیرہ اھ و فی العون۔ وقال مالک بن انس اراد بجزیرۃ العرب المدینۃ نفسها اھ و فی العرف الشذی۔ الکافر لا یتیم فی جزیرۃ العرب، نعم یجوز لہ المرور واختلف فی ان الحکم بجمیع جزیرۃ العرب او لبعضہا، و اشار الی الاول الطحاوی فی مشکل الآثار، و اختص محمد فی موطا اھ، اور موطا محمد میں ہے قال محمد ان مکۃ والمدینۃ و ماحولہما من جزیرۃ العرب (۳۷۳) مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث میں جزیرۃ العرب اپنے عموم پر ہے یا اس سے بعض مراد ہے، فلیفتش کتب الخفیۃ فی ذلک۔

والمسیح ابن اللہ، اول کے قائل یہود اور ثانی کے نصاریٰ ہیں، اور مجوس تو مشرک ہیں ہی حکم مذکور فی الحدیث یعنی اس اخراج کے بارے میں بدائع میں لکھا ہے کہ ارض عرب کے اندر کوئی کینسہ یا بیعہ نہ باقی رکھا جائے اور نہ وہاں بیع خمر اور خنزیر کی اجازت ہے، مصر کان اوقریۃ اوما من میاہ العرب ویمین المشرق ان یتخذوا ارض العرب سکنا ووطنا، کذا ذکرہ محمد تقضیلا لارض العرب علی غیرہا و تطہیر لھا عن الدین الباطل، للحدیث المذكور (بذل) اور دوسری وصیت یہ ہے کہ آنے والے وفود کو جائزہ دیا جائے یعنی عطیہ، یعنی ان کی آمد پر ان کا اہتمام کیا جائے، ہر طرح سے خیال رکھا جائے اور ان کو بدیہ بھی پیش کیا جائے، اس امر کا تعلق تو آپ کے بعد آنے والے ائمہ سے ہے کہ وفود تو امام المسلمین ہی کے مہمان ہوتے ہیں اور ویسے تو ہر مہمان ہی کے اعزاز و اکرام کا ہر مسلمان مامور ہے۔ قال ابن عباس وسکت عن الثالثۃ اوقال فانسیۃ تھا، تیسری وصیت کے بارے میں ابن عباس تردد ظاہر کر رہے ہیں کہ یا تو آپ ہی نے اس سے سکوت فرمایا یا پھر میں بھول گیا، شرح نے لکھا ہے کہ اس امر ثالث کے مصداق

لہ اس جملہ کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں: اور آپ نے امر ثالث سے سکوت فرمایا، آگے شک راوی ہے کہ یا ابن عباس نے یہ فرمایا کہ امر ثالث کو آپ نے تو ذکر فرمایا تھا لیکن میں بھول گیا، چنانچہ صاحب العون نے یہی مطلب لکھا ہے، لیکن حضرت نے بذل میں اس عبارت کی تاویل فرمائی ہے اور اس کی یہ شرح کی ہے کہ سعید راوی کہتا ہے ابن عباس نے صرف دو امر ذکر کئے اور تیسرے سے سکوت کیا، اور پھر آگے سعید کہتے ہیں: یا ابن عباس نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں اس کو بھول گیا، اس صورت میں قال کا فاعل ابن عباس ہوگا بلکہ ابن عباس سے روایت کرنے والا ان کا شاگرد، جو یہاں سند میں سعید بن جبیر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ابن عباس ذکر امرین وسکت عن الثالثۃ الخ۔ اس صورت میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہوئے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور حضرت نے جو یہ تاویل فرمائی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اس جملہ کی نقل میں روایات مختلف ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد مقامات میں مذکور ہے ففی الجہاد فی باب جواز الوفد: وأجیز ذالوفد بنحو ما کنت اجیزہم، ونسیت الثالثۃ اھ یعنی یہاں قال ابن عباس نہیں ہے، و فی الحجریۃ فی باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب: بنحو ما کنت اجیزہم، والثالثۃ خیر اما ان سکت عنہا واما ان قالہا فنسیۃ تھا، قال سفیان: هذا من قول سلیمان، یعنی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یہ قول (وسکت عن الثالثۃ الخ) میرے استاد سلیمان احوال کا ہے یعنی سلیمان کہتے ہیں کہ تیسری بات بھی بہتر ہی ہے یا تو میرے استاد یعنی سعید ہی نے سکوت کیا یا انہوں نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، اور ابوداؤد کے ایک نسخہ میں جو کہ بذل کے حاشیہ پر ہے اس میں اس طرح ہے، قال سلیمان لا ادری اذکر سعید الثالثۃ فنسیۃ تھا او سکت عنہا، اس نسخہ والی عبارت کا حاصل اور اوپر بخاری والی روایت کا حاصل ایک ہی ہے کہ سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں، اور حضرت نے جو شرح فرمائی ہے اس میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہیں، اور حافظ نے فتح الباری ج ۷ ص ۷۷ میں احتمالاً اسی کو اختیار کر کے پھر بعد میں اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ قول سلیمان احوال کا ہے اور سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں لیکن اس قول میں حافظ نے حوالہ دیا ہے مسند حمیدی اور مستخرج ابی نعیم کا، جبکہ خود بخاری میں یہ موجود ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ان سب کال باب یہ ہے کہ جس طرح ابوداؤد میں ہے ←

میں دوسری احادیث میں جو چیزیں مذکور ہیں وہ ہو سکتی ہیں، مثلاً الوصیۃ بالقرآن، تجہیز جمیش اسامہ، لا تتخذوا قبری وثناً یعبدا، الصلۃ واملکت ایمانکم۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

یقول (جابر) اخبرنی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقول: لاخرجن الیہود والنصارى من جزیرۃ العرب فلا تترك فیہا الامسلیما۔
یہ حدیث یہاں تو مطلق ہے اور مسلم کی روایت میں لثن عشت الی قابل کے ساتھ مقید ہے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا تكون قبلتان فی بلد واحد۔

شرح الحدیث | اس حدیث کی شرح میں تین قول ہیں اول یہ کہ اس سے مراد اقامت فی دار الحرب ہے یعنی ایک شخص دار الحرب میں اسلام لے آیا تو اب اس کو چاہیے کہ وہاں سے منتقل ہو جائے (۲) اظہار شعار الکفر یعنی ذمی لوگ جو دارالاسلام کے اندر مقیم ہیں، دارالاسلام میں رہتے ہوئے شعار کفر کے اظہار کی ان کو اجازت نہیں، (۳) اخراج المشرکین من جزیرۃ العرب، فعلى الاول المراد من البلد دار الحرب وعلى الثاني دار الاسلام وعلى الثالث جزیرۃ العرب والحدیث اخرجه الترمذی وذكر انه روى مرسلًا، قال المنذری۔

قال ابو داود: قرئ علی الحارث بن مسکین وانا شاهد الخ

یہاں بھی مصنف نے حارث بن مسکین سے طریق روایت وہی اختیار کیا جو ابھی قریب میں گذرا تھا۔

حدثنا ابن السرح نا ابن وهب قال قال مالك وقد اجلی عمر یہود نجران وفدك۔

نصاری نجران سے کیسے مصالحت ہوئی تھی اس کا بیان آئندہ باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔

آئیوالے باب کے کتاب الخراج کی ابتدا ہے | اس کے بعد بعض نسخوں میں یہ لکھا ہے: آخر کتاب الفی، بسم اللہ الرحمن الرحیم اول کتاب الخراج، اس سرخی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج والفی سے

→ قال ابن عباس الخ: جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "سکت" کا فاعل حضور ہیں۔ اس طرح کسی کتاب میں نہیں ہے، اب یا تو اس کو مرحوم اور وہم کہا جائے یا پھر اس کی تاویل کی جائے اسلئے کہ صحیح ہے کہ "سکت" کا فاعل سعید بن جبیر ہیں اور تاویل وہ ہے جو ہم نے اوپر بذل سے ذکر کی، مگر اس میں بھی یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تاویل میں سکت کا فاعل ابن عباس بننے ہیں حالانکہ راجح یہ ہے کہ اس بھی نیچے کاراوی ہے یعنی سعید گو حافظ نے احتمالاً اس کو بھی لکھا ہے جو بذل میں ہے۔

لیکھ کر اب تک جو احادیث گزری ہیں ان کا تعلق فی سے تھا اور آنے والے باب سے خراج کی ابتداء ہو رہی ہے۔

باب فی ایقاف ارض السواد وارض العنوة

اس باب میں خراج اور خراجی زمین ہی کا بیان ہے، ایقاف سے مراد جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ ترک القسمة بین الغائبین سے بل ابتقاؤھا علی مالھا و ضرب الخراج علیھا المصالح المقاتیلین والمسلمین عامۃ، یعنی زمین کو فتح کرنے کے بعد بطور من و احسان کے اس کے ارباب (مشرکین) پر چھوڑ دینا اور ان زمینوں پر خراج یعنی ٹیکس مقرر کر دینا۔

عشر اور خراج میں فرق عشر اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج تو مشرکین سے لیا جاتا ہے اور اس کا وجوب فی الذمۃ ہوتا ہے اور عشر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور اس کا وجوب ذمہ میں نہیں بلکہ خارج یعنی پیداوار میں ہوتا ہے، وجوب خراج کا سبب ذات ارض ہے یعنی الارض النامیۃ، اور عشر کا سبب وجوب خارج یعنی پیداوار ہے، چنانچہ خراج ہر حال میں واجب ہوتا ہے، خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، بخلاف عشر کے کہ وہ بغیر کاشت اور پیداوار کے نہیں لیا جاتا، نیز عشر میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں، اور خراج میں صغار اور ذلت کے (من البدائع)

ترجمۃ الباب میں ارض السواد کے بعد ارض العنوة ہے، یہ عطف العام علی الخاص کے قبیلہ سے ہے کیونکہ ارض السواد بھی ارض العنوة ہی ہے، سواد سے مراد سواد العراق ہے، عراق کی زمین چونکہ بہت سرسبز اور کثیر الاشجار والھزارع ہے اس لئے اس کو سواد سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ سبزی دور سے مائل بسیاہی معلوم ہوتی ہے، ارض عراق کو مسلمانوں نے خلافت فاروقی میں فتح کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی زمینوں کو وقف قرار دیا جیسا کہ حضرت عمر کا یہ مسلک پہلے بالتفصیل مع اختلاف ائمہ گذر چکا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منعت العراق قفیزھا و درھما ومنعت الشام مذبھا و دینارھا ومنعت مصر وادیھا و دینارھا ثم عدتھن من حیث بدأنھن۔

شرح الحدیث اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس پہلی حدیث میں ارض عنوة اور مال غنیمت کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں مال فی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے اس پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ مسلمان ان ممالک کو یعنی عراق شام اور مصر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں پر یعنی مشرکین پر جو ان ملکوں میں آباد ہوں گے خراج مقرر کریں گے اور اس خراج میں آپ نے غلات اور درہم و دنیا نیر دونوں کو ذکر فرمایا جو نسا سکے جس ملک میں رائج ہوگا اس حدیث میں آپ نے اسی کو ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے درہم، اور شام دھم کے لئے آپ نے دنیا نیر کو ذکر فرمایا، اور غلات میں جو نسا بیمانہ جہاں رائج تھا اسی کو آپ نے حدیث میں ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے قفیز اور شام کے لئے مذی اور مصر کیلئے اردب

کو ذکر فرمایا، یہ سب مکیال اور پیمانوں کے نام ہیں جو ان شہروں میں رائج ہیں، قفیز آٹھ ملوک کا ہوتا ہے اور مڈی پندرہ ملوک کا ہوتا ہے اور اردب جو بیس صاع کا ہوتا ہے۔

یہ حدیث اعلیٰ ثبوت میں سے ہے اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو پیشینگوئیاں بیان فرمائیں اول یہ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام عراق شام مصر سب جگہ پہنچ جائے گا اور مسلمین ان کو فتح کرنے کے بعد ان کے باشندگان کفار پر خراج مقرر کریں گے، دوسری پیشینگوئی یہ کہ اسکے بعد پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ لوگ اس خراج کو دینے سے انکار کر دیں گے، دوبارہ ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ وقیل اول لاجل اسلام والاول هو الاصح۔

ثم عدت من حيث بدأتم، پھر تم جہاں سے چلے وہیں لوٹ آؤ گے یعنی انخطاط اور تنزل کی طرف، شرح نے لکھا ہے کافی مجمع البحار کہ یہ اشارہ اس حدیث کے مضمون کی طرف ہے "بدأ الاسلام غرباً وسعوداً كما بدأ قالها زهير ثلاث مرات" یہ ضمیر آخری جملہ کی طرف راجع ہے، ثم عدت من حيث بدأتم کہ زہیر راوی نے اس جملہ کو تین بار کہا شہد علی ذلك لحم الجي هريرة ودمه، اس حدیث کے راوی جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد تاکیداً یہ فرما رہے ہیں گواہی دیتا ہے اس پر ابو ہریرہ کا دم اور دم یعنی مجھے اس حدیث کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سننے پر کامل یقین ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے یہاں محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس پر "میرا رُواں رُواں گواہی دیتا ہے" والحدیث اخرجه مسلم، قال المنذري۔

عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة رضي الله تعالى عنه. عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

صحيفة همام بن منبه کا تعارف | دراصل یہ حدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی احادیث میں سے ہے، اس صحیفہ کی تمام روایات متفق السند ہیں بسند واحد مروی ہیں جس کی سند اس طرح ہے۔

عبد الرزاق عن معمر عن همام بن منبه، اسی لئے اس صحیفہ میں یہ سند صرف پہلی حدیث کے شروع میں مذکور ہے، اور چونکہ باقی احادیث جو ایک ستواتنا لیس ہیں اسی سند سے مروی ہیں اس لئے بعد کی حدیثوں میں سند کو ذکر نہیں کیا گیا صرف ذکر متون پر اکتفا کیا گیا، اس صحیفہ کی جملہ روایات کو امام احمد بن حنبل براہ راست عبد الرزاق سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح شیخین امام بخاری و مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس صحیفہ سے بعض روایات لی ہیں، مسلم میں بہ نسبت بخاری کے زائد ہیں، امام ابو داؤد نے اس روایت کو اپنے استاد احمد بن حنبل کے واسطے سے لیا ہے اور امام مسلم بواسطہ محمد ابن رافع و بواسطہ امام احمد روایت کرتے ہیں هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: یہی صحیفہ کی بالکل شروع کی عبارت ہے اس کے بعد پھر متون احادیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس کی نظر وہ روایات ہیں جو امام ابو داؤد نے مکتوبِ سمرہ سے لی ہیں جن کا ذکر الدر المنصور کے مقدمہ میں اور اصل کتاب میں بارہا گذر چکا، اور

یہاں مصنف نے جو حدیث اس صحیفہ سے لی ہے یہ اس صحیفہ کی آخری حدیث ہے۔

أَيُّمَا قَرِيْبَةً أَتَيْتُمْوَهَا وَاقْتَمْتُمْ فِيهَا فَسَهْمُكُمْ فِيهَا وَإِيْمَا قَرِيْبَةً عَصَتْ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَانْخَسَمَهَا لِلّٰهَ
وَرَسُولِهِ نَعْمَ هِيَ لَكُمْ۔

شرح الحدیث | یعنی جس گاؤں یا بستی میں تم پہنچ جاؤ یعنی بغیر قتال کے اور وہاں جاگزیں ہو جاؤ تو اس قسم کے مال غنیمت میں تم سب کا حصہ ہے، اور جس بستی والے ایسے ہوں جو اللہ و رسول کے نافرمان ہوں یعنی اس میں تمہیں قتال کی ضرورت پیش آئی اور پھر قتال کے ذریعہ تم نے اس کو فتح کیا تو اس قسم کے مال کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے ایک خمس تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے باقی تمہارے لئے یعنی مقابلین کے لئے، کیونکہ یہاں قتال کی نوبت آئی ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ مال بغیر قتال کے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں تمام مسلمانوں کا حصہ ہے کیونکہ وہ مال فنی ہے اور یہ دوسرا مال، مال غنیمت اسی لئے اس میں تخمیس کی گئی اور باقی اربعہ اخماس مقابلین کے لئے ہوا، گویا اس حدیث میں مال فنی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے، اور دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں مال غنیمت کے تقسیم کرنے کا ذکر ہے اور اس باب کی پہلی حدیث میں خراج کا ذکر تھا، خراج ہوتا ہی ہے ایقاف اور عدم تقسیم کی صورت میں، لہذا دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا ارض مفتوحہ کی تقسیم اور ترک تقسیم (ایقاف) دونوں جائز ہیں۔ فللّٰہ در المصنف کہ اس ایک باب میں دونوں قسم کی حدیثیں لے آئے، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے نزدیک امام ارض مفتوحہ عنوة میں مختار ہے تقسیم اور ترک تقسیم دونوں کا۔ فتدبر و تشکر، ہر ہر حدیث کو بہت غور سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ والحدیث اخر جہ مسلم، قالہ المتذری۔

باب فی اخذ الجزیة

جزیہ ان مشرکین کے نفوس کے ٹیکس کو کہتے ہیں جن کو دارالاسلام میں امن دے کر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہے اور خراج کہتے ہیں زمین کے ٹیکس کو، اور عشر کہتے ہیں زمین کی پیداوار کی زکاة کو۔

یہاں پر جزیہ میں دو اختلاف ہیں، اول یہ کہ جزیہ کن کافروں سے لیا جاتا ہے، صرف اہل کتاب سے، یا اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے، ثانیہ حنابلہ کے یہاں صرف اہل کتاب سے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک دونوں سے، لیکن عند الحنفیہ مشرکین عرب سستی ہیں، اور دوسرا مسئلہ یہ کہ جزیہ کی مقدار واجب کیا ہے؟ یہ دونوں مسئلے کتاب الزکاة میں مع اختلاف ائمہ حضرت معاذ کی حدیث، "ومن کل عالم دینارا" کے تحت، گزر چکے، پھر جانا چاہئے کہ وجوب جزیہ کے لئے تین اوصاف شرط ہیں۔ شرائط وجوب جزیہ | قال ابن رشد: اتفقوا علی انہا انما تجب بثلاثہ اوصاف الذکورۃ والبلوغ والحریۃ وانہا لا تجب علی النساء ولا علی الصبیان، پھر آگے انہوں نے اس کی وجہ لکھی ہے وہ یہ کہ جزیہ تو قتل کے عوض میں ہے اور قتل کا حکم صرف رجال بالغین کے حق میں ہے، چنانچہ جہاد میں نساء اور صبیان کے قتل کی ممانعت ہے،

و کذا اجموعا علی انها لا تجب علی العبیہ ابی قتادہ نے بھی اسی پر جہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے، فان عمر كتب الی امرار الاجناد ان اضربوا الجزية ولا تقربوها علی النصارى والصبيان ولا تقربوها الا علی من جرت علیہ الموائس، رواہ سعید والی عیید والاثرم الخ۔ موائس، موسیٰ کی جمع بمعنی استرہ، انبات کی طرف اشارہ ہے۔

وعن عثمان بن ابی سلیمان، یہ عن عاصم، پر عطف ہے، یعنی محمد بن اسحاق اس حدیث کو عاصم سے بھی روایت کرتے ہیں اور عثمان سے بھی، لیکن عاصم کا طریق مستند ہے اور عثمان کا مرسل کیونکہ یہاں صحابی مذکور نہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بعث خالد بن الولید الی اکیدرد و مئة فاخذوه فاقوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزية۔

دو مئة الجندل ایک قریہ کا نام ہے من بلاد الشام اور اکیدر اس کے حکمران کا نام ہے، دو مئة الجندل کی فتح کا واقعہ غزوہ تبوک کے سفر میں پیش آیا جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الجہاد میں آچکا ہے، فلا حاجة الی اعادتها۔

عن ابی وائل عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لما وجهہ الی الیمن الخ اس حدیث پر نیز اس کی تخریج پر کلام کتاب الزکوۃ میں گذر گیا۔

عن زیاد بن حدیر قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لئن بقیث لنصارى بنی تغلب لا قتلن المقاتلة

ولاسیما الذمیة الخ۔

شرح الحدیث المتعلق بمصالحہ نصاریٰ بنی تغلب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں کچھ دن اور باقی رہا تو بالفور نصاریٰ بنو تغلب کے مردوں کو قتل کروں گا اور ان کی عورتوں بچوں کو قید کروں گا اسلئے کہ مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ لکھوایا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ وہ اپنی پیدا ہونیوالی اولاد کو نصرانی نہیں بنائیں گے۔

گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے نقض عہد کر دیا اور اپنی اولاد کو نصرانی بنایا۔

قال ابو داؤد: هذا حدیث منکر الخ۔

امام ابو داؤد اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر سخت کلام فرما رہے ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے ہے، اور آگے اس میں ہے کہ مصنف کے شاگرد لؤ لؤی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی اس سنن کی قرأت و روایت کے وقت پہلی بار تو پڑھا تھا لیکن دوسری مرتبہ نہیں پڑھا یعنی سنن سے خارج کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ نصاریٰ بنو تغلب کے ساتھ کچھ معاملہ ہوا تھا یا نہیں اور اس واقعہ کی کچھ اصل ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اصل ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نہیں، آپ کا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہوا تھا فانہ صالحم علی تصنیف الصدقة بدل الجزية یعنی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان پر جزیہ مقرر فرما رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جزیہ ہمارے حق میں موجب عار ہے کیونکہ ہم عرب ہیں، اور جزیہ دینا عجمیوں کا کام ہے لہذا ہم سے جو چاہے لے لیجئے لیکن جزیہ کے نام سے نہیں اور معاہدہ میں یہ بات آئی تھی ان لای نصروا اولادھم، صاحب عون المعبود نے اس واقعہ کی یہ اصل متعدد کتب حدیث مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل اور فیصلہ کی وجہ سے جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ ان سے اس چیز کا دو گنا لیا جائے گا جتنا مسلم سے لیا جاتا ہے، نفی الرکاز الخمسان وما فیہ العشر عشراں وما فیہ ربع العشر نصف العشر، وکذلک من نساہم، لیکن امام مالک کی رائے اس میں جمہور کے خلاف ہے ان کے نزدیک جو دوسرے اہل کتاب اور ذمیوں کا حکم ہے وہی بنو تغلب کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کا اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہے جس میں سب برابر ہیں، اور دوسرے علماء جیسے ابن قدامہ اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے فیصلہ پر کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی فصا را جماعا (اور جز، ص ۲۶۸)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صالح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اھل نجران علی النبی حلة..... وعادیة ثلاثین درعا..... ان کان بالیمن کید ذات غدر۔

آپ کی نصاریٰ نجران کیساتھ مصالحت

مطابق ہے کہ آپ نے نصاریٰ نجران سے مصالحت فرمائی، نجران یمن میں ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دو ہزار خلوں پر مصالحت فرمائی تھی دو قسطوں میں، نصف ماہ صفر میں اور نصف ماہ رجب میں اور نیز اس بات پر کہ اگر یمن میں لڑائی اور غدر ہونے لگے تو یہ چیزیں عاریت پر دینی ہوں گی جو حدیث میں مذکور ہیں یعنی تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے سلاح میں سے تیس تیس، اگر مسلمانوں نے ان کے ذریعہ قتال کیا تو وہ ان سب چیزوں کے ضامن ہوں گے، یعنی اس سامان کی واپسی ضروری ہوگی، ان کان بالیمن کا تعلق عاریت سے ہے۔

علی ان لا تھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قس، اس جملہ کا تعلق صالح سے ہے یعنی مصالحت اس بات پر ہوئی کہ مسلمان ان کے گرجا کو منہدم نہیں کریں گے اور نہ ان کے کسی عالم یا دروی کا اخراج کریں گے، اور نہ ان کو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا۔

مالہم یحد ثواحد ثا او یا کلو الربا، احداث حدث سے مراد شرائط عہد میں سے کسی شرط کا توڑنا ہے۔ اس مصالحت میں جس جزیہ کا ذکر ہے چونکہ یہ جزیہ بطریق صلح تھا تو اس قسم کے جزیہ کو جزیۃ الصلح والتراتضی کہتے ہیں تو گویا جزیہ کی دو قسمیں ہوتیں، جزیۃ صلیہ، جزیۃ جبریہ، جزیۃ صلیحہ کا کوئی ضابطہ نہیں جس چیز پر بھی صلح ہو جائے، اور دوسری قسم جو جزیہ کی ہے اس کا ایک ضابطہ ہے، یعنی مقدار کے لحاظ سے جس کی تفصیل کتاب الزکوۃ میں گذر چکی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو صلح نامہ نصاریٰ بخران کے بارے میں لکھا تھا وہ کافی مفصل اور طویل ہے، حضرت نے بدل میں اس کو نقل فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کو دیکھ لے۔

باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس

مجوس آتش پرست ہوتے ہیں یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے اصلین کے قائل ہیں، یعنی دو چیزوں کو اصل مانتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جتنی بھی دنیا میں خیر ہے وہ فعل نور ہے اور جتنے شرور ہیں وہ ظلمت سے سرزد ہوئے ہیں، ان کے بارے میں اس طرح بھی مشہور ہے کہ یہ لوگ دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمین یزدان کو خالق الخیر، اور اہرمین کو خالق الشر مانتے ہیں (ان دونوں میں صرف تعبیر کا فرق ہے) اور بہر حال یہ مشرک ہیں، ان سے جزیہ تو بالا جماع لیا جاتا ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک پر یہ اشکال ہو گا کہ وہ تو جزیہ کے بارے میں اہل کتاب کی تخصیص کرتے ہیں، مشرکین سے اخذ جزیہ کے قائل نہیں، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ موجودہ حالت کے اعتبار سے تو مشرک ہیں لیکن ابتداء اور اصل کے اعتبار سے یہ اہل کتاب تھے جیسا کہ حدیث الباب میں آ رہا ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ان اهل فارس لما مات نبیہم کتب لہم ابلیس المجوسیۃ۔ لیکن ان کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اہل کتاب کے ذبايح اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے بخلاف مجوس کے کہ ان میں جائز نہیں۔ قال کنت کاتب الجزء بن معاویۃ۔ عمار الاحنف بن قیس۔ اذ جاء فاکتاب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل موته بسنة۔

شرح الحدیث | بجالہ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں جزر بن معاویہ جو اخنف بن قیس کے چچا ہیں ان کا کاتب تھا، یہ جزر بن معاویہ تابعی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے اھواز کے گورنر تھے بجالہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کی ایک تحریر ان کی وفات سے ایک سال قبل آئی جس میں یہ تھا کہ وہاں جتنے ساحر ہیں ان سب کو قتل کر دو اور مجوس میں سے ہر دو ذی رحم کے درمیان تفریق کر دو (اسلئے کہ وہ نکاح محارم کے قائل تھے) وانہوہم عن الزمزمۃ اور یہ کہ ان کو زمزمہ سے روکو، چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین ساحر قتل کر ڈالے اور اسی طرح اس قسم کے مجوسی اور اس کی حریم کے درمیان بھی تفریق کر دی اور تیسرے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ انہوں نے جتنے یہاں مجوسی تھے ان کے کھانے کی دعوت کی، جب سب لوگ کھانے پر بیٹھ گئے تو بیچ میں یہ جزر بن معاویہ بھی بیٹھ گئے، اپنی ران پر تلوار رکھ کے اور ان حاضرین سے کہا کھانا شروع کرو اور ان کو زمزمہ سے روکا، تلوار ان کے سامنے تھی ہی۔ والقوادق ربغسل او بغلتین من الوری، یعنی انہوں نے زمزمہ کی اجازت کے لئے اور اس کی خوشامدی میں دو خجروں کے بوجھ کے بقدر چاندی سامنے رکھی مگر وہ نہیں مانے اور ان کو زمزمہ نہیں کرنے دیا، مجوس کی عادت کھانا

کھانے کے وقت زمزمہ کی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کھانا کھانے کے وقت منہ کے اندر اندر ناک سے کچھ گنگناتے تھے جس کو وہ آپس میں تو سمجھتے تھے، لیکن کوئی دوسرا انہیں سمجھ سکتا تھا کہ کیا بول رہے ہیں، نہ معلوم اس کی کیا وجہ تھی۔

ولم یکن عمر اخذ الجزیۃ من المجوس حتیٰ شہد عبد الرحمن بن عوف ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذھا من مجوس ہجر۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجوس سے جزیہ لینے میں تردد تھا، پھر جب حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا ہے تب انہوں نے لینا شروع کیا، وفی الموطن لما تردد عنی امر المجوس قال لہ عبد الرحمن بن عوف سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: سَتُوا بَہِمُ سُنَّةِ اَہْلِ الْکِتَابِ، یعنی آپ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو، لیکن ہذا فی امر الحجریۃ لانی جواز النکاح بنسائہم واکل ذبائہم۔ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مختصراً۔ قال المنذری۔

ایک اصولی مسئلہ صیغہ تحدیث سے متعلق | اس حدیث کی سند میں اس طرح ہے: عمر بن دینار کہتے ہیں میں نے بحالہ سے وہ حدیث سنی جس کو وہ عمر بن اوس اور ابو الشعثاء سے بیان کر رہے تھے، پھر آگے اس حدیث کا ذکر ہے، یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ عمر بن دینار نے یوں کیوں نہ کہہ دیا حدیث بحالہ اس طوالت کی کیا ضرورت تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ راوی لفظ حدیث سے روایت اس وقت کر سکتا ہے جب کہ اس کے استاد نے اس سے وہ حدیث بالقصد بیان کی ہو، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ مقصود بالاسماع دوسرا شخص ہو تو جو شخص مقصود بالاسماع نہ ہو لیکن اس نے وہ حدیث اس سے سن لی ہو تو پھر اس صورت میں اس سامع کے لئے اس حدیث کو بصیغہ حدیث بیان کرنا درست نہیں، الحاصل جو شخص مقصود بالاسماع ہو اسی کیلئے بوقت روایت حدیث حدیثا استعمال کرنا جائز ہے دوسرے کے لئے نہیں، لیکن عند الجہور جائز ہے، ومنعہ بعضهم منہم الامام النسائی وطائفة قليلة، قالہ الحافظ فی الفتح (عون) الدر المنصور کے مقدمہ میں بھی انواع تحمل کے بیان میں ہم غالباً یہ قول بھی لکھ چکے ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال جاء رجل من الاسديين من اهل البحرين وهم مجوس اهل هجر الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الخ۔

شرح الحدیث | اسبزیون مجوس میں ایک قوم ہے جو گھوڑے کی پرستش کرتے تھے، اس کا مفرد الاسبذی ہے معرب من الاسب بمعنی الفرس۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اسبذی مجوس اہل ہجر میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں پہنچا، تھوڑی دیر آپ کے پاس ٹھہرا پھر باہر آگیا، میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا تو اس نے کہا بڑا فیصلہ، میں نے پوچھا کیا ہے وہ تو اس نے کہا، الاسلام والقتل، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مجھ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، حالانکہ یہ عبدالرحمن بن عوف والی حدیث کے خلاف ہے اسی لئے آگے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں وقال عبد الرحمن بن عوف قبل منه الجزية، آگے ابن عباس فرماتے ہیں کہ علماء نے عبدالرحمن والی حدیث کو اختیار کیا اور جو میں نے اسبندی سے سنی تھی اس کو ترک کر دیا، اسلئے کہ اسبندی کا قول معتبر نہیں روایت میں۔ یہ حدیث الغازی سے ہے یعنی جیستال، یعنی یہ بتائیے کہ وہ کونسی حدیث ہے جس کو ایک صحابی مجوسی سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجوسی اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔

باب التشديد في جباية الجزية

جبايت یعنی تحصیل واستخراج، یعنی جزیہ وصول کرنے میں تشدد برتنا۔

عن عروة بن الزبير ان هشام بن حكيم وجد رجلا وهو على حصن في شمس ناسا من القبط في ايام الجزية عروہ کہتے ہیں: حکیم بن ہشام کے بیٹے ہشام نے ایک شخص کو جو کہ حصص کا امیر تھا اس حال میں پایا کہ اس نے کچھ لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کر رکھا تھا ادائے جزیہ کے بارے میں، تو اس پر ہشام بن حکیم نے ٹیکر کی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور پھر حدیث سنائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عذاب دیں گے ان لوگوں کو جو دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں۔

اس روایت میں ناسا من القبط ہے، اور واقعہ ہے یہ ملک شام کا، قبلی وہاں کہاں تھے وہ تو مصری ہوتے ہیں، لہذا روایت میں تحریف ہے اسلئے کہ مسلم میں اس کے بجائے "اناس من الانباط" ہے تو بجائے قبط ہو گیا، اور نبلی عجی کاشتکار کو کہتے ہیں۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائي، قال المنذري۔

باب في تعشير اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة

مسئلہ مذکورہ فی الباب کی تشریح و تنقیح | یعنی ذمی لوگ جب مال تجارت لیکر عاشر پر کو گزریں ان سے عشر لینے کے بیان میں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ذمیوں کے حق میں نہ سونے چاندی میں زکاۃ ہے نہ زمین کی پیداوار میں عشر، بلکہ ان سے صرف جزیہ لیا جائے گا جس کے اندر پستی اور ذلت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لہ اختلاف بمعنی آمد و رفت، قال تعالى ان في اختلاف الليل والنهار لآيات لادلى الالباب ۱۲ لہ نفی الموطا قال مالک: وليس —

وقال اللہ تعالیٰ حتی یعطوا الحجۃ عن یدوہم صاعرون، اور زکاة و عشر صرف مسلمانوں سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادت ہیں، اور ان سے مقصود تطہیر ہے قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقة تطہرہم، وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ لم یفرض الزکاة الا علی طیب ما بقى من اموالکم، رواہ ابو داؤد، اور کفار تطہیر کے قابل نہیں، قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس، لیکن یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب تک یہ ذمی اسی مقام اور قریہ میں ٹھہرے رہیں جہاں ان کو ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جس پر صلح ہوئی ہے، اور اگر یہ لوگ اس شہر سے یا اس مقام سے کسی دوسرے ملک یا شہر میں مال تجارت لیکر سفر کریں اور آنا جانا رکھیں تو اس صورت میں ان سے ان کے اموال تجارت میں سے عشر لیا جائے گا، اس باب میں اسی کا بیان ہے کہ جب یہ لوگ اموال تجارت لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں جائیں تو ان سے اس صورت میں کیا لیا جائے عشر یا نصف عشر وغیر ذلک من الشرائط۔

ہدایہ میں ہے۔ باب فین یر علی العاشر، والعاشر من نصاب الامام علی الطريق لیاخذ الصدقات من التجار، نیز ہدایہ میں ہے کہ جب تاجر عاشر پر کو مال تجارت لے کر گذرے اور وہ یہ کہے کہ ابھی حولان حول نہیں ہوا یا یہ کہ مجھے بر دین ہے اور اس پر وہ قسم کھالے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور ایسے ہی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے اس کی زکوة مصر میں فقرا کو خود ادا کر دی ہے پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مسلم سے عاشر ربع عشر لے، اور ذمی سے نصف العشر اور حربی سے عشر نیز اس میں یہ بھی ہے کہ ذمی اور مسلم سے نصف العشر اور ربع العشر اس وقت لیا جائے جبکہ بقدر نصاب مال تجارت لے کر گذرے، اور حربی کے بارے میں یہ ہے کہ وہاں بھی نصاب کا اعتبار ہے الایہ کہ وہ لوگ مسلمانوں سے ما دون النصاب سے عشر لیتے ہوں تو پھر ہم بھی ان سے اسی طرح معاملہ کریں گے، ایسے ہی اگر وہ ہم سے عشر سے کم لیتے ہوں نصف العشر یا ربع العشر تب ہم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے، اگر وہ مسلمان سے کل مال لے لیتے ہوں تو پھر ہم ایسا نہیں کریں گے لانا غدر اور اگر وہ ہم سے بالکل نہیں لیتے تو پھر ہم بھی نہیں لیں گے لانا احق بمکارم الاخلاق (ہدایہ، ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اور مذاہب اربعہ کا خلاصہ اس میں یہ ہے کہ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک نصف العشر لیا جائے گا بشرط النصاب مرة فی الحول، اور امام مالک کے نزدیک عشر لیا جائے گا کلام علی العاشر ولم یشرط الحول ولا النصاب، نیز امام مالک کے نزدیک عام اموال میں تو عشر ہی لیا جائے گا سب جگہ، البتہ صرف مکہ مدینہ میں بعض اطعمہ کے بارے میں (حنطہ اور زیت) ان کی ایک روایت یہ ہے کہ ان میں نصف عشر لیا جائے گا، چنانچہ موطا میں ہے امام مالک اپنی سند سے نقل کرتے ہیں ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

→ علی اہل الذمۃ ولا علی الجوس فی تخلیفہم ولا کر دہم ولا زروہم ولا مواشیہم صدقة لان الصدقة انما وضعت علی المسلمین تطہیر اہلہم، ما کا نوا بیلدہم الذی صا کوا علیہ الا ان یتجروا فی بلاد المسلمین ویختلفوا فیہ فیؤخذ منہم العشر فیما یریدون من التجارات اھ طحفاء اوجز ص ۳۶۸

كان ياخذ من النبط من الحنطة والزيت نصف العشر يريد بذك ان يكثر الحمل الى المدينة، وياخذ من القطنية العشر (ابو جریہ) یعنی حضرت عمر حنطہ اور زیت میں سے بجائے عشر کے نصف عشر لیتے تھے تاکہ تاجر لوگ ان کو بکثرت مدینہ میں لے کر آئیں اور پھر وہاں ارزانی ہو، اور باقی جنوب سے یعنی ان غلوں سے جو پکائے جاتے ہیں جیسے سورجنا لوبیا ان میں سے عشر ہی لیتے تھے اور حنطہ اور زیت کی تخصیص اسلئے تھی لانہما معظم طعامہم یعنی چونکہ یہ دو چیزیں عام طور سے کھائی جاتی ہیں اور لوگوں کو ان کی طرف احتیاج زائد ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اہل ذمہ سے سوائے جزیہ اور سوائے اس کے جس پر ان سے مصالحت ہوئی صدقہ زکاۃ عشر کچھ نہیں لیا جائے گا یعنی مال تجارت میں، مگر یہ کہ غیر حجاز سے وہ مال تجارت لیکر حجاز میں آئیں، تو اول تو ان کو حجاز میں داخلہ کی اجازت ہی نہ دی جائے، اور اگر دی جائے تو بغیر معاوضہ کے نہیں عشر یا نصف العشر جو بھی امام کی رائے ہو، اور اجازت بھی حجاز میں آنے کی صرف تین دن کی دی جائے گی اس سے زائد نہیں۔ (ابو جریہ ج ۳ ص ۲۷۶)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم انما العشور على اليهود والنصارى وليس على المسلمين عشور
شرح الحدیث عشور جمع ہے عشر کی اور اس کے بارے میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں پر عشور نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ پر ہیں اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کتاب الزکاۃ میں یہ گذر چکا کہ صدقہ کی دو قسم ہیں، ایک وہ جو تقدین (سونا چاندی) اور مال تجارت میں واجب ہوتا ہے جس کو زکاۃ کہتے ہیں جس کی مقدار ربع العشر ہے، اور قسم ثانی وہ جو زمین کی پیداوار میں واجب ہوتا ہے جس کی مقدار عشر اور نصف العشر ہے، جس کو عشر کہتے ہیں، تو پھر یہاں عشر کی مسلمانوں سے نفی کیسے کی جا رہی ہے، اس کا جواب یہ ہے مسلمانوں کے ذمہ جو عشر واجب ہوتا ہے اس سے مراد غلات ارض کا عشر ہے یعنی زمین کی پیداوار کا، اور یہاں حدیث میں مال تجارت کا عشر مراد ہے جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے یا یہاں پھر یہ کہا جا کہ عشور سے مراد خراج ہے جیسا کہ بعد والی حدیث میں آ رہا ہے، پھر کسی توجیہ کی حاجت نہیں۔
 اس حدیث کی سند میں شدید اختلاف واضطراب ہے جو خود ابو داؤد کی روایات میں بھی ہے جس کی تفصیل حضرت نے بذل میں لکھی ہے، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس حدیث کا راوی صحابی، مجہول ہے۔

عن العریاض بن ساریۃ السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال نزلنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر ومعه من معہ من اصحابہ وكان صاحب خیبر رجلاً مارداً منکراً فاقبل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) انہ۔

مضمون حدیث مضمون حدیث یہ ہے کہ عریاض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیبر میں تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے تو ایک روز خیبر کے جو دھری سے ملاقات

ہوئی جو بڑا سخت مزاج تھا وہ ہمیں دیکھ کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا تم لوگوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ہمارے مویشیوں کو ذبح کر ڈالو، اور ہمارے باغات کے پھل جس طرح چاہے کھاؤ، اور ہماری عورتوں کی بٹائی کرو، (بعض مسلمانوں نے اس قسم کی حرکت اور ان کے مالوں میں بے احتیاطی کی ہوگی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات سن کر خاموش رہے اور گویا اس کے اعتراض کو برحق سمجھا اور ایسا کرنے والوں پر آپ کو بڑا غصہ آیا، اور آپ نے ایک صحابی (غالباً عبد الرحمن بن عوف) سے فرمایا کہ جاؤ گھوڑے پر سوار ہو کر یہ اعلان کرو، الان الجنة لاتحل الا للمؤمن کہ جنت حلال نہیں ہے مگر اسی مسلمان کے لئے جو امانت دار ہو، اور یہ بھی اعلان کر لیا کہ نماز کا وقت قریب ہے سب جمع ہو جاؤ، چنانچہ سب جمع ہو گئے آپ نے سب کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ میں یہ فرمایا ایحسب احدکم متکثراً علی اریکۃ کیا تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اپنی مسہری پر تنگی لگائے بیٹھ کر یہ کہتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام کی ہی نہیں سوائے اسکے جس کی حرمت قرآن میں مذکور ہے خبردار ہو جاؤ بخدا میں نے تم کو بہت سی چیزوں کا حکم کیا ہے اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے اور اس قسم کی چیزیں بھی قرآن میں مذکور کے برابر ہیں یا اس سے بھی زائد ہیں اور ایک روایت میں ہے وانما حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کما حرم اللہ یعنی جس چیز کی تحریم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ہو وہ حرمت میں مشل اس کے ہے جس کی تحریم قرآن میں ہے، اور پھر اس کے بعد آپ نے مثال کے طور پر ان چیزوں کو بیان فرمایا جن میں بعض لوگوں نے بے احتیاطی کی تھی جو اوپر حدیث الباب میں مذکور ہیں مسہری پر تنگی لگانا کنایہ ہے عیش پرستی اور آخرت سے غفلت پر۔

ان صفوان بن سلیم اخبرنا عن عداة من ابناء اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن ابا شهمد بن نية عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔

یہ لفظ "دنیۃ" مصدر ہے بمعنی دُؤ، اور منصوب ہے بنابر حالیت کے، اور مطلب یہ ہے کہ چند صحابہ کے بیٹے روایت کرتے ہیں اپنے باپوں سے جن کے ساتھ وہ بیٹے متصل النسب ہیں، یعنی ان کی صلبی اولاد ہیں۔
مضمون حدیث ذی کے بارے میں ہے کہ جو اس پر ظلم و زیادتی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے گا یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی رضا مندی کے لے گا فانا حجاجہ یوم القیامۃ کہ اس ذمی کی جانب سے اس شخص کے ساتھ خصومت کرنے والا میں خود ہوں گا۔

لہذا روایت کافی المشکاة: لا الفین احدکم متکثراً علی اریکۃ یا تہ الامر من امری ما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ ونی روایت: الا لا شک رجل شیعان علی اریکۃ یقول علیکم بہذا القرآن۔

باب فی الذمی یسلم فی بعض السنة هل علیہ جزیه؟

شرح الحدیث و مذاہب ائمہ | حدیث کا لفظ "یسلم علی مسلم جزیه" ہے، اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات تو بدیہی ہے کہ مسلمان پر جزیه نہیں ہوتا پھر اس کے ذکر سے کیا فائدہ، غالباً اسی لئے آگے روایت میں آرہا ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا اس حدیث کے معنی کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر ذمی درمیان سال اسلام لے آئے تو اب اس سے جزیه نہیں لیا جائے گا بلکہ ساقط ہو جائیگا گذشتہ مہینوں کا، اس میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے امام شافعی کی بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن قول معتمد ان کا یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ لیا جائے گا۔ (کافی الاذہ عن شرح الاقناع) بعض شرح شافعیہ (الخطابی فی العالم) نے اس حدیث میں جزیه سے خراج مراد لیا ہے، یعنی اگر ذمی اسلام لے آئے اور اس کے ہاتھ میں خراجی زمین تھی تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا، لیکن یہ دوسرا مسئلہ ہے، یہ خود مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک اسلام لانے سے زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، امام شافعی کے یہاں ساقط ہو جاتا ہے۔ وفیہ تفصیل عندہم یا فی باب الدخول فی ارض الخرج۔ والحدیث اخرہ الترمذی، قالہ المنذری۔

باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین

حدثني عبد الله الهوزني قال لقيت بلالاً مؤذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بجلب فقلت يا بلال حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ما كان له شيء كنت انا الذي آتي ذلك منه منذ بعثه الله تعالى حتى توفي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الحديث۔

یہ طویل حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عبد اللہ الہوزنی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری ملاقات شہر حلب میں ہوئی (حضرت بلال حضور کے وصال کے بعد مدینہ سے ملک شام چلے گئے تھے حتیٰ کہ وفات بھی وہیں ہوئی) میں نے کہا کہ آج تو آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کے اخراجات کی کیفیت بیان کر دیجئے، انہوں نے ان کی درخواست پر بیان کرنا شروع کر دیا، اور فرمایا کہ آپ کے پاس کچھ پیسے ویسے تو ہوا نہیں کریں تھے، اور ان کاموں کا ذمہ دار میں ہی تھا کہ انا الذی آتی یہ مشکم کا صیغہ ہے ولایۃ سے یعنی آپ کی ضروریات کی لین دین اور خرید و فروخت کا، آپ کی نبوت سے لیکر وفات تک، آپ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی مسلمان

آپ کے پاس آتا اور آپ اس کو برہنہ دیکھتے تو آپ مجھ کو حکم فرماتے اس بارے میں، تو میں کسی سے قرض لے کر اس کو چادر خرید کر دیدیتا اور کھانا بھی کھلا دیتا (یہ ایک دن کا واقعہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے یہاں یہی ہوتا رہتا تھا کہ میں قرض لیکر ضرورت مندوں کی ضرورتیں آپ کے فرمانے سے پوری کر دیا کرتا تھا) ایک دن ایسا ہوا کہ ایک مشرک تاجر میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا کہ اے بلال کسی سے قرض مت لیا کر، میرے پاس کافی گنجائش ہے مجھ سے ہی لیا کر، میں ایسا کرنے لگا، ایک روز کی بات ہے کہ میں وضو کر کے اذان کے لئے کھڑا ہو رہا تھا تو دیکھا کہ اچانک وہی مشرک چند تاجروں کو لیکر میرے سامنے آیا اور مجھ کو دیکھ کر کہنے لگا یا حبشی! قلت یا لبأہ (لبیک کی طرح ضمیر غائب کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے) یہ کہہ کر مجھے بہت سخت سست کہنے لگا، اور کہنے لگا کہ جانتا بھی ہے کہ مہینہ پورا ہونے میں کتنے روز باقی رہ گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں پورا ہونے والا ہے، کہنے لگا صرف چار دن باقی ہیں، اگر چار دن کے اندر ادا نہ کیا تو اس کے بدلہ میں، میں تجھ کو پکڑ لوں گا اور تجھ سے بکریاں چراؤں گا جس طرح تو پہلے چراتا تھا (آگے حضرت بلال فرماتے ہیں) کہ اس وقت میرے دل میں ایسی تنگی اور پریشانی ہوئی جو لوگوں کو ایسے موقع پر ہوا کرتی ہے، یہاں تک کہ جب میں عشاء کی نماز سے فارغ ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اپنے دولت کدہ پر پہنچ گئے، میں اجازت لیکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس سے میں قرض لیا کرتا تھا وہ مجھے آج ایسا ایسا کہہ کر گیا ہے، اور نہ تو آپ کے پاس ادا کرنے کو کچھ ہے اور نہ ہی میرے پاس، دھو فاضلی یہ اسم فاعل ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو رہا ہے، یعنی وہ مجھے اور رسوا کرے گا (اگر وقت پر ادا کرنے کو کچھ نہ ہوا) لہذا مجھے اجازت دیجئے کہ مدینہ کے اطراف میں جو بعض قبیلے اسلام لے آئے ہیں وہاں بھاگ جاؤں، جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائیں وہ چیز کہ جس سے قرض ادا ہو (آپ میری بات سن کر خاموش رہے) میں آپ کے پاس چلا آیا، اور میں نے اپنے گھر اگر سفر کا ضروری سامان تلوار تھمیل، جوتے، ڈھال یہ سب چیزیں اپنے سرہانے رکھ لیں، یہاں تک کہ جب صبح صادق ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ سفر میں چل دوں، اسی دوران میں ایک آدمی دوڑا ہوا مجھ کو پکارتا ہوا آیا کہ حضور بلارہے ہیں، میں آپ کی طرف چلا، راستہ میں میں نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی دیکھیں جن پر سامان لدا ہوا تھا، میں اجازت لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ نے تیرے دین کے ادا کا انتظام فرمادیا، اور فرمایا العترة الکاتب المتناخات الاسبغ کہ کیا تو نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی نہیں دیکھیں میں نے عرض کیا جی دیکھی ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹنیاں مع ان سامانوں کے جو ان پر ہیں تیرے حوالہ ہیں، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان اونٹیوں پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا ہے۔ اهداهن الی عظیمہ ذلک یہود فدک کے ایک بڑے آدمی نے یہ ہدیہ میرے پاس بھیجی ہیں، ان کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کر لے، وہ کہتے ہیں میں نے ایسا کر لیا، یعنی بعض سامان فروخت کر کے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد روایت میں ہے فذکر الحدیث۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ

اور بھی مضمون تھا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں کثر العمال کے حوالہ سے اس حدیث کا بقیہ حصہ ذکر فرمایا ہے، پھر (یعنی ادائے دین کے بعد) میں مسجد کی طرف چلا تو دیکھا آپ تشریف فرما ہیں، میں نے سلام عرض کیا، آپ نے دین کے بارے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا دین ادا کر دیا، آپ نے پوچھا کچھ مال بچا ہے؟ میں نے عرض کیا جی بچا ہے، آپ نے فرمایا دیکھ مجھے اس باقی سے راحت پہنچا دے، اسلئے کہ میں اس وقت تک اپنے گھر والوں میں سے کسی کے پاس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ تو مجھ کو اس سے راحت پہنچائے پھر جب شام ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز سے فارغ ہو گئے، آپ نے مجھ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ باقی مال کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا جی میرے پاس ہی ہے کوئی لینے نہیں آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رات مسجد ہی میں گزاری، پھر جب دوسرے دن کی عشا کی نماز سے آپ فارغ ہوئے تو مجھ کو بلا کر پھر دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے راحت پہنچا دی، آپ نے اس پر تکبیر اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

شفقاً من ان یدرکہ الموت وعندہ ذلک، یعنی آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو اس حال میں موت آئے کہ یہ مال میرے پاس ہو (اس کے بعد آپ مسجد سے ازواج مطہرات کے مکانات کی طرف چلے) میں بھی آپ کے پیچھے چلا تو آپ جملہ ازواج کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک زوجہ محترمہ کو سلام کرتے ہوئے اپنی باری کی جگہ پہنچ گئے (آخر میں سائل یعنی عبداللہ البوزنی سے فرماتے ہیں) فہذا الذی سألتنی عنہ یہ ہے اس کا جواب جو تو نے مجھ سے پوچھا تھا، اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے فسکت عنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاہتمنتہا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری ساری بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی یعنی شروع قصہ میں، پس مجھے یہ حالت کچھ پسند نہ آئی، غالباً اشارہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت کی طرف ہے کہ آپ نے کوئی تسلی کا جملہ بھی نہ فرمایا، یہ بھی ان کے تعلق اور محبت ہی کی بات ہے جو کہہ رہے ہیں، اس حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے، اگرچہ عظیم فذک یہودی تھا، لیکن یہودی بھی مشرکین ہی کے حکم میں ہیں لقولہ تعالیٰ قالت الیہود عزیر ابن اللہ اگرچہ بعض دوسرے احکام میں مشرکین اور اہل کتاب میں یقیناً فرق ہے۔

عن عیاض بن حمار۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال اہدیت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ناقة

فقال اسلمت؟ قلت لا، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انی نہیت عن ربک المشرکین۔

یہ حدیث گذشتہ حدیث کے بظاہر خلاف ہے جس میں آپ کا عظیم فذک کا ہدیہ قبول کرنا مذکور ہے، اور اس حدیث میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو مشرکین کا عطیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہی فرماتے ہیں کہ روایات

قبول ہدیہ مشرکین و عدم قبول کے بار میں دو مختلف حدیثیں

القبول صح۔ اور وہ کہتے ہیں، اور یہاں کہا جائے کہ منع کا تعلق مشرکین کے ہدایا سے ہے، اور قبول کی روایات میں اہل کتاب

کے ہدایا کا ذکر ہے، اور خطابي کہتے ہیں یہ منع کی روایت منسوخ ہے اس لئے آپ نے بہت سے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ہیں، جیسے مقوقس نے ماریہ قبطیہ، اور بقلہ، اور ایسے ہی آگیدر دومہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا ہے اھ مختصر امن البذل، ایسے ہی باب احیاء الموات میں ملک ایلہ کے ہدیہ کا ذکر ہے فاتینا تبوک فاہدی ملک ایلہ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بغلۃ بیضاء، امام ترمذی نے بھی اس تعارض پر کلام فرمایا ہے، انہوں نے نسخ کے بارے میں دونوں احتمال لکھے ہیں یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہا جائے، کتاب الجہاد کے اخیر میں "باب فی حمل السلاح الی ارض العدو" اس میں جو حدیث گزری ہے اس میں ہدیہ مشرک کا رد مذکور ہے۔ فت ذکر۔

الحديث اخرجه الترمذی وقال حسن صحيح، قاله المنذری۔

باب فی اقطاع الارضین

بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے کتاب القطائع لکھا ہوا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج اس پر اگر ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے "احیاء الموات" کا، یہاں مصنف نے ترجمہ قائم کیا۔ اقطاع الارضین۔ یعنی ارض کو مطلقاً ذکر کیا اور احیاء کی اضافت موات کی طرف کی، جس کی وجہ یہ ہے کہ احیاء بالاتفاق ارض موات ہی کا ہوتا ہے، موات یعنی ارض مباحہ غیر مملوکہ اور وہ بنجر زمین جو کسی کی ملک نہ ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ موات وہ زمین ہے جو کسی کی ملک نہ ہو خارج بلد ہو، نیز مرا فق بلد سے نہ ہو یعنی اہل شہر کی کوئی ضرورت و منفعت اس سے وابستہ نہ ہو۔ بخلاف اقطاع کے کہ وہ اکثر تو ارض موات ہی کا ہوتا ہے اور کبھی ارض مملوکہ کا بھی، یعنی امام اپنی مملوکہ زمین میں سے اقطاع کرے یا مملوکہ للغیر ہو اور اس کی اجازت سے امام اقطاع کرے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، امام شافعی کے نزدیک امام کے لئے ارض مملوکہ لبیت المال کا اقطاع بھی جائز ہے، صرح بہ النووی۔

اقطاع کہتے ہیں خلیفہ وقت کی جانب سے زمین کا ایک رقبہ کسی کے لئے نامزد کر دینا، قطیعہ بمعنی جاگیر جس کی جمع

ملہ چنانچہ آگے جن ہدایا کا ذکر خطابي وغیرہ کے کلام میں آرہا ہے وہ سب ہدایا اہل کتاب کی طرف سے تھے ۱۲۰

۱۲۰ بدائع الصنائع میں زمینوں کے اقسام اور احکام کے ضمن میں لکھا ہے کہ امام کو اقطاع موات کا حق اسلئے ہے کہ یہ سبب ہے عمارت بلاد کا کیونکہ اقطاع کے بعد حجب وہ زمین رعایا میں سے کسی ایک کی ملک ہو جاتی ہے تو وہ اس کی خدمت کر کے اس کو آباد اور کار آمد بناتا ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اقطاع کے بعد اس زمین کی خدمت کر کے اس کو کار آمد نہ بنائے تو تین سال تک اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ تین سال کے بعد

قطاع آتی ہے، کتاب القطیعة یعنی جاگیر نامہ، جو کسی کے لئے امام لکھ کر دے، اقطاع اور احیاء میں فرق واضح ہے، اسلئے کہ اقطاع فعل امام کا نام ہے وہ کسی اور چیز پر موقوف نہیں بخلاف احیاء کے کہ وہ خدمت ارض کا نام ہے۔ پس جو شخص کسی ارض مباحہ غیر مملوکہ کی خدمت کر کے اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس میں اختلاف ہے کہ احیاء میں اذن امام شرط ہے یا نہیں، امام صاحب کے نزدیک ضروری ہے، امام شافعی و احمد اور صاحبین کے نزدیک غیر ضروری ہے، اور امام مالک کے نزدیک موات قریب میں اذن شرط ہے بعید میں نہیں، یعنی جو آبادی سے زیادہ دور ہو

عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقطع ارضا بحضرة موت۔

حضرت موت یمن کا مشہور علاقہ ہے جس میں بہت سے شہر ہیں، حضرت موت میں اقطاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص شہر میں ہو الا بخوار اقطاع عند نانی المصر کما سیأتی قریباً۔
والحدیث اخرجه الترمذی، قاله المنذری۔

عن فطر قال حدثني ابي عن عمرو بن حزن قال خطبني رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم دار بالمدينة بقوس وقال ازيدك ازيدك۔

شرح الحدیث | عمرو بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے کمان کے ذریعہ سے نشان ڈالا مدینہ میں ایک مکان کی زمین کا یعنی کمان کے ذریعہ زمین پر نشان ڈال کر فرمایا کہ اتنا حصہ تمہارے لئے ہے، اسی فعل امام کا نام اقطاع ہے، اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے ان صحابی کو ایک مکان کے بقدر زمین شہر میں عطا کی، حنفیہ کے نزدیک اقطاع فی المصر جائز نہیں کیونکہ شہر میں خور زمین ہوگی لاسالہ کسی کی ملک ہوگی، وایجاب: الحدیث ضعیف ضعف الائمة یرویه فطر بن خلیفہ عن ابیہ، والوہ مجہول، یا حدیث کی تاویل کی جاتے یعنی اقطع برضا المالك، اور رضا ملکہا ہو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس حدیث کے آخری جملہ کی شرح میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ استفہام ہے آپ کی جانب سے کہ آپ نے اس زمین کو ناپتے وقت ان سے فرمایا کہ اتنی مقدار کافی ہے یا اور اضافہ کروں، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں ان صحابی کو کہ دیکھ میں تجھ کو بڑھا کر دے رہا ہوں، اور تیسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت تو اتنا ہی دے رہا ہوں بعد میں اس میں اضافہ کر دیں گے۔

عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن عن غیس واحد ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقطع بلال بن الحارث المزني معادن القبليّة وهي من ناحية الفرج فتلك المعادن لا يؤخذ منها الا الزكاة الى اليوم۔

— بھی اگر وہ کچھ نہ کرے تو اس سے واپس لے لی جائے گی وہ زمین پھر سے موات بن جاتی ہے لہذا اب امام اس کا اقطاع کسی دوسرے شخص کیلئے کر سکتا ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن الحارث کے لئے مقام قبل کی معادن (کانیں) اقطاع فرمائیں یعنی بطور جاگیر عطا فرمائیں، قبل ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ میں نواحی فرعی میں واقع ہے۔ اور فرع کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک قریہ ہے نواحی ربذہ میں، اس کے اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (بذل)

معادن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا خمس | آگے روایت میں ہے کہ ان معادن سے اس وقت سے لیکر اب تک صرف زکوٰۃ ہی لی جا رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ ربع العشر لیا جا رہا ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک معادن میں خمس واجب ہوتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک معادن میں مثل کنز کے خمس واجب ہوتا ہے، بخلاف جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے نزدیک خمس صرف کنز یعنی دھنہ جاہلیہ میں ہے اور معادن میں زکوٰۃ ہی واجب ہوتی ہے، حنفیہ کی دلیل آگے کتاب الخراج ہی میں اسکے اوخر میں، باب ما جاء فی الرکاز و ما فیہ، میں آرہی ہے، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث، "وفی الرکاز الخمس" دراصل رکا کے مصداق ہی میں اختلاف ہو رہا ہے، جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکا کنز کے مرادف ہے، کنز بالاتفاق دھنہ جاہلیہ کا نام ہے اور معادن بالاتفاق اس کان کا نام ہے جو مخلوق للشر تعالیٰ ہو، حنفیہ کے نزدیک معادن کا مقابل کنز ہے اور رکا ان کے نزدیک دونوں کو شامل ہے، پس استدلال تو ہر دو فریق کا اسی حدیث "وفی الرکاز الخمس" سے ہے لیکن چونکہ رکا کے مصداق میں حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہو گیا، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا۔

معادن قبلیہ والی حدیث کے حنفیہ کی طرف سے جوابات | لیکن حدیث الباب سے ظاہر ہے کہ جمہور کی تائید ہو رہی ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں، اول یہ کہ اس حدیث میں یہ جملہ فتک المعادن الخ متکلم فیہ ہے، حضرت شیخ نے اس پر اوخر میں تفصیل کلام فرمایا ہے اور پھر اخیر میں خلاصہ کے طور پر اس حدیث کے چھ جواب ذکر فرمائے ہیں، دہنیہ، استدلال من قال بوجوب الزکاۃ فی المعادن بحديث بلال المذكور، واجب عنه بوجوه الاول ما تقدم من كلام الحافظان زیادة وجوب الزکاۃ لا توجد فی الروایة الموصولة (یعنی یہ اصل حدیث تو مشہور اور صحیح ہے) لیکن اس کا آخری جملہ وہ متکلم فیہ ہے روایات موصولہ میں مذکور نہیں

۱۔ ربذہ تو مدینہ منورہ سے مشرق میں طریق عراق قدیم پر واقع ہے تقریباً دو تئیسے زائد کیلو میٹر کے فاصلہ پر، اور فرع مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً شتر کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، مکہ مکرمہ کے طرق اربعہ معروف میں ایک طریق فرعی بھی ہے جو کتاب الحج میں گذر چکا۔ ۲۔ لہذا کنز اور معادن میں بالاتفاق مفہوم کے لحاظ سے تباین کی نسبت ہوئی الاول مدفون والثانی مخلوق، اور جمہور کے نزدیک رکا اور معادن میں بھی تباین ہی کی نسبت ہے کیونکہ رکا ان کے نزدیک مرادف ہے کنز کے اور حنفیہ کے نزدیک رکا اور باقی دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہوئی۔ رکا عام ہے دونوں کو شامل ہے لہذا دونوں میں خمس ہی واجب ہوگا ۱۳

صرف روایات مرسلہ میں ہے، والثانی ما تقدم من کلام الامام الشافعی، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ ٹکڑا ثابت نہیں،
الثالث ما اشار الیہ الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطاؤه اذ قال بعد ذکر حدیث الباب: قال محمد: الحدیث المعروف ان النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: فی الرکاز الخمس الخ وهو اشارة الى ان حدیث الباب یخالف الحدیث المعروف فهو شاذ
والرابع والخامس ما فی الزیلعی: قال ابو عیینہ فی کتاب الاموال: حدیث منقطع ومخ القطاعہ لیس فیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم امر بذلك، وانما قال یؤخذ منها الزکاة الی الیوم، قال ابن الہمام یعنی فیجوز کون ذلک من اہل الولایات اجتہاداً
منہم، والسادس ما اجاب بہ صاحب البیان: یحتمل انہ انما لم یأخذ منہ ما زاد علی ربح العشر لما علم من حاجتہ وذلک جائز
عندنا، یعنی ان صحابی کی حاجت اور فقر کی وجہ سے آپ نے ان سے صرف زکاة لینے پر اکتفا فرمایا بجائے خمس کے اھ۔
ایک اور بھی جواب دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ حوالان حول کے بعد آپ نے ان سے زکاة لی، واما فی الحال فان خمس۔

حدثنا العباس بن محمد بن حاتم وخیبرہ الخ۔

اس معادن قبلیہ والی حدیث کو مصنف نے متعدد طرق سے ذکر کیا، اس میں پہلا طریق جو گذر چکا وہ مرسل ہے
اور یہ دوسرا طریق اور اس کے بعد جو طریق آ رہا ہے وہ مسند ہے، مگر طریق مسند ضعیف ہے کیونکہ اس کے اندر کثیر بن عبد اللہ
ابن عمرو بن عوف المزنی ہے جو کہ منکر الحدیث ہے، بلکہ ان کی تکذیب بھی کی گئی ہے، قال ابو زرعہ واھی الحدیث، وقال النسائی
والدارقطنی موقوف الحدیث، وقال ابن عبد البر صحیح علی ضعفہ (بذل) بظاہر مصنف نے طریق مسند کو مؤخر اسی لئے کیا کہ وہ ضعیف
جلسیہا وغوریتھا۔ جلسی بلند زمین اور غوری پست زمین، یعنی جملہ معادن قبلیہ چاہے وہ بلند زمین میں ہوں یا پست
میں، اس طریق میں کتاب القطیعة بھی مذکور ہے۔

قال ابن النضر وجرسھا، یعنی ابن النضر نے بجائے جلسیہا کے جرسھا کہا، مگر یہاں اس لفظ کے کچھ معنی
ہتے نہیں کہ اقیل، ذات النصب مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور قدس ایک معروف پہاڑ کا نام ہے یا ہر وہ
جگہ جہاں زراعت کی صلاحیت ہو۔

عن ابیض بن حمال انه وفد الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاستقطعه الملح۔

یعنی ان صحابی نے آپ سے نمک کی کان کا اقطاع طلب کیا جو مقام مارب میں ہے۔

قال رجل من المجلس اتدری ما قطعت له انما قطعت له الماء العذب

شرح الحدیث | یعنی جب آپ نے ابیض بن حمال کے لئے نمک کی کان کا اقطاع کر دیا تو حاضرین مجلس میں سے
ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ نے اس کے لئے کس چیز کا اقطاع
فرمایا ہے؟ آپ نے اس کے لئے ایسے پانی کا اقطاع فرمایا ہے جو تیار شدہ نمک ہے، اس پر آپ نے اس اقطاع کو
واپس لے لیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو چیز ظاہر العین اور حاضر النفع ہو، یعنی جس سے بلا سخت اور کدوکاوش کے آمدنی اور وصولیابی ہو سکے اس کا اقطاع جائز نہیں بظاہر اس لئے کہ اس پر موات ہونا صادق نہیں آتا۔

قال: وسأله عما يحمى من الأراك، قال: ما لم تنله خفاف۔

یہاں پر نجی سے مراد احیاء ہے کیونکہ حمی کی تو ہماری شریعت میں اجازت نہیں کما سیاتی الحدیث، اراک یعنی سیلو کا درخت، یعنی اس شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اراک کے کون سے درخت ایسے ہیں جن کا احیاء کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا ان درختوں کا جہاں اونٹ چل کر نہ پہنچ سکیں یعنی جو آبادی سے زیادہ فاصلہ پر ہوں، ایسے اراک کا احیاء جائز ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ درختوں کا احیاء مطلقاً جائز ہی نہیں کیونکہ اونٹ تو سمجھی جگہ پہنچ سکتا ہے، یعنی احیاء تو ارض موات کا ہوتا ہے اشجار کا نہیں، اور تیسرے معنی اس جملہ کے خود نفس روایت میں آرہے ہیں۔ یعنی ان الابل تا کل منتهی رؤسها ويحمى ما فوقه، یعنی درختوں کا جتنا حصہ ایسا ہے جہاں تک اونٹوں کی گردن پہنچ سکتی ہے اسکو چھوڑ کر اس سے اوپر کے حصہ کا حمی جائز ہے فقلاً اراک فی حظاری یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اراک و اشجار میں حمی نہیں ہوتا تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں ان اراک کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو میری زمین کے اطراف میں ہیں، بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے جس موات کا احیاء کیا تھا اور اس پر اپنا نشان وغیرہ ڈال کر اس کو محفوظ کر لیا تھا تو اس زمین میں کچھ درخت اراک کے پہلے سے قائم تھے، تو وہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں ایسے درختوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کے جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ تو اس زمین کا تو مالک ہو گیا احیاء کی وجہ سے، مگر اس احیاء کی وجہ سے درختوں کا مالک نہیں ہو گا، لیکن اگر کوئی شخص ارض موات کا احیاء کرے اور پھر اس کے امیر کے بعد اس میں درخت پیدا ہو جائیں اس کا حکم یہ نہیں ہے، ان کا وہ مالک ہو جائے گا۔ (بذل)

حدثني عثمان بن ابي حازم عن ابيه عن جده صفوان بن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم غزا ثقفًا۔
شرح الحدیث | یہ صفحہ بن عیلة الاجمسی ہیں ان کی حدیث کا یہ شروع کا حصہ ہم غزوہ طائف کے بیان میں لکھ چکے ہیں اس کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے اگلے حصہ کی شرح لکھی جاتی ہے یہ حدیث ذرا طویل ہے، نیز محتاج

شرح ہے۔ فكتب اليه صفوان ما بعد! فان ثقيفا قد نزلت على حكيمك يا رسول الله۔

یعنی صفحہ بن عیلة نے جب اس حصہ طائف کو فتح کر لیا تو اس کی اطلاع انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کی، فدعا لاجمیس عشر دعوات اللهم بارک لاجمیس فی خیلہا ورجالہا، یعنی آپ نے صفحہ بن عیلة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کارنامے پر خوش ہو کر ان کی قوم اجمیس کو دس دعائیں دیں جس میں سے ایک دعا تو یہاں مذکور ہے باقی غیر مذکور اور ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ آپ نے یہی دعا دس بار فرمائی۔

واتاه القوم فتكلم المغيرة بن شعبه فقال يا نبي الله ان صفوا اخذ عمتي ودخلت فيما دخل فيه المسلمون۔

قوم سے مراد قبیلہ ثقیف ہے، یہ تو اوپر آبی جگہ کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے تھے تو ان میں سے بعض نے یعنی مغیرہ بن شعبہ جو کہ ثقیفی ہیں انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ صخر بن عیلہ نے میری پھوپھی کو پکڑ رکھا ہے حالانکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی، مغیرہ کی یہ بات سن کر آپ نے صخر کو بلایا اور فرمایا۔ ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمائہم واموالہم فادفع الی المغیرۃ عمتہ۔ کہ جب کافر لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، لہذا عمتہ مغیرہ کو واپس کر دو، انہوں نے واپس کر دیا، وسأل نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ماء لینی سلیم قدھر یوا عن الاسلام وترکود لک الماء یعنی عمتہ مغیرہ کو واپس کرنے کے بعد صخر بن عیلہ نے آپ سے قبیلہ بنو سلیم کے قریہ کا سوال کیا جو اسلام لانے سے پچکر فرار ہو گئے تھے اور اس قریہ کو چھوڑ گئے تھے اور درخواست یہ کی کہ انزلنہ انا وقومی کہ اس میں مجھے اور میری قوم کو بسنے اور ٹھہرنے کی اجازت دیدیجئے، آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرما کر ان کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ پھر بعد میں یہ لوگ یعنی بنو سلیم اسلام لے آئے اور صخر کے پاس آئے اور ان سے کہا ہمارا قریہ واپس کرو، انہوں نے انکار کیا، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور صورت حال بیان کی، آپ نے پھر صخر کو بلایا اور فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالہم ودمائہم فرمایا کہ اس قریہ کو واپس کر دو، انہوں نے کہا بہت اچھا۔ قرأت وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یتخیر عند ذلک خیمۃ حیاء من اخذہ الجاریۃ واخذہ الماء۔ راوی کہہ رہا ہے کہ اس موقع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا تھا صخر کے ساتھ اس معاملہ سے شرمناک کہ ان سے جاریہ بھی لے لی گئی اور وہ قریہ بھی، اگرچہ صخر کو کوئی تامل نہ ہوا تھا آپ کے فیصلہ پر، لیکن آپ خود شرمناک تھے۔

حدیث پر ایک قوی اشکال اور اس کا جواب | یہاں پر دو باتیں پائی گئیں اول عمتہ مغیرہ کا رد، دوسرے مار بنو سلیم کا رد، اور یہ رد آپ نے یہ کہہ کر کرایا کہ کفار جب اسلام لے آتے ہیں تو وہ قیدی ہوں یا غیر قیدی تو اسلام لانے کے بعد ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، یہاں عمتہ مغیرہ کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے وہ اخذ صخر سے پہلے اسلام لا چکی ہوں اس صورت میں ان کو رد کرنا قاعدہ کے مطابق ہے لیکن مار بنو سلیم کے بارے میں تو روایت میں تصریح ہے کہ وہ اسلام سے روگردانی کر کے اپنے چشمہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اسلام ان کا اس کے بعد پایا گیا پھر وہ اپنے قریہ کی واپسی کے مستحق کہاں تھے؟ اپنے دونوں کے بارے میں یہی قاعدہ ارشاد فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمائہم واموالہم، کافر قیدی اگر بعد میں اسلام لے آئیں تو ان کی جان و مال غنیمت ہونے سے بھڑا ہی خارج ہوتی ہے یہ تو اجماعی مسئلہ ہے۔ یہ بڑا کٹھن مقام ہے، شرح نے اس کی توجیہ

مع اگر آپ یہ جملہ ارشاد نہ فرماتے تو ہم اس حدیث کی تاویل یہ کرتے کہ یہ واقعہ حال لا عموم لہا کے قبیل سے ہے ۱۲

یہ کئی ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مار بنو سلیم اسی طرح عمدہ میفرہ دونوں کو واپس کرنا مقصود تھا کسی مصلحت کی بنا پر اس لئے آپ نے یہ جملہ جو ارشاد فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا الخ اس میں آپ نے تو یہ اختیار فرمایا، یعنی گول مول بات فرمائی، اصل مراد کو ظاہر نہیں فرمایا مقام کی مصلحت کے پیش نظر، اس جملہ کے معنی حقیقی و مرادی تو یہ ہیں کہ کفار اگر قبل الاخذ و قبل القید اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جائیں اور مال مامون و محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن مخاطب اور سامع کے سامنے آپ نے اس معنی مرادی کو واضح نہیں فرمایا قصد بلکہ اس جملہ کو اطلاق اور عموم کے ساتھ فرمایا تاکہ وہ یعنی صحابہ بنو سلیم کو خود ہی واپس کر دیں، چنانچہ انہوں نے واپس کر دیا ایک واقعہ آگے ابوداؤد میں اسی قسم کا اور آرہا ہے وہاں آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ واضح فرمایا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ قید ہونے کے بعد کافر قیدی اگر اسلام لائے تو پھر اس کو چھوڑا نہیں جائے گا وہ غلام اور مملوک ہی رہے گا، یہ واقعہ کتاب الایمان والنذور باب النذر فیما لایملک میں آرہا ہے۔ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال كانت العصابة لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج الخ۔

آپ کی ناقہ عصباء کا واقعہ | اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور اونٹنی عصباء آپ بنو عقیل میں سے ایک کافر شخص کی تھی اس اونٹنی کو اور اس کے مالک کو قید کر لیا گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر کو گذر ہوا جبکہ وہ شخص قید میں تھا تو اس نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے مجھے اور میری اونٹنی کو کیوں پکڑ رکھا ہے، آپ نے اس کو الزامی جواب دیا کہ ناخذک بحریرة حلفانک ثقیف قال وکان ثقیف قد اسروا رجلی من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آگے راوی کہتا ہے کہ اس شخص نے یہ بھی کہا، وانا مسلم، آپ آگے بڑھ کر چلے گئے اس نے آپ کو ندردی یا محمد یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ لوٹ کر واپس اس کے پاس آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا ائی مسلم، اس موقع پر آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ اس کے سامنے بیان کیا اور فرمایا لو قلتها وانت تملك امرک افلحت کل الفلاح، یعنی اگر تو قید ہونے سے پہلے یہی بات کہتا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا، قید ہونے کے بعد اسلام لانے سے جان نہیں بچتی غلام ہی رہتا ہے۔

عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نزل فی موضع المسجد تحت ذؤنبة

فانما ثلاثا شخرج الی تبوک۔

شرح الحدیث | مضمون حدیث یہ ہے: ربیع بن سیرۃ الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ لیکن روایت کے بعض الفاظ اس توجیہ سے کچھ اتفاق نہیں رکھتے واللہ تعالیٰ اعلم ہر ادنیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، باقی یہ بات طے شدہ ہے جس پر ہم سب کا ایمان ہے کہ آپ کی زبان، بلد کے کوئی ناحق بات نہیں نکل سکتی۔ لہ دیکھئے یہاں آپ نے مرجع ضابطہ کی آثار فرمائی۔

غزوہ تبوک کے سفر میں ایک جگہ راستہ میں جہاں بعد میں مسجد بھی بن گئی ہے ایک بڑے درخت کے نیچے اترے اور وہاں تین دن تک قیام فرمایا اور پھر آگے تبوک کی طرف تشریف لے چلے، راستہ میں آپ جبکہ ایک کھلے میدان میں تھے قبیلہ جہینہ والے آپ سے ملاقات کے لئے آئے وہاں قریب میں ایک بستی تھی جس کا نام ذوالمرودہ تھا، آپ نے دریافت فرمایا کہ ذوالمرودہ میں بسنے والے کون لوگ ہیں، حاضرین میں سے بعض نے جواب دیا کہ قبیلہ جہینہ کی شاخ بنور فاعہ ہیں آپ نے فرمایا، قد اقطعتمہا البنی رفاعۃ کہ اس بستی کا میں اقطاع کرتا ہوں بنور فاعہ کے لئے (یعنی ان ہی کے لئے جو اس میں رہتے ہیں) آگے روایت میں ہے کہ آپ کے اس فرمان کے بعد ان لوگوں نے اس بستی کو آپس میں باقاعدہ تقسیم کر لیا بعض نے اپنا حصہ فروخت کر دیا اور بعض نے نہیں کیا، یہ ذوالمرودہ وادی القری میں ایک بستی ہے جس کا آپ نے اس میں بسنے والوں کے لئے اقطاع فرمایا۔

عن هشام بن عروۃ عن امیہ عن اسماء بنت ابی بکر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع الزبیر بن حنظل۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کے شوہر) زبیر کے لئے کھجوروں کے ایک باغ کا اقطاع فرمایا۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ شافعیہ کے مسلک پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اقطاع ارض مملوکہ کا بھی جائز ہے، حنفیہ کے یہاں جائز نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا اقطاع اور احیاء کی تعریف میں، بذل میں ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ نخل چونکہ ایسا مال ہے جو ظاہر العین اور حاضر النفع ہے جس کا اقطاع جائز نہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ اس کا اقطاع آپ نے اپنے حصہ خمس میں سے کیا جو آپ کی ملک تھا فلا اشکال فیہ، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نخیل از قبیل موات ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ روایت یہاں مختصر ہے دوبارہ دو حدیثوں کے بعد تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

نا عبد اللہ بن حسان العبزی قال حدثتني جدتاي صفیة ودحیبة ابنتا علیبة۔ وكانت ابنتی قلیلة بنت مخومة۔ وكانت جدّة ابیہما۔ انہا اخبرتہا۔

مضمون حدیث مع الشرح عبد اللہ بن حسان عبزی کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میری دودادیلوں نے صفیہ بنت علیبہ اور دحیبة بنت علیبہ نے یہ دونوں تو آپس میں بہنیں ہیں، ہو سکتا ہے ایک ان میں سے عبد اللہ بن حسان کی وادی ہو اور دوسری نانی ہو، یا ہو سکتا ہے ان میں سے ایک کو اخت جدہ ہونے کی حیثیت سے جدہ کہا ہو، راوی کہتا ہے یہ دونوں قبیلہ بنت مخرمہ کی ربیبہ تھیں یعنی ان دونوں نے قبیلہ کی گود میں پرورش پائی تھی اور پھر آگے یہ ہے کہ یہ قبیلہ ان دونوں کے باپ کی دادی تھی، گویا خود ان دونوں کی پردادی یہ دونوں کہتی ہیں کہ ہم سے قبیلہ نے بیان کیا۔ وہ واقعہ جو آگے حدیث میں آرہا ہے۔

قد منعنا على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قالت تقدم مصاحبي تعني خريث بن حنشان وافند بكر بن وائل - قيله کہتی ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا رہی تھی تو جو شخص اس سفر میں میرے ساتھ تھا یعنی حریش بن حسان وہ آپ کے دربار عالی میں پہنچ کر مجھ سے پہلے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پر اس نے اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے بیعت علی الاسلام کی، شرعاً یا رسول اللہ اکتب بیننا وبين بنی تميم بالذکھناء ان لا یجاوزھا الینا منھما احد الامسافر او مجاوزہ یہ قیلہ جو واقعہ بیان کر رہی ہیں قبیلہ بنو تميم سے ہیں اور یہ دہنار دیا رہو تميم میں ایک علاقہ کا نام ہے، تو حریش نے اسلام لانے کے بعد آپ سے یہ درخواست کی کہ یہ مقام دھنار ہمارے لئے مخصوص کر دیا جائے، اور یہ کہ بنو تميم اس سے منتفع نہ ہوں، اور یہ کہ یہ اس زمین میں نہ آئیں الا یہ کہ کوئی مسافر ہو راستہ عبور کرے تو یہ امر آخر ہے، حریش کی درخواست پر آپ نے کسی لڑکے سے جو وہاں موجود ہوگا فرمایا کہ اس مقام دھنار کو حریش کے نام لکھ دو، یعنی اس کا اس کے لئے اقطاع کرو، فلما رأیته قد امر لہ بھا شخص بی وہی وطنی ودارى - یہ قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس لڑکے کو مقام دھنار کے بارے میں حریش کے لئے لکھنے کو فرمادیا ہے تو میں گھبر گئی میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی، کیونکہ یہ مقام دھنار ہمارے گھر اور وطن کے بالکل متصل تھا (لہذا اس کے حق دار تو ہم تھے) فقلت یا رسول اللہ! انہ لم یسٹلک السویۃ من الارض اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اس شخص نے ایسی زمین کی فرمائش آپ سے نہیں کی جس میں ہمارا اور اس کا استحقاق برابر ہوتا، یعنی یہ زمین تو خالص ہمارا حق بیٹھتی ہے ایسی بھی نہیں جس کو مشترک مان لیا جائے (یعنی اول تو مشترک ہونے کی صورت میں بھی اس کا اپنے لئے اس کو لکھوانا درست نہ تھا چہ جائیکہ اس صورت میں کہ وہ خالص ہمارا حق ہے) (۲) سویۃ سے مراد عدل وانصاف یعنی اس زمین کے سوال کرنے میں اس نے عدل وانصاف کو سامنے نہیں رکھا آگے قیلہ اس زمین کی نوعیت آپ سے بتا رہی ہے، انما ہذا الدھناء عندک مقتید الجمل و مرغی الغنم و نساء بنی تميم وابناؤھا و اراء ذلک - جزاں نیست کہ یہ مقام دھنار، تو آپ کے قریب ہی ہے (زیادہ دور نہیں، آپ خود دیکھ کر اس کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں) یہ تو ہمارے یعنی بنو تميم کے اونٹوں کے بندھنے کی جگہ اور ان کی بکریوں کی چراگاہ ہے اور قبیلہ بنو تميم کی عورتیں بچے بالکل اس کے پیچھے آباد ہیں، فقال امسک یا غلام صدقت المسکینۃ المسلم اخو المسلم یسعھم الماء والشجر - جب آپ نے قیلہ کی یہ ساری بات سنی اور آپ کے علم میں مقام دھنار کی نوعیت آگئی جو پہلے سے نہیں تھی، اس پر آپ نے اس غلام سے فرمایا کہ بس اب لکھنا یہ مسکینہ سچی معلوم ہوتی ہے اور پھر آپ نے فرمایا: مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے، ایک ہی پانی اور ایک ہی چراگاہ سب کو کافی ہو سکتی ہے یعنی اگر بھائی بھائی بن کر رہیں اور ایسی مشترک چیز کی تخصیص اپنے لئے کرنا غلط ہے، گویا آپ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا، یتعاونون علی الفتان

فان اگر بالفتح ہے تب تو صیغہ مبالغہ ہے اور اگر بالضم ہے جمع ہے فاتن کی۔ ایک نسخہ میں ہے مسئل ابوداؤد عن الفتان فقال: الشيطان، یعنی مسلمانوں کو آپس میں شیطان کے مقابلہ میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیئے، اس جملہ میں بظاہر فعل حریت پر تعریض ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی محققاً، قال المنذرى۔

عن ابیہا السمر بن مضر بن قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فبايعته فقال من سبق الی ما علم یسبقہ الیہ مسلم فهو له قال فخرج الناس یتعاضدون یتخاطون۔

مضمون حدیث | اسمر بن مضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ اسمر بن مضر طائی ہیں، طے ایک معروف قبیلہ کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اپنے وطن بلاد طے سے آپ کی خدمت میں آئے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رجوع کے وقت جب یہ اپنے وطن واپس جانے لگے فرمایا کہ ہماری طرف سے جا کر وہاں یہ خوشخبری سنا دینا کہ تم میں سے جو شخص بھی جس غیر آباد چشمہ پر جو پہلے سے کسی کی ملک نہ ہو پہنچ کر اس کو اختیار کر لے گا تو وہ اسی کے لئے ہے، چنانچہ جب انہوں نے یہ بات آپ کی وہاں پہنچائی تو سب لوگ اپنے گھروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس قسم کے چشموں پر پہنچے اور جس کو جو چشمہ پسند تھا اس پر اس نے اپنا خط اور نشان کیسج لیا۔

یہ بھی اقطاع کی ایک صورت ہے جو آپ نے اختیار فرمائی، یہ باب بھی اقطاع ہی کا چل رہا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع الزبیر حفصہ فرسہ

فاجری فرسہ حتی قام شرمی بسوطہ فقال اعطوہ من حیث بلغ السوط۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کے لئے زمین کے ایک رقبہ کا اقطاع فرمایا اور مقدار قطیعہ حفصہ فرس کو قرار دیا یعنی گھوڑے کی ایک مرتبہ کی دوڑ کو، چنانچہ انہوں نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا پھر اس ایک دوڑ میں وہ جہاں جا کر رکا اس جگہ سے انہوں نے اپنا کوڑا اور آگے پھینکا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہاں سے جہاں سے گھوڑا دوڑایا تھا وہاں تک جہاں تک کوڑا پہنچا دیدیا جائے، یعنی دونوں مقداروں کا مجموعہ، یہ روایت اقطاع زبیر والی ابھی قریب میں مختصر گذر چکی، اور اس پر کلام بھی وہاں گذر چکا۔

باب فی احیاء الموات

اس باب پر کلام گذشتہ باب میں گذر گیا۔

من احیی ارضاً میتة فھی له ولیس لعلیق ظالم حق۔

اس حدیث سے احیاء کی مشروعیت اور اس کا سبب ملک ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور نفس مسئلہ بھی متفق علیہ ہے

گو بعض شرائط و تفصیل میں اختلاف ہے جس کا بیان پہلے گذر چکا۔
 عرق ظالم کی تفسیر آگے خود متن میں آری ہے، اس کو اضافت اور صفت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے۔
 والحدیث اخریہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن یحییٰ بن عروۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔
 پہلی روایت جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام ہیں موصولہ تھی، وہاں صحابی مذکور تھے اور اس طریق میں
 جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام کے بھائی بھی ہیں مرسل ہے۔

قال فلقد خیر فی الذی حدثنی هذا الحدیث ان رجلیین اختصما الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وآلہ وسلم غرس احدہما نخلاً فی ارض الآخر۔

شرح الحدیث | اس قال کے قائل عروہ ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ جس شخص نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی تھی اس نے
 مجھ کو اس بات کی خبر دی، الذی حدثنی کا مضداق جو باب کی پہلی حدیث میں گذرا ہے وہ سعید
 بن زید صحابی ہیں اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں پودا لگا دیا، بعد میں ان میں اختلاف
 ہوا اسی بات پر کہ دوسرے کی زمین میں تو نے کیسے پودا لگایا، یہ دونوں اپنا مسئلہ لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 کی خدمت میں آئے تو آپ نے زمین کا فیصلہ مالک زمین کے حق میں فرمایا، اور جس نے درخت لگایا تھا اس کو حکم
 دیا کہ اس کی زمین سے اپنا درخت خارج کر دے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے میں نے ان درختوں کو دیکھا کہ ان کی جڑوں
 پر کھاریاں چلائی جا رہی تھیں اور وہ بہت لایمبہ لایمبہ درخت تھے، یہاں تک کہ وہ سب نکال دیئے گئے اس
 زمین سے (لفظہ عجم تشدید میم کے ساتھ جمع ہے عجم یا عجمہ کی)

حدثنا احمد بن سعید یہ دوسری سند ہے اس میں بجائے الذی حدثنی کے یہ عبارت ہے فقال
 رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور پھر عروہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے
 کہ وہ صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تھے، دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں عروہ نے
 اپنے استاذ کی تعیین نہیں کی تھی اور اس دوسری روایت میں بطریق ظن کے اس کی تعیین ابو سعید خدری سے
 کر رہے ہیں، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھاریاں چلانے والے کئی اشخاص تھے اور
 اس دوسری روایت میں یہ ہے کہ کھاریاں چلانے والا خود صاحب نخل تھا۔

عن عروۃ قال اشہد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الارض ارض اللہ۔
 عروہ تابعی ہیں انہوں نے شروع میں یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کی بغیر ذکر سند کے پھر
 بعد میں جاء نابہذا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از سے مروی عنہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت

سے صحابہ کرام ہیں، لہذا اب یہ حدیث سند کے حکم میں ہو گئی، مراد ارض سے مطلق زمین نہیں بلکہ موات ہے یعنی ارض موات کسی انسان کی مملوک نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور ایسے ہی سب لوگ، اللہ کے بند ہیں، لہذا اسکا احیاء کر کے مالک بنانا درست ہے۔

عن الحسن عن سمرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من احاط حائطاً

على ارض فمهي له۔

شرح الحدیث یعنی جو شخص کسی ارض موات پر دیوار وغیرہ کے ذریعہ سے احاطہ کر لے تو وہ اس کے لئے ہو گئی، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ارض موات کے نفس احاطہ سے احیاء کا تحقق ہو جاتا ہے، امام احمد کا مذہب یہی ہے کہ ان کے نزدیک نفس احاطہ اور تحجیر کافی ہے، اور عند الجمہور نفس تحجیر (چاروں طرف پتھر رکھ دینے) سے احیاء کا تحقق نہیں ہوتا جب تک زمین کی کمائی اور خدمت اور کئی اختیار نہ کیا جائے، لہذا عند الجمہور اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا یعنی من احاط حائطاً للسكنى۔

اخبرني مالك قال هشام العرق الظالم ان يغرس الرجل في ارض غيره فيستحقها بذلك۔

باب کی پہلی حدیث جس کے رواۃ میں ہشام بھی ہیں، ہشام اسکی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ عرق ظالم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی زمین میں درخت لگائے اس نیت سے کہ پھر وہ اس زمین کا مستحق ہو جائیگا۔

عن ابی حمید الساعدي رضي الله تعالى عنه قال غزوت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

تبوك فلما اتى وادي القرى الخ۔

شرح الحدیث ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، جب اثنائے سفر میں وادی القریٰ پہنچے تو وہاں ایک عورت اپنے باغ میں تھی، آپ نے اس باغ کو دیکھ کر اس کے بارے میں خرص فرمایا، خرص کی مقدار دس وسق آپ نے بیان کی، آپ نے جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے ان سے بھی فرمایا کہ تم بھی اس کا خرص کرو، اور اس باغ سے نکلنے وقت آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ خیال رکھنا اس باغ میں کتنی پیداوار ہوتی ہے (تاکہ معلوم ہو کہ کس کا خرص صحیح ہے) چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ سفر سے واپسی میں آپ نے اس عورت سے پھلوں کے بارے میں سوال کیا کہ کتنے اترے، اس نے وہی دس وسق بتائے، آپ کے خرص کے موافق۔

اس حدیث کا ذکر کتاب الزکاة کے باب انخرص میں بھی گزرا ہے۔

فأتينا تبوك فاهدى ملك ايلة الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بغلة بيضاء۔

لے خرص یعنی اپنے انداز سے یہ متعین کرنا کہ اس باغ میں جو درخت ہیں ان سب پر پھلوں کی اتنی مقدار ہے ۱۲

راوی کہتا ہے کہ جب ہم تبوک پہنچ گئے تو وہاں کے دوران قیام ایلہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں بغلۃ بیضا کا ہدیہ پیش کیا، اور آپ نے (اس کے عوض میں) اس کو ایک بہت قیمتی شال عنایت فرمائی۔

وکتب لہ یعنی ببجصرہ، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملک ایلہ کے لئے اس کا قریہ اس کو لکھ دیا۔

بذل القوة میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سسہ میں یحتمہ کی طرف دعوت الی الاسلام کا والائامہ بھیجا جو کہ ایلہ کا بادشاہ تھا اور نصرانی تھا، تو آپ کے تبوک کے زمانہ قیام میں یہ بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اسلام تو نہیں لایا لیکن جزیہ دینا قبول کر لیا، تین سو دینار سالانہ، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ لکھ کر دیدیا اھ۔ یہ کتاب بذل القوة فی حوادث سنی النبوة علامہ مخدوم محمد ہاشم مدنی کی بے نظیر تالیف ہے جس کا اردو ترجمہ عہد نبوت کے اہد سال از مولانا محمد یوسف لدھیانوی، شائع ہو چکا ہے۔

مناسبة الحریث للترجمہ | اس حدیث میں مصنف کی غرض وکتب لہ ببجصرہ سے متعلق ہے اسی کی وجہ سے مصنف یہ حدیث یہاں یعنی احیاء الموات میں لائے ہیں، — کنانی البذل عن تقریر المحمّد الکلکوبی

لیکن اولیٰ یہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ مصنف اس واقعہ کو بجائے باب الاحیاء کے باب الاقطاع میں ذکر فرماتے اور صاحب عون المعبود نے حدیث کی باب سے مناسبت اور طرح لکھی ہے وہ یہ کہ اس عورت نے ارض موات میں درخت لگا کر اس کا احیاء کیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آنے کے بعد جو آپ نے اس عورت کو اس کے باغ پر برقرار رکھا اور اس سے چھیننا نہیں اسی لئے اس احیاء کی وجہ سے وہ مالک ہو گئی تھی معلوم ہوا کہ احیاء موات اس کی ملک کا سبب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم اھ۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انی متعجل الی المدینۃ فمن اراد منکم ان یتعجل معی فلیتعجل یعنی تبوک سے واپسی میں آپ نے فرمایا کہ میں مدینہ جلدی پہنچنا چاہتا ہوں تم میں سے بھی جو شخص بے عجلت وہاں پہنچنا چاہے تو وہ بھی میرے ساتھ آجائے، اس کی شرح یہ لکھی ہے کہ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو وہاں سے مدینہ کے اندر داخل ہونے کے لئے آپ نے طریق غراب کو اختیار کیا کیونکہ وہ مدینہ کا اقرب ترین راستہ تھا اور دوسرے راستہ کو آپ نے ترک کر دیا، پورا لشکر تو دوسرے ہی راستہ سے گیا جو دور کا تھا آپ نے اور آپ کیساتھ بعض صحابہ نے یہ قریب والا راستہ اختیار فرمایا، والحدیث اخریۃ البخاری وسلم قال للندی، قلت اخریۃ البخاری فی مواضع الزکوة والحج والجماد وغیرہ۔

عن ام کلثوم عن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا انها کانت تقلی رأس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعندہ امرأۃ عثمان بن عفان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ونساء من المهاجرات وهن یشککین من انزلهن انها تضیق علیهن۔

مضمون حدیث | حضرت زینب ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو سہلار ہی تھیں اور اس وقت آپ کے پاس حضرت عثمان

کی البلیہ بیٹھی تھیں اور بھی بعض مہاجر عورتیں جو آپ سے اپنے گھروں کے بارے میں شکایت کر رہی تھیں کہ اس بارے میں ان پر تنگی ہے یعنی ورثہ کی جانب سے بلکہ ان سے نکال دی جاتی ہیں، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے گھروں کا ان کی بیویوں کو وارث بنایا جائے، چنانچہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کی بیوی ہی ان کے گھر کی وارث ہوئی جو مدینہ منورہ میں تھا۔

حدیث پر ایک اشکال اور اسکی توجیہ | اس پر یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ مکان ترکہ میں داخل ہے اور ترکہ کے مستحقین تو قرآن کریم میں منصوص ہیں تو صرف بیویاں کیسے وارث

ہو جاتی تھیں ان کے مکانوں کی؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) یہ نساء مہاجرین کی خصوصیت ہے شارع علیہ السلام کی طرف سے (۲) اس سے مراد سکنی ہے زمانہ عدت میں تملیک دار مراد نہیں یعنی میت کے ورثہ کو چاہئے کہ اس کی زوجہ کو اس کے گھر میں چین سے عدت گزارنے دیں اس کو پریشان نہ کریں (۳) یا مراد یہ ہے کہ تقسیم ترکہ کے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ گھر میت کی بیوی کے حصہ میں آئے، والا ظہر ہوا المعنی الاخیر، امام خطاب نے پہلے جواب کو اختیار کیا یعنی خصوصیت اس لئے کہ مہاجرین کی زوجات مدینہ میں پر دیسی تھیں ان کا کنبہ قبیلہ وہاں نہ تھا، دفی الحاشیہ (ولعلہ من السیوطی) میں نے اس مسئلہ کو بطور چیستان ایک شعر میں کہا ہے۔

سلم علی مفتی الانام وقل لہ ۝ ہذا سوال فی الفرائض مبہم ۝ قوم اذا ما توا تھوز دیار ہم ۝ زوجا ہم ولغیرھا لا تقسم
وبقیۃ المال الذی قد خلفوا ۝ یجری علی حکم التوارث مبہم ۝ وجوابہ قلت ۝
ہم المہاجرین ذاک بطبیۃ ۝ صلی علی ذیہا الکریم المعلم ۝ اھ من البذل۔

باب ما جاء فی الدخول فی ارض الخراج

یعنی خراجی زمین خرید کر اس کا مالک بنایا ماہ خراج سے اپنی زمین کو سیراب کرنا۔

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال من عقد الجزیۃ فی عنقہ فقد برئ مما علیہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

الکلام علی الحدیث شرھا وفقھا | جو شخص اپنے گلے میں جزیہ کا ہار پہنے تو وہ بعید ہو گیا اس طریق سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے، حدیث میں جزیہ سے جزیہ الارض یعنی خراج مراد ہے، اس حدیث سے دو باتیں مفہوم ہو رہی ہیں۔ اول مسلمان کے لئے خراجی زمین کی خریداری کا ممنوع

۱۔ اس کے ظاہر میں تو بہت سخت ہیں یعنی اسلام سے اعراض و کفر، لیکن مقصود زبردستی ہے، حقیقت کلام مراد نہیں ۱۲

ہونا، دوسرے یہ کہ اگر کسی ذمی سے کوئی مسلم خراجی زمین خریدے اور وہ زمین ذمی سے منتقل ہو کر مسلم کی ملکیت میں آجائے تو اس صورت میں اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، حنفیہ کے نزدیک مسلم کے لئے خراجی زمین کا خریدنا تو جائز ہے باقی خراج کے بارے میں وہ یہی کہتے ہیں کہ وہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث الباب سے سمجھ میں آ رہا ہے، اور شافعیہ کے یہاں مسئلہ میں تفصیل ہے زمینوں کی مختلف قسموں کے لحاظ سے جیسا کہ خطابی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، سر دست یہ مسئلہ ان کی فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملا، لیکن مسئلہ اولیٰ میں یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، فنی الہدایۃ، و يجوز ان يشتري المسلم ارض الخراج من الذمی و یؤخذ منه الخراج لما قلنا، وقد صح ان الصحابة اشتروا اراضی الخراج وکانوا یؤدون خراجها فذل علی جواز الشراء و اخذ الخراج و ادائه للمسلم من غیر کراہۃ (ہدایہ ص ۳۴۲) وفی البذل: والجواب عن الحدیث ان الحدیث غیر متحجج بہ لان فی سندہ مجہولاً اھ اس لئے کہ پہلی حدیث کی سند میں محمد بن عیسیٰ ہے وہ متکلم فیہ ہے، قیل لا یصحج بہ، اور دوسری حدیث میں عمارۃ بن ابی الشعثاء ہے جو کہ مجہول ہے۔

حدثنی ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اخذ ارضاً بجزیتہا فقد استقال ہجرۃ۔

آپ نے فرمایا جس شخص نے کسی زمین کو لیا اس کے خراج کے ساتھ۔ مراد شرار ہے۔ تو اس نے اپنی ہجرت کو باطل کر دیا۔ اور اس کے بعد والا جملہ بھی اسی کے ہم معنی اور اسی کی تاکید ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جس شخص نے کافر کی ذلت کی چیز کو اس کے گلے میں سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا، تو اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت پھیر لی۔ کتب الشیخ فی البذل: وهذا علی سبیل التغلیظ والتشدید۔

قال فسمع منی خالد بن معدان هذا الحدیث فقال لی: أشیب حدیثك؟ فقلت نعم۔

شرح الحدیث | سنان بن قیس کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث خالد بن معدان نے سنی، سننے کے بعد پوچھا: کیا یہ حدیث تم سے شیب سے بیان کی؟ میں نے کہا ہاں (ہماری اس سند میں سنان کے استاد شیب ہی ہیں) اس پر انہوں نے کہا کہ جب تمہارا ان کے پاس جانا ہو تو ان سے درخواست کرنا کہ وہ اس حدیث کو میرے پاس لکھ کر بھیجیں، سنان کہتے ہیں میں نے ان سے یہ حدیث لکھوالی پھر جب میرا آنا ہوا خالد کے پاس تو انہوں نے مجھ سے وہ کاغذ طلب کیا جس پر حدیث لکھی ہوئی تھی، سنان کہتے ہیں کہ جب خالد نے اس حدیث کو پڑھا تو ان کے پاس جو خراجی زمین تھی اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

خالد بن معدان کا عمل چونکہ بوجہ عدم علم کے اس حدیث کے خلاف تھا، اس لئے انہوں نے اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے یہ تحقیق کرائی تاکہ حدیث کے تحقق ہو جائیکے بعد اس پر عمل آسان ہو جائے۔ یہ دونوں حدیثیں حنفیہ کے خلاف ہیں اس کا جواب اوپر گزر چکا، صحابہ کرام سے اراضی خراج کا شرع ثابت ہے یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔

قال ابو داؤد: هذا يزيد بن خمير اليزني، ليس هو صاحب شعبه۔
مصنف فرما رہے ہیں کہ یہ یزید بن خمیر جو حدیث کو ابوالدردار سے روایت کر رہے ہیں یہ یزید بن خمیر الیزنی ہیں، اور
یہ وہ یزید نہیں ہیں جو شعبہ کے شاگرد ہیں، اس لئے کہ وہ دوسرے یزید، یزید بن خمیر الرحبی ہیں، یہ اسامہ رجال سے متعلق
ایک علمی افادہ ہے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

باب فی الارض یحییہا الإمام والرجیل

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن الصعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال لا حی الا حی اللہ ولسولہ۔

شرح الحدیث

حَیّی لفظاً مصدر ہے جس کے معنی حفظ کے ہیں، یہاں اسم مفعول یعنی محی کے معنی میں ہے،
زمانہ جاہلیت میں رؤساء قوم کی یہ عادت تھی کہ ایسی جگہ کو جو گھاس سے ہری بھری ہو اپنے لئے
اس کو رکوا لیتے تھے، رعایا میں سے کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی اپنے جانوروں میں سے کسی کو وہاں پھرانے کی، اسلام نے اگر
اس عادت کا ابطال کیا، لیکن اس میں رسول اللہ کا استثناء کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرتے لئے ہے، چنانچہ
یہ مسئلہ علماء کے مابین اتفاقی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی امام کیلئے بھی حمی کا جواز نہیں یعنی اپنی
ذات کے لئے، اور اگر مصلحت عامہ کے لئے ہو کخیل الجہاد وابل الصدقة اس کے جواز میں اختلاف ہے، اور گو کہ حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حمی کے جواز کی خود اس حدیث میں تصریح ہے لیکن آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی
حمی کا انتخاب نہیں کیا اور آگے جو روایت میں آرہا ہے کہ نقیع کا آپ نے حمی کیا وہ اپنے لئے نہ تھا۔

حمی اور احیاء میں فرق یہ احیاء الموات کی کتاب چل رہی ہے جس میں مصنف نے حمی کو ذکر کیا، احیاء الموات کی
تشریعت نے اجازت دی ہے اور حمی سے منع کیا ہے اگرچہ دونوں کا تعلق ارض مباحہ
غیر ملوکہ سے ہے لیکن وہ موات جس کے احیاء کی اجازت ہے اس سے مراد بیکار اور بنجر زمین ہے اور حمی کا تعلق اس

موات سے ہے جو سبزہ زار ہو، لوگوں کی منفعت جس وابستہ ہو اسی لئے اس سے منع کیا گیا ہے کہ اسمیں عوام کا ضرر و نقصان ہے
یہ نقیع نون کے ساتھ ہے ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے بیس فرسخ پر واقع ہے، ایک نقیع وہ بھی ہے جس کا ذکر باب النجۃ
فی القرئی میں آیا ہے یعنی نقیع الخضات وہ دوسری جگہ ہے (بذل)
والحدیث اخرجه البخاری والنسائی، قال المنذری۔

باب ما جاء فی الرکاز وما فیہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال: فی الرکاز الخمس۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ و مذاہب العلماء | اس حدیث پر کلام معادن قلبیہ والی حدیث میں گزر چکا جس کا خلاصہ من حیث الفقہ و اختلاف الائمہ یہ ہے کہ

کانیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک مخلوق للہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ پیدا فرمایا جس کو معدن کہا جاتا ہے، دوم مدفون دفینۃ جاہلیہ یعنی انسانوں کا زمین میں گاڑا ہوا مال اس کا نام کنز ہے، حنفیہ کے نزدیک ان دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی وجوب الخمس، اور جمہور علماء و منہم الائمۃ الشلاشہ۔ دونوں میں فرق کے قائل ہیں، یعنی معدن میں زکوٰۃ اور کنز میں خمس، اور منشأ اختلاف کی بحث پہلی جگہ گزر گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے وفی الرکاز الخمس اور حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک دونوں میں خمس ہے اور جمہور کے نزدیک رکاز کا مصداق صرف کنز ہے اس لئے ان کے نزدیک معدن میں خمس نہیں بلکہ زکوٰۃ ہے۔

دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ کانیں تو مختلف اشیا کی ہوتی ہیں، کونسی کانوں میں خمس واجب ہوتا ہے اس میں شافعیہ، مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف نقدین (ذہب و فضہ) کی کان میں، اور امام احمد کے نزدیک ہر قسم کی کان میں، اور حنفیہ کے نزدیک کل جامد منطبع، یعنی ایسی متحدہ اور خشک چیز میں جو آگ پر رکھنے سے پگھلتی ہو، — جیسے سونے چاندی اور دوسرے دھات کے اقسام، اور معادن میں نصاب عند الجمہور شرط نہیں، قلیل و کثیر سب میں خمس واجب ہوتا ہے الا فی روایۃ للشافعی، ولا یعبر فیہ الحول اجماعاً۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مطولاً ومختصراً قال المنذری۔

نالزمعی عن عمته قریبۃ بنت عبد اللہ بن وہب عن امہا کریمۃ بنت المقداد عن ضباعۃ بنت

الزبیر بن عبد المطلب انہا اخبرتہا، قالت ذهب المقداد لحاجتہ بنقیع الخبیجۃ۔

شرح الحدیث و توضیح المسئلۃ الثابتۃ بالحدیث | اس حدیث کو قریبہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں کریمہ سے اور کریمہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں ضباعہ سے اور ضباعہ اپنے

شوہر مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بیان کر رہی ہیں وہ یہ کہ ضباعہ کہتی ہیں مقداد بن الاسود اپنے کسی کام سے مقام بنقیع الخبیجہ گئے تو وہ ایک جگہ سیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ایک بڑے چوہے کو دیکھا کہ ایک بھٹ میں سے ایک دینار کھینچ کر لا رہا ہے اور لا کر بھٹ سے باہر چھوڑ رہا ہے، وہ چوہا بار بار اس بھٹ میں جاتا ہے اور ہر مرتبہ ایک دینار کھینچ کر لاتا ہے، اسی طرح وہ سترہ دینار ہو گئے، اور پھر اخیر میں ایک سرخ پتیلی کھینچ کر لایا جس میں ایک دینار تھا، اب یہ کل اٹھارہ دینار ہو گئے، ضباعہ کہتی ہیں کہ مقداد ان دنیاویہ کوئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور

عرض کیا اس میں جو صدقہ واجب ہو وہ لے لیجئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا، هل هویت الی الجحر قال لا فقال له رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم باریک اللہ لک فیہا۔

اس قصہ میں جو فقہی بحث ہے وہ یہ ہے کہ ان دنیا نیر کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں یا تو ان کو لقطہ قرار دیا جائے یا رکاز اگر یہ از قبیل لقطہ تھے تو ان کی تعریف واجب تھی، اور حدیث میں تعریف کا ذکر ہے نہیں لیکن تعریف کی نفی بھی نہیں ہے، لہذا تعریف واجب ہے، اور یا یہ کہا جائے سقط التعریف لاجل عدم محل التعریف وعدم امکانہ، یعنی یہ جس جگہ کا واقعہ ہے وہ راستہ عام گذر گاہ نہیں تھا، تعریف کی جائے تو کیسے کی جائے، اور اگر ان کو از قبیل رکاز قرار دیا جائے تو پھر ان میں خمس واجب تھا، لیکن خمس لینے کا اس حدیث میں ذکر نہیں بلکہ باریک اللہ لک فیہا میں اشارہ اس کے خلاف ہے، تو ہو سکتا ہے خمس کو آپ نے مقدار کے حق میں معاف فرمادیا ہو لاجل فقرہ و حاجت۔

والحدیث اخر جہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب نبش القبور العادیۃ

عادیۃ بمعنی قدیمہ، عرب لوگ عادیۃ بول کر قدیمہ مراد لیتے ہیں کیونکہ قوم عاد کا زمانہ ہمارے اعتبار سے بہت قدیم ہے یعنی پرانی قبروں کو بوقت ضرورت اکھاڑ دینا، عند الجمہور جائز ہے صرح بہ الشامی من غیر کراہۃ، وعند المالکیۃ مع الکراہۃ سمعت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقول حین خرجنا معہ الی الطائف فمرنا بقبر فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہذا قبر ابی رغال وکان بہذا الحرم یدفع عنہ۔

شرح الحدیث اور ابو رغال کا تذکرہ | حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ ہم آپ کے ساتھ طائف کی طرف جارہے تھے اور ہمارا گذر ایک قبر پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ابو رغال کی قبر ہے، اور حرم مکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہاں چلا گیا تھا عذاب کو اپنے سے ہٹانے کے لئے پھر جب حرم سے باہر نکلا تو اس کو بھی اس عذاب نے آپکڑا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا اسی جگہ تو وہ یہاں دفن کر دیا گیا تھا، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

لہ قال الخطابی: یدل علی انہ لو اخذہا من الجحر لکان رکازاً یجب فیہا الخمس اھ

تہ ابن العونی نے شرح ترمذی میں اس احتمال کو اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے چونکہ ان سے یہ پوچھا اھل ہویت الی الجحر تو گویا اس سے اشارہ ہوا اس طرف کہ اگر صوی پائی جاتی تو رکاز ہوتا، لہذا اس کو لقطہ قرار دیا گیا۔

علامت اس کی یہ ہے کہ اسکے ساتھ ایک سونے کی شاخ دفن کی گئی تھی اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو اس کو اسکے ساتھ پاؤ گے یہ سن کر صحابہ اس قبر کی طرف دوڑے اور اس قبر کو کھود کر اس میں سے وہ سونے کا سریہ نکال لیا، کہا گیا ہے کہ یہ سونے کا سریہ بیس رطل وزن کا تھا۔

ترجمۃ الباب پر تو یہ مشبہ ہوتا تھا کہ یہ باب یہاں کا نہیں ہے کتاب الجنائز جو شروع ہونے والی ہے اس میں ہونا چاہیے تھا لیکن مضمون حدیث سے اس باب کو یہاں لانے کی مناسبت ظاہر ہوگئی، مضمون رکاز کا چل رہا ہے اس کی قبر میں بھی چونکہ سونا دبا ہوا تھا جس کو نکالا گیا تو یہ قبر بمنزلہ رکاز ہوگئی فللہ در المصنف، ابو رغال کے بارے میں لکھا ہے ابو ثقیف یعنی قبیلہ ثقیف کا جد اعلیٰ یہی تھا اور قوم ثمود سے تھا حضرت صالح علیہ السلام کا عامل تھا، اس کی تاریخ بہت تاریک ہے قیل کان دلیل الحبشہ صین جاؤ الہدم الکعبۃ یعنی حبشہ کی فوج جو ابرہہ کی امارت میں ہدم کعبہ کیلئے آئی تھی اس کا رہبر یہی تھا، ظلم اور نحوست میں ضرب المثل تھا حاجی لوگ اس کی قبر کا رجم ہمیشہ کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ جریر شاعر کہتا ہے اپنے حریف فرزدق کے حق میں

اذامات الفرزدق فارجموہ ۛ کما ترمون قبرابی رغال

اس کا ذکر سنن ترمذی میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے جو قبیلہ ثقیف کا تھا اس نے اپنی سب بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دیدی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا لتراجعن نسا رک اولار جمئن قبرک کما رجم قبرابی رغال اھ یہ حدیث اعلام نبوت سے ہے اور اخبار بالمغیبات کے قبیل سے ہے۔

یہ ابواب القطائع و احیاء الموات کتاب الخراج ہی کے ملحقات میں سے ہیں لہذا یہ سمجھئے کہ یہاں اگر کتاب الخراج پوری ہوگئی۔ فللہ الحمد والمآل۔

اقوال کتاب الجنائز

اس کتاب کی مناسبت کتاب الخراج والفقہ سے اس طرح سمجھئے کہ خراج کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ وہ متعلقات و ملحقات جہاد سے ہے اور جہاد اور جنائز میں مناسبت ظاہر ہے اذ الجہاد یعنی عن الموت یعنی جہاد موت کو یاد دلانے والی چیز ہے اور اس کے بہت قریب ہے، جہاد میں اپنی جان کی بازی ہوتی ہے، اور صحیح بخاری اور مسلم میں کتاب الجنائز کتاب الصلاة کے بعد متصلاً مذکور ہے صلاة الجنائزہ کی مناسبت سے جو کہ احکام میت میں سے ہے، اور جامع ترمذی میں یہ کتاب کتاب الحج کے بعد متصلاً ہے یعنی ارکان اربعہ سے فارغ ہونے کے بعد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ آدمی کا مقصود ان عبادات اور ارکان اسلام کے ادا کرنے سے آخرت کی تیار ہے صلاة الجنائز کی مشروعیت جیسا کہ اوپر میں لکھا ہے سلمہ سے ہے لہذا جن صحابہ کی وفات قبل الهجرة مکہ مکرمہ میں ہوئی

ان پر نماز نہیں پڑھی گئی، کذا فی ہامش البذل۔

فائدہ تاریخیہ بذل المجہود سے متعلق نیز حضرت شیخ نے حاشیہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا جو آخری سفر حجاز بہ نیت ہجرت و تکمیل بذل ————— ہوا تو مدینہ منورہ

میں پہنچنے کے بعد بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۴۲ھ یوم السبت میں ابوداؤد کی شرح کا باقی حصہ یہاں (کتاب الجنائز) سے لکھنا شروع ہوا، اہ اور بذل المجہود کے آخر میں خود حضرت سہارنپوری نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس شرح کی تسوید مدینہ منورہ روضۃ من ریاض الجنۃ میں سید ولد آدم بلکہ سید الخلق و العالم کی قبر کے قریب بتاریخ ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ میں پوری ہوئی اہ یعنی کتاب الجنائز سے اخیر تک تقریباً ڈیڑھ سال میں۔

جنائز جنازہ کی جمع ہے اور جنازہ میں دو لغت ہیں بفتح الجیم و بکسر الجیم، بفتح الجیم میت کو کہتے ہیں اور بکسر الجیم اس نقش یعنی سہر کا نام ہے جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے، وقیل بعکس ذلک، یہ مشتق ہے جنز سے بمعنی السرجو کہ باب ضرب سے ہے، بظاہر مجنوز کے معنی میں ہے بمعنی مستور، کیونکہ میت کو مستور رکھا جاتا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہو جائے تو اس کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے، ویسے بلا ضرورت بھی اس کے چہرہ کو کھولنا مناسب نہیں، غسل وغیرہ میں بھی پورے پردہ کا لحاظ ضروری ہے۔

باب الامراض المکفرة للذنوب

امراض چونکہ عام طور سے مقدمۃ الموت ہوتے ہیں اس لئے کتاب الجنائز کی ابتداء اس باب سے فرمائی۔

عن عامر الرامی الخضری قال النضلی هو الخضری ولكن کذا قال۔

مضمون حدیث ابو منظور شامی راوی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا عامر رام سے روایت کرتے ہوئے جو خضر کے بھائی ہیں، آگے مصنف کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد عبد اللہ بن محمد النضلی کہتے ہیں

کہ یہ لفظ صحیح خضر ہے لیکن میرے استاد یعنی محمد بن مسلمہ نے اسی طرح کہا تھا، یہ عامر رام جن کو عامر رامی بھی کہتے ہیں ان کا شمار صحابہ میں ہے کمافی التہذیب، قال ابن۔ لیبلادنا اذ رفعت لنا رايات والوایۃ۔ مضمون حدیث یہ ہے : عامر فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر میں تھا تو اچانک چند جھنڈے بلند ہوتے ہوئے میں نے دیکھے میں نے کہا یہ کیا ہے تو لوگوں نے کہا یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا ہے تو میں فوراً آپ کی خدمت میں گیا، اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے ایک چادر بچھی ہوئی تھی جس پر آپ بیٹھے تھے، آپ کے چاروں طرف صحابہ کرام تھے میں بھی ان میں بیٹھ گیا تو اس وقت آپ بیماریوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مومن کو جب کوئی بیماری پہنچتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس سے شفاعت فرماتے ہیں تو یہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتی ہے، اور آئندہ کے لئے موجب عبرت، اور اس کے بالمقابل جب منافق آدمی بیمار ہوتا ہے پھر اس کو شفا پاتا ہے تو اس کا حال بمنزلہ اس اونٹ کے ہوتا ہے جس کو اس کا مالک ایک وقت میں باندھتا ہے اور پھر دوسرے وقت میں کھول دیتا ہے تو وہ اونٹ یہ نہیں سمجھتا کہ کیوں اس کے مالک نے اس کو باندھا تھا اور کیوں اب کھول دیا (قال تعالیٰ) اولئک کالانعام بل هم اضل

آگے روایت میں یہ ہے کہ اس موقع پر حاضرین میں سے ایک شخص نے بے پرواہی کے ساتھ یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ امراض کیا ہوتے ہیں واللہ میں تو کبھی بیمار ہوا نہیں، تو آپ کو اس کے اس طرز پر ناگواری ہوئی اور فرمایا تم حسنا فلست منا کہ اٹھ یہاں سے تو ہماری صحبت کے قابل نہیں، فیما نحن عنده اذا قبل رجل علیہ کساء وفی یدہ شیء قد التفت علیہ۔ راوی کہتا ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس پر چادر تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر چادر کا پلہ ڈال رکھا تھا اس نے آپ سے عرض کیا کہ جب میری آپ پر نظر پڑی تھی تو میں فوراً آپ کی طرف چل پڑا تھا تو میرا گدرا ایک جھاڑ پر کوہوا (درختوں وغیرہ کا مجموعہ) تو اس جھاڑ میں سے میں نے پرند کے چوزوں کی آواز سنی تو میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کو رکھ لیا تو ان چوزوں کی ماں آئی اپنے بچوں کی وجہ سے اور بالکل میرے سر پر گھومنے لگی اڑتی ہوئی، میں نے ان چوزوں پر سے کپڑا ہٹا دیا تو وہ ان پر فوراً بیٹھ گئی ان پر سے ہٹتی نہیں تھی یہاں تک کہ میں نے ان سب پر چادر ڈھانک دی، اور کہا کہ وہ سب چوزے وغیرہ میرے ساتھ ہیں، آپ نے فرمایا ان کو یہاں نیچے رکھ میں نے ان کو نیچے آپ کے سامنے رکھ دیا پھر بھی ان کی ماں ان پر سے ہٹ نہیں رہی تھی، سارے صحابہ اس منظر کو دیکھ کر متعجب تھے۔ اس لئے کہ پرندہ تو آدمی کے قریب نہیں ٹھہرتا۔

تو اس پر آپ نے فرمایا **حق تعالیٰ شانہ کی اپنے بندوں پر بے پایاں رافت و رحمت** **تو اس پر آپ نے فرمایا** **العجبون لرحمۃ الافراخ فراخھا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر ترس کھانے کی وجہ سے تعجب کرتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا فالذی بعثنی بالحق لکنہ ارحم**

عبادہ من ام الافراخ بفراخھا، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہیں بہ نسبت چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر، اور پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جاؤ ان کو جہاں سے اٹھا کر لائے ہو سب کو وہیں رکھ آؤ۔

عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غیر مریۃ ولا مرتین۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بارہا سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی آدمی کسی عمل صالح کو کیا کرتا ہو اور پھر کسی سفر یا مرض کی وجہ سے اس کو نہ کر سکے تو اس کے نامہ اعمال میں وہ عمل صالح بہت عمدہ کر کے لکھا جاتا ہے جس کو وہ صحت اور اقامت کی

حالت میں کرتا تھا۔ والمحدث آخرہ البخاری، قالہ المنذری۔

یہاں پر حاشیہ بابل میں ابو داؤد کے کسی دوسرے نسخہ (ابن العبد اور ابن داسہ) سے ایک حدیث اور نقل کی ہے،
عن محمد بن خالد عن ابیہ عن جدہ وكانت له صحبة من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخ۔

مضمون حدیث جس کا مضمون یہ ہے: محمد بن خالد اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ
ارشاد فرماتے تھے کہ جب کسی بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ایسی منزلت اور مرتبہ ہوتا ہے
کہ جس تک وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا مال یا اولاد کی آزمائش میں
ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کو اس پر صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ اس کو اس کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں جو اس
کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

اس حدیث سے مصائب کا رفع درجات کا باعث ہونا واضح ہو رہا ہے، اور دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آرہی ہے
کہ گو فی الواقع بندہ کو سب کچھ ملتا تو ہے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے لیکن دنیا دار العمل والاسباب ہے اللہ تعالیٰ نے
صورۃ ثواب عقاب ہر دو کو عمل کے ساتھ مربوط فرما رکھا ہے، قال تعالیٰ: الذی خلق الموت والحیاء لیبولکم ایکم احسن عملاً۔

باب فی عیادة النساء

ای عیادة الرجال النساء فالاضافة الى المفعول، چنانچہ حدیث الباب میں ہے ام العلاء فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری عیادت فرمائی وانا مریضة اور عیادت کے وقت آپ نے فرمایا اے ام العلاء خوش ہو جا اسلئے
کہ مسلمان کی بیماری اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو اس طرح زائل فرما دیتے ہیں جس طرح آگ سونے
چاندی کے میل کو، یہ ام العلاء حضرت حکیم بن حزام کی بھوپتی تھیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت یا رسول اللہ انی لاعلم اشدد آتہ فی کتاب اللہ عز وجل الخ۔
مضمون حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ
قرآن کریم میں جو آیت سب سے زیادہ سخت ہے (گھبرا دینے والی) وہ میں جانتی ہوں، آپ نے پوچھا کونسی آیت ہے وہ،
تو انہوں نے عرض کیا: من یعمل سورۃ یحزبہ، کہ جو شخص جو بھی برائی کرتا ہے اس کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا، اس پر
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے عائشہ تمہیں خبر نہیں ہے کہ مسلمان کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے

لہ والمحدث رواہ ابو داؤد ورواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والادسط، کذا فی کتاب من روی عن ابیہ عن جدہ للنا سمر بن قطلوبغا، وفی تعلیقہ وقال
فی مجمع الزوائد ۲۹۶ ومحمد بن خالد وابوہ لم عرفہا واورده البیہقی کذا فی مجمع البحرین ۹۹۹ مختصراً وفی هذا التعلیق تفصیل من شارہ فلیرجع الیہ۔

یا کانٹا بھی چھتا ہے تو یہ اس کے برے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہو جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ آیت میں جزاء سے مراد صرف عذاب آخرت ہی نہیں ہے مطلق جزاء مراد ہے دنیا میں ہویا آخرت میں چنانچہ بہت سے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اس پر مطالبہ نہیں ہوتا) ومن حسب عذاب البتہ جس سے وہاں حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا، اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے، فسوف يحاسب حسابا يسيرا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساب آسان بھی ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں حساب سے مراد نفس عرض ہے، یعنی ائمہ اعمال کا صرف پیش ہونا، اور میری مراد حساب سے مناقشہ فی الحساب تھا جس کو جرح کہتے ہیں، یعنی حساب کے وقت یہ پوچھ لیا جائے ایسا کیوں کیا تھا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم (من قوله) ایس یقول اللہ الی آخر الحدیث، قال المنذری۔
وکتب فی البذل هذا الحدیث لامنااسبة لباب عیادة الساربل له مناسبة بالباب الذی قبله۔

باب فی العیادة

شرح الحدیث

مضمون حدیث یہ ہے: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کے مرض الموت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے اس کو دیکھ کر اس میں علامات موت کو پہچان لیا، اور فرمایا آپ نے اس سے قد کنت انھا عن حب یہود میں تجھ کو حب یہود سے منع کیا کرتا تھا (اور حب یہود ہی نے تجھ کو اس نفاق میں مبتلا کیا تھا اور اب نفاق کی حالت میں مر رہا ہے، صرف زبانی اسلام لانا تو مفید نہیں) اس نے آپ کی یہ بات سن کر کہا فقد ابغضھما سعد بن زرارة قمۃ کہ سعد بن زرارة تو یہود سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے بغض رکھتے تھے پس کیا کام آیا اس کے یہ بغض یہود۔ یہ اناڑی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہی نہ سمجھا آپ کا اشارہ تو عذاب آخرت کی طرف تھا، اس نے سمجھا کہ اصل نفع موت سے بچنے میں ہے اسی لئے کہا کہ سعد بن زرارة ہی کون سے بچ گئے موت سے۔

عبد اللہ بن ابی نے سعد بن زرارة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بغض یہود کو ثابت کیا، ان کے بغض کا کوئی خاص واقعہ تو ملا نہیں اسباب وغیرہ میں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بغض اس طرح ثابت ہے کہ یہ اول من اسلم من الانصار علی الاطلاق ہیں، یعنی مدینہ جہاں بکثرت یہود بستے تھے وہاں اسلام کی ابتداء ان ہی سے ہوئی علی رغم الفدیہ یہود اور ظاہر ہے کہ مدینہ سے یہود کی جزا اہل اسلام ہی نے کاٹی ہے نیز ان کی اور بھی بعض خصوصیتیں ہیں فانہ اول من جمیع المجتہد فی الدینۃ قبل ہجرتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، کما مر فی کتاب الصلوٰۃ فی باب المجتہد فی القرۃ۔

اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ جب وہ مر گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے بیٹے جن کا نام بھی

عبداللہ تھا اور اسلام لاکچے تھے انہوں نے آکر آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنا قمیص مجھے عنایت فرما دیجئے تاکہ اپنے باپ کی تکفین اس میں کروں، آپ نے اپنا قمیص اتار کر ان کو دیدیا، ابو داؤد کی اس روایت میں تو اتنا ہی ہے اور صحیحین کی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کو قبر سے نکلوایا اور اس کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا اور اس پر آپ اپنے دھن کی ریق مبارک کو ٹیکایا، اور اپنا قمیص اس کو پہنایا۔

بذل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قمیص دینا اسکے بیٹے کی دلداری کیلئے تھا (کیونکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا) باوجود اسکے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا قمیص نفاق کے ساتھ کچھ نفع بخش نہیں ہو سکتا، اور کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ قمیص عطا کرنا اس کے اس احسان کے بدلہ میں تھا کہ اس نے آپ کے عم محترم حضرت عباس کو اپنا قمیص دیا تھا، اس لئے کہ حضرت عباس جنگ بدر میں قید کئے گئے تھے اور ان کا قمیص پھٹ گیا تھا ان کے لئے قمیص کی ضرورت تھی تو ابن ابی نے اس وقت اپنا قمیص دیدیا تھا کیونکہ طویل القامت ہونے کی وجہ سے کسی اور کی قمیص ان کو نہیں آتی تھی، پھر اسلام تو وہ بعد میں لائے قبل فتح خیبر علی قول۔

باب فی عیادۃ الذمی

عن النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غلاماً من الیہود۔

مضمون یہ ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا، آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کی جانب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ اسلام لے آ، اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی ہیں کھڑا تھا، اس نے کہا ہاں ابو القاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کر چناںچہ وہ اسلام لے آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ادا کرتے ہوئے چلے آئے کہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس کو جہنم سے نجات دیدی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے فی باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ وهل یعرض علی الصبی الاسلام اس کے شروع میں اس طرح ہے عن النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان غلام یہودی یخدرم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فمرضتہ مصنف نے اس حدیث سے عیادت ذمی کا جواز ثابت کیا ہے، حاشیہ بذل میں ہے: ویجوز عیادۃ الذمی عندنا بالاجماع کذا فی الشامی، وعن احمد فیہ روایتان کما فی الشرح الکبیر۔

والحدیث اخریہ البخاری والنسائی، قالہ المتذری۔

باب المشی فی العیادۃ

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعود فی لیس براكب یقلد ولا یزدوناً حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لاتے تھے (یعنی پیادہ) آپ

سوار نہوتے تھے نہ خچر پر نہ ترکی گھوڑے پر۔

مصنف نے حدیث کے وہی معنی لئے جو ہم نے ترجمہ کے اندر لکھے، یعنی مطلقاً رکوب کی نفی، حضرت شیخ کے حاشیہ میں ہے، "ما ترجم بہ المصنف علیہ حمل الجہور الحدیث، وحملہ بعضهم علی انہ کان راكباً علی غیر البغل والبرزون اھ مختصراً، حافظ منذری فرماتے ہیں حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ کی عیادت فرمائی راكباً علی حمار اور ایک حدیث جابر میں ہے انا انی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودنی وابو بکر وھما ماشیان، لہذا مریض کی عیادت راكباً و ماشیاً دونوں طرح مسنون ہے۔

والحدیث اخرہ البخاری والترمذی قالہ المنذری۔

باب فی فضل العیادۃ

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے العیادۃ افضل من العبادۃ لفظاً ومعنی، اس باب میں مصنف نے اولاً حضرت انس کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے محض ثواب کی نیت سے تو وہ شخص جہنم سے ستر سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیا جاتا ہے، اور ثانیاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادۃ کرے صبح کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے شام کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں، اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہو جاتا ہے۔ خریف بمعنی بستان جس کو محرف بھی کہتے ہیں، اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے من حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یزل فی خرفۃ الجنة، اور اسی روایت کے ایک دوسرے طریق میں یہ زیادتی ہے قیل ما خرفۃ الجنة قال جناھا، یعنی جنت کے پھل، فواکہ۔ ہمارے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو پھر جس زمانہ میں دن بڑا ہوتا ہے اس وقت عیادت صبح کے وقت کرنی چاہیئے اور جب رات بڑی ہو تو اس وقت عیادت کرنی چاہیئے شام کے وقت۔

باب فی العیادۃ مراراً

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما اصیب سعد بن معاذ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یوم الخندق

رواہ رجل فی الاکھل الخ۔

شرح الحدیث | یعنی حضرت سعد بن معاذ کے غزوہ خندق میں کسی کافر نے تیر مارا اکھل میں تو آپ نے حضرت سعد کو

مسجد میں ٹھہرا کر ان کے لئے خیمہ نصب کرایا اور مسجد میں اس لئے ان کو ٹھہرایا تاکہ قریب ہونے کی وجہ سے عیادت میں میں سہولت ہو اس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا العیادۃ مرآۃ، مصنف نے گویا اس میں حضرت سعد کو مسجد میں ٹھہرانے کا فائدہ اور مصلحت بیان کیا تاکہ بار بار عیادت کی جاسکے۔

اکحل ایک رگ کا نام ہے جو وسط ذراع میں ہوتی ہے، اور خلیل نے لکھا ہے کہ اکحل عرق حیات کی وہ شاخ ہے جو ہاتھ میں ہوتی ہے، اور جو شاخ اس کی کمر میں ہوتی ہے اس کو ابھر کہتے ہیں اور جو ران میں ہوتی ہے اس کو نسنا کہتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہر عضو میں عرق حیات کی ایک شاخ ہوتی ہے اس رگ کا اگر منہ کھل جائے تو خون رکتا نہیں اکحل کو فارسی میں رگ ہفت اندام کہتے ہیں۔

یہ حدیث یہاں پر تو مختصر سی ہے طویل اور مفصل حدیث بخاری کی کتاب المغازی میں ہے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

باب العیادۃ من الرمد

رمد یعنی آشوب چشم، آنکھ دکھنا، اس تخصیص کے ساتھ ترجمہ قائم کرنے کی بظاہر غرض المصنف من الترجمة | ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک حدیث ہے جس میں تین چیزوں کو عیادت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے "ثلاثہ لیس ہم عیادۃ العین والدمل والفرس" اخرجه البیهقی، کہ تین بیماریاں ایسی ہیں کہ ان میں عیادت نہیں، ایک یہی آشوب چشم، دوسری دمل پھوٹا پھنسی تیسرے ڈاڑھ کا درد، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں، اور حدیث الباب جس کو مصنف نے ذکر کیا وہ اصح ہے، یا یہ کہ اس حدیث میں تاکد کی نفی ہے لیکن بعض کتب فقہیہ میں بھی ان تینوں میں عیادت کی نفی مذکور ہے، اس کا جواب بھی یہی دیا گیا ہے کہ تاکد کی نفی مقصود ہے مطلق سنت کی نہیں۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال عادی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من وجع

کان بعینی۔ حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ظاہر ہے۔

باب الخروج من الطاعون

طاعون ایک مشہور بیماری کا نام ہے جو بدن کے مختلف حصوں مثلاً کہنیوں بطنوں یا انگلیوں میں یا سارے ہی بدن میں کچھ پھنسیاں اور زخم سے ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ درم بھی ہوتا ہے اور سخت قسم کی بے چینی اور سفوفش، اودان زخموں کے ارد گرد جگہ سرخ ہو جاتی ہے یا سبزی مائل، جس کے ساتھ دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے اور قی بھی ہوتی ہے

نیز اس کا اطلاق اس وبا اور مرض عام پر بھی ہوتا ہے جس سے فضا فاسد ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اثر بدن میں سرایت کرتا ہے
اذ اسمعتم بارض فلا تقصدوا علیہ واذ وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فراراً منه۔

شرح الحدیث | اس بیماری کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس بستی میں
اس کا ہونا معلوم ہو تو وہاں مت جاؤ، اور اگر اسی جگہ میں پائی جائے جہاں تم ہو تو پھر وہاں سے
نکل کر نہ بھاگو یعنی اس بیماری سے بچ کر معلوم ہوا اگر کسی ضرورت سے جائے تو امر آخر ہے اس لئے کہ پہلی صورت
میں جرات اور استغفار کے معنی پائے جاتے ہیں اور دوسری صورت میں فرار عن القدر کا شبہ ہوتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کفار کے حق میں عذاب الہی ہے اور مؤمنین کے حق میں رحمت ہے، اگر اس
پر صبر کرے فلا اجر شہید، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے، فضل من مات بالطاعون، جس میں یہ آرہا ہے، المطعون
شہید، حضرت نے بدل میں طاعون کے بارے میں یہ روایات ذکر کی ہیں ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی
حدیث کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا فآخری انہ عذاب یبعث اللہ علی
من یشاء وان اللہ عز وجل جعلہ رحمۃ للمؤمنین الحدیث، وخرجه الشیخان من حدیث اسامہ بن زید مر فوفا الطاعون
رحمۃ رسول علی طائفۃ من بنی اسرائیل اذ علی من کان قبلکم الحدیث، اہ مختصراً۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

باب الدعاء للمریض بالشفاء عند العیادة

عن عائشۃ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان اباہا قال اشتکیت بمکۃ۔
سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جبکہ مکہ میں تھا بیمار ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری
عیادت کے لئے تشریف لائے اور میری پیشانی پر پناہ دست مبارک رکھا اور سینہ اور پیٹ پر بھی پھیرا اور یہ دعا دی
"اللہم اشفِ سعداً واثم لہ ہجرۃ" اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کی پیشانی پر اپنا
ہاتھ رکھے (یا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے) اور اس کو دعا بھی دے، جیسا کہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔
آپ کی دعا حضرت سعد کے حق میں قبول ہوئی اور وہ شفا یاب ہوئے اور اسلام کی بہت خدمت کی فمات بعد
ذلک بالمدينة المنورة ۵۵ھ بعد ما فتح العراق، حضرت سعد کی یہ حدیث کتاب الاصابا میں گزر چکی جس میں یہ تھا
قلت یا رسول اللہ اتخلف عن ہجرتی اذ وہاں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے فتدکر۔ والحدیث اخرجه البخاری اتم منہ قال المنذری

لہ بعض التار من الاقدام وفي بعض النسخ بفتح التاء والدال، والمحفوظ ضم التاء (بدل)

أَطْعَمُوا الْعَجَائِزَ وَغَوَّوْا الْمَرِيضَ وَفَكَوْا الْعَائِي قَالَ سَفِيَانُ: وَالْعَائِي الْأَسِيرُ
یعنی بھوکوں کو کھانا کھاناؤ اور مریضوں کی عیادت کیا کرو، اور جہاں تک ہو سکے قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش
کرو، اے المسلم المجوس عند الکفر، وکذا المجوس ظلما فيجب علی المسلمین اتقاؤه بالفدية (بذل) اس حدیث کا حوالہ اور
ذکر کتاب الفرائض میں بھی گذرا ہے، "وَأَفْلَحَ مَنْتَه" الحدیث کے تحت فتدکر۔

باب الدعاء للمريض عند العيادة

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما - عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من عاد مريضا
لم يحضر أجله - جوشخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کا ابھی وقت نہیں آیا اور وہ عیادت کرنے والا
اس کے پاس بیٹھ کر یہ دعائیں بار پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتے ہیں: اسأل الله العظيم رب العرش العظيم ان
يشفيك، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً مروی ہے اس میں عیادت کے وقت اس
دعا کا پڑھنا مذکور ہے اللهم اشف عبدك يكا لك عداو يمشي لك الی جنازة، اور ایک نسخہ میں "الی صلاة" ہے
اے اللہ اپنے اس بندہ کو شفا عطا فرما یہ صحت کے بعد تیرے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرے گا ان کو زخمی کرے گا
اور تیرے لئے جنازہ کے ساتھ جائے گا، اس حدیث میں لک لک بار بار ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل
معتبر ہے جو فالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، نیز اس حدیث سے جنازوں کے ساتھ جانے کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے۔

باب كراهية تمنى الموت

لا يدعوت احدكم بالموت لضرب نزل به -

یعنی آدمی کو موت کی تمنا ہرگز نہیں کرنی چاہیئے کسی دنیوی ضرر سے پریشان ہو کر، اور اگر ضرر دینی ہو تو اس سے
بچنے کے لئے جائز ہے کذا قال العلماء، اب یہ کہ پھر کیا دعا کرنی چاہیئے ایسے موقع پر وہ حدیث میں مذکور ہے۔ اللهم
احیی منی ما کانت الحیاة خیر الی وتوفی اذاکانت الوفاة خیر الی۔

زندگی مسلمان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کسی مصیبت سے گھبرا کر اپنے لئے موت کی بددعا کرنا اس نعمت کی ناقدری ہے
حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کے لئے تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے مصیبت کی حالت ہو یا راحت کی، مصیبت میں اگر صبر
کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے، اور اگر راحت کی حالت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تبھی اس کیلئے اجر ہے
آدمی کی یہی دو حالتیں ہوتی ہیں تو گویا اس کے لئے ہر حال میں نفع اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ الحمد للہ الذی ہدانا وجعلنا

من المسلمین۔ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

باب فی موت الفجاءة

فجاءة میں رولفت ہیں بضم الفاء والماء، اور بفتح الفاء واسکان الحیم بلاند۔

موت الفجاءة اخذتہ اسف، اسف میں سین کا فتح اور کسرہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، پہلی صورت میں اس کے معنی غضب کے ہیں اور دوسری صورت میں صفت کا صیغہ ہوگا بمعنی غضبان، یعنی موت فجائی اور اچانک کی موت غصہ کی پکڑ ہے یا غضبان کی پکڑ ہے، لیکن یہ کافر کے حق میں ہے، اور مؤمن کے حق میں ایسا نہیں بلکہ رحمت ہے اس لئے کہ مؤمن کامل ہمیشہ آخرت کے لئے مستعد اور تیاری میں رہتا ہے، (بذل) و فی ہامش البذل، وورد ایضا موت الفجاءة راحة المؤمن، وقد توفی فجاءة ابراہیم و داؤد و سلیمان علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام (تفریح الاذکیاء فی تاریخ الانبیاء)

باب فی فضل من مات بالطاعون

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جاء یعود عبد اللہ بن ثابت فوجدہ قد غلب الخ۔

مضمون حدیث یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جب آپ وہاں پہنچے تو ان کو دیکھا کہ غشی طاری ہے، آپ نے ان کو پکارا آواز دی تو وہ اس پر کچھ نہیں بولے، آپ نے انا اللہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم تیرے بارے میں مغلوب ہو گئے، یعنی قضا و قدر غالب آگئی اور انتقال کا وقت آچکا، جو عورتیں اس گھر میں تھیں وہ آہ وزاری کرنے لگیں، جابر بن عتیک ان کو خاموش کرنے لگے، آپ نے ان سے فرمایا چھوڑ ان عورتوں کو یعنی رونے دے، ہاں جب انتقال ہو جائے گا پھر کوئی نہ روئے۔ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ ان کی بیٹی کہنے لگی افسوس کے ساتھ واللہ ہم تو یہ امید رکھتے تھے کہ تم شہید ہو گے اس لئے کہ تم اسباب جہاد تیار کر چکے تھے اس پر آپ نے فرمایا ان اللہ عزوجل قد اوقع اجرہ علی قدر نیئتہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا اجر عطا فرمایا ہے اس کی نیت اور ارادہ کے موافق و ما تعدون الشہادۃ؟ اور آپ نے پوچھا تم شہادت کس چیز کو سمجھتے ہو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جانے کو، اس پر آپ نے فرمایا اسباب شہادت اس کے علاوہ سلت اور یمین المطعون شہید، والفرق شہید و صاحب ذات الجنب شہید و البطون شہید و صاحب

الحریق شہید والذی یموت تحت الہدم شہید والبراءۃ یموت بجمع شہید۔

شہادت کے اسباب سیمہ کی تشریح مطعون یعنی جو مرض طاعون کے اندر ہلاک ہو، ذات الجنب ایک مشہور بیماری ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک عرفی حقیقی تو بہت خطرناک

ونحو ذلك، ولتقدم حكمه في الجنازة من انه لا يغسل ويدفن بدمه، واختلف في وجه التسمية الشهيد شهيدا على احوال تقدم ذكرها في باب العتمة والصحة ويسمونها النودي في شرح مسلم اه علامه سيوطي كي يحي اس ميں مستقل ایک تالیف ہے، ابواب السعادة في اسباب الشهادة، جس میں انہوں نے اسباب شہادۃ کو ستر تک پہنچا دیا ہے۔
والحدیث اخرجه النسائي وابن ماجه، قاله المنذرى۔

صابر محتسبا يعلم انه لا يصيبه الا ما كتب الله له الا كان له مثل اجر شهيد۔ فہذا سبع وعشرون خصلة سوى القتل في سبيل الله، ذكرها لحفظ ان طريقا جديدة، وانه وردت خصال اخرى في احاديث لم اعرج عليها لضعفها اه زاد الزرقاني، صاحب المحي، والميت في السجن وقد حبس ظلما، والميت عشقا، او طالب العلم، وزاد العيني، من حبسه السلطان ظالما، او شهيد فمات فهو شهيد، والمرابط يموت في فراشه وحى عن ابن العربي، وصاحب النظر وهو المعين، والغريب شهيد ان قال وحده شهما حسن، ومن مات مريضاً مات شهيداً، والنفساء ومن احتسب نفسه على الله، ومن عشق وعف وكتم ومات، مات شهيداً، وعند الترمذي وقال حسن غريب، من قال حين يصبح ثلاث مرات اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم وقرأ ثلاث آيات من آخر سورة الاحقraf مات من يومه مات شهيداً، وعند غيره من قرأ آخر سورة الاحقraf فمات من ليلته مات شهيداً، وعند الآخري يا اناس ان استطعت ان تكون ابداً على وضوء فافعل فان ملك الموت اذا قبض روح العبد وهو على وضوء كتب له شهادة، وعن ابن عمر رضي الله عنهما وصام ثلاثة ايام من كل شهر ولم يترك الوتر كتب له اجر شهيد، وورد من مات يوم الجمعة اوليلة الجمعة اجر من غلب القبر وجار يوم القيامة وعليه طابع الشهيد، قال ابو نعيم غريب من حديث جابر، ومن خرج به خراج في سبيل الله كان عليه طابع الشهيد، وزاد القاري عن ابواب السعادة، على بعض المذكورين صاحب السبل ابي الدق، والمسافر، والمروء على فراشه في سبيل الله، وعن ابي عبيدة بن الجراح رضي الله تعالى عنه قلت يا رسول الله اراي الشهيد اكرم على الله؟ قال، رجل قام الى امام جائر فامر بمعروف ونهى عن منكر فقتله، وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه مرفوعاً ان الشركت الغيرة على النساء والجهاد على الرجال فمن صبر بهن كان لها اجر شهيد وورد من قال في كل يوم خمسا وعشرين مرة اللهم بارك لي في الموت وفيما بعد الموت ثم مات على فراشه اعطاه الله تعالى اجر شهيد، ومنها المتمسك بالسنة عند فساد الامّة، والمؤذن المحتسب، ومن عاش مدارياً، ومن جلب طعماً الى المسلمين، ومن سعى على امرآته وولده، وبالمكسب ممينه، وغير ذلك مما يطول ذكره، فكل من كثر اسباب شهادته زيد له في فتح ابواب سعاده اه قلت، وزاد ابن عابدين، من قال في مرضه اربعين مرة لا اله الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين فمات، ومن يقرأ كل ليلة سورة يسين ومن مات على طهارة فمات ومن صلى على النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم مئة مرة، وسئل الحسن عن رجل افلس بالشج فاصابه البرد فمات فقال يا لها من شهادة، وهذا كما رأيت ترقي الشهيد الى قريب من ستين، وذكر صاحب مظاہر حق، بعض انواع اخر، وكذا في اكثر العمال وفيه قال العيني، وفي التوضيح، الشهيد ثلاثة اقسام شهيد في الدنيا والآخرة وهو المقتول في حرب الكفار بسبب من الاسباب، وشهيد في الآخرة دون احكام الدنيا، وهم من ذكرنا آتفاً، وشهيد في الدنيا دون الآخرة وهو من قتل في الغيبة ومن قتل مدبراً او ماني معناه اه۔

باب المريض يؤخذ من اظفاره وعانته

یعنی مریض کو چاہیے کہ وہ اپنے اظفار اور زیر ناف بالوں کا خیال رکھے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ابتاع بنو العارث بن عامر بن نوفل خبیبا انہ

حضرت خبیب بن عدی کے قتل کا قصہ | اس باب میں مصنف نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا قصہ ذکر کیا ہے، یہ قصہ کتاب الجہاد میں باب فی الرجل یتأسر

میں بالتفصیل گزر چکا اس کو دیکھ لیا جائے، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے واقعہ قتل سے پہلے بڑے اطمینان کے ساتھ قاتلین ہی سے استرہ طلب کر کے اپنے زیر ناف بال صاف کئے تھے، جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔
والحدیث اخرہ البخاری والنسائی مطولا، قالہ المنذری۔

باب ما يستحب من حسن الظن بالله عند الموت

عن جابر بن عبد الله - رضي الله تعالى عنهما - قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله

وسلم يقول قبل موته بثلاث ايام موت احدكم الا وهو يحسن الظن بالله۔

شرح الحدیث | یعنی آپ نے اپنی وفات سے تین روز قبل یہ فرمایا کہ موت کے وقت آدمی کو خاص طور سے اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہیے، یعنی یہ خیال کرے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی توقع رکھے، نیز ایسے وقت میں مریض کو چاہیے کہ ان آیات اور احادیث میں غور و تدبر کرے جو اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو و رحمت کے بارے میں ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی الحدیث الصحیح القدسی انا عن ظن عبدی بی، قال النووی هذا هو الصواب فی معناه وقالہ جمہورہم، وشذ الخطابی وذكر معہ تاویلات اخر الخ (بذل) خطابی کی رائے اس میں یہ ہے کہ حسن ظن سے مراد حسن عمل ہے اس لئے کہ حسن ظن باللہ بغیر حسن عمل کے حاصل نہیں ہوتا، امام نووی نے اس کو رد کیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا، پس صحیح یہی ہے کہ ایسے وقت میں حاضرین اور بیمار داروں کو چاہیے کہ جن آیات میں رحمت و عفو کا ذکر ہے وہ اسکے سامنے پڑھیں، نیز اس کے سامنے اس کے اعمال حسنہ کو بھی یاد دلایا جائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا ہونے کی اس نازک وقت میں یہی آسان صورت ہے، رزق اللہ تعالیٰ حسن الظن بہ تعالیٰ فی هذا الوقت۔

والحدیث اخرہ مسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب ما يستحب من تطهير ثياب الميت عند الموت

یعنی بہتر یہ ہے کہ انتقال کے وقت آدمی کے بدن کے کپڑے پاک صاف ہوں۔

حضرت الشیخؒ اور والدہ صابہؒ کا حال عند الوفات | ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا جس روز انتقال ہوا، انتقال

تو بعد العصر ہوا تھا انتقال والے دن صبح کے وقت میں اپنے خادم سے خلاف معمول یہ سوال فرمایا ابو الحسن میرا بستر پاک ہے اس نے کہا جی پاک ہے، پھر دوسرے وقت میں بھی ایک بار یہی سوال فرمایا، اور میرے والد نور اللہ مرقدہ جن کو ہمیشہ عمر بھر طہارت اور پاکی کا بڑا اہتمام رہا آخر تک چنانچہ استنجار میں اولاً استنجار بائجر اور اس کے بعد استنجار بالماء اپنے اختیار و اہتمام سے فرماتے رہے، تقریباً اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا، ایک رات اور نصف یوم غفلت کی حالت میں گذرا، اس سے قبل اپنے ہاتھ سے وضو اور استنجار وغیرہ کرتے رہے، انتقال کے بعد جیب بستر پر سے نعش کو اٹھایا گیا تو میں نے قصداً دیکھا کہ بستر کا کیا حال ہے اس لئے کہ تقریباً ۲۴ گھنٹے غفلت کی حالت میں گذرے تھے، دیکھا تو بستر بالکل صاف تھا کسی قسم کا کوئی نشان تک نہیں تھا، تموتون کما تحیون و تحشرون کما تموتون الحدیث۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما حضرہ الموت دعا بثیاب جدد فلبسھا... المیت

یبعث فی ثیابہ الّتی یموت فیہا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میت کو قبر سے اس کے ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے۔

دو حدیثوں کے درمیان تطبیق | یہاں پر ایک مشہور اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے "یحشر الناس خفاة غراة" اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ

ان میں سے ایک حدیث میں بعث کا ذکر ہے اور دوسری میں حشر کا، اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، بعث تو کہتے ہیں قبر سے اٹھنے کو اور حشر میدان حشر میں جمع ہونے کو، اور ان دو وقتوں میں کافی فاصلہ ہوگا، اس لئے کہ یہ بہت لمبا چوڑا دن ہوگا، ہزار برس کے برابر اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث الباب میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں کہ آدمی اپنے اعمال کو لے کر قبر سے اٹھتا ہے وہ جیسے بھی ہوں، لیکن ان صحابی نے اس حدیث میں ثیاب کو ظاہری معنی پر محمول کیا فلا تعارض بین الحدیثین، یہ دوسرا جواب ہی راجح ہے، ایسے ہی کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ "و ثیابک فطہر" میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں، اور علامہ قرطبی کہتے ہیں (فی التذکرۃ فی احوال الموتی و امور الاخرۃ) کہ ہو سکتا ہے

کہ حشر فی الاکفان شہداء کے ساتھ خاص ہو (عون) وفی ہامش البذل ذخصہ فی الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۳۱ بالشہید۔ جامع ترمذی میں ہے: قال ابن المبارک احب الی ان یکلف فی ثیابہ الی کان یصلی فیہا، اور اس کی شرح تحفۃ الاحوذی میں ہے بحوالہ فتح الباری کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میری تکفین میرے ان دو کپڑوں میں کرنا جن کو پہن کر میں نماز پڑھتا ہوں، اور تذکرۃ الحفاظ سے یہ نقل کیا ہے زہری کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کا جب وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا پرانا جبہ صوف منگایا اور فرمایا کہ مجھ کو اسی میں کفننا اس لئے کہ جنگ بدر میں میں نے اس کو پہنا تھا اور میں نے اس کو اسی وقت کے لئے چھپا کر رکھا تھا، اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفن کے بارے میں آئندہ ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں ایک آپ کا وہ قمیص تھا جس میں آپ کا وصال ہوا، فی ثلاثۃ اثواب نجرانیۃ، الحلة ثوبان، وقميصہ الذی مات فیہ۔ لیکن آپ کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔

باب ما یقال عند المیت من الکلام

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
شرح الحدیث حضرت ام سلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ جب تم کسی میت کے گھر جاؤ تو وہاں جا کر اچھی ہی بات زبان سے نکاؤ، اسلئے کہ اس وقت وہاں پر فرشتے موجود ہوتے ہیں اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر وہ آمین کہتے ہیں، لہذا وہاں جا کر بہت احتیاط سے بولنا چاہیے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے سابق شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں کیا پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا یہ پڑھو اللہم اغفر لہ واعقبنا عقبہ صالحة، اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا نعم البدل عطا فرما، وہ کہتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمایا۔
 یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اس کا سیاق کچھ اس سے مختلف ہے اور اس میں کچھ زیادتی بھی ہے، ولفظہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: اامن مسلم تصیبة مصیبة فیقول ما امرہ اللہ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منها، الا اخلف اللہ لہ خیرا منها، قالت فلما ماتت ابوسلمة قلت اے المسلمین خیر من ابی سلمہ؟ اول بیت ہاجر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ثم انی قلبتها، اس روایت میں آگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انکے پاس پیغام نکاح بھیجنے کا ذکر ہے،

یعنی وہ یوں فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پڑھنے کے لئے مجھے فرمایا تو میں یہ سوچتی تھی کہ ان سے بہتر کون ہوگا، لیکن پھر بھی میں نے اس پر پڑھا، الخ اس روایت کا کچھ حصہ باب فی الاستسجاع میں بھی آرہا، والحدیث اخر جہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

باب فی التلقین

تلقین عند الجہور مستحب ہے اور تلقین سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر — کلمہ کو پڑھا جائے نہ یہ کہ اس کو پڑھنے کے لئے کہا جائے، البتہ میت کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ پاس والے آپس میں یہ کہیں کہ اللہ کا نام مبارک ہے اؤ ہم سب اللہ کا ذکر کریں، اور ظاہر حدیث کا تقاضا وجوب تلقین ہے چنانچہ ایک جماعت وجوب ہی کی قائل ہے، بلکہ بعض مالکیہ نے تو وجوب پر اتفاق نقل کیا ہے (بذل عن القاری) و فی الدر المختار: یلقن بذل و قبل وجوباً بذکر الشہادتین عندہ من غیر امرہ بہا، ولایلقن بعد تلحیدہ وان فعل لاینبی عنہ، و فی الجہود انہ مشروع عند اہل السنۃ (ہامش البذل) یعنی تلقین بعد الدفن اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کرے تو اس کو منع نہ کیا جائے عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرفوعاً) من کان اخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنة۔

یہ باب کی پہلی حدیث ہے اور باب کی دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً عامی ہے لقنوا موتاكم قول لا الہ الا اللہ۔

پہلی حدیث لا کر مصنف نے اشارہ کیا تلقین کے فائدہ اور غرض کی طرف کہ مقصد یہ ہے کہ مرنے والے کا آخری کلام دنیا سے رخصت ہوتے وقت کلمہ توحید ہو اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ جب ایک مرتبہ وہ کلمہ پڑھ لے تو پھر تلقین نہ کی جائے الا یہ کہ اس کے بعد وہ کوئی دینوی کلام کرے اور دوسری حدیث میں موتی سے مراد محتضر ہے مجازاً ایہ بحار مایول کے قبیل سے ہے، کذا قال الطیبی کما فی البذل، والا امام النووی فی شرح مسلم، و کذا فی مغنی المحتاج ۳۳۲ (فی فقہ الثانی) اور بعض شافعیہ نے میت کو حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے حدیث کو تلقین بعد الدفن پر محمول کیا ہے لیکن بذل میں ہے کہ تلقین بعد الدفن امر محدث ہے سلف میں معروف نہ تھی لہذا حدیث کو اس پر محمول کرنا درست نہیں، اس پر حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے لکنہ وارد فی الروایات العدیدۃ کما فی منتخب کثر العمال ۲۶، نیز علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں کے کلام میں یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ سے پورا کلمہ مراد ہے، قال الکرمانی: والمراد صیغۃ التمجید محمد رسول اللہ زین ابن المنیر کہتے ہیں لا الہ الا اللہ بشرع الشہادتین کا لقب ہے (عون) اور یہی اوپر در مختار سے گذرا لیکن مغنی المحتاج میں محمد رسول اللہ کی زیادتی کے مسنون ہونے اور نہ ہونے پر بحث کی ہے، ان کا میلان عدم زیادتی کی طرف ہے حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب تخميض الميت

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت دخل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

علی ابی سلمۃ وقد شق بصرہ فاغمضہ۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کے انتقال کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے ان کو بند کیا اس پر ان کے بعض گھروالے رونے پھینکنے لگے، آپ نے فرمایا، دعائے خیر کرو اس لئے کہ ملائکہ آمین کہتے ہیں تمہاری بات پر، اس کے بعد آپ نے یہ دعا پڑھی: اللہم اغفر لابی سلمۃ واسرف درجته فی المہدیٰ میں واخلفہ فی عقبہ فی الغابین واغفر لنا ولہ رب العالمین اللہم افسح لہ فی قبرہ ویؤمر لہ فیہ۔

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں پر ایک زیادتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ تغییض العین خروج روح کے بعد ہونا چاہیئے اور پھر آگے یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد محمد بن محمد بن نعمان المقرئ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابومیسرہ سے سنا جو عابد و زاہد شخص تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر معلم کی موت کے وقت ان کا تغییض عین کر دیا تو جس روز ان کا انتقال ہوا اسی کی شب میں میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہنے لگے اعظم ماکان علی تغییضک لی قبل ان اموت کہ بہت زیادہ ناگوار بات مجھ پر یہ گزری تمہارا میری آنکھ کو بند کرنا قبض روح سے پہلے! لہذا اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب مرنے کا یقین ہو جائے تب ہی تغییض عین کیا جائے۔

اس حدیث میں اغماض میت مذکور ہے، علماء کا اس کے استحباب پر اجماع ہے جس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ میت کی بینت نہ بگڑے اور علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو آنکھ کی روشنی بھی ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے لہذا آنکھ کھلا رہنے میں اب کوئی فائدہ نہیں (بامش بزل) اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ اسی وقت اس کا منہ بھی بند کر دیا جائے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ (منذری)

باب فی الاسترجاع

حدیث الباب "باب ما یقال عند المیت من الکلام" میں اختلاف سیاق کیساتھ گزر چکی۔

اللہم عندک احتسب مصیبتی فأجرنی، مثل اکرمی، او مثل فانصرنی، دونوں طرح اس کو ضبط کیا گیا ہے اول ایجار سے یعنی اجرت اور عوض دینا اور ثانی الاجر سے ماخوذ ہے۔

لہ قال النووی هو لفتح الشین ورفع بصرہ وهو فاعل شق ای بقی بصرہ مفتوحا، هكذا ضبطناه وهو المشہور وضبط بعضہم بقرہ بالنصب وهو صحیح ایضا، والشین مفتوح بلا خلاف اھ

لہ یعنی اے اللہ تو عظیم ہو جا اس میت کا باقی رہنے والوں میں سے اس کی اولاد کا۔ مع یعنی فأجرنی

باب فی المیت یُسبّحی

یعنی آدمی کے انتقال کے بعد اس پر چادر ڈھانک دینی چاہیے اس کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے ظاہر ہے کہ غسل میں تو دیر لگے گی لیکن یہ عمل اسی وقت کر دینا چاہیے، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سُبّحَ فی ثوب حَبِیرَۃ۔
حَبِیرَۃ بروزن عَنَبَۃ، اس کو وصف اور اضافت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے یعنی یہی چادر جو دھاری دار ہوتی تھی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد یہی چادر سے ڈھانپ دیا گیا صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم، قالہ المنذری۔

باب القراءة عند المیت

اقتدوا بلسین علی موتاکم۔

یہاں پر موتی سے مراد مخمّر ہے، اکثر علماء کی رائے یہی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ سورہ یسین اس کے پاس بیٹھ کر اس کی موت کے بعد پڑھی جائے جبکہ اس پر چادر ڈھکی ہوئی ہو، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یقرأ علیہ عند القبر، علماء نے اس سورۃ کی قرأت کی حکمت میں لکھا ہے کہ اس وقت آدمی میں تلفظ کی تو طاقت رہتی نہیں انتہائی ضعف کی وجہ سے اس وقت وہ اپنی کسی حاجت کو ظاہر نہیں کر سکتا، لیکن مومن آدمی کا قلب ایسے وقت میں بالکلیۃ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر یسین اس وقت میں اس لئے پڑھی جاتی ہے تاکہ اس کے ایمان اور قوت قلبیہ میں اضافہ ہو، اس لئے کہ اس سورۃ میں شریعت کے اُمتیات اصول اور وہ بڑے بڑے مسائل جن کو علماء نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے مختلف امتوں کے احوال، تقدیر کا اثبات اور یہ کہ بندوں کے افعال کا استناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور اثبات توحید، نفی شرک اور احوال قیامت، حشر و نشر کا منظر، حساب کتاب، ثواب و عقاب وغیرہ چیزیں مذکور ہیں، نیز حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے قلب ہوتا ہے اور قلب قرآن سورۃ یسین ہے لہذا اس سورت کو اس کے سامنے پڑھنے سے اس کو روحانی قوت اور تسلی ہوگی اور ایمانیات کا استحضر ہوگا (بشرطیکہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ سمجھتا ہو) ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر پر اور سورۃ یسین کے عند القبر پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث میں ہے جس کو ابن عدی وغیرہ نے روایت کیا، من زار قبر والدہ او احدہما فی کل جمعة فقرا عندہما یسین غفر لہ بعدد کل حرف مہنہ (من البذل) والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

لے لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہاء نے میت کے قریب بیٹھ کر قبل الغسل تلاوت قرآن سے منع کیا ہے۔

باب الجلوس عند المصیبة

شرح الحدیث یعنی موت جیسی کسی مصیبت کے وقت اگر آدمی تھوڑی دیر کے لئے سکون و وقار اور سکوت کیساتھ بیٹھ جائے جس میں آثار حزن ظاہر ہو رہے ہوں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہو جانے کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ مسجد میں بیٹھے آپ کے چہرہ انور سے آثار حزن نمایاں تھے، علامہ طبری لکھتے ہیں: یعنی اپنے اپنے رنج و غم کو پی رکھا تھا تو فطری طور پر اس کا جواثر چہرے پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہوا، علماء نے لکھا ہے کہ اس میں اعتدال کی تعلیم ہے کہ جملہ احوال میں اعتدال مسلک مستقیم ہے، لہذا اگر کسی کو کوئی عظیم مصیبت پہنچے تو اس کو چاہیے کہ نہ تو اظہار حزن میں افراط کرے عظم و شوق اور نوحہ وغیرہ جو کہ ناجائز اور ممنوع ہیں، اور نہ اس بارے میں تفریط کرے کہ بے پرواہی اور بہادری دکھائے جو علامت ہے قسادت قلب کی، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا چاہیے، اور اس وقت آپ کے جلوس فی المسجد کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کا یہ مسجد میں بیٹھنا حسب معمول اور عادت شریفہ کے مطابق تھا، یعنی اس نیت سے نہیں تھا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لئے آئیں، لہذا یہ آپ کی مجلس مجلس ماتم و سوگ نہیں تھی۔

آگے روایت میں ہے و ذکر القصة یہ قصہ مفصلاً بخاری میں مذکور ہے فی باب من جلس عند المصیبة یرفع فیه الحزن (بذل) جس کا مضمون یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ان تینوں حضرات کی شہادت کی اطلاع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے چہرہ سے حزن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور میں حجرہ کے اندر سے اپنے دروازہ کے درز میں سے دیکھ رہی تھی تو اس وقت آپ کے پاس ایک شخص آیا کہ جعفر کے گھر والے چیخ چلا رہے ہیں، آپ نے اس سے فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو، وہ گیا اور پھر آیا کہا کہ وہ تو مان نہیں رہے ہیں، آپ نے پھر فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو وہ گیا اور پھر آیا کہنے لگا یا رسول اللہ وہ تو ہماری سن نہیں رہیں، آپ نے فرمایا جا پھر ان کے منہ میں خاک ڈال دے حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے اس کو بلا کر کہا تیرا ناس ہو، نہ تجھ سے وہ کام ہو رہا ہے جو حضور فرما رہے ہیں اور نہ تو حضور ہی کو مشقت میں ڈالنے سے چھوڑ رہا ہے مطلب یہ تھا کہ تجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کر دینا چاہیے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، میں اس کو انجام نہیں دے سکتا لہذا آپ کسی اور کو بھیج دیں۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قاله المنذری۔

باب التعزیه

تعزیه غزائے مشتق ہے جس کے معنی صبر ہیں، لہذا تعزیت کے معنی ہوئے کسی کو غزا، یعنی صبر پر ابھارنا اور اس کی تلقین کرنا، صبر دلانا، یعنی اس کو اجر و ثواب کی دعا دینا تاکہ اس کو اس سے تسلی ہو اور صبر آجائے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال قبرنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی میتا۔ فلما فرغنا الحدیث۔

اس حدیث کا مضمون ہمارے یہاں، باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔
قال لو بلغت معهم الکدیٰ فذکر تشدید فی ذلک۔

امام ابو داؤد کی ایک خاص | علامہ شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں: وفي الکناية عن بقية الحديث ادب من الامام ابی داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ مع بقعة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی الاقتدار بہ، قال السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی ادائرہ، بذل المجہود فی ختم سنن ابی داؤد، وهو یعد مناقب الامام ابی داؤد، یؤمن وفور ادبہ انہ لما اور الد حدیث فی رؤیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابنۃ فاطمہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ فی الطریق، وقالت لہ انہا کانت تعزی اناسا فی میت لہم، لم یذکر الکلام الاخیر بل اشار الیہ بقولہ: فذکر تشدید فی ذلک۔ وهذا یدکرنا بأدب ائمتہ آخرین فی حدیث سرقۃ المرأة المخزومیہ وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لو ان فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فقد رواہ ابن ماجہ بسندہ قال محمد بن ریح سمعت اللیث بن سعد یقول: قد اعادہا اللہ ان تسرق، وكل مسلم ینبغی لہ ان یقول هذا، اور اس کے بعد حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث سرقۃ کو ذکر کیا تو انہوں نے بھی اس طرح فرمایا: فذکر عضو اشرفا من امرأۃ شریفہا

آپ کے والدین کا حکم اخروی | حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان و عدم ایمان کے بارے میں علماء کا اختلاف حضرت سہارنپوری نے بذل میں اس جگہ اور آئندہ

”باب فی زیارۃ القبور“ میں اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر امہ فکی و ابکی من حولہ کے تحت اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں بہت سی کتابوں کے حوالے اور مختصر مختصر عبارات تحریر فرمائی ہیں نیز اہل فترۃ کے بارے

لہ حاشیہ بذل میں علامہ سیوطی کی، وشی الیہ بارج علی صحیح مسلم بن الحجاج، سے نقل کیا ہے سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں

میں اختلاف علماء کا ذکر فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کی طرف رجوع کرے، اور یہ احقر اپنے سبق میں یہ کہا کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق تو چاہے جو ہو لیکن سچی بات یہ ہے آپ کے ایک امتی کے دل کی خواہش یہی ہونی چاہیے کہ کسی طرح ان کا ایمان اور اسلام ثابت ہی ہو تو بہتر ہے، یعنی جب کبھی ان کا ذکر یا خیال آئے۔ آپ کے والدین کے بارے میں تفصیل جلد سادس برآری ہے۔

باب الصبر عند المصیبة

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال اتی نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی امرأة تبکی ۱۶۔
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک عورت پر ہوا جو اپنے بچہ پر رورہی تھی، آپ نے اس کو صبر اور تقویٰ کی تلقین فرمائی (وہ چونکہ آپ کو اس وقت شدت رنج کی وجہ سے پہچان نہ سکی تھی اس لئے، اس نے الٹ کر جواب دیا کہ تم کو میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے، اس پر کسی نے بعد میں اس سے کہا کہ اری یہ حضور تھے تو وہ فوراً آپ کے دولت کدہ پر پہنچی، راوی کہتا ہے کہ اس نے آپ کے دروازہ پر دریاؤں اور چوکیداروں کو نہیں پایا۔ یعنی جیسا کہ دنیوی امراء کے درباروں پر ہوا کرتا ہے۔ تو اس عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ نے اس کی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ یہ فرمایا، انما الصبر عند الصدمة الاولى، کہ صبر تو وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں حاصل ہو (بعد میں تو صبر سب کو آتی جاتا ہے)۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب فی البکاء علی المیت

عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ابنة لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارسلت الیہ وانا معہ وسعد واحسب ابناً ۱۷۔
حضرت اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک صاحبزادی نے (زینب) مضمون حدیث آپ کی خدمت میں ایک قاصد کو بلانے کے لئے بھیجا، اور اس وقت آپ کے ساتھ میں اور سعد بن عبادہ اور ابی بن کعب مجلس میں بیٹھے تھے، قاصدان کا پیام لایا کہ میرا بیٹا یا بیٹی۔ شک راوی ہے۔ کا آخری

→ سات رسائل تصنیف کئے ہیں اور انہوں نے حدیث الباب استأذنت ربی تعالیٰ ان استغفر لہا فلم یأذن لی، پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مسلم کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو جائے تو منسوخ ہے الی آخر مافی الحاشیہ، نیز اس بارے میں امام برزنجی کا بہت مشہور رسالہ سداد الدین وسداد الدین فی اثبات النجاة والدراجات للوالدین، ہے اسکو دیکھنا چاہیے، خاص اسی موضوع پر مفصل اور مدلل تصنیف

وقت ہے ہمارے پاس تشریف لے آئیے، آپ نے قاصد سے فرمایا: جا کر میرا سلام کہنا اور یہ کہدینا اللہ ماخذ ولہ
ما اعطی وکل شیء عندہ الی اجل، قاصد نے جا کر آپ کی بات پہنچا دی، انہوں نے دوبارہ قاصد کو آپ کی خدمت میں
قسم دے کر بھیجا اس پر آپ وہاں تشریف لے گئے، اس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا گیا جبکہ اس بچہ کی روح پھڑک
رہی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، اس پر حضرت سعد نے آپ سے عرض کیا کہ یہ
رونا کیسا ہے، آپ نے فرمایا یہ آنسو رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے قلب
میں چاہتے ہیں ودیعت فرمادیتے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں میں سے اسی پر رحم فرماتے ہیں جو رحم
دل ہوتا ہے، حضرت سعد یہ سمجھتے تھے کہ شاید صرف آنسوؤں سے رونا بھی ممنوع ہے اس پر آپ نے اس کی وضاحت فرمائی
کہ یہ بکرا بکارتے مہنی عنہ میں داخل نہیں بلکہ یہ تو پسندیدہ ہے رحمہ کی علامت ہے، علماء نے لکھا ہے کہ کمال تو اعطاء
کُلِّ ذی حق حقہ میں ہے، اور وہ جو بعض صوفیہ اور ژنہاد سے منقول ہے کہ جب ان کو ان کے کسی عزیز کی موت کی اطلاع کی
گئی تو رضا بقضائے طور پر ہنس دیتے، یہ کمال کی بات نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن النس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولدت ل

اللیلۃ غلام فسمیۃ باسما ابی ابراہیم فذکر الحدیث۔

مضمون حدیث یہ ہے: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے
یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام اپنے باپ (جد اعلیٰ) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ آگے اس روایت میں
کچھ اور ہوگا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، پھر آگے حدیث میں یہ ہے کہ میں نے آپ کے اس فرزند کو جان دیتے
ہوئے دیکھا جبکہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تھا، آپ کے آنسو بہنے لگے اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا
کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور قلب غمگین ہے اور ہم زبان سے وہی کہیں گے جس قول کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔
انابٹ یا ابراہیم لمحزونون کہ اسے ابراہیم ہمیں تیرے جانے کا غم ہے۔

یرضی یا یرضی، پہلی صورت میں ربنا فاعل ہونے کی بنا پر اور دوسری صورت میں ربنا بالنصب، حضرت
ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت و وفات اور مدت عمر کا بیان کتاب الکسوف میں گذر چکا ہے اور آئندہ یہاں "باب
فی الصلاة علی الطفل کے متن میں بھی آ رہا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم، واخرجه البخاری تعلیقا، قال المنذری۔

باب فی النوح

نوح اور نیاۃ مجاسن میت بیان کر کے رونا یا چیخ پکار کیسا تھ رونا، دونوں تفسیر میں کی گئی ہیں اور دونوں ممنوع ہیں

بغیر ذکرِ محاسن کے آنسوؤں سے رونا ثابت ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم النائحة والمستمعة۔

یعنی نوحہ کرنے والی عورت اور اس نوحہ کو سننے والی دونوں پر اپنے لعنت فرمائی ہے، نائحة میں تار اگر تانیث کے لئے ہے تو عورت کی تخصیص اسلئے ہے کہ زیادہ تر یہ نوحہ عورتوں ہی میں پایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں تار مبالغہ کیلئے ہو اس صورت میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جو شخص بکثرت ایسا کرے وہی سختی لعن ہے، اور جس سے اتفاقہ کبھی اس کا صدور ہوا ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان المیت لیعذب

بکاء اہلہ علیہ فذکر ذلک لعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقالت وهل۔ یعنی ابن عمر۔ انما امر النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی قبراۃ

المیت یعذب بکاء اہلہ علیہ
حدیث کی تحقیق اور توجیہ

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کی یہ حدیث نقل کی کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب اس حدیث کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو وہم ہوا ہے اور نقل کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور صحیحین کی روایت میں ہے امانہ لم یكذب ولكنہ نسی او اخطأ۔ اور پھر انہوں نے اپنی طرف سے صحیح حدیث بیان کی کہ اصل حدیث تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گدرا ایک مرتبہ ایک یہودی کی قبر پر ہوا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس صاحب قبر کو عذاب دیا جا رہا ہے یعنی اس کے کفر اور فسق کی وجہ سے۔ اور حال یہ کہ اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہیں۔ یعنی پھر یہ اس قابل کہاں کہ اس کو رو دیا جائے۔ پھر اس کے بعد حضرت عائشہ نے ابن عمر والی حدیث کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی، «ولا تزوروا قبری وذر اخری» امام خطابی فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ بات اسی طرح ہو جس طرح حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ یہ حدیث ایک یہودی کے بارے میں اپنے فرمائی تھی، وانحبر المفسر اولیٰ من المجمل، اور ہو سکتا ہے ابن عمر کی روایت بھی صحیح ہو لیکن وہ آیت کریمہ کے خلاف نہیں اور یہ اس لئے کہ اہل جاہلیت وصیت کیا کرتے تھے بکار اور نوحہ کی اور اس صورت میں جو عذاب ہوگا اس کی وصیت کی بنا پر ہوگا جو اس نے زندگی میں کی تھی، اور علامہ سندھی، فتح البودو میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طرق اور متعدد صحابہ سے ثابت ہے، اور اس کے معنی بھی صحیح اور درست ہیں اس توجیہ کے بعد جو اوپر گزری لہذا اس حدیث پر انکار کی کوئی وجہ نہیں، یہی بات ملا علی قاری نے بھی لکھی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ اور متعدد روایات سے ابن عمر اور غیر ابن عمر سے ثابت ہے، لہذا حضرت عائشہ کا اعتراض اپنے اجتہاد کے اعتبار سے ہے امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تاویل جمہور نے یہی کی ہے کہ یہ وصیت پر محمول ہے کہ ایسے شخص کو عذاب ہوتا ہے اس کی وصیت کی

وجہ سے اور جس میت پر اس کے اہل بغیر اس کی وصیت کے نوحہ کریں (اور بغیر اس کی رضامندی کے) تو اس کو عذاب نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ ولا ترزوا زرة و زر اخری، اھ اس حدیث کی اور بھی توجیہات کی گئی ہیں۔ حضرت شیخ نے اوہل المساک میں لکھا ہے کہ علامہ عینی نے اس میں علماء کے آٹھ قول لکھے ہیں، اور سیوطی نے شرح الصدور میں نو اقوال، اور حضرت نے دوسری شرح حدیث سے انکے علاوہ بھی لکھے ہیں جنکا مجموعہ چودہ اقوال تک پہنچ جاتا ہے ہم ان میں سے یہاں چند لکھواتے ہیں (۱) المیت یعذب بما یخ علیہ، میں بار سبب یہ نہیں ہے بلکہ حال کے لئے ہے ای یعذب فی حال بکار اہل علیہ مطلب یہ ہے کہ میت کو عذاب دیا جاتا ہے (کسی گناہ کی وجہ سے) اس حال میں کہ اس کے گھر والے اس پر بکار کرتے ہوئے ہوتے ہیں یعنی میت کا تو حال وہاں قبر میں یہ ہے کہ اس کے عصیان کی وجہ سے اس کی پٹائی ہو رہی ہے اور یہاں یہ ہو رہا ہے کہ اس کے فراق کی وجہ سے گھر والے رو رہے ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ بکار کی وجہ سے اس کو تعذیب ہوتی ہے (۲) یہ تعذیب خاص ہے کافر کیساتھ مسلم اس میں داخل نہیں (۳) یہ اس میت کے حق میں ہے جس کا معمول اور طریق زندگی میں نوحہ ہو، امام بخاری نے بھی اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے جیسا کہ ان کی تویب سے معلوم ہوتا ہے "باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعذب المیت بکار اہلہ علیہ اذا کان النوح من سنتہ (۴) یہ محمول ہے اس شخص پر جو نوحہ کی وصیت کر کے مرا ہو، جمہور نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے (۵) یہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے ترک نوحہ کی وصیت نہ کی ہو، اس قول کی بنا پر ترک نوحہ کی وصیت کرنا واجب ہوگا، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کی رائے یہی ہے (۶) مطلب یہ ہے حدیث کا کہ میت کو ان صفات اور احوال کی وجہ سے تعذیب ہوتی ہے جن صفات اور احوال کو بیان کر کر کے وہ روتے ہیں، کیونکہ وہ شرعاً مذموم اور ناجائز ہوتے ہیں مثلاً وہ یہ کہا کرتے تھے نوحہ کے وقت یا مری علی النساء، یا مریتم الاولاد، یا مریتم التور، یعنی رونے والیوں کے کلام میں جن اوصاف کی طرف اشارہ ہے جو اس میت کے اندر موجود تھے اصل عذاب تو ان صفات کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور یہ رونے والیاں بیوقوف ان اوصاف مذمومہ کا مفاخرہ کے طور پر بیان کر رہی ہیں یعنی میت کی وہ سیادت اور شجاعت اور تمول جن کو وہ ناحق چیزوں میں استعمال کرتا تھا اور جن کی وجہ سے اس کو آج عذاب ہو رہا ہے یہ ان ہی اوصاف کو بیان کر کے رو رہی ہیں، ورنہ هذا القول الاسماعیلی وهو اختیار ابن حزم وطائفہ (۷) تعذیب سے مراد عذاب اخروی نہیں ہے بلکہ ملائکہ کی توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ میت کے جن اوصاف کیساتھ وہ ندبہ کیا کرتے تھے مثلاً آتا ہے روایت میں کہ جب ناکھ کہتی ہے واعضدہ وانا صراہ واکاسیاء تو فرشتہ اس میت کے چونکا مارتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے انت عضدہا انت نامرہا انت کاسیہا، کیوں رے تو کیا ایسا ہے اور ایسا ہی ہے (۸) میت سے مراد محض مجازاً، اور تعذیب سے مراد تعذیب فی الدنیا یعنی اسکو گھر والوں

لہ عورتوں کو آزمائش یعنی بیوہ بنانے والا۔ بچوں کو یتیم کر دینے والا۔ اور گھروں کو ویران کر دینے والا یعنی جس کے مرنے سے یہ مصائب پیش آئے۔

رونے کی وجہ سے الم اور تکلیف پہنچتی ہے، ان سب اقوال میں سب سے زیادہ معروف جو تھا جواب ہے اسی کو اختیار کیا ہے در مختار اور شرح اقناع میں، اور لکھا ہے کہ یہ چیز اہل جاہلیت میں معروف تھی کہ وہ بسا اوقات مرتے وقت نوحہ کی وصیت کرتے تھے، چنانچہ طرفہ بن العبد کہتا ہے۔

اذا میت فالتعنی بما انا اھلہ ۛ وشفی علی الجیب یا ابنتہ معتبہ

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب ان کی کتب فروع سے او جز میں نقل کئے ہیں مجموعی طور پر سبھی مذاہب میں یہ ہے کہ نفس بکار میں کوئی مضائقہ نہیں نہ قبل الموت نہ بعد الموت، البتہ نذہ حرام ہے یعنی محاسن میت بیان کر کے رونایلفظ التذاریع زیادہ الالف والہا جیسے واسیڈاہ واخلیلاہ، اور لکھا ہے کہ نیاہ حرام ہے یعنی چیخنا چلانا، اور اظہار جزع و فزع، والحديث اخرجه مسلم والنسائي، قال المنذري۔

لیس منا من خلق ومن سلق ومن خرق، یعنی ہمارے طریق پر نہیں ہے وہ شخص جو مصیبت کے وقت میں خلق شعر کرائے گا ہو عادۃ الکفار من الہود اور جو چیخے اور چلائے اور ایسے ہی جو مصیبت کے وقت اپنے کپڑے چاک کرے والحديث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

عن امرأة من المبايعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی

المعروف الذی اخذ علینا ان لا نعصیہ فیہ ان لا نخمش وجہا ولا ندعو ویلا ولا نشق جیباً ولا نشر شعر۔

شرح الحدیث

اسید بن ابی اسید اس صحابیہ سے روایت کرتے ہیں جو کہ مبايعات میں سے ہیں (قال الحافظ لم اقف علی اسمہا) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں پر ہم سے بیعت لی تھی اس میں جو یہ بات تھی کہ وہ عورتیں کسی نیک خصلت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی بخلاف ان نیک خصلتوں کے یہ بھی ہیں کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں گی اور اسی طرح واولیا نہیں کریں گی اور ایسے ہی گریبان چاک نہیں کریں گی اور نہ بال بکھیریں گی۔

ان مہاجر عورتوں سے آپ نے جس مضمون پر بیعت لی تھی وہ سورۃ ممتحنہ کی آیت میں مذکور ہیں، یا ایہا النبی اذا

جاءک المؤمنات ینابینک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا ینزینن ولا یقتلن اولادھن ولا یتابین ببہتان یفتن بینہ بین ایدہن وامنجلھن ولا یعصینک فی معروف، اس حدیث میں اس آخری جز کا ذکر ہے جس کا مصداق انہوں نے اس حدیث میں خمس وجہ اور دُعَا بِالْوَلِ اور شتی جیب اور نشر شعر کو قرار دیا ہے۔

لے شاعرہ بنی یوی کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے اور وصیت کر رہا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میری خبر مرگ کو اس طرح نشر کرنا جس کا میں اہل ہوں، اور میرے مرنے پر رو دو کہ گریبان چاک کر لینا۔

باب صَنَعَةُ الطَّعَامِ لِأَهْلِ الْمِيتِ

الكلام على الحديث شرعاً وفقهاً | یعنی میت کے گھر والوں کے لئے پہلے دن صبح اور شام کے کھانے کا انتظام کرنا اقرباء آباعد (دور کے رشتہ دار) اور حیران کے لئے مستحب ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور حدیث الباب ہی سے استدلال کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کھانے کا انتظام تین دن تک ہونا چاہیئے جو کہ مدت تعزیت ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ کھانا بھیجنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ باصرار ان کو کھلائیں ایسا نہ ہو کہ فرط جزع یا شرم کی وجہ سے وہ کھانا چھوڑ دیں (بذل) حدیث الباب کا مضمون یہ ہے: حضرت جعفر بن ابی طالب جو غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تھے ان کے بیٹے عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اصنعوا لآل جعفر طعاماً فإنه قد اتاهم امر يشغلهم یعنی آل جعفر کے لئے کھانے کا انتظام کرو اس لئے کہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس نے ان کو اپنے میں مشغول کر لیا ہے اور کھانا بنانے کے لئے فارغ نہیں ہیں، اس سے مراد رنج و غم ہے، تجہیز و تکفین نہیں کیونکہ ان کی شہادت تو موتہ میں ہوئی جو ملک شام میں ہے۔ یہ کھانا جو دوسروں کی طرف سے ہوتا ہے صرف اہل میت کے لئے ہوتا ہے، عام دعوت کا کھانا نہیں ہوتا لہذا دوسرے لوگوں کو اپنے اپنے گھر کھانا چاہیئے، اور ایسے ہی خود میت کے گھر والوں کی طرف سے ضیافت کا ہونا یہ تو قلب موضوع ہے اور بدعت مستقیمہ ہے قالہ ابن البہام۔ والحديث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الشہید یغسل

غسل شہید کا مسئلہ تو تقریباً اتفاقی ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، اس میں حسن بصری کا اختلاف ہے وہ غسل شہید کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ لکھی ہے لان الغسل کرامة لبني آدم والشہید مستحق الکرامة وانما لم تغسل شہداء أحد تخفيفاً علی الاحیاء لكون اکثرهم مجروحین فلم یقدروا علی غسلهم، اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ نے شہدار احد کے بارے میں فرمایا زملوهم بکلوهم ودمائهم فانهم یبعثون یوم القیامة وادوا جہم تشوب دماً للون لون الدم والریح ریح المسک الی آخر ما فی البدائع۔

البتہ صلاۃ علی الشہید کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اس کے قائل نہیں، اور حنفیہ صلاۃ علی الشہید کے قائل ہیں اور امام احمد سے ایک روایت میں تخیر ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں شہدار احد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، والصواب فی المسئلة انه مخیر بین الصلاۃ علیہم وترکہما لجمعی الآثار بکل واحد من الامرین، وهذا احدى الروایات عن الامام احمد (عن مختصراً) صلاۃ علی الشہید کی بحث آگے اسی باب میں آرہی ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رمی رجل بسهم في صدره اذ في حلقة فمات فادرج في ثيابه كما هو۔
یعنی ایک شخص کو جس کے تیر لگا تھا سسینہ میں یا حلق میں جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی تو اس کو اسی طرح اس کے
کپڑوں میں دفن دیا گیا، یعنی بدون غسل کے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقتل احد ان ينزع
عنہم الحديد والجلود الخ۔

یعنی شہداء احد کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا کہ ان کے بدنوں سے ہتھیار وغیرہ اتار لئے جائیں اور ایسے ہی پوسٹین
بھی، اور ان کو ان کے دما اور ثیاب میں دفن کیا جاتے، یعنی زائد کپڑوں کو اتار کر باقی میں دفن دیا جائے۔ جمہور کا مسلک
تو یہی ہے اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک سلاح تو اتارے جائیں گے لیکن زائد کپڑے پوسٹین وغیرہ
نہیں اتارے جائیں گے۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان شهداء احد لم يغسلوا ولم يصل عليهم۔
صلوة علی الشہید کی بحث | صلوة علی الشہید کا مسئلہ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا مختلف فیہ ہے، آگے ایک مستقل باب
کتاب الجنائز کے اوخر میں آ رہا ہے۔ باب الصلوة علی القبر بعد صحن، جس میں یہ
حدیث ہے، عن عقبہ عامر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج يومافصلی علی اهل احد صلوات
علی المیت، اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے، "صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین کالمودع للاحیاء والاموات"
امام بخاری نے "باب الصلوة علی الشہید" میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہی عقبہ بن عامر والی اور دوسری حضرت جابر بن
عبد اللہ کی، جس کے اخیر میں یہ ہے: وامر بدفنہم فی دماہم ولم يغسلوا ولم یصل علیہم، ابن قدامہ نے ان دو حدیثوں میں سے
ایک کو اپنے مسلک کی دلیل ٹھہراتے ہوئے دوسری حدیث یعنی حدیث عقبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مخصوص ہے شہداء
احد کے ساتھ، اس لئے کہ آپ کی یہ صلاہ شہداء احد پر صلاہ علی القبر تھی اور آٹھ سال کے بعد تھی، اور حنفیہ صلاہ علی القبر

لہ قال الموفق: وينزع من ثيابه ما لم يكن من عامة لباس الناس من الجلود والفرار والحدید قال احمد: لا يترك عليه فرو ولا خف ولا جلود
بهذا قال الشافعي والوحيفة، وقال مالك لا ينزع عنه فرو ولا خف ولا تحشو لعموم قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ نوحهم بثياهم، واما زناہ
اخض فكان اولی اھ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب تو یہی ہے کہ عام لباس کے علاوہ پوسٹین وغیرہ موزے اور
خفین اتار دیئے جائیں۔ البتہ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے ان کے یہاں پوسٹین اور خفین یہ چیزیں نہیں اتاری جائیں گی۔ اسی
طرح دسوتی میں بھی ہے، چنانچہ اس میں ہے مع خف وقلنسوة ومنطقة۔ قل شہداء خاتم فضة قل فضة ای قیمہ لا بالآلہ حرب من درع وسلاح
معلو، ہوا کہ ہتھیار وغیرہ اور زریں ان کے یہاں بھی اتادی جائیں گی۔

کے قائل ہی نہیں، اور جمہور بھی ایک ماہ کے بعد صلاۃ علی القبر کے قائل نہیں، لہذا یہی کہا جائے گا کہ وہ شہدار احد کے ساتھ خاص ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ ابن عباس کی یہ حدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی قسلی احد، ضعیف اس لئے کہ اس کے راوی حسن بن عمارہ ہیں جو کہ ضعیف ہیں وقد انکر علیہ شعبہ روایتہ هذا الحدیث اھ اور قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ صلاۃ علی الشہید بھی حسن ہے اور ترک صلاۃ بھی حسن ہے، اور انہوں نے استدلال کیا بخاری کی ان ہی دو حدیثوں سے، وقال لیس يجوز ان یرک احد الاثرین المذكورین للأخر، بل کلاهما حتی مباح و لیس هذا مکان نسخ لان استعمالهما معاً ممکن اھ وقال العینی: ذہب ابن ابی لیلیٰ والحسن بن حی وعبد اللہ بن الحسن وسليمان بن موسى وسعيد بن عبد العزيز والادزاعي والثوري والوحيفه واليوسف ومحمد و احمد في رواية و ائحان في رواية الى انه يصلي عليه وهو قول اهل الحجاز ايضا واحتجوا في ذلك بحديث عقبه عند البخاري، وقوله فيه صلاۃ علی الميت یرد قول من قال ان الصلاۃ فيه محمولة علی الدعار ومن قال به ابن حبان والبيهقي والنووي، امام نووي فرماتے ہیں کہ صلاۃ علی الميت کا مطلب یہ ہے کہ جو دعار آپ اموات کے لئے مانگتے تھے وہی دعا ان کے لئے مانگی، اور یہ مطلب نہیں کہ ان کے لئے نماز پڑھی، یہی تاویل ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے، قال العینی: وهذا عدول عن المعنى الذى يتضمنه هذا اللفظ لاجل تمشية مذہبہ فی ذلك، وهذا لیس بانصاف، واحتجوا في ذلك ايضا بما رواه ابن ماجه بسنده عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم احد فجعل یصل علی عشرة عشرة و حمزة و هو کما هو یرون، و هو کما هو موضوع، یعنی دس دس پر نماز پڑھی جاتی اور حمزہ پر، نماز کے بعد حمزہ کا جنازہ تو وہیں رکھا رہتا باقی کو اٹھا لیا جاتا، الی آخریابی الادجز۔ وفيه ايضا: ویسط الزلیع فی نصب الراية، طرق الصلاۃ علی الشہدار وخصها بالحافظ فی الدرایۃ فارجع الیہا لو شئت۔

اس سلسلہ کی بعض روایات حافظ ابن قیم نے بھی تہذیب السنن میں ذکر کی ہیں، ومنہا: حدیث انس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ، وحدیث ابی مالک الغفاری قال کان قتلی احد یوتی ہنم بتسعة وعاشرہم حمزہ فیصلی علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم یحملون ثم یوتی بتسعة فیصلی علیہم وحمزہ مکانہ، هذا مرسل صحیح ذکرہ البیہقی، وقال هو اصح ما فی الباب، اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ حضرت حمزہ پر سات بار نماز پڑھی گئی باقی سب پر ایک ایک بار ومنہا وقد روی ابن اسحاق عن رجل من اصحابہ عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ فکبر سبع تکبیرات ولم یؤت بقتیل الاصلی علیہ معہ حتی صلی علیہ اثنتین وسبعین صلاۃ، ولكن هذا الحدیث له ثلاث علل الی آخر ما ذکر، یہ آخری روایت اس سے پہلی روایت کے بھی خلاف ہے جو کہ مرسل قوی ہے۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم مر على حمزة وقد مثل به فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لولا ان تجد صفية في نفسها لتركته حتى تأكله العافية حتى يحشر من بطونها۔

شرح الحدیث

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر ہوا اس حال میں کہ ان کے ساتھ مثلاً کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کی بہن صفیہ کے رنج کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو اسی حال میں یہاں چھوڑ دیتا تاکہ درند اور پرند ان کی نعش کو کھا جاتے اور پھر آخرت میں ان حیوانات کے شکم سے ان کے اجزاء کو جمع کر کے حشر کیا جاتا۔

یہ آپ نے اس لئے چاہا تاکہ ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو، اور ان کی شہادت اللہ تعالیٰ کے یہاں خوب نمایاں ہو اگے روایت میں ہے کہ چونکہ کپڑوں کی قلت تھی اور مقتولین کی کثرت اس لئے دو دو اور تین تین اموات کو ایک ایک کپڑے میں کفنایا گیا، اور پھر ان سب کو ایک ہی قبر میں دفنایا جاتا تھا، قبر میں رکھنے کے وقت آپ دریافت فرماتے کس کو قرآن زیادہ محفوظ ہے پس اسی کو قبلہ کی طرف بڑھاتے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ ثوب واحد میں دو اور تین کی تکفین کی جاتی تھی، لیکن اس صورت میں ایک کا بدن دوسرے سے مس کرے گا جو جائز نہیں، لہذا اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ مثلاً ایک بڑی چادر ہے اس کے دو یا تین ٹکڑے کر کے ہر ایک میت کو الگ الگ ٹکڑوں میں کفنایا جانا تھا تاکہ الصاق بشرتین نہ ہو، اور یا پھر اس کو ضرورت اور مجبوری پر محمول کیا جائے (بذل) اور مظہر شارح مصابیح نے ثوب واحد کی تاویل قبر واحد سے کی ہے ممکن ہے یہ تاویل دوسری بعض روایات میں چل جائے لیکن ہماری اس روایت میں نہیں چل سکتی اس لئے کہ یہاں اس کے بعد روایت میں آ رہا ہے ثم یدفنون فی قبور احد۔

حدیث الباب پر امام ترمذی کا نقد

اس کے بعد آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس میں اخیر میں یہ زیادتی ہے قال فدفنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولم یصل علیہم امام ترمذی نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے اور یہ کہ اس حدیث کی سند میں اسامہ بن زید سے خطا واقع ہوئی وہ اس کو اس سند سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، اسامہ کے علاوہ زہری کے دوسرے تلامذہ نے اس کو دوسری طرح روایت کیا ہے فروی اللیث بن سعد عن ابن شہاب عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک عن جابر بن عبد اللہ، اور اسی طرح معمر نے اس کو روایت کیا عن الزہری عن عبد اللہ بن ثعلبہ عن جابر، یعنی اسامہ نے اس حدیث کو مسانید النس سے قرار دیا اور اسامہ کے علاوہ لیث بن سعد اور معمر نے مسانید جابر سے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مر بحمزة وقد مثل بہ ولم یصل

على احد من الشهداء غیرہ۔

اس روایت میں "لم یصل علی احد" کے بعد "غیرہ" کا لفظ ہے جس سے حضرت حمزہ کا استثناء ہو رہا ہے کہ ان پر پڑھی ان کے علاوہ کسی پر نہیں پڑھی، امام دارقطنی نے اس زیادتی پر کلام کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ورواہ عثمان بن عمر عن اسامہ عن الزہری عن النس وزاد فیہ حرفا لم یات بہ غیرہ فقال "لم یصل علی احد من الشهداء غیرہ" لیکن حافظ منذری کو

جیسا کہ ان کے کلام کے دیکھنے سے مستفاد ہوتا ہے دارقطنی کے تقدیر پر انشراح نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دارقطنی کا نقد نقل کرنے کے بعد لکھ رہے ہیں فاما اسامة بن زید فقد اُحْتَجَّ بهِ مسلم واستشهد بهِ البخاری، داماعثمان بن عمر فقد اتفق البخاری ومسلم علی الاحتجاج بحديثه، اور پھر آگے چل کر انھوں نے صلوٰۃ علی حمزہ جو طریق عثمان میں ہے اس کی تاویل بعض علماء سے یہ نقل کی ہے کہ یہ صلوٰۃ بمعنی الدعاء ہے۔

فائدہ :- یہ حدیث جس میں شہداء واحد پر صلوٰۃ کی نفی اور حضرت حمزہ کے لئے اس کا ثبوت مذکور ہے، امام دارقطنی وغیرہ کا اس پر نقد کرنا اور حافظ منذری کا بجائے رد کے اس کی تاویل کرنا کہ اس میں صلوٰۃ علی حمزہ سے دعاء مراد ہے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حضرات محدثین جو صلوٰۃ علی الشہید کے قائل نہیں ہیں انہیں بعض حضرت حمزہ کا بھی استثناء نہیں تسلیم کرتے ہیں بلکہ علی العموم نفی کے قائل ہیں، وکنت اظن قديماً ان الاختلاف إنما هو في غير حمزة لاني حمزة فظهر من هذا خلافه۔

حدثنا قتيبة بن سعيد ويزيد بن خالد بن موهب ان الليث حدثهم عن ابن شهاب عن عبد الرحمن

بن كعب بن مالك ان جابر بن عبد الله اخبره انـ

یہ وہی طریق ہے جس کو امام ترمذی نے ترجیح دی ہے طریق اسامة بن زید پر، اور طریق اسامة کو وہم قرار دیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک ہر دو طریق درست ہیں اس لئے کہ انہوں نے حدیث دونوں طریق سے ذکر کی اور سکوت اختیار کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب فی سترۃ المیت عند غسلہ

اور بعض نسخوں میں "فی ستر المیت" ہے وہو الا واضح۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: لا تبرز فخذك ولا تنظر الى فخذ جوارک ولا میت اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ستر عورت کے مسئلہ میں میت مثل حی کے ہے، لہذا غسل کے وقت ستر میت کا اہتمام واجب ہے کما فی ترجمۃ الباب۔ والحدیث اخر جابر بن ماجہ، قالہ المنذری۔

سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: لما ارادوا غسل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالوا

واللہ ما ندری ان نجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ثیابہ کما نجد موتانا من ثیابہ۔

شرح الحدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین نے جب آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپس میں کہنے لگے اور سوچنے لگے کہ کیا آپ کے کپڑے اتار کر آپ

کو غسل دیا جائے جیسا کہ ہم عام اموات کے ساتھ کرتے ہیں یا آپ کے لباس اتار سے بغیر آپ کو غسل دیا جائے، ابھی

تک کوئی رائے قائم نہیں ہوئی تھی کہ یکایک ان سب پر اللہ تعالیٰ نے نوح طاری فرمادی جس کی وجہ سے ہر ایک کی ٹھوڑی

سینہ سے مل گئی، پھر حجرہ شریفہ کے ایک گوشہ سے کسی بولنے والے کی آواز آئی جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون ہے، اس نے یہ کلام کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دو، اس کے بعد پھر سب نے ایسا ہی کیا۔ فغسلوه وعلیہ قمیصہ یصبون الماء فوق القمیص کہ پانی بہاتے تھے قمیص کے اوپر ہی سے اور آپ کے جسم مبارک کو اس قمیص ہی سے ملتے تھے ہاتھوں سے نہیں، اس پر بذل میں لکھا ہے ویستدل بهذا الحدیث ان المیت اذا غسل یجب ان لا یس عورتہ الا بلل الثوب علی یدہ۔

کمانہ جرد موتانا الخ اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاث کے یہاں مستحب طریقہ یہی ہے کہ میت کو اس کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے میں اس کو غسل دیا جائے، اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ غسل میت اس کے سابق کپڑوں ہی میں ہونا چاہیئے، اور عند الجمہور یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے۔

صدیق اکبرؓ میں قدرۃ آثار خلافت کا پایا جانا | حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر صحابہ کو کئی مسئلوں میں الجھن پیدا ہوئی کہ اس میں کیا کیا جائے۔ اور الجھن کا پیش آنا قرین قیاس بھی تھا اس لئے کہ اصل معلم اور مفتی صحابہ کرام کے لئے سب کچھ آپ ہی تھے، اب پوچھیں تو کس سے پوچھیں، اسلئے اس پہلے مسئلہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد ہوئی، اس کے علاوہ اس کے بعد صحابہ کرام کو جس بات میں بھی تردد ہوا اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری پوری رہنمائی فرمائی جس پر صحابہ کرام کو تشفی ہوتی رہی، چنانچہ صحابہ کو آپ کی نماز جنازہ کے بارے میں بھی تردد ہوا، اور اسی طرح دفن کے بارے میں بھی تردد ہوا، جیسا کہ شمائل ترمذی کی روایت میں موجود ہے، ان سب امور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کن جواب دیا اور صحابہ کرام اس کے مطابق عمل کرتے رہے، سچ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے وہ خود بخود سامنے آجاتا ہے اور لوگوں کو اس پر اتفاق ہو جاتا ہے۔

وكانت عائشة تقول لو استقبلت من امری ما استبدت برث ما غسلہ الانساؤۃ۔

شرح الحدیث | راوی کہتا ہے کہ اماں جی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرمایا کرتی تھیں کہ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل آپ کی بیبیاں ہی دیتیں نہ کہ صحابہ، شرح نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد تعلق نکاح کا باقی رہنا ہے مدت العت میں، یا نکاح کا منقطع نہ ہونا ازواج مطہرات کے حق میں خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے، یہ دونوں مطلب تو قریب ہی قریب ہیں، یہاں اس جملہ کے مطلب میں دو احتمال اور ہیں جو حضرت شیخ نے سبق میں بیان فرمائے تھے، اول یہ کہ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ بعض لوگ عدم غسل ازواج سے استدلال کریں گے اس پر کہ زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں تو پھر ہم ہی آپ کو غسل دیتے، دوسرا احتمال یہ فرمایا کہ حضرت عائشہ کو علم ہوا ہوگا کہ بعض علوی حضرات طعن دیتے ہیں

کہ جس طرح ابا جان یعنی ابو بکر استخلاف کے مسئلہ میں پڑ گئے تھے، آپ کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر اسی طرح صاحبزادی صاحبہ (عائشہ) بھی اس میں مشغول ہوں گی، تو اس پر حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ اگر یہ پہلے سے معلوم ہو جاتا تو پھر آپ کی ازواج ہی آپ کو غسل دیتیں اھ

احد الزوجین کا آخر کو غسل دینا و مذاہب الائمہ فیہ | اب رہا مسئلہ یہ کہ زوجین میں سے ایک دوسرے کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو دونوں

طرف سے جائز ہے یعنی احد الزوجین آخر کو غسل دے سکتا ہے زوج ہو یا زوجہ، اور حنفیہ اس میں فرق کے قائل ہیں ان کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز ہے اس لئے کہ عدت میں فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، اور اس کا عکس جائز نہیں، جمہور کا استدلال غسل علی سے ہے فاطمہ کو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے انتقال کے بعد حضرت علی نے غسل دیا تھا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ متفق علیہ امر نہیں ہے کہ فاطمہ کو علی نے غسل دیا تھا فقد قیل غسلتہا ام یمن، ولو سلم فقد انکر ابن مسعود علی علیؓ (مذہب)

مذاہب میں صحیح اسی طرح ہے اور وہ جو بذل میں شوکانی سے منقول ہے کہ امام احمد کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں یہ سہو ہے، حضرت شیخ نے او جز میں حنابلہ کی کتب سے اس کا جواز ہی نقل فرمایا ہے، بلکہ او جز میں شوکانی کے نقل پر نقد بھی کیا ہے کہ یا تو وہ صحیح نہیں یا ہو سکتا ہے امام احمد کی کوئی روایت ہو، او جز میں یہ مسئلہ موطا کی اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے جس میں یہ ہے ان اسما بنت عمیس امراة ابی بکر الصدیق غسلت ابا بکر الصدیق حین توفی (او جز ص ۲۲)

والحدیث اخرج ابن ماجہ من قول عائشہ لو استقبلت الی، و اخرج ابن ماجہ من حدیث بریدۃ بن الحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما اخذوا فی غسل الی، قال المنذری۔

عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حین توفیت ابنتہ فقال اغسلنہا ثلاثا او خمساً او اکثر من ذلك ان رأیتن ذلك بعاء وسدس۔

شرح الحدیث | حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی (اور ان کو غسل دیا جا رہا تھا تو) حضور سہارے پاس تشریف لائے اور غسل کے بارے میں

چند ہدایات آپ نے فرمائیں کہ غسل تین بار یا پانچ بار یا اس سے زائد جیسی ضرورت سمجھیں ویسا کریں، نیز بیری کے بتوں سے غسل دیں اور آخری مرتبہ پانی میں کافور ملائیں۔ اس صاحبزادی کو کون ہی مراد ہیں؟ بذل میں زینب لکھا ہے اور شیخ کے حاشیہ بذل میں یہ ہے بسط الحافظ فی الفتح ص ۸۲۔ الکلام علی مسمی البنت ہذہ، و کذا فی الاوہد، والا کثر علی انہا زینب، وقیل ام کلثوم و مال ابو الطیب فی شرح الترمذی الی الجمع بینہما اھ، وقال المنذری ہی زینب زوج ابی العاص ابن الربیع وہی اکبر بناتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہذا اھوا کثر

المروی و ذکر بعض اہل السیر انہا ام کلثوم و قد ذکرہ البوداؤد فی ما بعد فی اسنادہ مقال الصحیح الاول ان ام کلثوم توفیت و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غائب بمدر اہ۔

اغسلن امر حاضر جمع ٹونٹ کا صیغہ ہے جسکی اصل مخاطب تو ام عطیہ ہیں کیونکہ غسل میت میں یہی بڑی ماہر تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں، حتیٰ کہ آگے کتاب میں آ رہا ہے کہ محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی غسل میت کا طریقہ ام عطیہ ہی سے سیکھتے تھے، زر قانی فرماتے ہیں کہ یہ امر ام عطیہ اور جو ان کے ساتھ انکی معاون تھیں انکو ہے۔ بماء و سدر پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے: وھل الغسلات کلھا بما را السدر او مرتین فقط کما رجھ ابن ابیہام لروایۃ ابی داؤد الآتیۃ قریباً، او الواحدة فقط کما اختارہ شیخ الاسلام و صاحب البدائع مختلف فیہا، کما فی الشامی ص ۶۳۲ والکبریٰ ص ۵۳۵ والبحر الرائق ص ۱۴۲۔

نیز یہاں ایک مسئلہ اور مختلف فیہ ہے جو کتاب الطہارۃ میں گزر چکا، یعنی طہارۃ بیمار مخلوط بشی مطاہر، جس کے ائمہ ثلاث عدم جواز کے قائل ہیں اور حنفیہ جواز کے، گویا حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے اس مسئلہ میں، والبسط فی الاوجز (ہامش بذل) جمہور کی طرف سے اسکے جوابات باب فی تقبیل المیت میں آ رہے ہیں۔

فاذا فرغتن فاذا نخی آپ نے غسل دینے والیوں سے فرمایا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو خبر دینا ہم نے فارغ ہونے کی خبر کی تو آپ نے اپنا ہتھ بند ہمیں دیا اور فرمایا کہ شروع میں اس کو اس میں پلینا، اور اس کو اس کا شمار بنانا، شعار اسی کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن کے بالوں سے لگا رہے، اور یہ اس لئے تاکہ اس کی برکت ان کو پہنچے۔

استبراک باثار الصالحین کا ثبوت و استحباب | اس پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے: فیہ استبراک باثار الصالحین ویؤیدہ ایضاً حدیث البخاری فی استعداد الکفن (اوجیز)

حدیث بخاری کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کی خدمت میں ایک چادر لائی آپ نے اس کو قبول فرمایا اور آپ کو اس کی احتیاج بھی تھی، آپ نے اس کو لنگی کی جگہ استعمال فرمایا آپ اس کو باندھ کر نکلے ہی تھے کہ ایک صحابی کو وہ پسند آگئی اس نے آپ سے درخواست کی کہ یہ مجھے دیدیجئے آپ نے اس کو دیدی لوگوں نے ان صحابی سے کہا کہ یہ تم نے اچھا نہیں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس کی حاجت تھی پھر بھی تم نے آپ سے اس کا سوال کر لیا جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے، انہوں نے جواب دیا کہ واللہ میں نے اس کو پہننے کے لئے نہیں لیا۔ اس کو تو میں نے اپنے کفن کے لئے لیا ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر وہ ان کے کفن ہی میں کام آئی (اوجز ص ۲۲) والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب کیف غسل المیت

عن ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت وضفنا رأسها ثلاثہ قرون ثم القیناها خلفها مقدم رأسها وقرینہا۔

یہ حدیث بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے جو اوپر گزر چکی اس میں یہ ہے ام عطیہ فرماتی ہیں ہم نے ان کے بالوں میں کنگھی کر کے ان کے بالوں کیساتھ کیا کیا جائے؟ تین حصے کر لئے اور پھر پیچھے یعنی کمر کی طرف ان کو ڈال دیا، آگے روایت میں ان بالوں کے تین حصوں کی تفسیر مذکور ہے، پیشانی کے بال اور جانبین کے دائیں جانب اور بائیں۔

عورت کے بالوں میں کنگھی کرنا اور چوٹی کی طرح اس کو بل دے کر کمر کے پیچھے ڈالنا یہ سب کچھ حنفیہ کے یہاں نہیں ہے امام شافعی واحد اور ابن حبیب مالکی اسی کے قائل ہیں، ابن القاسم نے اس کا انکار کیا ہے (کذا فی ہامش البذل عن الأبی) اور حضرت نے بزل میں لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں باب زینت سے ہیں اور یہ وقت زینت کا نہیں ہے اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ام عطیہ کا فعل ہے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں اور نہ یہ کہ آپ کو اس کا علم بھی ہوا یا نہیں، وفی البدایہ: ولا یسرج شعر المیت ولا یحیتہ، ولا یقص ظفرہ ولا یشعرہ لقول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: علام تنصون میتکم؟ وفی حاشیۃ السنن للسنہلی من نصوت الرجل اذا مددت ناصیۃ، والاثار رواہ عبد الرزاق عن الثوری عن حماد عن ابراہیم عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا رأی امراة یکدون رأسها یمشط فقالت علام تنصون میتکم، وفیہ ایضا: وتلبس المرأة الدرع ولا تم یجعل شعر حاضیہ تین علی صدرہا فوق الدرع۔

عن ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لهن۔ فی غسل ابنتہ اید ان یمیامنہا مواضع الموضوع منها۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غسل دینے والیوں کو فرمایا کہ وہ ابتداء کریں میاں سے اور اعضاء و ضو سے یعنی اعضاء و ضو سے ابتداء کریں اور اس کے ساتھ ابتداء بالیمین کا بھی لحاظ رکھیں تمام غسل میں۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی الکفن

فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلان فزجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل۔ مضمون حدیث یہ ہے: ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیا اور اس خطبہ میں آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کا ذکر

کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور جس کو گھٹیا سے کفن میں کفنایا گیا تھا اور رات میں دفن دیا گیا تھا، آپ نے اپنے اس خطبہ میں رات میں دفن کرنے پر نکر فرمائی مگر یہ کہ کوئی سخت مجبوری پیش آرہی ہو، اور فرمایا آپ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کفنائے تو اس کو اچھے کپڑے میں کفنائے۔

اس حدیث میں دفن باللیل سے منع کیا گیا ہے حسن بصری کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک مکروہ ہے، عند الجمہور بلا کراہت جائز ہے، آگے اس پر مستقل باب آرہا ہے باب الدفن باللیل، جمہور کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ نہی ترک صلوة کی وجہ سے ہے اولقۃ المصلین، اولاجل اسارة الکفن اوللجمع۔
والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت ادرج رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم في ثوب حبرة ثم اخرج عنه، یہ روایت مختصر ہے آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اذا توفي احدكم فوجد شيئا فليكن في ثوب حبرة۔
یعنی تم میں سے جب کسی ایسے شخص کا انتقال ہو جس کے اندر مالی گنجائش ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسکو مین چادروں میں کفنایا جائے
عن هشام قال اخبرني ابي قال اخبرني عائشة قالت كفن رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم في ثلاثة اثواب يمانية بيض ليس فيها قميص ولا عمامة۔

یعنی آپ کو خالص سفید مین تین کپڑوں میں کفنایا گیا، اور اس کے بعد والی روایت میں "زاد من كوسف"
کہ وہ تینوں کپڑے سوتی تھے، قال فذكر عائشة قولهم في ثوبين وثوب حبرة فقالت قد اتي بالبؤد ولكنهم ردوه ولم يكفونه فيه۔

یعنی حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ کو کفنایا گیا دو سفید کپڑوں میں اور ایک (دھاری دار مین چادر میں) اور آپ فرما رہی ہیں تین سفید کپڑوں میں (تو انہوں نے جواب دیا: بیشک دھاری دار چادر لائی گئی تھی لیکن کفننے والوں نے اس کو واپس کر دیا تھا اس میں کفنایا نہیں تھا، اور موطا کی روایت میں ہے "کفن في ثلاثة اثواب بيض سحوية ضم سين كيسا تهما اور اس کے اندر فتح بھی آیا ہے نسبت ہے سحو کی طرف جو مین میں ایک قریہ ہے، علامہ زرقانی نے ابو داؤد کی اسی روایت کے تحت جس کی حضرت عائشہ نے تردید فرمائی ہے حنفیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک کفن میں سحاب یہ ہے کہ اس میں ایک ثوب جبرہ یعنی مین چادر ہو، لیکن یہ ان کی نقل صحیح نہیں حنفیہ کے نزدیک بھی بیاض ہی کو ترجیح ہے ففی البدائع الافضل ان يكون التكنيف بالثياب البيض لرواية جابر مرفوعا احب الثياب الى الله تعالى البيض فليلبسها احياء وكم وكفنوا فيها موتا کم (او جزمہ ۴۲)

کفن الرجل کے مصداق میں ائمہ اربعہ کے مسالک

پھر جاننا چاہیے کہ اس حدیث میں یہ آیا لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ، یہ باب فی الکفن چل رہا ہے جس میں کفن الرجل کا بیان ہے اس لئے کہ "باب فی کفن المرأة" آگے مستقل آرہا ہے، کفن رجل ائمہ ثلاث حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک تین کپڑے ہیں حنفیہ کے نزدیک قمیص ازار لقاۃ، اور امام شافعی و احمد کے نزدیک ثلاث لفائف، یعنی تین چادریں یہ دونوں قمیص کے تال نہیں، اور امام مالک کے نزدیک مرد کا کفن مسنون بجائے تین کے پانچ کپڑے ہیں، حنفیہ کی طرح وہ قمیص کے قائل ہیں، اور لفافے ان کے نزدیک دو ہیں، اور پانچویں چیز عمامہ ہے۔ یعنی قمیص ازار لفافتین عمامہ۔

یہ حدیث عائشہ جس میں ہے "فی ثلاثۃ اثواب لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ" ائمہ ثلاث کے مسلک کے عدد ثلاث کے

اعتبار سے تو موافق ہے لیکن چونکہ اس میں قمیص کی نفی ہے اس لئے یہ شافعیہ حنابلہ کی دلیل ہوئی اور حنفیہ مالکیہ کے خلاف۔ حنفیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ قمیص سے مطلق قمیص کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ جدید یا مخیط کی نفی مراد ہے اس لئے کہ آگے ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے "کفن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب نجوانیۃ، الخلاء ثوبان و قمیصۃ الذی مات فیہ" لہذا اب یہ حدیث عائشہ ہمارے خلاف نہیں، اور یہ حدیث عائشہ عدد کفن کے اعتبار سے مالکیہ کے خلاف ہے، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ ان تین میں یہ دو داخل نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ہیں لہذا کل پانچ ہوئے۔

امام ترمذی نے باب قائم کیا "باب ماجاء فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" اور پھر اس میں یہی حدیث عائشہ "فی ثلاثۃ اثواب بیض یمانیۃ لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ" ذکر کرنے کے بعد فرمایا: قال ابو عیسیٰ حدیث عائشہ حدیث حسن صحیح، وقد روی فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روایات مختلفہ، وحدیث عائشہ اصح الاحادیث الی رویت فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، والعمل علی ہذا عند اکثر اہل العلم، وقال سفیان الثوری: یکفن الرجل فی ثلاثۃ اثواب، ان شئت فی قمیص ولفافتین وان شئت فی ثلاث لفائف ویکبر ثوب واحد ان لم یجدوا ثوبین، والثوبان یجزئان، والثلاث لمن وجدوا احب الیہم، وهو قول الشافعی و احمد واسحاق، وقالوا تکفن المرأة فی خمسۃ اثواب اور پھر آگے فرماتے ہیں فی الباء عن علی وابن عباس وعبد اللہ بن مغفل وابن عمر اھ تحفۃ الاخوذی میں حدیث علی کے بارے میں لکھا ہے: اخرجه ابن ابی شیبۃ و احمد والبرز، قال کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سبعتۃ اثواب، و فی اسنادہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل، وهو سوي الحفظ لا یصلح الاحتجاج بحدیثہ اذا خالف الثقات کما هنا کذا فی النیل اھ حضرت علی کی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کو سات کپڑوں میں کفنا گیا، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، یہ حدیث عائشہ جس کے بارے میں امام ترمذی فرما رہے ہیں: حدیث حسن صحیح، یہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاخوذی میں ہے اخرجه الجماعۃ۔

کفن کے تین درجات ہیں | جانا چاہیئے کہ کفن کے تین درجات ہیں کفن السنۃ وہ جو اوپر مذکور ہوا یعنی تین کپڑے، اور کفن الکفایہ یعنی دو کپڑے، اور تیسری قسم کفن الضرۃ، وہ جو تاؤجد، یعنی مجبوری کی حالت میں جو بھی کچھ مل جائے۔

عن مقسوع بن عباس وقميصه الذي مات فيه۔

یہ حدیث ابھی اوپر ہمارے کلام میں گذر چکی، ورواہ ابن ماجہ، قال المنذری، لیکن اس سے قبل "باب فی ستر المیت" عند غسلہ میں جو حدیث گذری ہے اس میں یہ گذرا ہے فصلوہ وعلیہ قمیصہ یصبون المار فوق القميص الخ۔ ان دونوں میں منافات ہے کہ جس قمیص میں غسل دیا جائے اسی میں پھر کفنا یا جائے نیز حدیث ابن عباس ضعیف بھی ہے، ينظر التعليق المحمدیہ دلیل الخفیفہ۔

باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ قال لا تغالی فی کفن۔

حدیث کے ایک مشکل لفظ کی تحقیق | لا تغالی اس لفظ کے بارے میں بذل میں یہ ہے کہ بصیغۃ الجہول من المغالاة لیکن اس میں یہ شکال ہے کہ تانیث کی کیا وجہ ہے "لا تغالی" ہونا چاہیئے اور ہمارے استاد مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے "لعلہ لا تغالی" یعنی باب تفاعل سے مصدر اور مہری نسخوں میں یہ لفظ اس طرح ہے، لا تغالی فی کفن، اس صورت میں یہ نہی کا صیغہ ہوگا برائے مخاطب مغالاة سے، اور بعض نسخوں میں ہے "لا یغالی" قال الشیخ محمد عوامہ: وهو اظهر لیکون کلاما مانا لیس خاصا لمخاطب معین فی حق شخص معین اہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں، کفن میں مغالاة ہمیں ہونا چاہیئے، یعنی گراں قیمت اختیار کرنا، اس لئے کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ کفن گراں قیمت نہ بناؤ اس لئے کہ وہ میت سے بہت جلد سلب کر لیا جاتا ہے، یعنی مٹی اس کو کھا جاتی ہے پھر کیا فائدہ قیمتی بنانے میں۔

عن خیاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتل يوم احد ولم

یکن له الا ثمرۃ ۶۱۔

یعنی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور کفن کے لئے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ان کی ایک دھاری دار مختصر سی چادر کے جس میں ان کو کفنا یا جا رہا تھا، اگر اس کو سر کی جانب کرتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں کی جانب کرتے تو سر کھل جاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں یہی ہے وہ جس کو فقہار نے کفن الضرۃ کہا ہے۔

مصعب بن عمیر کا ذکر | یہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا یہ واقعہ ہے قرشی ہیں، فضلاء صحابہ میں سے ہیں قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں، اسلام لانے سے پہلے یحییٰ بن برٹے

ناز پروردہ تھے، نہایت خوش عیش اور خوش پوشاک، لکھا ہے کہ ان کے والدین کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی والدہ ان کو بہتر سے بہتر لباس پہنایا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ احد میں شہید، جیسا کہ اوپر روایت میں مذکور ہے، ترمذی میں ان کے بارے میں حضرت علی کی یہ روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مصعب بن عمیر سامنے آگئے جبکہ ان کے جسم پر صرف ایک چادر اور وہ بھی پیوند کا تھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا تو آپ رو پڑے ان کی سابقہ حالت اور موجودہ حالت کا تفاوت دیکھ کر الحدیث (اسد الغابہ) والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

خیر الکفن الحلۃ، وخیر الاضحیۃ الکبش الاقرن۔

حلہ تو دو کپڑے ہوتے ہیں ازار و رداء حالانکہ مسنون بالاتفاق تین کپڑے ہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حلہ کی خیریت و افضلیت ثوب واحد کے اعتبار سے ہے، نیز بعض علمائے اس حدیث کی وجہ سے یہ کہا ہے کہ کفن میں بہتر یہ ہے کہ وہ یمنی چادریں ہوں جو دھاری دار ہوتی ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: لیکن اصح یہ ہے کہ ابیض افضل ہے حدیث عائشہ کی وجہ سے، اس کے بعد حدیث میں ہے بہترین قربانی کا جانور سینگوں والا مینڈھلہ ہے، یہ لکھا ہے کہ شاید وجہ فضیلت یہ ہے کہ کبش اقرب عامۃ سمین وجسم ہوتا ہے، یا حسن صورت کے اعتبار سے فرمایا گیا کہ سینگوں والا زیادہ حسین و خوبصورت معلوم ہوتا ہے (بذل) والحدیث اخرجہ ابن ماجہ مقتصر امنہ علی ذکر الکفن، قال المنذری۔

باب فی کفن المرأة

عورت کے کفن کی تفصیل عند الائمة الاربعة | عورت کا کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں عند الجمهور ومنہم الائمة الثلاثة وہ پانچ امام شافعی و احمد کے نزدیک یہ ہیں: ازار، قمیص، خمار،

لفاقین، اور امام مالک کے نزدیک سات ہیں ان کے نزدیک لفافے بجائے دو کے چار ہیں، ہمارے فقہاء نے ان پانچ کپڑوں کو اس طرح تعبیر کیا ہے ازار، قمیص، لفافہ، خمار (سر بند) اور خرقة (سینہ بند) جس کے ذریعہ اس کے ندین کو ڈھانپا جائے، اور خمار جو سر پر باندھا جائے اور پھر اس کے ذریعہ بالوں کو چھپایا جائے جو سینہ پر پڑے ہوتے ہیں جس کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ اولاً سر پر لفافہ بچھایا جائے اس کے اوپر ازار، اس کے اوپر خرقة، اس کے اوپر خمار اور سب سے اوپر قمیص، اولاً قمیص پہنایا جائے گا بغیر آستین کا، اس کے بعد خمار سے سر کو باندھا جائے گا اور سینہ پر جو بال ہیں ان کو چھپایا جائے گا، اس کے بعد خرقة سے سینہ کو باندھا جائے گا پھر اس کے بعد ازار لپیٹا جائے گا،

پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے گا اس کے بعد دائیں جانب سے تاکہ دایاں پہلو اوپر رہے پھر اس کے بعد اسی طرح لفافہ لپیٹا جائے گا۔

عن رجل من بنی عروہ بن مسعود یقال لہ داؤد . قد ولدتہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی قبیلہ بنو عروہ کا ایک شخص جن کا نام داؤد ہے جس کو ام حبیبہ نے جنوایا تھا یعنی جس کی دایہ جو پیدائش کے وقت پاس ہوتی ہے وہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان تھیں ، یہ شخص مذکور روایت کرتے ہیں یلی بنت قائف سے جو کہ صحابیہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا ، وہ فرماتی ہیں کہ غسل کے بعد تکفین کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ آپ دروازہ پر تشریف فرما تھے کفنانے کے لئے کفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے اولاً حقار یعنی ازار پھر قمیص پھر خمار پھر منحفہ (لفافہ) پھر ایک اور کپڑے میں ان کو لپیٹا گیا (لفافہ ثانیہ) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھ ام کلثوم کا کفن تھا ایک ایک کپڑا ہمیں ترتیب وار دیتے رہے ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تو ظاہر ہے عورت کو غسل اور تجہیز و تکفین کرتی تو ہیں عورتیں ہی ، لیکن مردوں کو اپنی نگرانی میں عورتوں سے یہ سب کام کرانے چاہئیں۔

باب فی المسک للمیت

اور امام بخاری نے باب قائم کیا۔ باب المحنوط للمیت۔ اور اس میں ابن عباس کی وہ حدیث ذکر فرمائی جس میں یہ ہے کہ حجۃ الوداع والے سال ایک صحابی عرفات میں اپنی اونٹنی پر سے گر کر جاں بحق ہو گئے تھے ان کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا۔ ولا تحنطوہ ولا تحمروا رأسہ ، کہ ان کے حنوط یعنی خوشبو نہ لگانا اور نہ سر ڈھانپنا یہ شخص قیامت کے دن احرام کی حالت میں اٹھے گا۔

گویا امام بخاری نے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے میت غیر محرم کے لئے حنوط ثابت فرمایا ، چنانچہ فتح الباری میں ہے قال البیہقی فیہ دلیل علی ان غیر المحرم یحنط کما یحمر رأسہ اھ ، اور امام الوداؤد نے حدیث الباب۔ اطیب طبیبکم المسک۔ کو لا کر گویا عموم حدیث سے استدلال کیا کہ اس میں حی اور میت دونوں برابر ہیں۔

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں اختلاف علماء | امام ترمذی نے بھی بعینہ اسی طرح ترجمۃ الباب اور یہی حدیث ذکر کی اور پھر آگے فرمایا: والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم وهو قول احمد واسحاق ، وقد کرہ بعض اہل العلم المسک للمیت ، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے: لم اقف علی وجہ الکراہۃ والحق ہو الجواز اھ حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے مختلف شراح سے اس کے بارے میں

نقل کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے وہ قال مالک والشافعی واجمداً وسحاق، وکرہه عطاواً وحسن ومجاہد، وقالوا انه ميتة الخ، نیز شیخ نے ازالۃ الخفا ص ۹۸ سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے مشک کی خوشبو استعمال نہ کرنا، لا تحسطنی بمسک، قال شیخ لعلم کرہ لان فیہ دلیل علی الاباہۃ والحرمۃ، لیکن اسی ازالۃ الخفا میں دوسری جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر زندگی میں تو مشک کو استعمال فرماتے تھے لیکن وصیت یہ فرمائی کہ میرے بعد میرے لئے اس کو استعمال نہ کرنا، وكان الحسن یکرہه للمیت لا للحي، مشک کی حقیقت چونکہ دم بخود ہے تو شاید اس وجہ سے بعض لوگوں کو مرنے کے بعد اس کے استعمال میں تردد ہو، حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو پھر اس کے حکم میں میت اور حی دونوں یکساں ہونے چاہئیں تھے کوئی اور ہی وجہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ہامش بذل)

والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

باب فی تعجیل الجنازۃ

ایک باب چند باب کے بعد اور آرہا ہے "باب الاسراع بالجنازۃ" دونوں میں فرق ہے، اس باب میں تعجیل سے مراد تعجیل فی التجہیز والتکفین ہے اور آئندہ باب میں اسراع سے مراد اسراع فی المشی جیسا کہ دونوں بابوں کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ان طلحة بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مرض فأتاه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودہ فقتال انی

لا أری طلحة الا قد حدث فیہ الموت الخ

یعنی حضرت طلحہ بن البراء جب بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے، آپس مجھ کو ان کی خبر دیدینا اور جلدی کرنا۔ یعنی ان کی تیاری میں۔ اس لئے کہ مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان میں روکا جائے

تعجیل میں مصلحت اس پر علامہ طبری فرماتے ہیں کہ مومن آدمی عند اللہ اور عند الناس بھی قابل اکرام اور معزز ہوتا ہے لیکن روح نکلنے کے بعد جب وہ جسم بے جان ہو جاتا ہے تو اس حیثیت سے طبائع اس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہیں اس وقت وہ ان کی نگاہوں میں مانوس اور مرغوب فیہ نہیں رہتا، اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو جھٹ پٹ چھپا دیا جائے، سبحان اللہ! احکام شرعیہ کے مصالح دیکھئے۔

باب فی الغسل من غسل المیت

یعنی جو شخص میت کو غسل دے تو کیا وہ خود بھی بعد میں غسل کرے؟

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يغتسل من اربع من

الجنابة د يوم الجمعة ومن الحجامة، وغسل الميت -

یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب غسل الجمعة میں گزر چکی ہے، اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجامت کیوجہ سے غسل فرماتے تھے اور غسل میت سے بھی، لیکن حجامت کے بعد آپ کا غسل کرنا ثابت نہیں، صرف غسل محاجم ثابت ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے مصعب بن شیبہ کی وجہ سے، نیز آپ کا کسی میت کو غسل دینا بھی ثابت نہیں، اول تو یہ حدیث ضعیف ہے یا پھر اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ غسل سے مراد امر بالغسل ہے۔

خطابی فرماتے ہیں: میرے علم میں نہیں یہ بات کہ کسی فقیہ کے نزدیک غسل میت مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء سے غسل واجب ہوتا ہو، اور اسی طرح نہ حمل میت سے وضو، اور ظاہر یہ ہے

کہ امر اس میں استحباب کے لئے ہے، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میت کو غسل دینے والا چھینٹ سے مامون و محفوظ نہیں ہوتا اور بسا اوقات میت کے بدن پر نجاست بھی ہوتی ہے تو اس لحاظ سے فاسل کو غسل کا حکم دیا گیا، اور وہ جو حدیث میں ہے ومن حملہ فلیتوضا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حامل میت یعنی جنازہ برداروں کو چاہئے کہ وہ پہلے سے با وضو ہیں نماز کی تیاری میں، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں اس میں تین مذہب لکھے ہیں مطلقاً وجوب، یہ مسلک ہے ابن المسیب اور ابن سیرین کا، مطلقاً عدم وجوب یہ مسلک ہے ائمہ اربعہ کا، ثبوت کافر کے غسل سے واجب ہونا، یہ ایک روایت ہے امام احمد کی اہ چنانچہ آگے ایک مستقل باب آرہا ہے "باب الرجل يموت لقرابة مشرك" جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے موافق الوطالب کو دفن کر کے آیا تو آپ نے مجھ کو غسل کا حکم دیا لیکن اس واقعہ میں غسل من غسل الميت الکافر نہیں ہے بلکہ غسل من دفن الميت الکافر ہے۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام احمد کے نزدیک غسل میت سے غسل سنت ہے کمافی الروض المربع، اور امام مالک سے دور روایتیں ہیں وجوب اور استحباب، امام شافعی کے بھی دو قول ہیں ایک استحباب وهو القول الجدید والقديم الوجوب، اور ایک روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ ان صح الحدیث نقلت بوجوب، اور حنفیہ کے نزدیک أصالةً تو مستحب نہیں ہے البتہ خروجاً عن الخلاف مستحب ہے، اور ترمذی میں ہے: وقد اختلف اهل العلم في الذي يغسل الميت فقال بعض اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وغيرهم اذا غسل ميتاً فعليه الغسل وقال بعضهم عليه الوضوء وقال مالك بن النسل استحباب الغسل من غسل الميت ولا اري ذلك

لہ اس کا حفاظ نے تعقب کیا ہے حیث قال کأنه ما درى ان الشافعي في البوطي علق القول بعلی صحۃ الحدیث والخلاف فیہ ثابت عند المالکیۃ وصاد

الیہ بعض الشافعیۃ اھ من الادب ج ۲۷۹۔ عہ کیونکہ بعض کے نزدیک واجب ہے ان کی رعایت میں ۱۳

واجبا، وهكذا قال الشافعي، وقال احمد بن حنبل لا يجب عليه الغسل، واما الوضوء فاقبل ما قيل فيه، وقال اسحاق
لابن الوضوء، وروى عن عبد الله بن المبارك انه قال لا يغتسل ولا يتوضأ من غسل الميت اه امام ترمذی کے کلام سے معلوم
ہوا کہ اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں بعض صحابہ کے نزدیک غسل واجب ہے جیسے ابوہریرہ کما قبل اور بعض علماء جیسے اسحاق
بن راہویہ ان کے نزدیک وضوء واجب ہے اور بعض علماء جیسے ابن المبارک ان کا مسلک مطلقاً عدم استحباب ہے
لا الغسل ولا الوضوء۔

قال ابو داود ا دخل ابو صالح بينه وبين ابى هريرة في هذا الحديث يعني اسحاق مولى زائدة۔
مصنف یہ فرما رہے ہیں کہ اس سند میں ابو صالح نے اپنے اور ابوہریرہ کے درمیان اسحاق مولى زائدہ کا واسطہ ذکر
کیا ہے یعنی اگرچہ وہ ان کے شاگرد ہیں لیکن اسکے باوجود واسطہ ہے، اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے
اسمیں ابو صالح اور ابوہریرہ کے درمیان یہ واسطہ نہیں ہے، عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ،
بہذا یہ ترمذی والی سند منقطع ہوئی، اور امام شافعی کے کلام میں یہ ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک
قوی اس بنا پر نہیں ہے کہ یہ حدیث اس طرح مروی ہے عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ اور بعض
حفاظ نے اس سند میں ابو صالح اور ابوہریرہ کے درمیان اسحاق کو داخل کر دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ابو صالح نے یہ
حدیث ابوہریرہ سے نہیں سنی ہے، کذا فی تہذیب السنن لابن القیم۔ حافظ ابن القیم نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

قال وحديث مصعب فيه خصال ليس العمل عليه۔ وفي البذل: وفي حاشية الكانفورية في رواية ابن داسه:
حدیث مصعب ضعیف اہ اور ضعف کی وجہ خود بھی مصعب بن شیبہ راوی ہے، اس پر کلام اور جرح کتاب الطہارۃ
باب السواک من الفطرۃ میں گذرا ہے، امام مسلم کے نزدیک یہ ثقہ اور قوی ہیں اور امام بخاری اور نسائی کے نزدیک ضعیف،
مصنف فرما رہے ہیں کہ اس حدیث پر علماء کا عمل نہیں ہے یعنی اس حدیث کے بعض اجزاء پر کالغسل من غسل الميت
ورنہ بعض قواعد جماعی ہیں۔

باب فی تقبیل المیت

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقبل عثمان

بن مظعون وهو ميت حتى رأيت الدموع تسيل۔

یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رضاعی بھائی تھے ہجرت سے تیس ماہ بعد ان کا مدینہ میں انتقال
ہوا دھوا اول من دفن بالیقبع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کی تقبیل فرمائی
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات

کے بعد بالکل آپ پر جھک کر آپ کی تقبیل فرمائی۔

غسل میت کی علت میں علماء کے اقوال | یہاں پر ایک بحث یہ ہے کہ غسل میت کی علت کیا ہے؛ فقہیل تعبیدی، وقیل للتطہیر من الحدث أو النجاسة، وقیل للتطہیف، کتاب الطہارة

میں یہ مسئلہ گذرا ہے کہ مار مخلوط بشی طاهر، یعنی جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو جیسے صابون استنان یا اس کے علاوہ کوئی چیز، جس کی وجہ سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہو گیا ہو اس سے ازالہ حدث جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے وھو روایۃ عن احمد کافی المغنی، حنفیہ کے دلائل میں ایک دلیل غسل میت بماء وسدر والی روایات بھی ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ مار سدر مار مخلوط ہے اور جہور کے نزدیک اس سے تطہیر جائز نہیں اسی لئے یہ حضرات اس حدیث کی مختلف توجیہات کرتے ہیں، ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ غسل میت تطہیف کے لئے ہے تطہیر کے لئے ہے ہی نہیں، زین ابن المنیر نے یہی کہل ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کا استعمال تمام غسلات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک مرتبہ شروع میں یا اخیر میں مار قراح (سادہ پانی) استعمال کرنا مراد ہے، ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کو پانی میں ڈال کر استعمال کرنا مراد نہیں بلکہ اس کے استعمال کی ایک شکل یہ بھی تو ہے کہ پیری کے پتوں کو پانی میں تر کر کے ان سے بدن کو مل لیا جائے اور پھر بعد میں خالص پانی استعمال کیا جائے وخذ ذلک من التوجیہات اب اگر غسل کو تنظیف کے لئے مانا جائے تب تو تقبیل میت میں کوئی اشکال ہے نہیں اور اگر تطہیر کے لئے ہے تب اشکال ہو سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب حاشیۃ لامع میں بدائع سے یہ نقل کیا ہے کہ اس میں محمد بن شجاع لمخنی نے تو یہ فرمایا ہے کہ آدمی موت سے بچ نہیں ہوتا کرامۃ لہ اس لئے کہ اگر وہ بھی عام حیوانا کی طرح موت کی وجہ سے ناپاک ہو جاتا تو پھر غسل سے پاکی کا حکم نہ دیا جاتا، لیکن ہمارے اکثر مشائخ سے یہ منقول ہے کہ موت کی وجہ سے آدمی بھی ناپاک ہو جاتا ہے لما فیہ من الدم المسفوح جس طرح اور حیوانات ناپاک ہو جاتے ہیں جن میں دم مسفوح ہے لیکن فرق دیگر حیوانات اور آدمی کے درمیان یہ ہے کہ آدمی بعد الموت غسل دینے سے پاک ہو جاتا ہے کرامۃ لہ، چنانچہ امام محمد سے منقول ہے کہ میت کنوس میں واقع ہو جائے قبل الغسل تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے بخلاف بعد الغسل کے۔

باب فی الدفن باللیل

سمعت جابر بن عبد اللہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأی ناسا فی المقبرة فأتوها فاذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی القبر واذا هو یقول "ناولونی صاحبکم فاذا هو الرجل

الذی کان یرفع صوته بالذکر۔

ایک ذکر جہری کرینوالے کی خوش نصیبی | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رات کے وقت لوگوں کو دور سے قبرستان میں روشنی نظر آئی لوگ وہاں پہنچے، پہنچنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نفس نفیس ایک قبر میں اترے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ لائے میت کو دیجئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان صحابی کو خود اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا، اور چونکہ رات کا وقت تھا اسی لئے روشنی کی ضرورت پیش آئی جس کا روایت میں ذکر ہے، راوی کہتا ہے (ہم نے جو غور سے دیکھا تو) یہ میت وہی شخص تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، راوی کے اس کلام سے استفاد ہو رہا ہے کہ یہ صاحب ذکر چہری میں معروف تھے، اور ہو سکتا ہے ان کو یہ سعادت اسی خصلت کی وجہ سے نصیب ہوئی ہو، دفن باللیل پر کلام اور اختلاف وغیرہ ابھی قریب میں باب فی الکفن کی ایک حدیث کے ذیل میں گذر چکا۔

رات میں دفن کا قصہ چند صحابہ کے ساتھ پیش آیا چنانچہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو رات ہی میں دفنایا، اسی طرح حضرت عثمان و عائشہ کی تدفین بھی رات ہی میں ہوئی، ایسے ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین اخیر شب میں ہوئی، (ابن القیم) اور بھی اس کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کی تدفین رات میں ہوئی اور جس روایت میں دفن لیلہ کی ممانعت آئی ہے اس کی علت میں کہا گیا ہے کہ لڑاۃ الکفن اور ترک الصلاۃ علی المیت او شفقت علی الدافنین، حدیث الباب ہی کے قریب ترمذی کی ایک روایت میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر لیلۃ فاسرج له بسرراج فاحذہ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لا واث تلاء للقرآن۔

نزلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر بعض صحابہ للدفن | ابن القیم فرماتے ہیں: وقد نزل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی قبر ذی البجادین لیلۃ اھ اور حاشیہ بذل میں ہے کہ حافظ نے اصابع کے اندر ذوالبجادین کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاؤں صحابہ کی قبر میں نزل ثابت ہے۔

باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض

اسی قسم کا باب آگے بھی آ رہا ہے کتاب الجنائز کے اوخر میں "باب فی تحویل المیت من موضعہ للام یحدث" ظاہر یہ ہے کہ اس پہلے باب میں تحویل میت قبل الدفن مراد ہے، اور آنے والے باب میں تحویل بعد الدفن۔

نقل میت کے باریمیں مذاہب ائمہ | تحویل میت قبل الدفن وبعده امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے کسی مصلحت کی وجہ سے کجوار الصالحین یا تقدس ارض کی وجہ سے جیسے

حضرت نبوی علیہ السلام کی قبض روح کا واقعہ | چنانچہ امام بخاری نے باب قائم فرمایا: باب من احب الدفن فی الارض المقدسة او جھواہ۔

مکہ اور مدینہ، لیکن بشرط عدم ہتک حرمتہ المیت، ولم یوجد فیہ مسلک احمد، اور حنفیہ کے نزدیک يجوز النقل قبل الدفن میلا او میلین، واما بعد الدفن فلا يجوز الا العذر شرعی، کالدفن فی الارض المخصوصہ، نیز فقہار نے لکھا ہے کہ عدم غسل یا عدم صلاۃ علی المیت کی وجہ سے بنش قبر جائز نہیں ہے ہی اگر میت کو غیر مستقبل القبلہ دفن دیا گیا تو استقبال قبلہ کیلئے بھی بنش قبر جائز نہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا حملنا القتلی یوم احد لندفنہم الخ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں بعض شہداء احد کو ان کے اعزہ یقین میں دفن کرنے کے لئے منتقل کرنے لگے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک منادی نے آکر ندائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ مقتولین کو ان کی شہادت گاہ ہی میں دفن کیا جائے پس ہم نے ان کو ادھر لوٹا دیا۔ اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے نقل میت کے مسئلہ میں، شافعیہ وغیرہ جو جواز کے قائل ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حکم مختص ہے شہداء کے ساتھ، یا یہ کہ یہ حکم ابتداء تھا اس لئے کہ منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے

— اور اس میں انہوں نے حضرت ابوسریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی قال ارسل ملک الموت الی موسیٰ فلما جاردہ مکہ ففقا عینہ فزجج الی ربہ فقال ارسلنی الی عبد لایرید الموت فرد اللہ علیہ عینہ وقال ارجع فقل لہ یضع یدہ علی متن ثور فلہ یکل ما غطت بہ یدہ لکل شجرة سنہ، قال ہی رب ثم ماذا قال ثم الموت، قال فالآن خصال اللہ تعالیٰ ان یدنیہ من الارض المقدسہ ریمہ، بجز قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فلوکنت ثم لایرکتم قرہ الی جانب الطريق عند الکثیر الاحمر یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو آدمی کی صورت میں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجا قبض روح کیلئے (تو اس نے جا کر ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے اس کو پہنچانا نہیں) اس پر آپ نے اس کو ایک طمانچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی وہ فرشتہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور اس نے جا کر عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو زنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کر کے فرمایا کہ اب اس سے جا کر یہ کہہ کہ وہ اپنا ہاتھ میل کی پشت پر رکھے تو جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر بال کے بعد ایک سال کی زندگی بڑھادی جائیگی (چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس پر) حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اسکے بعد پھر کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر موت آئیگی، انہوں نے عرض کیا پھر ابھی بے لچھے اور یہ دعا فرمائی کہ ان کو بیت المقدس کے قریب کر دیں (اس وقت موسیٰ علیہ السلام وادی تیبہ میں تھے) اتنا قریب کر دیجئے کہ اگر ان کی قبر سے کوئی پتھر پھینکنے والا ہاتھ سے پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچے، اسکے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں ان کی قبر تم کو دکھا دیتا راستہ کی جانب سرخ ریت کے ٹیلہ کے قریب، اس واقعہ پر ایک مشہور اشکال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ کے تھپڑ کیسے مار دیا، اس کا جواب جو حاشیہ بخاری میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ فرشتہ آپ کی خدمت میں بصورت آدمی پہنچا تھا اور جاتے ہی کہہ دیا کہ میں تو قبض روح کے لئے آیا ہوں، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں یہ تھا کہ مجھ کو موت کے وقت اختیار دیا جائے گا اس لئے وہ سمجھ نہ سکے کہ یہ فرشتہ ہے اس لئے ایسا ہوا، اور بھی اس کی توجیہات کی گئی ہیں۔ بخاری کا یہ ترجمہ الباب اور یہ قصہ ہم نے یہاں اس حیثیت سے ذکر کیا ہے کہ تقدس ارض بھی ایک امر مطلوب ہے، لاسن حیث اصل المسئلۃ اعنی نقل المیت۔

اپنے والد کو جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے احد سے یثرب کی طرف چھ ماہ بعد منتقل کیا تھا یہ روایت خود آگے اسی کتاب میں آ رہی ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الصف علی الجنازۃ

اور بعض نسخوں میں ہے الصفوف علی الجنازۃ مضمون حدیث یہ ہے کہ جس میت پر نماز پڑھنے والوں کی تین صفیں ہوں تو وہ شخص مستحق جنت ہو جاتا ہے۔ — اس حدیث کے راوی مالک بن ہیرہ ہیں۔ فكان مالک اذا استقل اهل الجنازۃ جزأهم ثلاثۃ صفوف للحدیث۔ یعنی حضرت مالک بن ہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حدیث کے پیش نظر جب دیکھتے تھے کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان کی تین صفیں بنا دیتے تھے، مثلاً اگر نماز پڑھنے والے کل چھ آدمی ہیں تو دو دو آدمیوں کی تین صفیں بنا دیتے تھے۔

صفوف جنازہ کے بارے میں امام بخاری نے باب قائم کیا ہے ”من صف صفین او ثلاثہ“ اس باب کے بارے میں حضرت شیخ نے حاشیہ لامعہ میں اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ ممکن ہے امام بخاری کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہو جو یوں کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی تو

بس ایک صف ہونی چاہیے، چنانچہ ابن العربی نے امام مالک سے نقل کیا انہ استحب ان یکون المصلون علی الجنازۃ سطرًا واحدًا، قال ولا اعلم لذلک وجہا اھ اور پھر آگے حضرت شیخ نے ابن قدامہ سے نقل کیا کہ مستحب یہ ہے کہ جنازہ پر تین صفیں قائم کی جائیں اسی۔ مالک بن ہیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، امام ترمذی نے امام احمد سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ مصلین کی اگر قلت ہو تو تین صفیں بنائی جائیں، لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اگر نماز پڑھنے والے صرف چار ہوں تو پھر کیسے کیا جائے تو فرمایا پھر اس صورت میں صرف دو صفیں بنائی جائیں فی کل صف رجلین، اور تین بنانے کی اجازت نہیں دی کہ اس صورت میں ایک صف میں صرف ایک ہی آدمی رہ جائے گا۔ والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب اتباع النساء الجنازۃ

عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: نہینا ان نتبع الجنائز ولم یعزّم علینا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں۔ یعنی عورتوں کو منع کیا گیا ہے جنازوں کے ساتھ جانے سے لیکن سختی کے ساتھ نہیں منع کیا گیا۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | امام نووی فرماتے ہیں یعنی آپ کی جانب سے اس میں تنزیہاً منع ہے نہ کہ تحریماً،

اور پھر کہا انہوں نے ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں عند المجہور منع ہے لیکن علماء مدینہ نے اس کو جائز رکھا ہے و اجازہ مالک و کرہہ للشائبة، اور حنفیہ کا مسلک در مختار میں لکھا ہے و یکرہ خروجن تحریمًا لقوله عليه الصلاة والسلام ارجعن ما زورات غير ما جورات رواه ابن ماجه بسند ضعيف، لکنہ یعضدہ المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی اشارت الیہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقولہا وان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رأى ما حدث النساء بعده لهن منع لسنار بنی اسرائیل، و هذا فی سنار زمانہا فما ظنک بسنار زماننا، و اما ما فی الصحیحین عن ام عطیہ (یعنی حدیث الباب) فیمنی ان یخص بذلک الزمان حیث یباح لهن الخروج الی المساجد و الاعیاد (ہ بذل) حاشیہ بذل میں ہے علامہ عینی نے کراہۃ تنزیہہ کو ترجیح دی ہے۔ و الحدیث اخرجه البخاری و مسلم و ابن ماجه، قال المنذرى۔

باب فضل الصلاة على الجنائز

من تبع جنازة فصلی علیہا فله قیراط اخ۔
یعنی جس شخص نے جنازہ کے ساتھ جاکر اس پر صرف نماز پڑھی اور قبرستان تک نہیں گیا تو اس کا اجر بقدر ایک قیراط ہے، اور جو نماز پڑھنے کے بعد اس کے ساتھ قبر تک جائے اور دفن تک وہیں رہے تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے اور آپ نے فرمایا کہ ایک قیراط کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہے، ایک قیراط کی مقدار لغۃ تو نصف دانق ہے، اور دانق سدا درہم کو کہتے ہیں لہذا ایک قیراط درہم کا بارہواں حصہ ہو اگر یہاں حدیث میں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ بہت بڑی مقدار مراد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے احد پہاڑ کے برابر، و فی البذل تحت قوله "فصلی علیہا" فرجع ولم یمش معها الی القبر حتی یدفن، فی ہامشہ: و قال الطحاوی فی مشکل الآثار ان هذا الاجمع المشی لا یجوز الصلاة اخ اھ فلیرجع الی مشکل الآثار۔
والحدیث اخرجه البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجه، قال المنذرى۔

الاسمع ما یقول ابو ہریرۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اخ۔
یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی ایک قیراط اور دو قیراط والی تو انہوں نے اسکی تحقیق کیلئے حضرت عائشہ کے پاس آدمی بھیجا جس پر انہوں نے ابو ہریرہ کی تصدیق کی۔
یہ روایت یہاں مختصر ہے اور ترمذی میں اس پر یہ زیادتی ہے "فقال ابن عمر لقد فرطتانی قرار یط کثیرۃ" اور مسلم شریف کی ایک روایت میں مزید براں یہ ہے "عن سالم بن عبد اللہ قال کان ابن عمر یصلی علی الجنائز ثم ینصرف فلما بلغ حدیث ابی ہریرۃ قال قد کرہ، یعنی حضرت ابن عمر کا معمول شروع میں صرف نماز جنازہ پڑھنے کا تھا اس کے ساتھ قبرستان جانے کا نہیں تھا جب ان کو حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی اور پھر حضرت عائشہ نے بھی اس کی تصدیق فرمادی تو انہوں نے اپنے عمل پر اظہار افسوس فرمایا کہ ہم نے اپنے بہت سے قرار یط کا نقصان کر دیا (تخفہ) یہ صحابہ کرام کے یقین کی بات ہے

یہی تو سب سے بڑی دولت تھی ان کے پاس کمال یقین کی ذخیرہ بالقی فی القلوب الیقین۔
والحدیث أخرجه مسلم بمعناه اتم منه، قاله المنذرى۔

ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته اربعون رجلاً إلّا

یعنی جس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے تو ان کی یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاتی ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں بیلغون منہ ہے، اور اس سے پہلے مالک بن ہبیرہ کی روایت میں ثلاثہ صفوف آیا ہے جس میں نہ سو کی قید ہے نہ چالیس کی، اس اختلاف عدد کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف سوال سائلین پر محمول ہے یعنی یہ حدیثیں آپ نے سائلین کے جواب میں ارشاد فرمائیں کسی سائل نے سو کے عدد کے بارے میں سوال کیا اور کسی نے چالیس کے بارے میں، دونوں کے جواب میں آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے یعنی اس عدد کی تحدید ابتداء آپ کی جانب سے نہیں ہے ممکن ہے اگر اس سے کم کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اس پر بھی آپ یہی فرماتے دنی ہامش البذل، وجمع بینہما ای بین الممۃ والاربعةین الطحاوی فی مشکل الآثار ج ۱۰ جملہ اربعین علی آخر الزمان اھ ان شئت التفصیل فارجع الیہ۔
والحدیث أخرجه مسلم اتم منه، وأخرجه ابن ماجہ بخوہ، قاله المنذرى۔

باب فی اتباع المیت بالنار

لا تتبع الجنازة بصوت ولا نار ولا یشتی بین یدیهما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے اس کے ساتھ نہ آواز ہونی چاہیے اور نہ آگ۔ آواز سے مراد عام ہے کہ بکار کی وجہ سے ہو یا ذکر و تلاوت کی وجہ سے، اور آگ سے مراد دھونی کی آگ ہے۔ قبر کو دھونی دینے کے لئے جیسا کہ اہل کتاب کیا کرتے تھے، اور منہ دو وجہ سے ہے لاجل التفاؤل وھولان النار آلۃ العذاب اور مخالفت اہل کتاب، اور اگر روشنی کے لئے آگ ساتھ لی جائے اس میں کچھ مضائقہ نہیں، وہ تو ثابت ہے ابھی قریب میں حدیث گزری ہے، اور آگے اس روایت میں ہے کہ جنازہ سے آگے نہ چلا جائے اس پر آگے مستقل باب آ رہا ہے۔

باب القیام للجنازة

اذا رأیتہم جنازة فقوموا لها حتى تخلفکم او توضع۔

یہاں پر دو مسئلے ہیں اور دونوں سے متعلق جو حدیثیں ہیں ان دونوں کو مصنف نے اسی باب میں ذکر فرمایا ہے

ان میں ایک مسئلہ تو وہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، دوسرا مسئلہ وہ ہے جو باب کی آخری حدیث میں ہے۔ "کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقوم فی الجنائزۃ حتی توضع فی اللحد فمر بہ خبر من الیہود فقال هكذا ففعل فجلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال اجلسوا خالفہم، اسی لئے امام ترمذی نے دو باب الگ الگ قائم کئے ہیں۔ "باب ماجاء فی الجلو س قبل ان توضع" اور دوسرا "باب ماجاء فی القیام للجنائزۃ" ابوداؤد کی آخری حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے یہ وہی مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب اول میں بیان کیا ہے، اور باب کی پہلی حدیث جو ہم نے شروع میں نقل کی اس میں وہ مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ثانی میں ذکر فرمایا، مگر امام ابوداؤد نے دونوں قسم کی حدیثوں کو ایک ہی ترجمۃ الباب کے تحت ذکر فرمایا پھر دوسرا باب کے بعد امام ترمذی نے ایک تیسرا باب قائم کیا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

(مہنت مسلمان) **المسئلۃ الاولیٰ** | باب کی اس پہلی حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ جس شخص کے قریب میں جنازہ گذرے اس کو چاہیئے کہ اس کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے، یعنی یہ نہیں کہ اپنے کام میں اسی طرح مشغول رہے اور جنازہ گذرنے کی کوئی پرواہ نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے ان الموت فزع

جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث میں ہے، جس کا مضمون یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک جنازہ ہمارے قریب کو گذرا تو آپ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تاکہ اس کے اٹھانے میں شریک ہوں تو معلوم ہوا وہ یہودی کا جنازہ ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا: ان الموت فزع فاذا رايتہ جنازۃ فقوموا، کہ موت گھبراہٹ کی چیز ہے۔ یعنی دوسرے کے جنازہ کو دیکھ کر اپنی موت یاد آنی چاہیئے اور فرمایا کہ جب تم جنازہ کو دیکھا کرو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

لیکن یہ حدیث عند الجمہور منسوخ ہے، البتہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن حبیب، مالکی اور بعض شافعیہ میں امام نووی بھی ہیں، ان حضرات کے نزدیک مرد جنازہ کے وقت قیام مستحب ہے، عند الجمہور یہ منسوخ ہے، چنانچہ اس باب کی چوتھی حدیث میں آرہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قائم فی الجنائزۃ ثم قعد بعد کہ آپ شروع میں تو کھڑے ہوتے تھے بعد میں چھوڑ دیا تھا کھڑا ہونا، جمہور کا مسلک یہی ہے وہ اس میں نسخ کے قائل ہیں اور فریق مخالف جو استحباب قیام کا قائل ہے حنابلہ وغیرہ انہوں نے اس دوسری حدیث کو یعنی نفی کی حدیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے، یعنی آپ کبھی قیام نہیں کرتے تھے بیان جواز کے لئے، چنانچہ امام ترمذی نے باب ماجاء فی القیام للجنائزۃ کے بعد دوسرا باب باب الرخصۃ فی ترک القیام لہا قائم کیا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث علی کے بعد: والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم، قال الشافعی: وہذا صیح شیء فی ہذا الباب، وہذا الحدیث

ناسخ للحديث الاول (اذا رايتم الجنازة فتقوموا) وقال احمد ان شاء الله تعالى، وان شاء الله تعالى، وهكذا قال اسحاق بن ابراهيم اه وفي نسخة الاحوزي
فخذ احمد حديث علي بن ابيس بناسخ للحديث الاول، بغير انهن في حازمي سے بیان مذاہب کے ذیل میں نقل کیا، وقال
احمد بن حنبل ان قام لم اعبه، وان قد فلا بأس به وبه قال اسحاق الحنظلي، وقال اكثر اهل العلم ليس على احد القيام للجنازة الى آخر
ما ذكر، امام ترمذی اور حازمی کے کلام سے معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں تخیر ہے، ہم نے اوپر انکا مسلک مستحباً قیام
لکھا ہے، ذکرہ اشخ فی البذل عن الشوكاني اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے: هذا القيام منسوخ عند الائمة الاربعة
وما حكى اهل الشروح عن الامام احمد انه ليس بمنسوخ عنده يا باه كتب فروع نعم يندب عند ابن حزم وغيره، قلت، نعم النودي كما سبق۔
المسئلة الثانية | اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جس جنازہ کے ساتھ جاتے تھے تو
قبرستان پہنچ کر بیٹھتے نہیں تھے حتیٰ تو وضع فی اللحد جب تک میت کو قبر میں نہ رکھ دیا
جاتا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ علماء یہود میں سے ایک شخص گذر رہا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر کہا ہکذا انفعول کہ ہاں
آپ ٹھیک کر رہے ہیں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے کھڑا رہنا چھوڑ دیا اور فرمایا: اجلسوا
خالفوهم یعنی وضع فی اللحد سے پہلے بیٹھ جایا کرو۔

اس مسئلہ کے جمہور بھی قائل ہیں کہ وضع فی اللحد سے پہلے جلوس میں کوئی حرج نہیں ہے بیٹھ سکتے ہیں، البتہ
وضع عن اعناق الرجال سے قبل جلوس مکروہ ہے عند الجمہور خلافاً للما لکیۃ فیجوز عند ہم، ان دونوں مسئلوں کو الگ
الگ اسی طرح سمجھنا چاہیے، بسا اوقات ان دونوں کے سمجھنے میں بلکہ بیان کرنے میں بھی جیسا کہ آپ دیکھیں گے غلط ہو جاتا ہے
حدثنا احمد بن یونس الخ۔ وفيه۔ قال ابو داود: روى الثوري هذا الحديث عن سهيل عن ابيه
عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه. قال فيه: حتى توضع بالارض، ورواه ابو معاوية عن سهيل، قال:
حتى توضع في اللحد، وسفيان احفظ من ابي معاوية۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو سہیل سے روایت کرنے والے تین ہیں، اول زہیر بن جن کی روایت شروع میں
ہے، دوسرے ثوری، تیسرے ابو معاویہ، زہیر کی روایت میں تو حتیٰ توضع مطلقاً ہے اور ثوری کی روایت میں
حتى توضع بالارض ہے اور ابو معاویہ کی روایت میں حتیٰ توضع فی اللحد ہے، مصنف فرما رہے ہیں کہ سفيان
احفظ ہیں ابو معاویہ سے لہذا حتیٰ توضع بالارض اصح ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اب اس باب کی جملہ روایات
پر مشترک طور پر کلام آگیا، ان احادیث کی تخریج اس طرح ہے، حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری
ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

وحديث ابي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی من حدیث ابي سلمة بن
عبد الرحمن بن عوف عن ابي سعيد بنحوه، و اخرجہ مسلم من حدیث ابي صالح السمان عن ابي سعيد

وحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی ولبیس فی حدیثہم "فلما ذهبنا النخل"
 وحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ۔
 وحدیث عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قال المنذری۔

باب الركوب فی الجنازة

جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا بلا عذر کے خلاف اولیٰ ہے اور واپسی کے وقت سوار ہونے میں کچھ حرج نہیں،
 شافعیہ کے یہاں کراہت کی تصریح ہے دنی مغنی المحتاج ۲۵۹ دلاباؤں بالركوب فی الرجوع منہا لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 ركب فرساً مع وزل المارح من جنازة ابی الدرداح رواہ مسلم من حدیث جابر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واما فی الذہاب فتقدم
 انہ یکرہ الالعذر کعبہ المكان او ضعف اھ وھکذا قال النووی۔

عن ثوبان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أتى بدابة وهو مع الجنازة فابى ان يركب فلما
 انصرف أتى بدابة فركب الخ۔

یعنی آپ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لیجا رہے تھے لوگوں نے سواری پیش کی آپ نے رکوب سے انکار فرمایا اور
 واپسی میں جب سواری پیش کی گئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے، کسی صحابی کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ جنازہ کے ساتھ ملائکہ
 پیدل چل رہے تھے اس لئے میں نے اس وقت رکوب کو مناسب نہ سمجھا، اب جبکہ وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔
 اور باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابن الدرداح پر نماز جنازہ پڑھی
 (ویقال: ابوالدرداح) پھر گھوڑا لایا گیا آپ اس پر سوار ہو گئے، جو آپ کو لے کر دوڑ پڑا، اور ہم آپ کے پیچھے پیدل دوڑتے تھے۔
 یہ آپ کا سوار ہونا واپسی ہی میں تھا۔ ابوداؤد کی روایت تو گو اس سے ساکت ہے لیکن ترمذی کی روایت میں رجوع
 کی تصریح ہے، لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہ سمجھا جائے۔

حدیث الباب سے کراہت رکوب خلف الجنازہ کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے
 جو آئندہ باب میں آرہی ہے، مغیرہ بن شعبہ کی حدیث "الراكب يسير خلف الجنازة والمشي مشى خلفها واما ما" الحدیث۔
 کیونکہ اس سے رکوب خلف الجنازہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے اس کے بذل میں علامہ شوکانی سے دو جواب نقل کئے
 ہیں، اول یہ کہ یہ دوسری حدیث عدم کراہت پر دال نہیں ہے زائد سے زائد جواز پر دلالت کرتی ہے، پس ہو سکتا ہے
 کہ رکوب جائز مع الکراہۃ ہو، اور یا یہ کہا جائے کہ آپ نے جس رکوب پر نکیر فرمائی ہے وہ مشی ملائکہ کے ساتھ معلیٰ ہے
 اور ملائکہ کی یہ مشی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی، پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملائکہ کی معیت
 اور شرکت ہر جنازہ میں ہو اھ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث مغیرہ معذور کے حق میں ہے، اور حدیث الباب غیر معذور کے حق میں۔

حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البزار،

وحدیث جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری

باب المشی امام الجنائزۃ

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | اس میں علماء کے پانچ مذاہب ہیں امام اشاعری کے نزدیک مشی امام الجنائزۃ مطلقاً مستحب ہے، اور امام مالک و احمد کے نزدیک راکب اور ماشی میں

فرق ہے، راکب کے لئے پیچھے چلنا افضل ہے اور ماشی کے لئے آگے چلنا، اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک التخییر بلا ترجیح، یعنی دونوں برابر ہیں، والیہ میل البخاری، اور پانچواں مذہب یہ ہے ان کا مع الجنائزۃ نسار فالافضل امامہ والافضلہا (ہامش البذل) یہ پانچواں مذہب براہیم نخعی کا ہے کافی الاوجز، یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے اور جواز میں کوئی کلام نہیں فیجوز فی الجہات الاربع بالاتفاق کافی التعلیل المجدد، حنفیہ کی دلیل ایک تو وہ ہے جو ہمارے یہاں "باب اتباع المیت بالنار" میں گذر گئی جس میں ہے "ولا یمشی بین یدیهما" اور ایک وہ ہے جو آئندہ باب کے آخر میں آرہی ہے "الجنائزۃ متبوعۃ ولا تتبع لیس معہا من تقدّمہا" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ابو ماجہ

راوی کی وجہ سے، قال ابو داؤد: ابو ماجہ هذا لا یعرف، اور شافعیہ کی دلیل باب کی پہلی حدیث ہے: عن سالم عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وابا بکر وعمر یمشون امام الجنائزۃ، لیکن مصنف عبدالرزاق میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور سلام کے بعد ان سے یہ سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے تو اس پر وہ ترش رو ہوئے اور فرمایا: سبحان اللہ! تم جیسا آدمی یہ سوال کرتا ہے، اور پھر فرمایا ————— قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کی فضیلت آگے چلنے والے پر ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل پر، اس پر حضرت ابوسعید خدری نے عرض کیا کہ میں نے تو حضرت ابوبکر و عمر کو فلاں انصاری کے جنازہ کے ساتھ آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا، اس پر حضرت علیؓ مسکرائے اور فرمایا کہ کیا واقعی ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے تم نے ان کو؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ پیچھے چلنے کی فضیلت اسی طرح جانتے تھے جو میں نے بیان کی، لیکن بات یہ ہے کہ اگر وہ جنازہ کے پیچھے چلیں گے تو جنازہ لے جانے والے تنگی میں پڑ جائیں گے ان کے ادب اور احترام میں اس لئے وہ آگے چلتے تھے لوگوں کی سہولت کی رعایت میں اہ مختصر (مصنف عبدالرزاق ص ۴۴۴) بذل الجہود میں یہ روایت مختصر ابدائع کے حوالہ سے بھی لکھی ہے۔

وحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

الراكب ليسير خلف الجنائز والماشي يمشی خلفها وامامها وعن يمينها وعن يسارها قريب منها والسقط يصلى عليه ويدعى لوالديه بالمغفرة والرحمة،

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ترمذی شریف میں لفظی تغیر کیساتھ صلوٰۃ علی الطفل میں مذہب ائمہ

اس طرح ہے: الراكب خلف الجنائز والماشي حيث شاء منها، والطفل يصلى عليه قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح، امام ترمذی نے اس حدیث کو "ما جار فی الصلوة علی الاطفال میں ذکر کیا ہے، اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ بیان کیا کہ انکے نزدیک طفل پر نماز پڑھی جائے گی اگرچہ پیدائش کے وقت استہلال یعنی آثار حیات نہ پائے گئے ہوں، بعد ان یعلم انه خلق یعنی بشر طیکہ نفع روح اس میں ہو چکا ہو جس کی مدت علمائے چار ماہ و دس دن لکھی ہے اس کے بعد امام ترمذی نے دوسرا باب قائم کیا "باب فی ترک الصلوة علی الطفل حتی یستهل، اور پھر اس کے تحت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی: الطفل لا یصلی علیہ لایرث ولا یورث حتی یستهل، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کی سند میں اضطراب بیان کر کے اس کے وقف کو رفع پر ترجیح دی ہے، لیکن جمہور علماء اور بقیہ ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے، قال السندی: اخذنا الجمهور بحديث جابر ترجيحية المحرمة على الحل عند التعارض اس مسئلہ کی طرف ہمارے یہاں اشارہ کتاب الفرائض میں "اذا استهل المولود ورث" حدیث کے ذیل میں آچکا ہے، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه..... و حدیث ابن ماجه مختصر، قال المنذری۔

باب الاسراع بالجنائز

اور اس سے پہلے "باب تعجیل الجنائز" گذر چکا اور ان دونوں میں فرق بھی، قال الحافظ: المراد بالاسراع ما فوق المشی المعتاد ویکره الاسراع الشدید اھ عون۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ امر بالاتفاق استحباب کیلئے ہے، اور ابن حزم کے نزدیک وجوب کے لئے، قال صاحب البدایہ: ویمشیون بہا مسرعین دون الخبب اھ بذل، چنانچہ آگے ابن مسعود کی حدیث مرفوعہ میں آرہا ہے: فقال: بادون الخبب، اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اسراع سے مراد اسراع فی التجهیز ہے قال القسطلی والاول اظہر، وقال النووی: الثاني باطل مردود بقولہ فی الحدیث: تصفونہ عن رقابکم (بذل) اور مصنف کے نزدیک تو گویا یہ متعین ہے کہ ان احادیث میں اسراع سے مراد اسراع فی المشی ہے جیسا کہ احادیث الباب سے ظاہر ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ اسراع فی التجهیز کا باب اس سے پہلے "باب تعجیل الجنائز" میں گذر چکا۔

آگے اس حدیث میں اسراع کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ میت نیک اور صالح آدمی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے وہاں عالم آخرت میں خیر و خوبی ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو خیر کی طرف جلدی پہنچایا جائے اور اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو پھر وہ شر ہے جس کو اپنے کندھوں سے جلد اتارنا ہی بہتر ہے۔

وکننا مشی مشیا خفیفاً فلحقنا ابوبکرۃ - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - فرفع سوطه
یعنی ہم جنازہ میں آہستہ چل رہے تھے تو پیچھے سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کواڑ اٹھائے ہمارے
پیچھے دوڑے، تنبیہ کیلئے، اور فرمایا کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے
تو خوب تیز چلتے تھے۔

وحدیث ابی بکرۃ اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

والجنازۃ متبوعۃ لیس معہا من تقدمہا۔ اس حدیث پر کلام ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اخرجہ الترمذی وابن
ماجہ، وحدیث ابن ماجہ مختصر، قال المنذری۔

باب الامام یصلی علی من قتل نفسه

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | یعنی جو شخص خودکشی کر کے مرا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی یا نہیں؟
جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک پڑھی جائے گی، امام مالک کی ایک
روایت کراہت کی ہے اور امام احمد کی ایک روایت اہل علم و فضل کیلئے کراہت کی ہے یعنی صرف عوام کو پڑھنی چاہیئے،
اور بعض علماء جیسے امام اوزاعی اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ مطلقاً صلوٰۃ کے قائل نہیں، حضرت نے بذل میں
یہی تحریر فرمایا ہے کہ کبار ائمہ اور علماء کو نہ پڑھنی چاہیئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گو بنفس نفیس اس پر
نماز نہیں پڑھی لیکن دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، چنانچہ یہاں روایت میں ہے قال اذا الاصلی علیہ
اور نسائی کی روایت میں ہے اما انا فلا اصلی علیہ۔

حدثنی جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لم یمت
علیہ سلم فقال انہ قد مات قال وما یدریک؟ قال انا رأیۃ، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ لم یمت۔

مضمون حدیث | یہ ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مریض تھا اس پر
رویا اور چیخا جانے لگا، اس کا جو ایک پڑوسی تھا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی خدمت میں پہنچا اور آپ کو اس کے مرنے کی خبر دی، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ مر گیا، اس نے کہا کہ میں تو ایسا ہی
سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا وہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص آپ کے پاس سے لوٹ آیا، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ رونے کی آواز سنائی
دی، وہ شخص پھر آپ کے پاس آیا یہی کہنے لگے کہ وہ مر گیا، آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص لوٹ آیا اس کے بعد
پھر رونے اور چیخنے کی آواز سنائی دی، تو اس مریض کی بیوی نے اس پڑوسی سے کہا کہ حضور کو جا کر اطلاع کر دے
تو اس پڑوسی نے اولاً تو اس مرنے والے کو بدعا ردی اللہم العنہ پھر وہ پڑوسی اس مرنے والے کے گھر گیا اور اس کو

جا کر دیکھا کہ اس نے خود کشتی کی ہے تیر کے دھار دار حصہ سے، اس کے بعد وہ پڑوسی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس کے ہلاک ہو جانے کی خبر دی، اور آپ کے سوال پر اس نے عرض کیا کہ میں نے خود دیکھا ہے اس کی خود کشتی کو، آپ نے تاکید اس سے پھر دریافت کیا کہ کیا تو نے ایسا دیکھا ہے اس نے کہا ہاں، اس پر آپ نے فرمایا ایسی صورت میں اس کی نماز نہیں پڑھوں گا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصرا بمعناه۔

باب الصلاة على من قتلته الحدود

یعنی جو شخص حد شرعی میں مارا جائے اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک ہوگی اور زہری کے نزدیک مرحوم کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قصاص کی صورت میں پڑھی جائے گی، اور امام مالک و احمد سے یہ مروی ہے کہ امام خود نماز نہ پڑھے اس کی، البتہ خفیہ کا مذہب قطاع الطريق اور بغاۃ کے بارے میں یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ مطلقاً نہ پڑھی جائے۔ عن ابی ہریرۃ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یصل علی ماعز بن مالک ولم ینہ عن الصلاة علیہ۔

ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے رجم کا قصہ مشہور ہے ان کی نماز جنازہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں اثبات ہے بعض میں نفی، نفی تو حدیث الباب میں ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے بروایت جابر: فقال له النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خير اوصلي عليه، قال البخاري: لم يقل يونس وابن جريج عن الزهري، فصلی علیہ اور مسلم کی روایت میں ہے، "فما استغفر له ولا سبه"، اور اسی کی ایک روایت میں ہے، "قال استغفر للماعز بن مالک فقالوا غفر الله لماعز بن مالک، حافظ نے فتح الباری میں جمیع بین الروایتین اس طرح کیا ہے کہ آپ نے پہلے دن ان پر نماز نہیں پڑھی اور دوسرے دن پڑھی جیسا کہ سنن ابی قرہ میں ہے، اس میں ہے فقیل یا رسول اللہ فصلی علیہ؟ قال: لا، قال فلما كان من الغد قال صلوا علی صاحبکم فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس وقیل المراد بالصلاة الدعاء فائدة: ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے کے بارے میں تو روایات مختلف ہیں، لیکن امر آء غایدۃ، جہنمیہ جس پر مستقل باب الحدود میں آئے گا، اس پر نماز پڑھنے کے بارے میں سب روایات متفق ہیں کہ آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس پر امام طحاوی نے مشکلی الآثار میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ امر آء جہنمیہ اپنے اوپر حد جاری کرانے کے قصد سے آئی تھی، ان کی روایت میں تصریح ہے کہ مجھے اپنے اوپر حد جاری

لہ یہ ترجمہ مشفق کا ہے جس کو بیکان بھی کہتے ہیں، تیر کی لوک۔

کرانی ہے اس گناہ کی وجہ سے، بخلاف حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ انکے بارے میں یہ آتا ہے کہ ان سے جب اس گناہ کا صدور ہوا اور انہوں نے اس کا ذکر اپنے بعض لوگوں سے کیا تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ تم اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کرو، پس وہ آپ کی خدمت میں اس نیت سے گئے تھے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توبہ واستغفار کا طریقہ بتلادیں گے، لیکن جب باقاعدہ ان کے اقرار کی وجہ سے زنا کا ثبوت شرعی ہو گیا اور آپ نے رحم کا فیصلہ فرمایا اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا تو وہ کہنے لگے غرتی قوی، کہ مجھے مشورہ دینے والوں نے غلط مشورہ دیا وغیرہ وغیرہ، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس صورت میں ان کی توبہ کا تحقق نہیں ہوا، یہی سبب ہوا دونوں کے بارے میں اختلاف روایت کا۔

باب الصلاة على الطفل

نوملود کی نماز جنازہ کس صورت میں پڑھی جاتی ہے اور کس میں نہیں یہ مسئلہ بالتفصیل مع اختلاف ائمہ اس سے قبل "باب المشی امام الجنازة" میں "السقط یصلی علیہ" کے تحت گزر چکا۔

آپ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نماز پڑھی یا نہیں؟
اس باب میں تو مصنف نے صرف ایک ہی مضمون کی حدیث ذکر کی ہے
یعنی حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت مات ابراهيم ابن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهو ابن ثمانية عشر شهرا فلم یصل علیہ رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

اس کے بعد مصنف نے دو روایتیں اور ذکر کیں: سمعت البیهی قال: لما مات ابراهيم ابن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في المقياد، اور دوسری روایت یہ:

عن عطاء ابن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم صلی علی ابنہ ابراہیم وهو ابن سبعین ليلة، ان روایات میں باب کی حدیث اول یعنی حدیث عائشہ جو کہ موصول ہے اس میں نماز کی نفی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ پر نماز نہیں پڑھی اور بعد کی دو روایتیں یعنی مرسل بہنی اور مرسل عطاء بن ابی ریحان دونوں میں صلاۃ کا اثبات ہے کہ آپ نے ان پر نماز پڑھی، علامہ زیلعی نے "نصب الرایہ" میں اثبات صلاۃ کے بارے میں متعدد احادیث مستندہ و مرسلہ بیان کی ہیں، وہ فرماتے ہیں: فیہ احادیث مستندہ و احادیث مرسلہ، فالسندۃ عن ابن عباس، والبراء بن عازب والنس و الحمدری، اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کو بسندہ ذکر کیا، چنانچہ ابن عباس کی روایت کو ابن ماجہ سے، اور حدیث البراء کو مسند احمد اور بیہقی سے، اور حدیث النس کو مسند ابویعلیٰ سے، اور حدیث ابوسعید خدری کو مسند بزار سے، اور روایات مرسلہ

کے ذیل میں شروع میں یہ ابوداؤد کی دومرسل روایتیں ذکر کی ہیں اور پھر آگے لکھا ہے: ورواها الیہم بقی وقال ہذہ الآثار
مرسلۃ وہی تشد الموصول، وروایات الاثبات اولیٰ من روایات الترحک، اس کے علاوہ اور بھی روایات مرسلہ انہوں نے
ذکر کی ہیں، اس کے بعد احادیث الترحک میں ابوداؤد کی حدیث عائشہ ذکر کی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ ذکر الخطابی مرسل عطاء
وقال ہذا اولیٰ الامرین وان کان حدیث عائشہ احسن ایضا لا اہ امام بیہقی، خطابی اور امام زیلعی ان حضرات کا میلان ترجیح
اثبات کی طرف ہے، اس کے بعد علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ترک صلاۃ کو تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اس کی بعض علل
ضعیفہ بیان کی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس روز صلوۃ الکسوف میں مشغول تھے، اور ایک یہ کہ وہ
بؤۃ نبی (نبی کا صاحبزادہ ہونا) کی فضیلت کی وجہ سے نماز سے مستغنی تھے جس طرح شہداء فضیلت شہادۃ کی وجہ سے
مستغنی ہوتے ہیں، اور یہ کہ نبی پر نماز نہیں پڑھتا چونکہ ان کے بارے میں یہ آیا ہے "ادعاش لکان نبیا"، اور یہ کہ
مراد یہ ہے کہ انہم یصل علیہ بنفسہ وصلی علیہ غیرہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (زیلعی ص ۲۸)

حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر
میں اختلاف روایات

دوسری بات احادیث الباب میں حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر کے بارے میں ہے
پہلی حدیث میں اٹھارہ ماہ ہے اور دوسری حدیث میں سبعین لیلۃ، یعنی تقریباً
سوداواہ، اس میں پہلی روایت صحیح ہے اور ایک قول اس میں سولہ ماہ کا بھی ہے

اور وہ اس لئے کہ ان کی پیدائش ذی الحجہ ۸۷۰ھ میں ہے اور وفات دس ربیع الاول ۸۷۰ھ میں، اس صورت میں
ماہ ولادت و وفات دونوں کو مستقل شمار کرنے کی صورت میں پورے سولہ ماہ بن جاتے ہیں، و قد مر فی کتاب الصلاۃ
فی باب صلاۃ الکسوف۔

باب الصلاۃ علی الجنائزۃ فی المسجد

یہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے بلا کراہت، اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک مسجد جماعت میں مکروہ ہے تحریم، وقیل تنزیہاً۔
عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت واللہ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی سہیل
ابن البیضاء الا فی المسجد۔ اور اس کے بعد کی روایت میں ہے "علی ابی بیضاء فی المسجد۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں واللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن بیضاء اور اسکے
بھائی کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھی تھی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اور صحیح مسلم میں مفصلاً ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سعد
بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کے بارے میں یوں فرمایا کہ اس کو مسجد میں لے آئیں تاکہ وہ بھی ان
پر نماز پڑھ سکیں، لوگوں کو اس پر اشکال ہوا، اس پر انہوں نے فرمایا، "ما سرع الناس، ما صلی رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی سہیل ابن البیضاء الا فی المسجد۔"

شافعیہ حنابلہ کا استدلال باب کی اس پہلی حدیث سے ہے، اور حنفیہ مالکیہ کی دلیل باب کی دوسری حدیث ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازۃ

فی المسجد فلا شیء لہ۔

شافعیہ وغیرہ نے اس کے دو جواب دیئے اول یہ کہ وہ ضعیف ہے تفریبہ صالح مولی التوامۃ، دوسرا یہ کہ ایک روایت میں فلا شیء علیہ ہے، لیکن اگر اس حدیث کا ضعف تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حدیث عائشہ جو کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے وہی کون سی شافعیہ کے موافق ہے بد و وجہ، اول یہ کہ روایت میں ہے، فانکر الناس علیہا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے صحابہ کے ذہنوں میں اس کی کراہت تھی، آخر وہ کیوں تھی، دوسرے اس لئے کہ حضرت عائشہ صلاۃ فی المسجد کے بارے میں جو نظیر پیش کر رہی ہیں وہ صرف ایک دو جنازہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ معمول نہیں تھا، خلاف معمول غالباً کسی عارض کی بنا پر یہ نماز مسجد میں پڑھی ممکن ہے اعتکاف وغیرہ کی حالت ہو یا زائد سے زائد بیان جواز جو کراہت کے منافی نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اور مزید اس پر تفصیلی کلام حضرت شیخ نے کیا ہے اس کو نیچے حاشیہ میں دیکھئے لہ

سہیل ابن بیضاء میں، بیضا سہیل کی والدہ کا لقب ہے، اور نام اس کا دُغْدِہ ہے اور سہیل کے باب کا نام دہب بن بیعة القرشی ہے، قال النووی دکان سہیل قدیم الاسلام ہاجر الی الحبشۃ ثم عاد الی مکۃ ثم ہاجر الی المدینۃ وشہد بدر وغیرہا

لہ قال ابن رشد وسبب الخلاف فی ذلک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الآتی عند مالک فی الموطا حدیث ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ، وحدیث عائشہ ثابت وحدیث ابی ہریرۃ غیر ثابت اد غیر متفق علی ثبوۃ لکن انکار الصحابۃ علی عائشہ یدل علی اشتہار العمل بخلاف ذلک عندہم، وشہد لذلک بروزہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم للمصلی لصلاۃ علی النجاشیہ قلت حدیث ابی ہریرۃ اخرجہ ابوداؤد والطحاوی وابن ماجہ وابن ابی شیبہ، قال الجلی رواہ ابوداؤد وابن ماجہ عن ابن ابی ذئب عن صالح مولی التوامۃ، وصالح قال ابن معین ثقۃ لکنہ اختلف قبل موتہ فمن سمع منہ قبل ذلک ثبت حجۃ، وکلہم علی ان ابن ابی ذئب سمع منہ قبل الاختلاف قلت وحدیث ابی ہریرۃ عند ابن ابی شیبہ فیہ زیارۃ ونصہ، قال دکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا انفک ابن بہم المکان رجعوا ولم یصلوا، وبسط ابن الترمذی فی الجوہر النقی ان صالحا انما تکلم فیہ لاختلاف، ولا اختلاف فی عدالتہ، وابن ابی ذئب سمع منہ قبل الاختلاف۔ الی آخر ما فی الاوجز ص ۵۴، وفیہ ایضاً قال محمد فی موطا: موضع الجنازۃ بالمدينۃ خارج المسجد وهو الموضع الذی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصلی علی الجنازۃ فیہ، وقال الحافظ فی الفتح ان مصلی الجنازۃ بالمدينۃ کان لاصفاً بمسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ناحیۃ جہۃ المشرق ودل حدیث ابن عمر علی انہ کان للجنازۃ مکان معد للصلاۃ علیہا فقد استقامتہ ان ما وقع من الصلاۃ علی بعض الجنازۃ فی المسجد کان لامر عارض اولیان الجواز اھ

توفی سلمہ، نیز امام نووی فرماتے ہیں کہ بتو بیضارتین میں سہل، سہیل اور صفوان اھ باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبها

انہ سمع عقبۃ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ثلاث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ینہان ان فصلی فیہن او تقبر فیہن موتانا الخ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے سے اور میت کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے
طلوع شمس، عند الاستوار، وعند الغروب، اوقات منہیہ مکروہہ کا بیان کتاب الصلاة باب الصلاة بعد العصر میں الدر المنصور
جلد ثانی ص ۵۲۳ پر بالتفصیل گزر چکا۔

اوقات منہیہ میں صلوة جنازہ میں مذاہب اربعہ | صلوة جنازہ کے بارے میں وہاں یہ گذرا ہے کہ بعد العصر اور بعد الفجر
تو بالاجماع جائز ہے، اور ان اوقات ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث

کے بارے میں — حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر جنازہ خاص ان ہی اوقات میں پہنچا ہے تب تو ان اوقات میں پڑھنا
جائز ہے بلکہ افضل ہے اور تاخیر نہ کی جائے، کما فی الطحاوی علی المراتی، ورنہ نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک ان تینوں
اوقات میں بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ نماز جنازہ ذات السبب ہے اور نوافل ذوات السبب ان کے یہاں مطلقاً
تمام اوقات میں جائز ہیں، اور امام احمد کے نزدیک ان تینوں اوقات میں ناجائز ہے اور امام مالک کے نزدیک ان تین
میں سے دو میں ناجائز ہے اور عند الاستوار جائز ہے اس لئے کہ یہ وقت ان کے یہاں اوقات منہیہ میں سے نہیں ہے۔

اوقات منہیہ میں دفن میت میں اختلاف ائمہ | دوسرا جزر اس حدیث کا دفن فی ہذہ الاوقات ہے، اس کے
بارے میں یہ ہے کہ دفن عند الجھور ان اوقات میں مکروہ نہیں

یہی حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے، البتہ امام احمد کے یہاں مکروہ ہے کما فی المغنی والروض المربع، اور امام شافعی کا مسلک
امام خطاب نے یہ لکھا ہے: وکان الشافعی یری الصلاة علی الجنازۃ ساعۃ شام لیل او نہار، وکذلک الدفن ای وقت
کان سن لیل او نہار، یعنی امام شافعی کے نزدیک صلوة اور دفن دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی مطلقاً جواز فی جمیع الاوقات،
لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ دفن فی ہذہ الاوقات عند الجھور ومنہم لائمتہ الثلاثہ الحنفیہ و المالکیہ و الشافعیہ جائز ہے اور ائمہ میں
سے صرف امام احمد کے یہاں مکروہ ہے، لہذا یہ حدیث حنابلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر رہی چنانچہ امام ابو داؤد
چونکہ حنبلی ہیں انہوں نے اس حدیث کو ظاہر پر رکھ کر باب الدفن قائم کیا، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مؤول ہے کہ
دفن سے مراد صلوة علی الجنازہ ہے، اور شافعیہ کے ہر حال میں خلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں دونوں جائز ہیں ان کے
ز نزدیک اس کو صلوة جنازہ پر محمول کرنا مفید نہیں اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور راہ اختیار کی وہ یہ کہ قبر

سے مراد تو دفن ہی ہے، لیکن مطلق دفن مراد نہیں بلکہ بعد الدفن فی هذه الاوقات یعنی قصد تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنا، گما صرح صوبہ فی شرح مسلم فی شرح ہذا الحدیث، لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صلاۃ پر محمول کرتے ہوئے ترجمہ قائم کیا، ماجاری فی کراہیۃ صلاۃ الجنائزۃ عند طلوع الشمس وعند غروبہا، امام ترمذی کے بارے میں مشہور تو یہی ہے کہ وہ شافعی المسلک ہیں لیکن ان کے اس ترجمہ سے مسلک شافعیہ کی تو کوئی موافقت ہو نہیں رہی ہے، ہاں جمہور کی تاویل یہی ہے۔ والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب اذا حضر جناز رجال ونساء من يقدم

یعنی اگر مردوں اور عورتوں دونوں کے جنازے ایک وقت میں جمع ہو جائیں تو کس کو مقدم کیا جائیگا یعنی امام کے قریب؟ حدیثی عمار مولى الحارث بن نوفل انه شهد جنازة ام كلثوم وابنها فجعل الغلام مسایلی الامام فانکرت ذلك الخ۔ یعنی ام کلثوم بنت علی، زوجہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان کا بیٹا زید بن عمر ان دونوں کا جنازہ لایا گیا اور زید کے جنازہ کو امام کے قریب رکھا گیا، عمار کہتے ہیں میں نے اس پر اشکال کیا، اس وقت جماعت میں حضرت ابن عباس، ابوسعید خدری اور ابوقحافہ اور ابوہریرہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے فقالوا هذه السنة یعنی ان سب نے فرمایا کہ مسنون طریقہ یہی ہے، فی الاوجز، وعلى هذا اکثر العلماء وقول الصحابی: هي السنة، له حكم الرفع، وقال الحسن وسالم والظاهر النسار مسایلی الامام والرجال مایلی القبلة، قالہ الزرقانی، یعنی ان حضرات کے نزدیک ترتیب بالعکس ہے کہ عورت کے جنازہ کو امام کے قریب اور مرد کے جنازہ کو قبلہ کے قریب لایا جائے اور ابن رشد نے اس میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے وہ یہ کہ دونوں کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، مردوں کی الگ، عورتوں کی الگ، والحدیث أخرجه النسائی، قال المنذری۔

باب ان يقوم الامام من الميت اذا صلى عليه

یعنی امام کو جنازہ کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہونا چاہیے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ اس میں مذاہب ائمہ یہ ہیں کہ اگر مرد کا جنازہ ہے تو جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عند صدرہ، اور امام مالک کے نزدیک عند وسطہ، اور اگر جنازہ عورت کا ہے تو اس میں حنفیہ کا مسلک وہی ہے جو مرد کے حق میں ہے یعنی عند صدرہ اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس طرح ہے عند الشافعی حیال عجیز تھا، وعند احمد عند وسطہا، وعند مالک حیال منکبھا۔

عن نافع ابی غالب قال كنت في مكة الميربذ فمريت جنازة معهما ناس كثر، قالوا جنازة عبد الله بن عمير سكت المريد بصرفي من ابي جله كانام، وليس مريد بكبرى اور اونٹ کے باڑے کو کہتے ہیں، ابو غالب کہتے ہیں کہ میں

سکتہ المرید میں تھا تو میرے سامنے ایک جنازہ گذرا جس کے ساتھ بڑا مجمع تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے تو میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا، اچانک میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس نے باریک سی چادر اوڑھ رکھی تھی جو ایک ترک گھوڑی پر سوار تھا، جس نے اپنے سر پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا دھوپ بچنے کیلئے، تو میں نے پوچھا کہ یہ چودھری صاحب کون ہیں، لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں پس جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر نماز پڑھانے کیلئے اس کے قریب کھڑے ہوئے جس میں انہوں نے چار تکبیرات کہیں، نماز سے فارغ ہو کر جب وہ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ایک انصاری عورت کا جنازہ ہے اس پر بھی نماز پڑھ دیجئے وعلیہا نغش اخضر جس پر سبز رنگ کا گہوارہ تھا مقام عند عجیز تھا لوگوں نے پوچھا کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح نماز جنازہ پڑھاتے تھے، یعنی چار تکبیریں اور مرد کے جنازہ میں سر کے قریب اور عورت کے جنازہ میں سرین کے قریب؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں ایسے ہی پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد پھر روایت میں حضرت انسؓ نے غزوہ حنین کا ایک خاص واقعہ سنایا جس میں یہ ہے کہ غزوہ حنین میں شروع میں مسلمان بھاگ پڑے تھے اور کفار میں ایک شخص ایسا تھا جس نے بہت ہی مسلمانوں میں خونریزی کر رکھی تھی جس کے بارے میں ایک صحابی نے یہ نذر مان لی کہ اگر ہم نے اس کافر پر قتل پالیا تو میں اس کی گردن اڑاؤں گا، پھر جب آخر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ان کافروں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جا رہا تھا بیعت علی الاسلام کے لئے تو ان میں یہ کافر بھی آپ کے پاس آیا اور اگر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا ارادہ کیا مگر آپ قصداً اس کی بیعت سے رکے رہے تاکہ وہ صحابی اپنی نذر پوری کر لیں، مگر وہ صحابی اس انتظار میں رہے کہ آپ ان کو اس کے قتل کا حکم فرمائیں، اور بغیر آپ کی اجازت کے اس کو قتل کرنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی، اس میں کچھ وقفہ بھی ہو گیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صحابی ویسے ہی کھڑے ہیں اپنی نذر پوری نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے اس کو بیعت فرما کر اسلام میں داخل فرمایا، اس پر وہ صحابی عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میری نذر کا کیا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ اسی لئے تو روکا تھا بیعت سے تاکہ تو اپنی نذر پوری کر لے، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میری طرف آنکھ سے اشارہ کیوں نہ فرمادیا، تو آپ نے فرمایا کہ نبی اپنی آنکھ سے اس قسم کا اشارہ نہیں کیا کرتا جس میں ظاہر اور باطن کی مطابقت نہ ہو۔ اس قسم کا واقعہ کتاب الجہاد "باب قتل الایسر ولا یعرض علیہ الاسلام" میں عبداللہ بن ابی سرح سے متعلق گذر چکا ہے وہاں پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گذرا ہے انہ لا ینبغی لنبی ان تکن لہ فائتۃ الایمن۔ اور یہاں پر روایت کے الفاظ یہ ہیں انہ لیس لنبی ان یومض۔

اس پر ایک سوال اور جواب بھی وہاں گذر چکا۔ یہاں آگے روایت میں ہے: ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت انس کے اس عمل کے بارے میں۔ یعنی عورت کے جنازہ میں اس کے سرین کے قریب کھڑا ہونا۔ تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ اس زمانہ میں عورتوں کے جنازوں پر گہوارے نہیں ہوا

کرتے تھے اس لئے امام اس کے سرین کے قریب کھڑا ہو جایا کرتا تھا پردہ کے لئے۔ اس پر حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے جنازہ میں امام کا قیام حیا ل عجیز تھا خلاصہ اصل اور عارض کی وجہ سے ہے، اور اصل محل اس کا صدر ہی ہے، لیکن چونکہ صدر اور راس دونوں قریب قریب ہیں تو ہو سکتا ہے دور سے دیکھنے والا یہ سمجھا ہو کہ سر کے قریب کھڑے ہوں اس لئے اس نے عند رائدہ کہہ دیا، لیکن — لوگوں کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ یہاں پر تو روایت میں تصریح ہے گہوارہ ہونے کی وعلیہا نغش اخضر، تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اصل بات تو وہی ہے جو لوگوں نے بیان کی لیکن حضرت انس چونکہ مطلقاً قیام حیا ل عجیز تھا کے قائل تھے اس لئے انہوں نے باوجود گہوارہ کے ایسا کیا۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن سمرة بن جندب رضى الله تعالى عنه فقام عليها للصلوة وسطها۔

ہمارے استاد مولانا امیر احمد کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں اس لئے کہ سینہ بھی وسط ہی ہے اس لحاظ سے کہ سینہ کے نیچے بھی دو عضو ہیں بطن اور رکتبتین (ٹانگیں) اور اوپر بھی دو عضو ہیں سر اور منکبیں، اور اگر کوئی پیمائش کے اعتبار سے اشکال کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ دونوں ہاتھوں کو سر کی جانب اٹھا کر پھیلا دیا جائے پھر پیمائش میں بھی برابری ہو جائے گی۔ یہ جواب تو بس ایک لطیفہ ہی ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

باب التكبیر علی الجنازة

نماز جنازہ میں عدد تکبیرات میں روایات مختلف ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں، صحابہ کے آثار اس میں تین سے لیکر نو تک ہیں، لیکن بعد میں چار کے عدد پر فقہاء اور اہل فتویٰ کا اجماع منعقد ہو گیا احادیث صحیحہ کی بنا پر اور میرے علم میں نہیں کہ کسی فقیہ کے نزدیک اس میں پانچ تکبیرات ہوں سوائے ابن ابی لیلیٰ کے (بذل) حدیث الباب میں صلاۃ علی القبر کا ذکر ہے، صلاۃ علی القبر پر آئندہ مستقل ایک باب آ رہا ہے۔

عن ابن ابی لیلی قال کان زید یغنی ابن ارقمہ یکبر علی جنازہ زیداً وانہ کبر علی جنازہ خمساً

ابن ابی لیلی جن کا مسلک اوپر قاضی عیاض کے کام میں گذرا اس کا ماخذ یہی روایت ہوگی، اور اوپر یہ گذر ہی چکا کہ اس میں اختلاف شروع میں رہا ہے بعد میں چار تکبیرات پر اجماع ہو گیا تھا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

باب ما یقرأ علی الجنائزۃ

صلیت مع ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی جنازۃ فقرأ بفاتحة الكتاب، فقال انہما من السنۃ۔ نماز جنازہ میں حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک قرآنۃ فاتحہ نہیں ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک ہے، ہمارے فقہاء فرماتے ہیں: والآثار فی عدہا اکثر، یعنی بہ نسبت ثبوت کے نفی قرارت میں آثار زیادہ ہیں، حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ بہ نیت شمار پڑھی جاسکتی ہے بہ نیت قرارت نہیں۔

صلوۃ جنازہ کے ارکان ائمہ اربعہ کے نزدیک کیا کیا ہیں اس کی تفصیل اوہجہ میں مذکور ہے، حنفیہ کا مذہب اس میں یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک صرف دو رکن ہیں تکبیرات اربعہ اور قیام، لہذا قاعدۃ بلا عذر جائز نہیں صرف تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کیا جائے اور شمار پڑھی جائے، اور دوسری تکبیر کے بعد صلوۃ علی البنی پڑھا جائے اور تیسری کے بعد دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام کذا فی الدر المختار، وقال ابن الہمام: اما رکعہا فالذی یفہم من کلامہما انہما الدعاء والقیام والتکبیر الی آخرہ باسقاط، اور قرارت فاتحہ کو کتب شافعیہ و حنابلہ میں ارکان میں شمار کیا ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

باب الدعاء للمیت

اذا صلیتم علی المیت فاخصلوہ الدعاء۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی میت پر نماز پڑھو تو تم اس کے لئے اخلاص تام کیساتھ دعا کرو۔ اب یہ کہ کیا دعا پڑھی جائے ان کا ذکر آئندہ آنے والی روایات میں آرہا ہے، والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المتذری۔

شہادت مروان سأل اباه ربه رضي الله تعالى عنه. كيف سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه

والد وسلم يصلي على الجنائز؟ قال امع الذي قلت، قال: نعم، قال: كلام كان بينهما قبل ذلك۔

علی بن شمار کہتے ہیں کہ میں مروان امیر مدینہ کے پاس موجود تھا جبکہ اس نے سوال کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ تم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھتے ہوئے سنا؟ اس سوال کا جواب آگے آرہا ہے، لیکن جواب دینے سے پہلے حضرت ابوہریرہ نے اس سے فرمایا کہ کیا باوجود اس کے تو مجھ سے سوال کرتا؟ جو میں نے کہا تھا۔ اور ہو سکتا ہے یہ خطاب کا صبیحہ ہو، یعنی باوجود اس کے جو تو نے کہا تھا، اس کی تشریح راوی یہ کر رہا ہے کہ ان دونوں کے درمیان اس سے قبل کوئی بات پیش آئی تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے تو حضرت ابوہریرہ

کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جو بات میرے اور تیرے درمیان پیش آئی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تو مجھ سے سوال نہ کرتا، مردان نے جواب دیا کہ ہاں باوجود اس کے سوال کر رہا ہوں، جو ہونا تھا ہوا عند الاستیاج تو رجوع کرنا ہی پڑتا ہے نماز جنازہ میں جو دعائیں وارد ہیں آگے اس دعا کا بیان ہے: اللہم انت ربہا وانت خلقتها وانت

هدیتہا للاسلام وانت قبضت روحہا وانت اعلم بسہا وعلانیہا جثثا شفعا غفرلہ۔ اور موطا کی روایت میں ہے ابو سعید خدری نے حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے چلتا ہوں پھر جب وہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر اولیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور دوسری تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی پر صلاۃ و سلام اور تیسری تکبیر کے بعد یہ پڑھتا ہوں اللہم عبدک وابن عبدک وابن أمّیک کان یشہد أن لا اله الا انت وان محمد عبدک ورسولک وانت اعلم بہ، اللہم ان کان محسنًا فزدنی احسانہ وإن کان مسیئًا فنجیہ عن سبیئہ، اللہم لا تحر منّا أجرہ ولا تقبنا بعدہ، اس دعا کے بارے میں ابو جزی میں لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اس دعا ابو ہریرہ کو پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ انکی کتابوں میں تصریح ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں جو دعا مذکور ہے وہ آئندہ روایت میں قدرے تفاوت سے آ رہی ہے، دینی الاداء ج ۲ ص ۴۵۷ و ردی هذا الدعاء (یعنی جو کتب حنفیہ میں ہے) عن ابی ہریرہ مر فوعا عند احمد والترمذی والبیہقی اھ اور شرح اتناج ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ کامل دعایہ ہے۔ اور پھر اس کی ابتداء انہوں نے اسی دعا سے کی جو حنفیہ کی کتابوں میں ہے۔ اس کے بعد کچھ اور دعائیں ہیں جو اسی دعا کے ساتھ شامل کر کے ان کے یہاں پڑھی جاتی ہیں، اور صحیح مسلم ۲۱۱ میں عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ایک نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا اللہم اغفر لہ وارحمہ وداعفہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وقل من الخطایا کما تقبّل الثوب الابيض من النّس، وأبدلہ دار آخرۃ من دارہ واهلّا خیرا من اھلہ وزدّ خیرا من زوجہ وأدخّلہ الجنة وأعدّہ من عذاب القبر ومن عذاب النار، آگے وہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا سن کر میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا، اور حنابلہ کے نزدیک جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے یہ دعا ہے: اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وانت علی کل شیء قدیر، اللہم ان احییہ منا فاحییہ علی الاسلام والسنة ومن توفیہ فوفہ علیہما اللہم اغفر لہ وارحمہ۔ اور اس کے ساتھ وہ دعا جو صحیح مسلم سے گزری۔ (العدہ شرح العمدة ص ۱۱۱)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم علی جنازۃ فقال

اللہم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبیرنا اذ ذی آخرہ اللہم لا تحر منّا اجرہ ولا تضلنا بعدہ۔

حدیث شملخ اخرجه النسائی فی اليوم واللیلۃ، و حدیث ابی سلمۃ اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن واثله بن الاسقع رضى الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على رجل من المسلمين، فسمعت يقول: اللهم ان فلان ابن فلان في ذمتك وخيل جوارك فقه من ننته القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحق اللهم فاغفر له وارحمه انك انت الغفور الرحيم -
اخر جابن ماجه، قال المنذرى -

باب الصلاة على القبر

اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ | صلاة على القبر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مالکیہ کے نزدیک علی المشہور ناجائز ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے کمافی الشروح، فقہ الاوجز عن الزرقانی: واما الصلاة على القبر فقال بمشروعية الجمهور منهم الشافعي واحمد وابن وهب، وما لك في رواية شاذة، والمشهور عنه منعه، وبه قال ابو حنيفة والبخاري وجماعة، وعنه ان دفن قبل الصلاة شرع والا فلا، وقال الأبي في الاكمال: مشهور قول مالك المنع، والشاذ جوازها فيمن دفن بغير صلاة اه امام مالك كما جو قول شاذ ہے وہی حنفیہ کا مذہب ہے فقہ الہدایۃ ان دفن الميت ولم یصل علیہ علی قبرہ لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی قبر امراة من الانصار، ویصلی علیہ قبل ان یتفخ، والمعتبر فی معرفۃ ذلك اکر الراى هو الصحیح، لا اختلاف الحال والزمان والمكان، وني هامشه احتراز عمار روى في الامالي عن ابی یوسف رحمه اللہ تعالیٰ: انه یصلی علی الميت فی القبر الی ثلاثۃ ایام اه گویا مالکیہ کا مشہور قول توثیہ ہوا کہ مطلقاً ناجائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک صلاة على القبر اس صورت میں جائز ہے جبکہ میت کو بغير صلاة کے دفن کر دیا گیا ہو، اب یہ کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ تین دن تک، اور دوسرے جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا مالم یتفخ ولم یتفخ یعنی جب تک ظن غالب ہو کہ میت کا جسم پھولا پھٹا نہیں اتوں تک پڑھ سکتے ہیں جو لوگ مطلقاً جواز کے قائل ہیں ان کے یہاں بھی اس میں اختلاف ہے کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے، امام احمد و اسحق کے نزدیک الی شہر، اور شافعیہ کی اس میں مختلف روایتیں ہیں، مثلاً کقول احمد: وثمنها الی ثلاثۃ ایام، وثمنها الی ثلثین یوماً (اور جہا)

عن ابی ہریرۃ رضى الله تعالى عنه ان امرأة سوداء اور جلا كان يفتح المسجد ففعل النبي صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم تسأل عنه فقيل مات، فقال ألا اذنتوني به، قال دلووني على قبره فدكوه فصلى عليه -

حاشیہ بذل میں حضرت شیخ لکھتے ہیں قال الحافظ فی الفتح ۳/۱۰۱ ان الشك من ثابت والصواب امرأة اسمها خرقار وكنيتها ام محمد بن الحنفية وقال ايضا

المذكور في حديث ابن عباس بلفظ مات الانسان كان صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يعودوه وهو طلحة بن البرار رضى الله تعالى عنه وهم من قال بالاول لتغاير القصتين وكذا قال العيني اه اور موطائی روایت میں ہے من حديث ابی امامۃ سہل بن حنیف ان مکینۃ مرضت فاخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمرضها، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اذا ماتت فاذنوني بها فخرج بجنازتها ليلدا فلهو ان يوقظوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فلما أصبح رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أخبر بالذي كان من شأنها (بعد سؤاله عنها كما في رواية ابن ابي شيبة) فقال ألم أمركم ان تؤذنوني بها فقالوا يا رسول الله كرهنا ان نخرجك ليلدا فلو قظك الحديث، قال ابن عبد البر هذا الحديث روى من وجوه كثيرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كلها ثابتة من حديث ابى هريرة وعامر بن ربيعة وابن عباس رضي الله تعالى عنهم اهـ وكتب الشيخ في الاذنية قوله ان مسكينته وفي حديث ابى هريرة في الصحيحين وغيرهما ان رجلا اسود او امرأة سوداء كان يقوم المسجد الى آخرها بسط-

مضمون حدیث یہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت سیاہ رنگ، یامرد (شک راوی ہے) جو مسجد میں جھاڑو لگایا کرتا تھا۔ قِمَّ یَقْمُ مراد ہے کنس میکنس کے، قما مرہ کہتے ہیں کٹنا سے کو یعنی وہ کباڑ جو جھاڑو سے اکٹھا کیا گیا، ایک روز جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں سوال فرمایا، تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا تو رات انتقال ہو گیا تھا۔ یعنی دفن دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے کیوں نہ خبر کی تم نے اس کی اور پھر فرمایا کہ مجھ کو اس کی قبر بتاؤ کہ کہاں ہے، صحابہ نے آپ کو اس کی قبر کی خبر دی، آپ نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اوپر یہ موطا کی روایت سے گزر چکا کہ آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس کی موت کی خبر مجھے کرنا، مگر صحابہ کرام نے اسی خیال سے آپ کو اطلاع نہیں کی تاکہ رات میں آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے، بہر حال یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے، اس حدیث پر مکمل کلام میری ایک تقریر میں اس طرح لکھا ہوا ہے، مفید ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کیا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے: شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک قبر پر نماز مطلقاً پڑھی جاسکتی ہے، اب یہ کہ کب تک؟ اس میں روایات مختلف ہیں، امام احمد کے نزدیک زائد سے زائد — ایک ماہ تک، اور شافعیہ کے اس میں متعدد اقوال ہیں، منجملہ ان کے ایک تو یہی ہے، اور ایک قول ہے الی ثلاثہ ایام، وقیل: الم قبل البجۃ، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ مدت دراز گزرنے کے بعد نہیں پڑھی جائیگی لیکن ایک قول یہ بھی ہے - يجوز الی الابد -

حنفیہ کی طرف سے | حنفیہ و مالکیہ کی طرف سے اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے اور جن صحابہ نے آپ کے ساتھ پڑھی انہوں نے تبعاً پڑھی، اور دلیل خصوصیت یہ ہے کہ حدیث الباب کی توجیہ صحیح مسلم کی روایت میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: ان هذه القبور مملوءة ظلمة وان الله يتورها بصلاقی علیہا، یعنی یہ قبور بالکل تاریک ہوتی ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ میری ان پر نماز کی وجہ سے ان کو روشن کر دیتا ہے، صحیح جواب یہی ہے، ویسے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے صحابہ کو اطلاع کرنے کا حکم فرمایا تھا اور انہوں نے اطلاع کی نہیں تو گویا وہ پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی، اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا تھا سو یہ بمنزلہ نذر کے ہو گیا، یہ جواب اُبی نے شرح مسلم میں دیا ہے، اول کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک جواب حنفیہ کی طرف سے بعض نے یہ بھی دیا ہے کہ عموم بلوی میں اخبار آحاد معتبر نہیں، نیز امام مالک نے جواب دیا کہ اس پر عمل اہل مدینہ نہیں، ابن الہمام نے کہا کہ یہ حدیث ہمارے خلاف ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ اس کو بغیر نماز کے دفن کر دیا گیا ہوگا، لیکن یہ بات صحابہ کرام سے مستبعد ہے اھ من الاوجز۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم وابن ماجہ، قال المستذری۔

باب الصلاة على المسلم يموت في بلاد الشرك

اور امام ترمذی نے باب قائم کیا باب صلاة النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على النجاشي، مصنف کا اشارہ بھی گواہی دیتا ہے لیکن وصف عام کے ساتھ تاکہ نجاشی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے، گویا اس باب میں مصنف صلاة على الغائب کا حکم بیان کر رہے ہیں، اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو پہلے باب میں تھا، شافعیہ حنابلہ کے نزدیک یہ جائز ہے، حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ناجائز، ابن تیمیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ جس مسلم کا انتقال دار الحرب میں ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ دار الاسلام میں پڑھی جاسکتی ہے اور یہی قید وہ ہے جس کو مصنف نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، اور بعض علماء (ابن حبان) کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے جبکہ میت جہۃ قبلہ میں ہو اور اگر بلد یمت قبیلہ کی جانب نہ ہو تب جائز نہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبی للناس النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بہم الی المصلی فصف بہم وکبر اربع تکبیرات۔

نجاشی کا نام اصحہ تھا، ویسے نجاشی لقب ہے ہر ملک حبشہ کا ان کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی کما فی الخمسین والثلثین وقال ابن الاثیر: اسلم فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وتوفی ببلادہ قبل فتح مکہ۔ اھ مختصر أعون، ان کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین میں گذر چکا ہے۔

حدیث الباب میں یہ ہے کہ جس روز نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اسی دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے انتقال کی خبر دی، اور آپ صحابہ کرام کو لیکر مصلی کی طرف تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کی باقاعدہ صف قائم کر کے نماز جنازہ آپ نے ادا فرمائی چار تکبیرات کے ساتھ۔

مصلی سے مراد حدیث میں مصلی عیدین نہیں ہے بلکہ وہ جگہ مراد ہے جو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے معین تھی

بقیع الغرقہ میں، یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے جو صلاۃ علی الغائب کے قائل نہیں، مختصراً اس کے دو جواب ہیں (۱) یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حجاب آپ کے سامنے سے ہٹا دیئے گئے تھے اور گویا جنازہ بالکل آپ کے سامنے تھا، اور ظاہرات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ یہ چیز کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی (۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ کسی اور میت غائب پر نماز پڑھنا ثابت نہیں، والحدیث اخرہ البخاری، مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی بردۃ عن امیہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ننطلق الی ارض النجاشی، فذکر حدیثہ۔

ابو بردہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا، ہجرت الی الحبشہ کا یعنی مکہ مکرمہ سے۔ اس کے بعد ان کے والد نے ان سے اس ہجرت کی تفصیل بیان کی ہوں گی جو مصنف کی غرض سے علیحدہ ہیں اسی لئے مصنف نے حدیث کو مختصر کرتے ہوئے فرمادیا: "فذكر حدیثہ" ان نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات مسلمانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کے تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہیں۔ حدیث الباب میں ان کے اسلام لانے کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی، اور اسلام لانے کے وقت یہ بھی کہا، "ولولما انا فیه من الملائکۃ لانیۃ حتی اخیل فعلیہ" اس میں انہوں نے اپنے ترک ہجرت الی المدینہ کا عذر بیان کیا ہے کہ اگر جس ملک اور بادشاہت میں میں اس وقت ہوں اگر اس کے عوارض اور لوازم میں مبتلا نہ ہوتا تو میں ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوتا یا ہاتھ تک کہ آپ کے نعلین شریفین کو اٹھا کر (سر پر رکھنے کی) سعادت حاصل کرتا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه وجعل الحجۃ مثواہ جو بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح مدح سرائی کر رہا ہو اور ان پر جان نثار ہو رہا ہو ہمیں بھی اس سے محبت ہونی چاہیے، اگرچہ آپ کو کسی بادشاہ یا مخلوق کی مدح اور منقبت کی حاجت نہیں اس لئے کہ آپ کے مدح خواں تو خود اللہ رب العالمین ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وشرق کریم ووقر و عظم۔

لہذا تذکرہ بعض الاساتذۃ لکن ذکر حسب عون المعبود: روی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی اربعۃ من الصحابۃ الاولیٰ النجاشی، وقصۃ فی الکتاب السنۃ وغیرہا، والثانی معاویۃ بن معاویۃ المزنی والثالث والربع زید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب، ثم سطر الروایات فی ذلک، وفیہ بعد ذکر الروایات والکلام علیہا، والحاصل ان الامر کما قال الحافظ ابن عبد البر والیہ سبق والذہبی ان اسانید ہذہ الاحادیث لیست بالقویۃ لکن فیہ تفصیل وهو۔ الی آخر ما ذکر۔

باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر ینعلم

اس باب میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی اس کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا جو کہ آپ کے رضاعی بھائی تھے، تو جب ان کو دفن دیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم فرمایا کہ کوئی بڑا سا پتھر اٹھا کر لائیں، وہ گئے لیکن ان سے اٹھ نہ سکا، اس پر آپ خود بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی دونوں آستینیں چڑھا کر اس پتھر کو اٹھایا اور عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے اسکو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کو میں بطور علامت کے رکھ رہا ہوں، اور یہ بھی فرمایا: اور اسی کے قریب اپنے دوسرے اعزہ کو دفن کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ قبر کے سرہانے نشانی کے طور پر کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا مناسب ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک خاندان اور گھرانے کے لوگ اگر ایک ہی جگہ اور ایک ہی قبرستان میں دفنائے جائیں تو یہ بہتر ہے۔ ترجمۃ الباب میں دو جزر تھے، اعلام قبر یعنی قبر پر کوئی علم اور نشان لگادینا، اور دوسرا جزر جمع الموتی فی قبر ہے، حدیث الباب سے جزر ثانی تو ثابت ہو رہا ہے، جزر اول کے ثبوت میں اشکال ہے، مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ ترجمہ میں قبر سے مراد قبرستان اور مقبرہ ہے، چنانچہ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے فلا اشکال حینئذ۔

باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکذک المکان؟

یعنی اگر گورکن کوئی قبر کھود رہا ہو اور پھر اس جگہ میں کسی میت کی ہڈی نکل آئے تو کیا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودے؟ کسر عظم المیت ککسرہ حیاً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میت کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی برا اور گناہ ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہو رہا ہے کہ گورکن کو چاہیئے کہ اس ہڈی کو توڑے نہیں لیکن پورا ترجمہ الباب اس حدیث سے ثابت نہیں ہو رہا ہے، لیکن اس حدیث کا جو سبب ہے یعنی جس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اس سے ترجمۃ الباب کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ روایت یہ ہے جس کو حضرت نے بذر میں، درجات مرقاۃ الصعود سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھ گئے، گورکن نے قبر کھودتے ہوئے ایک ہڈی نکال کر دکھائی جس کو وہ توڑنے لگا آپ نے اس کو توڑنے سے منع فرمایا ذکر مافی حدیث الباب، اور نیز فرمایا آپ نے اس ہڈی کو

اسی قبر میں ایک طرف کو دبا دے، اس سے ترجمۃ الباب کا حکم معلوم ہو گیا کہ دوسری جگہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہیں اس ہڈی کو چھپا دیا جائے، لیکن احترام کے ساتھ توڑا پھوڑا نہ جائے۔
والحدیث اخرجه ابن ماجه، قاله المنذرى۔

باب فی اللحد

اللحد لنا والشق لغيرنا۔ قبر کی دو قسمیں ہیں لحد اور شق۔ شق تو وہی جو ہمارے دیار میں رائج ہے یعنی سیدھی قبر اور لحد بغلی قبر یعنی زمین شق کرنے کے بعد قبلہ کی جانب میں ایک غار گڈھا سا اور کھودتے ہیں اور پھر میت کو اس میں رکھتے ہیں، پیچھے کی طرف سے اس کو پاٹ دیتے ہیں، جہاں کی زمین سخت ہو وہاں یہ قبر بن سکتی ہے، جائز دونوں قسمیں ہیں، صحابہ کرام میں ایک صحابی لا حد تھے یعنی لحد بناتے تھے۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک صحابی شقاق تھے وہ شق بناتے تھے یعنی ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لنا سے مراد مومنین اُمت محمدیہ اور غیبرنا سے مومنین اُمم سابقہ، اور مطلب یہ ہے کہ ہم لحد کو اختیار کرتے ہیں وہ ہمارے لئے اونی ہے شق کے مقابلہ میں، اس صورت میں اس سے مقصود فضیلت لحد کو بیان کرنا ہے نہی عن الشق مقصود نہیں اس لئے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنی جلالت شان کے دین اور امانت میں یہ کام کرتے تھے، نیز اگر شق ممنوع ہوتی تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں فیصلہ نہ فرماتے کہ لا حد اور شقاق ان دونوں میں سے جو پہلے آنے کا اسی کو اختیار کیا جائے گا، اور مسند احمد کی ایک روایت میں ”اللی لنا والشق لغيرنا من اهل الکتاب“ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مراد لنا سے مسلمان اور غیبرنا سے یہود و نصاریٰ ہیں تب تو اس صورت میں لحد کی فضیلت بلکہ کراہیت شق پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور اگر مراد لغيرنا سے اُمم سابقہ ہیں تو اس میں صرف اشارہ ہے فضیلت لحد کی طرف دونوں اور کہا گیا ہے کہ لنا میں ضمیر جمع سے مراد خود متکلم کی ذات ہے یعنی آپ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میں اپنے لئے لحد کو پسند کرتا ہوں اور غیبرنا سے مراد دوسرے لوگ، فقی الاوجزہ: قال الطیبری یکن ان یکون علیہ الصلاۃ والسلام عنی بتضمین الجمع لنفسه ای اوثر لی اللحد وهو اخبار عن الکائن فیکون معجزۃ، قال السید هذا التوجیہ بعید جد القول علیہ السلام الشق لغيرنا، اور اس کے بعد ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ لنا سے مراد معاشر الانبیاء یعنی اللحد لنا معاشر الانبیاء والشق جائز لغيرنا اھ۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

باب کھید خل القبر

یعنی میت کو قبر میں رکھنے کے لئے گئے آدمی قبر میں اتریں۔

عن عامر قال غسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علیٰ والفضل واسامۃ بن زید وھما داخلوا قبریۃ، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے والے یہ تین حضرات تھے علی، فضل بن عباس، اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان ہی نے آپ کو قبر میں اتارا تھا۔ اور آگے ایک روایت میں ہے کہ ان تینوں نے اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شامل کر لیا تھا۔ یعنی اصل تو یہ تین آدمی تھے جو گھر کے تھے اور ان ہی نے ضرورۃً حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بھی شامل کر لیا تھا، قال علی انما یلی الرجل اھلہ، یعنی جب آپ کی تدفین سے یہ حضرات فارغ ہوئے تو چونکہ اور بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام جاں نثار کھڑے ہوئے تھے جو اس عمل میں شریک نہیں تھے یعنی غسل اور قبر کے اندر اتارنے میں تو اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بطور معذرت یہ جملہ فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والے ہی دفنایا کرتے ہیں، مطلب تو ظاہر ہے کہ وہ یہ فرمانا چاہا رہے ہیں کہ اس کام کو کرنے والے ہم اس لئے نہیں ہیں کہ ہم اوروں سے افضل ہیں بلکہ وجہ یہ ہے جو انہوں نے فرمائی، دراصل یہ مقام، مقام تنافس تھا اور بڑے شرف کی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب فرمائی اہل بیت میں سے ہونے کی وجہ سے۔

چار آدمیوں کا قبر کے اندر اتارنا جو ہمارے یہاں رائج ہے یعنی شق اس میں تو مشکل ہے لیکن لحد میں گنجائش ہوتی ہے

باب کیف یدخل المیت قبرۃ

یعنی میت کو قبر میں اتارنے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اس میں دو مذہب ہیں ایک وہ جس کو حنفیہ نے اختیار کیا، وہ یہ کہ میت کو قبر میں قبلہ کی جانب سے اتارا جائے یعنی سریر میت کو قبر کی دائیں جانب اس کے عرض میں رکھا جائے اور پھر اس کے پورے جسم کو ایک ساتھ اس میں داخل کر دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے جس کو شافعیہ اور حنابلہ نے اختیار کیا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ میت کو قبر کے پائتانے سے داخل کرنا اولیٰ ہے اس صورت میں سریر میت کو طولاً قبر کے نیچے کی طرف رکھا جائے گا اور پھر بتدریج اس کو قبر میں سر کی جانب سے داخل کیا جائے گا اور اس میں ایک تیسرا طریقہ ہے جو حضرت امام شافعی کا ایک قول ہے کہ میت کو قبر میں قبر کے سرہانے کی جانب سے داخل کیا جائے لہذا یہ تین قول ہو گئے، کذا فی العون عن سبل السلام، علامہ شوکانی وغیرہ نے حنفیہ کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ انہ السیر کہ یہ طریقہ داخل کرنے کا زیادہ آسان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اتباع السنۃ اولیٰ من الرأی، لیکن صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں قلت بل ورد بہ النص فانہ اخرج الترمذی من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما هو لنص فی اذخال المیت من قبل القبلیۃ وانہ حدیث حسن فیستفاد من المجموع انہ فعل مخیر فیہ اھ حاشیہ ہدایہ میں حضرت مولانا محمد حسن منجھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس تخمیر کو امام مالک اور ظاہر یہ کا مذہب لکھا ہے، یعنی ان کے نزدیک اختیار ہے

اور دونوں برابر ہیں۔ یہ حدیث ابن عباس جس کی طرف صاحب السبل نے اشارہ کیا ہے وہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ماجاء فی الدفن باللیل میں ذکر فرمایا ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر لیلًا فأنشرج له سراج فاخذ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لا ذواتًا تلاءم للقرآن وکبر علیہ اربعًا، قال ابو عیینہ حدیث ابن عباس حدیث حسن وقد ذهب بعض اهل العلم الی هذا وقال یدخل المیت القبر من قبل القبلة، وقال بعضهم یسئل سئل اب رہا یہ مسئلہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرف سے داخل کیا گیا؟ سو اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں چنانچہ پہلی میں ہے بروایت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہم ادخلوا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قبل القبلة، لکن ضعف البیہقی، اور مسند شافعی میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سل من قبل رأسه، اور مر اسیل ابی داؤد میں ہے عن النخعی انه علیہ السلام ادخل من قبل القبلة ولم یسئل سئل (زبلی ۲۹۹) وفي الهدایہ: ویدخل المیت مایلًا علی القبلة خلافاً للشافعی فان عنده یسئل سئل، لما روی انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سئل سئل ولنا ان جانب القبلة معظم فیسقط الادخال منه، واضطربت الروایاتی اذ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو ایک قول ہے سل کا اس کا ایک جواب ہمارے بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ حجرہ شریفہ میں جس جگہ آپ کو دفنایا گیا اس میں قبلہ کی جانب قرب حائط کی وجہ سے گنجائش نہیں تھی کہ سریر کو اس جانب رکھا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اس موضوع پر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل تالیف ہے، کشف الستار عن ادخال المیت فی القبر۔

اروی البزار ان یصلی علیہ عبد اللہ بن یزید فصلی علیہ ثم ادخله القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة۔ امام ترمذی نے اس مسئلہ پر مستقل باب قائم نہیں کیا بلکہ "باب ماجاء فی الدفن باللیل" کے ذیل میں حدیث ابن عباس جو ہمارے یہاں اوپر گزر چکی ذکر فرما کر اس مسئلہ کو ضمناً اسی باب میں بیان کر دیا ہے، اور ابن ماجہ میں اس مضمون کی دو روایتیں مذکور ہیں، عن ابی رافع قال سل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سعداً ورش علی قبرہ ماراً اور دوسری عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذ من قبل القبلة واستل سئل، اور ایک نسخہ میں ہے "واستقبل استقبالاً"۔

باب کیف یجلس عند القبر

یعنی اگر قبر تیار ہونے میں دیر ہو وہ کھودی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں لوگوں کو کیا کرنا چاہیے، عام طور سے بات چیت میں اور فضولیات میں لوگ لگ جاتے ہیں، اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں قبرستان گئے، قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رو بقبلہ ساکت بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ اسی طرح بیٹھ گئے۔ بذل میں ہے کہ نسائی کی روایت میں یہ زیادتی ہے: وجلسنا حوله کان علی رؤسنا الطیر

بہتر یہ ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کی جائے، حضرت شیخ نور اللہ رحمہ اللہ کی ایک صاحبزادی شادی شدہ جس کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور حضرت شیخ جنازہ کے ساتھ قبرستانِ تشریف لے گئے تھے، قبر کھودی جا رہی تھی لوگ ایک سائبان کے نیچے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ احقر بھی حضرت شیخ کے پاس ہی بیٹھا تھا تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ سورہ یسین پڑھ، اور حضرت خود بھی مسلسل پڑھتے رہے، یغفر اللہ تعالیٰ لنا ولہا، والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه، قاله المنذرى.

باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ

یعنی میت کو قبر میں رکھتے وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے، حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول مذکور ہے کہ آپ اس وقت بسم اللہ و علی سنتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، پڑھا کرتے تھے۔ والحديث اخرجه النسائي مسنداً وموقوفاً، قاله المنذرى.

باب الرجل يموت له قرابة مشرك

یعنی اگر کسی مسلمان کا کافر عزیز و قریب مر جائے تو کیا کیا جائے؟

عن علي رضي الله تعالى عنه قال قلت للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان عمك الشيخ الضال قدم مات اذ حضرت علي فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کا انتقال ہو گیا، اس پر آپ نے فرمایا: تو پھر چالپینے باپ کو مٹی میں دبا دے، اور یہ بھی فرمایا بطور اہتمام کہ کے دبائے کے بعد کسی اور کام میں نہ لگ جانا فوراً مجھ کو آکر اطلاع کرنا (ثم لا تتحدثن شيئاً) یہ احداث سے ہے جس کے معنی کوئی کام کرنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فوراً گیا اور ان کو دبا کر آپ کے پاس آگیا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا، اور آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ والحديث اخرجه النسائي، قاله المنذرى.

باب فی تعمیق القبر

یعنی قبر کتنی گہری ہونی چاہیے، قالت الحنفية: ان يعين الى الصدر والا فالى السرة (يدل) وني، نور الايضاح، ويحفر القبر نصف قامته او الى الصدر، وان يزدكان حسناً، اور امام شافعی کے نزدیک بقدر القامة، وقال مالك لا حد ولا عماق (عون)

عن هشام بن عامر قال جاءت الانصار الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يوم احد فقالوا اصابنا قرح وجهنا

یعنی جنگ احد میں آپ کی خدمت میں بعض انصار آئے، اور آکر عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ زخمی اور مشقت میں ہیں تو اب کیا کیا جائے، یعنی ستر قبریں کھودنا بڑا مشکل کام ہے تو اس پر آپ نے فرمایا کہ قبریں خوب گہری اور وسیع کھود لو اور دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفنا دو، ہشام کہتے ہیں کہ میرے باپ عامر بھی اس روز شہید ہو گئے تھے جن کو دو کے درمیان دفنایا گیا تھا یا ایک کے ساتھ۔ اور نسائی کی روایت میں ہے فکان ابی ثالث ثلاثہ فی قبر بغیر شک کے، یعنی جس قبر میں میرے والد دفنائے گئے تھے تو اس میں دو ان کے علاوہ تھے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی تسویۃ القبر

عن ابی ہشاج الاسدی قال بعثنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لی ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لا ادع قبرا مشرفا الا سویتہ ولا تمثالا الا طستہ۔

ابو ہشاج اسدی کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں جس کام کے لئے مجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا اور پھر آگے وہ کام بتلایا کہ کیا ہے کہ نہ چھوڑوں میں کسی قبر کو جو اونچی ہو مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں یعنی زمین کے۔ مراد قریب ہے۔ اور نہ چھوڑوں کسی تصویر کو مگر یہ کہ اسکو مٹا ڈالوں، اس حدیث میں ارتفاع قبر سے روکا گیا ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ بنائی جائے، یہ امر تو جمع علیہ ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ ہونی چاہیے، زمین کے قریب رفیع لیسیر کے ساتھ ہونی چاہیے، قال النووی یرفع نحو شبر۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ تسویۃ القبر ہے جیسا کہ ترجمۃ الیاب میں ہے، اب یہ کہ تسویہ سے کیا مراد ہے؟ جہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدم الرفع الزائد ہے کہ زائد اونچی نہ ہو، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد تسطیح ہے، یعنی قبر کو مسطح بنانا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قبر میں تسنیم اولیٰ ہے یا تسطیح؟ ائمہ ثلاث ومنہم الخنفیۃ تسنیم قبر کے قائل ہیں یعنی قبر مستقیم اور کوہان نما ہونی چاہیے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبر کا مسطح ہونا اولیٰ ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں روایات مختلف ہیں، — ہادیہ میں ہے: وسم القبر ولا یسطح ای لا یربع، لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن ترہیع القبور، ومن شاهد قبرہ اجرانہ مستقیم یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ مستقیم ہے، قال الحافظ فی الدراریۃ: ویعارضہ ما روی من عدۃ طرق من انہا کانت مسطحۃ، ثم قال، وجمع بینہما الحاکم باہنہا کانت اولاً کذا لک ای مسطحۃ ثم لما سقط الہجاء سمت، یعنی حاکم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں اختلاف روایات میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ شروع میں تو وہ مسطح ہی تھی (لما قال الشافعی) پھر جب کسی زمانہ میں (فی خلافتہ ولید بن عبد الملک و فی امارة عمر بن عبد العزیز) حجرہ شریفہ کی دیوار

ساقط ہو گئی تھی تو اس وقت اس کو مستم بنادیا گیا تھا، قلت واخرج البخاری فی صحیحہ عن سفیان التمار انہ رأى قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مستماہ (عون)
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

کناعند فضالۃ بن عبید بروذس بارض الروم الخ۔
ابوعلی ہمدانی کہتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے مقام روزس میں جو ملک روم میں ہے، ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا تو حضرت فضالہ نے ان کے لئے قبر بنوائی جس کو زمین سے زیادہ اونچا نہیں رکھا گیا (علی قول الجمهور) یا مسطح بنایا گیا غیر مستم اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ اسی کا حکم فرماتے تھے۔

آگے مصنف فرماتے ہیں کہ روزس ایک جزیرہ ہے بحر روم میں، روزس کے ضبط میں بھی کافی اختلاف ہے کہ بضم الرار ہے یا بفتح الرار، نیز واد کے بعد دال مہملہ ہے یا ذال مجہ، ویسے یہ وہی جگہ ہے جو "روڈس" کے ساتھ مشہور ہے یورپ کے علاقہ میں۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

عن القاسم قال دخلت علی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا أمہ! إکشفی لی عن قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وصاحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور لا مشرقیۃ ولا لاطنیۃ مبطوحۃ ببطحاء العرصۃ الحمراء۔

شرح الحدیث حضرت عائشہ کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عائشہ کے یہاں گیا (اور چونکہ ان ہی کے حجرہ شریفہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کی قبریں ہیں جن کی طرف پردہ پڑا رہتا تھا) اور ان سے عرض کیا کہ اماں جی! مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبریں کھول کر دکھلا دیجئے، انہوں نے پردہ ہٹا دیا تو میں نے تین قبریں ایسی دیکھیں جو نہ اونچی تھیں نہ بالکل زمین سے لگی ہوئی تھیں، جن پر مقام عرصہ کی سرخ کنکریاں بکھی ہوئی تھیں مبطوحہ بمعنی مفروشہ، اور عرصہ جگہ کا نام ہے، اور بطحاء بمعنی حصیاء اور الحمراء بطحار کی صفت ہے۔

قال ابوعلی: یقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقدم وابوبکر عند رأسہ وعمر عند رجليہ، رأسہ عند رجلي رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

لہ یہ تو اس زمانہ کی بات ہے کہ قبور کی جانب ایک پردہ پڑا ہوا تھا بعد میں اس حجرہ شریفہ میں مختلف زمانوں میں تعمیری تغیرات ہوتے رہے سقوط طائف کا بھی قصہ پیش آیا جس کا ذکر صحیح بخاری ص ۱۸۶ میں بھی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان قبور ثلاثہ کے ارد گرد اونچی دیوار سے احاطہ کرا دیا تھا اب تو ان قبور تک پہنچنا بھی ممکن نہیں رہا۔

یعنی ایسے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر صدیق اکبر کے قدین کے محاذہ میں ہے، لہذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا فرغ من دفن

المیت وقف علیہ فقال استغفروا لہ بالثبیت فانہ الان یُسئل

تدفین کے بعد میت کیلئے دعا کرنا | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر پر تھوڑی دیر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کیلئے

استغفار اور تثبیت کی دعا کرو اس لئے کہ اس سے اس وقت سوال کیا جائے گا، تثبیت کی دعا کرو۔ یہ اشارہ ہے

اس آیت کریمہ کی طرف، "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة" قول ثابت سے

مراد کلمہ توحید ہے، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور تدفین جنت البقیع

میں اہل بیت کے قریب، دفن کے وقت مسجد نبوی کے کئی ائمہ بھی موجود تھے، دفن سے فراغت کے بعد امام مسجد نبوی

شیخ عبداللہ خزروش رحمہ اللہ تعالیٰ جو قبر کے کنارہ پر اخیر تک بیٹھے رہے تھے انہوں نے رفع یدین کے ساتھ جہر شیخ

کے لئے دعا کرائی تھی، اور باقی ائمہ البقیع کے دروازہ پر کھڑے تھے اور ملنے والوں سے تعزیتی جملے استعمال کر رہے

تھے، اور اسی طرح حضرت شیخ کی اہلیہ مہرہ، والدہ مولانا طلحہ جن کا انتقال نظام الدین دہلی میں ہوا تھا اور مسجد

کے عقب میں تدفین ہوئی، تدفین کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا افتخار الحسن صاحب کا ندھلوی

تھوڑی دیر وہاں قبر پر رک گئے اور دوسرے لوگ بھی، اور حضرت جی نے مولانا افتخار صاحب سے استمراج کے بعد

رفع یدین کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دعا کرائی۔ یغفر لہم۔

باب کراہیۃ الذبح عند القبر

عن النسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یعقر فی الاسلام۔
یہ وہی حدیث ہے جس کا حوالہ ہم نے کتاب الاضحیہ میں دیا ہے۔ نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معارفۃ
الاعراب الحدیث کے ذیل میں دیا تھا۔

شرح الحدیث | اس حدیث کی تفسیر خود کتاب میں راوی کی جانب سے مذکور ہے۔ کالوا یعقرون عند القبر یعنی
زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ کسی بڑے آدمی سخی کی قبر پر کوئی جانور ذبح کر کے چھوڑ دیتے تھے
گائے وغیرہ ضیافتِ سباع و طیور کی نیت سے، کہ جس طرح یہ لوگوں کی اپنی زندگی میں مہمانی کرتا تھا اسی طرح
اس کے مرنے کے بعد بھی ہم اس کی طرف سے جانوروں کی ضیافت کا انتظام کریں، اور بعض اس نیت سے ذبح کرتے
تھے جو ان میں سے بعث کے قائل تھے تاکہ اس صاحب قبر کا حشر اس جانور پر سوار ہو کر ہو قیامت کے دن، والا
فیبعث راجلاً، یعنی اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو اس کو پیدل اٹھ کر جانا پڑے گا، اسی رسم جاہلیت کی تردید میں آپ
فرما رہے ہیں، لا یعقر فی الاسلام، کتاب الاضحیہ میں ایک اور حدیث گزری ہے، نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
عن شریطۃ الشیطان، یہ حدیث بھی چونکہ ذبح سے متعلق ہے اس لئے ہم نے اس پر تنبیہ کر دی تاکہ طلبہ کے ذہن میں
رہیں یہ حدیثیں اور امتحان دینے میں سہولت ہو۔

باب الصلۃ علی القبر بعد حین

اور اس سے پہلے بھی ایک باب گزرا ہے، باب الصلۃ علی القبر یہاں، بعد حین، کی قید ہے۔

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج یوماً فاضلی
علی اہل اُحد صلاۃ علی المیت ثمر انصرف۔

یعنی آپ نے ایک مرتبہ شہدار اُحد کی قبور پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی پڑھی جاتی ہے، اور اس کے
بعد دوسری روایت میں ہے کہ یہ نماز آپ نے آٹھ سال بعد پڑھی تھی گویا سالہ میں۔

اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں، باب الشہید یغسل، میں صلاۃ علی الشہید کی بحث میں گذر چکا، آگے روایت
میں یہ ہے کالمودع للاحیاء والاموات یعنی آپ کا یہ شہدار اُحد کی نماز پڑھنا اتنی مدت کے بعد اور اپنے زمانہ وفات
کے قریب بطور تودیع و رخصت کے تھا، احیاء کی تودیع بھی اور اموات کی تودیع بھی، احیاء کی تودیع تو آپ نے
حجۃ الوداع میں بار بار فرمائی بقولہ خذوا عنی مناسککم لعلی لا اراکم بعد عامی هذا، حجۃ الوداع میں متعدد مقامات پر

آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، یہ تو ہونی تو دیعِ احیاء، اور یہ شہداء احد کی قبر پر نماز اس کو اموات کی تو دیع سمجھ لیجئے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قال المنذری۔

باب فی البناء علی القبر

نهى ان يقعد على القبر وان يقصص ويبنى عليه۔

شرح الحدیث یعنی منع فرمایا ہے آپ نے قبر پر بیٹھنے کو۔ اس لئے کہ اس میں حق مسلم کا استحقاق ہے اور ترک حرمت ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جلوس عند القبر للحداد ہے، یعنی سوگ منانے کے لئے وہیں بیٹھا رہے وہاں سے نہ بیٹھے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جلوس للتقوٰۃ والحدیث ہے، یعنی قبر پر بیٹھ کر استیجار کرنا۔ یہ امام مالک کی طرف منسوب ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ مطلق جلوس تو مکروہ تنزیہی ہے، اور لاجل انفا حرام، امام طحاوی سے بھی اس حدیث کے معنی میں قعود لاجل الحدیث ہی مروی ہے۔

آگے حدیث میں ہے کہ آپ نے تقصیص قبر سے بھی منع فرمایا ہے، تقصیص بمعنی تجصیص، حصّ یعنی نذرہ اور قصّہ ایک ہی چیز ہے، یعنی قبر کو چونے سے پختہ بنانا، قال الترمذی بعد تخریج الحدیث: وقد رخص بعض اهل العلم منهم الحسن البصری فی تطیین القبور، وقال الشافعی: لا بأس ان یطین القبر، حاشیہ کو کب میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح ممانعت تجصیص قبر کی ہے تطیین قبر کی نہیں فقہی شرح السراج للترمذی عن البرجدی: ینبغی ان لا یجصص القبر واما تطیینہ ففی الفتاوی المنصوریۃ لا بأس به خلافا لما یقولہ الکرخی، وفی المصنعات: المختار انه لا یکرہ اھ یعنی گارہ سے اگر قبر کی لپائی کر دی جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں تاکہ قبر کی مٹی جمی رہے، ہوا اور سیول سے ضائع نہ ہو اور تیسری چیز حدیث میں بنا علی القبر کی ممانعت ہے، بذل میں لکھا ہے نقلا عن القاری کہ ہنی عن البناء کراہت کے لئے ہے بشرطیکہ وہ مقبرہ اپنی ملک ہو، اور اگر مقبرہ موقوف ہے تو اس میں حرمت کیلئے، تو رپشتی کہتے ہیں کہ بناء علی القبر میں دوسری کا احتمال ہے یا تو یہ کہ پتھر وغیرہ سے اس پر چٹائی کی جائے، دوسرا یہ کہ قبر پر خیمہ قائم کیا جائے اور یہ دونوں ممنوع ہیں لعدم الفائدة فیہ۔

لہ فی الکوکب قال بعضهم هو ای الجلوس علی ظاہرہ، وقال الطحاوی ان الامام لم یکرہ الجلوس مطلقا بل ہو کناہ عن قضاء الحاجۃ وقال هو المکرہ عندنا لا الجلوس بمخاض المشہور اھ وفی هامشہ: «وافقہ مالک فقال فی الموطا المراد بالوقوف الحدیث، وقال النوزی هذا تاویل ضعیف ادا باطل، والصواب ان المراد بالوقوف الجلوس وهو مذہب الشافعی وجمهور العلماء، ولتعب بان ما قالہ مالک ثبت مرفوعا عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال انما ہنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الجلوس علی القبر لحدیث: فانط اوبول، اخرجه الطحاوی۔ اس کے بعد پھر اذہار سے نقل کیا ہے کہ اولی یہ ہے کہ دونوں ہی کو ممنوع قرار دیا جائے، جلوس لحدیث کو تحریم کے لئے اور مطلق جلوس کو تنزیہ کیلئے دہذا تفصیل حسن قالہ ابواطب

قال عثمان: اویزاد علیہ۔ یعنی اس جملہ کی زیادتی عثمان کی روایت میں ہے مسدّد کی روایت میں نہیں، اس جملہ کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ رفع قبر میں زیادتی کرنا مقدار شبر سے، اودان یکتب علیہ یعنی کسی پتھر وغیرہ پر میت کا نام یا اور کوئی چیز اشتر رسول کا نام برائے برکت لکھ کر اس کو وہاں نصب کرنا مناسب نہیں، قال ابو الطیب السدی فی شرح الترمذی: یحتمل الہنی عن الکتابہ مطلقا لکتابۃ اسم صاحب القبر و تاریخ وفاته، او کتابۃ شیء من القرآن واسماء اللہ تعالیٰ و نحو ذلک للبرکۃ لاحتمال ان یوطا اذ یسقط علی الارض فیہیہ تحت الارجل اھ حاشیہ ترمذی میں بھی یہی لکھا ہے کہ علت منع بے حُرّتی کا خوف ہے لکن ایول علیہ کلب او غیرہ۔ ————— والحیث اخر مجملہم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحوہ

قاتل الله اليهود واتخذوا قبور انبيائهم مساجد۔

شرح الحديث یعنی اللہ تعالیٰ ناس کرے ان یہود کا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنایا۔ یا تو واقعہ قبر پر مسجد بنانا مراد ہے اس لئے کہ جب قبر پر مسجد بنائی جائے گی تو قبر مسجد کے اندر ہو جائے گی جس سے صلاۃ الی القبر لازم آئے گا، اور یہ کہ بناؤں مساجد سے مراد ہی یہ ہے قبور انبیاء کی طرف نماز پڑھنا والمصنف حمل الحدیث علی المعنی الاول کما یظهر من الترجمة کتیب فی البذل؛ لعنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی ذلک لانہ یشاہد عبادة الاصنام اھ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور اس میں یہود کے بعد و النصارى کی زیادتی ہے، اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء نصاریٰ کی قبر زمین پر کہاں ہے؟ اس کا جواب دیا گیا کہ ایک روایت میں قبور انبیاء ہم کے بعد و صالحیم کی زیادتی ہے، اس زیادتی سے اشکال حل ہو جاتا ہے، انبیاء کا تعلق یہود سے ہو جائے گا اور صالحین کا تعلق نصاریٰ سے۔ و الحدیث اخرہ البخاری و مسلم و النسائی، قال المنذرى۔

باب فی کراهیۃ القعود علی القبر

لائی بیجلس احدکم علی جہۃ النہ۔ البتہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص چنگاری پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور اس کا ضرر اس کی کھال تک پہنچے یہ بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھ، یعنی انجام اخروی کے اعتبار سے۔
آخر صلی وسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

ان کی بے جا تعظیم، افراط اور تفریط دونوں سے بچئے۔ جلوس علی القبر پر کلام گذشتہ باب میں گزر گیا۔

آخر جہ مسلم والترمدی، والنسائی، قال المنذری۔

مع قلت وفي الترمذي رحمه الله عن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتحدين عليها المساجد. وفي حديث الباب اتخذوا قبورا نبيا هم مساجد فنهبا امر ان اتخاذ المسجدين على القبر ومعناه ظاهر الامر الثاني اتخاذ القبر مسجداً وبه يتكلم معينين ان يسجد لله تعالى متوجهاً الى القبر تغليظاً للقبر بحيث يجعله قبلة. والثاني ان يسجد للقبر فالاول شرك خفي والثاني شرك جلي كذا يستفاد من الشرح.

باب المشی بین القبور فی النعل

امام احمد کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا مکروہ ہے، اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک نعل سبستی پہن کر چلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں جو نکیر وارد ہے وہ سبستی جوتوں پر ہی ہے، اور جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا بلا کراہت جائز ہے، مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں حدیث اول سے جنابہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور حدیث ثانی سے جمہور کے مسلک کی یعنی جواز۔

قال بیسما انا اماشی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقبور المشرکین فقال لقد سبق هؤلاء خیرا

کثیرا ثلاثا ثم یقبور المسلمین فقال لقد ادرك هؤلاء خیرا کثیرا

بشیر بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ آپ کا گزر بعض قبور مشرکین پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ خیر کثیر کو اپنے پیچھے چھوڑ کر اس سے آگے نکل کر چلے گئے، یعنی اسکو نہیں حاصل کر سکے یہ بات آپ نے تین بار فرمائی، پھر آپ کا گزر بعض قبور مسلمین پر ہوا ان پر آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خیر کثیر کو پایا ہے، پھر اچانک آپ کی نظر ایک ایک ایسے شخص پر پڑی جو قبرستان میں جوتے پہنے ہوئے چل رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا یا صاحب السببیتین اپنے سبستی جوتے اتار دے تیرا ناس ہو اس نے جب دیکھا کہ کہنے والے آپ ہیں فوراً اتار کر پھینک دیئے۔ اخرجه النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ - یعنی آپ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر کے اس کے متعلقین و ایس لوگ ہوتے ہیں انہ لیسمع قرع نعالمحکم وہ میت قبر میں ہوتے ہوئے ان کے جوتوں کے کھٹ کھٹ کی آواز سنتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشی بین القبور فی النعل جائز ہے مگر ماہو مذہب الجمہور، اور پہلی حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے کئی طرح دیا گیا ہے، اول یہ کہ وہ بیان اولویت پر محمول ہے اور یہ بیان جواز پر، یا یہ کہ اس حدیث میں ہنہی خیلا رکھی وجہ سے تھی کہ وہ شخص سبستی جوتے پہن کر اترتا ہوا چل رہا تھا، اس زمانہ میں سبستی جوتے عمدہ شمار ہوتے تھے یعنی چرمی جوتے صاف جن پر بال نہ ہوں، یا یہ کہ وہاں پر ہنہی لاجل القدر تھی، یعنی اس کے جوتوں کو ناپاکی لگ رہی ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المستذری۔

باب فی تحویل المیت من موضعہ للامر یحدث

اس سے پہلے باب گذر چکا ہے "باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض" ولقد مہناک بیان الفرق بین الترجمتین۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال دفن مع ابی رجل فکان فی نفسی من ذلک حاجة۔
حضرت جابر فرما رہے ہیں کہ میرے والد جو کہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور میت بھی
دفن کی گئی تھی ایک ہی قبر میں، وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کا احساس تھا (یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے
والد اپنی قبر میں تنہا ہوں) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی نعش کو قبر کھود کر نکالا چھ ماہ کے بعد، تو میں نے ان کے
جسم میں کوئی تغیر نہیں پایا سوائے ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے جو زمین سے مل رہے تھے۔
اس حدیث میں تحویل میت بعد الدفن مذکور ہے، اس میں مذاہب وغیرہ پہلے باب میں گذر چکے۔

باب فی الثناء علی المیت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرنا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بجنائزۃ
فانتوا علیہا خیرا فقال وجبت، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے
حاضرین نے اس میت کی بھلائی بیان کی آپ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہو چکی، پھر کسی دوسرے وقت
ایک دوسرا جنازہ آپ پر کو گذر لوگوں نے اس کا شر ہونا بیان کیا آپ نے فرمایا اس کے لئے جہنم واجب ہو چکی، پھر
آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کے حق میں گواہ ہیں۔ یعنی ایسے گواہ جن کی گواہی
عند اللہ معتبر ہے، اور صحیحین کی روایت میں ہے، "انتم شہداء اللہ فی الارض" وفی روایۃ: المؤمنون شہداء اللہ فی الارض،
اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ انتم سے مراد یا تو صحابہ کرام ہیں یا مؤمنین (صحابہ ہوں یا غیر صحابہ) وہ
فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جنازہ کے بارے میں جو شہادت دی تھی اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان
شاہدین (گواہوں) کا تزکیہ فرمایا تو اب ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام جیسوں کی شہادت ہو اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
جیسا شخص ان گواہوں کا تزکیہ کر رہا ہو تو یقیناً اس کا نفع اور اثر مشہودہ کے حق میں ظاہر ہونا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیانت دار اور نیک لوگوں کی گواہی کسی میت کے بارے میں خیر یا شر کی وہ عند اللہ تعالیٰ معتبر
ہے اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ مؤمنین کی شہادت کی لاج رکھتے ہیں مگر خالص دنیا دار قسم کے لوگوں کی
شہادت مراد نہیں ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ نے ایک جنازہ کی
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تعریف فرمائی، کچھ دیر بعد جبریل آکے پاس تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا
یا محمد ان صاحبکم لیس کما یقولون الخ یعنی یہ میت ایسا نہیں جیسا یہ لوگ اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس لئے
کہ اس کی ظاہری حالت کچھ تھی اور باطنی کچھ اور، ولكن اللہ صدقہم فیما یقولون وغفر لہم ما لایعلمون، یعنی جو بھلائی واقعی
اس میت میں تھی جس کو صحابہ نے بیان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی میں صحابہ کرام کی تصدیق فرماتے ہوئے، اور جس

چیز کی ان کو خبر نہیں تھی اس کو معاف کرتے ہوئے اس کے ساتھ شہادت کے مطابق معاملہ فرمایا (بذل) زبان خلق کو تقارہ خدا سمجھو، یعنی جس کو سبھی اچھا کہتے ہوں تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ اچھا ہی ہے، یا کم از کم اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھوں والا معاملہ فرماتے ہیں۔

والحیثیث اخرجه النسائی، وقد اخرجه البخاری ومسلم والنسائی من حدیث ثابت البنانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالہ للذکر

باب فی زیارة القبور

اس سلسلہ میں مصنف نے دو باب قائم کئے، یہ پہلا باب فی حق الرجال ہے، دوسرا باب فی حق النساء، اس پہلے باب میں ہے آپ فرما رہے ہیں، نہایت کھ عن زیارة القبور فزور وہا فان فی زیارتھا تذکرة، یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سب کو قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ وہاں جایا کرو اس لئے کہ زیارت قبور میں اپنی موت اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں ناسخ اور منسوخ دونوں جمع ہیں، پہلے زیارت قبور ممنوع تھی بعد میں آپ نے اس کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب فرمائی، اور یہ دونوں باتیں خود اسی ایک حدیث میں جمع ہیں، اس حدیث کی شرح میں عام طور سے شرح نے زیارة قبور للرجال کے بارے میں علماء کا اجماع جواز پر لکھا ہے لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے جو آگے آئے گا، لیکن عورتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس اجازت میں وہ بھی داخل ہیں یا نہیں؟ عند الجمهور ومنہم الشافعی و مالک عورتیں بھی اس میں داخل ہیں، حنفیہ کا اصح قول بھی یہی ہے للعائز دون الشواب وان قیل بالجواز مطلقا ایضا وسیاتی للزید علیہ، امام احمد کی اس میں دو روایتیں ہیں مصنف نے زیارة النساء کا الگ مستقل باب قائم کر کے اس میں جو حدیث ذکر کر کے ہے وہ منع

کی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زائرات القبور والمتخذین انہ مصنف کا میلان عدم جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، وفي الاوجز ۳۵۳ قال لحافظ قال النووی تبعاً للعبدی والحازمی وغیرہما: اتفقوا علی ان زیارة القبور للرجال جائزة۔ کذا اطلقوا۔ وفيہ نظر، حافظ کہتے ہیں کہ اس میں مردوں کے حق میں بھی اختلاف مردی

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن سیرین ابراہیم نخعی اور شعبی سے کراہت مردی ہے قال لحافظ وکان ہولاء لم یبلغنہم الناسخ، اور اس کے بالمقابل ابن حزم کے نزدیک زیارة قبور واجب ہے اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ ہو، وفي الشرح الکبیر من فروع المالکیۃ۔ جاز زیارة القبور بل ہی مندوبہ بلا حد ہیوم او مقدار ما یمکن عندہا، قال الدسوقی: ذکر فی المدخل فی زیارة المنسار للقبور ثلاثۃ اقوال المتنوع والجواز بشرط الستر والتحفظ والثالث الفرق بین المتجالد والشابۃ اھ وفي الدر المختار لا بأس بزیارة القبور ولو للنسار، قال ابن عابدین قولہ لا بأس بل تندب کما فی البحر، وقولہ لو للنسار قبل تحرم علیہن والاصح ان الرخصة ثابتہ، وجرم فی شرح المنیۃ بالکراہۃ، وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکا علی ما جرت بہ

عادتمن فلا تجوز، وعليه حمل حديث اللعن، وان كان للاعتبار والترحم فلا بأس اذا كن عجائز، ويكره اذا كن شواب
 كحضور الجماعة في المسجد، قال ابن عابدين: وهو توفيق حسن اھ حضرت سہارنپوری نے بذل میں عورتوں کے حق میں جوازی
 کو ترجیح دی ہے بشرط ارتفاع موانع مثلاً جزع فرع التبرج بزینہ اور اضاغت حتی زوجیت وغیرہ، بعض روایات
 کی بنا پر چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے
 عرض کیا کہ میں زیارت قبور کے وقت کون سی دعا پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا قوی السلام علی اہل الدیار من المؤمنین
 والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستأخرین وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون، اور ایسے ہی حاکم کی روایت ہے
 کہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت ہر جمعہ
 کو کرتی تھیں فقہی تبکی عنده حضرت فرماتے ہیں کہ زیارت قبور کی علت حدیث میں تذکر موت بیان کی گئی ہے
 اور اس کی ضرورت بھی کو ہے مردوں اور عورتوں دونوں کو۔

نیز جانتا چاہیے کہ یہ گفتگو زیارت قبور للنساء کے بارے میں ہے اور اتباع النساء الجناز کے بارے میں نہیں
 (عورتوں کا جنازہ کیساتھ قبرستان میں جانا) وہ جائز نہیں وقد تقدم باب اتباع النساء الجناز۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، وحدیث بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه مسلم
 والنسائی بخوہ، قال المنذری۔

باب ما یقول اذا مر بالقبور

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج الى المقبرۃ فقال
 السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

اس دعا میں ان شاء اللہ پر شرح نے کلام کیا ہے کہ یہ استثناء شک کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ موت
 تو یقینی ہے بلکہ یہ لفظ متکلم تحسین کلام کے طور پر — ذکر کرتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ جب قبرستان میں
 داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ مؤمنین صادقین بھی تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو متہم بالنفاق تھے تو یہ استثناء
 ان ہی کے لحاظ سے ہے تو گویا یہ لفظ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ان کے ایمان کی توقع پر لایا گیا، اور کہا
 گیا ہے کہ یہ استثناء نفس موت کے اعتبار سے نہیں بلکہ موت علی الایمان کے اعتبار سے ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ
 ہم بھی ایمان پر خاتمہ کے بعد تمہارے ہی ساتھ آکر شامل ہو جائیں گے۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب کیف یصنع بالمحرم اذا مات

یعنی اگر کسی شخص کا حالت احرام میں انتقال ہو جائے تو اب اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا یا غیر محرم جیسا؟ شافعیہ و حنابلہ ظاہر یہ کہ نزدیک اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا، یعنی عدم تطہیب اور عدم تحمیر رأس یعنی کفن سے اس کا سر کھلا رکھا جائے گا اور خوشبو بھی اس کے قریب نہیں لائی جائے گی، ان دونوں اماموں کا استدلال حدیث النبائے سے ہے جس کا مضمون یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کی گردن کو اس کی سواری نے توڑ دیا تھا، یعنی سواری پر سے گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور انتقال ہو گیا تھا جبکہ وہ حالت احرام میں تھا، آپ نے فرمایا اس کو اسی کے احرام کے دونوں کپڑوں میں کفنا دو اور غسل دو اور اس کے سر کو مت ڈھانپنا۔ فان الله يبعثه يوم القيامة يلبی کہ شخص قیامت کے دن تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا یعنی حالت احرام میں۔

حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے کہ احرام ایک عمل ہے اور موت سے تمام ہی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشہور حدیث سے ثابت ہے، رہی یہ حدیث سو یہ محمول ہے خاص اسی شخص کے حق میں، اور دلیل خصوصیت آپ کا یہ قول فانہ یبعث یدلبی ہے، کسی اور محرم کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ انہ یبعث یدلبی یہ تو اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس حدیث کو مصنف تو لائے ہیں کتاب الجنائز میں اور امام ترمذی کتاب الحج میں اور امام بخاری دونوں جگہ۔

والحدیث اخرہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

بحمد اللہ کتاب الجنائز پوری ہو گئی اور اس کا خاتمہ بھی ماشاء اللہ تعالیٰ ایسی حدیث پر ہوا جس میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت ہے جو کچھ لکھا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ بالآخر فرمائے۔ آمین۔

اخر کتاب الجنائز

لہ اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا عن ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعوه، قال الترمذی و ابو داؤد و النسائی فی الوصایا و الترمذی فی الاحکام۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَوَّلُ كِتَابِ الْإِيمَانِ وَالنَّذْرِ

مباحث اربعہ علمیہ مفیدہ | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) ایمان اور نذر دونوں کو یکجا ذکر کرنے کی وجہ یعنی ان دونوں کے درمیان مناسبت اور وجہ الحج

(۳) یمین اور نذر ہر ایک کے لغوی اور شرعی معنی (۴) یمین و نذر کے اقسام و احکام۔
بحث اول :- اس کتاب کی مناسبت کتاب الجنازہ سے اس طور پر ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جنازہ کا تعلق موت سے ہے تو جس طرح موت کے اندر سلب اختیار ہوتا ہے من جانب اللہ تعالیٰ تو اسی طرح یمین بھی سلب اختیار کا ایک سبب ہے اس لئے کہ نذر اور یمین کی وجہ سے ام مباح شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اور کسی چیز کے واجب ہو جانے کے بعد اس کے ترک کا اختیار باقی نہ رہنا ظاہر ہے۔

بحث ثانی :- اس کے بعد جاننا چاہیے کہ عام طور سے کتب حدیث میں ایمان اور نذر دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہاں ابو داؤد میں، اور اسی طرح صحیح بخاری ترمذی اور نسائی میں، جس کی وجہ امام ابن ماجہ کے طرز سے معلوم ہوتی کہ انہوں نے اپنی سنن میں ایک عنوان قائم کیا، ابواب الکفارات، اور پھر اس کے تحت آدلا چمت ابواب ایمان سے متعلق اور اس کے بعد پھر چند ابواب نذر سے متعلق - ذکر کئے ان کے اس صنیع سے ایمان و نذر کو یکجا جمع کرنے کی لم معلوم ہوئی، وہ یہ کہ یہ دونوں حکم کفارہ میں مشترک ہیں، تو جس طرح بعض ایمان کے احکام میں وجوب کفارہ ہے اسی طرح نذر کی بعض صورتوں میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے، ابو داؤد میں آگے ایک حدیث آرہی ہے، کفارة النذر کفارة الیمین، اور ترمذی میں ہے کفارة النذر اذا لم یسم کفارة الیمین، اور اس کی وجہ اصولاً یہ ہے کہ یمین نذر کے موجبات اور لوازم میں سے ہے لان النذر ایجاب المباح وهو یستلزم تحريم الحلال، و تحريم الحلال یمین، بدلیل قولہ تعالیٰ "یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک" قالہ الشیخ الدھلوی فی اللغات، کمافی حاشیہ ابن ماجہ۔

بحث ثالث :- ایمان جمع ہے یمین کی اور یمین کے لغوی معنی ہیں ید کے، داہنا ہاتھ۔ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا حلف پر، لانہم کالوا اذا اتوا الفواخذ کل یمین صاحبہ، یعنی لوگوں کی عادت ہے - کہ جب وہ آپس میں قسمیں کھاتے ہیں تو اس وقت ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملا تا ہے، اس مناسبت سے حلف پر یمین کا اطلاق ہونے لگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ کا کام کسی چیز کو محفوظ رکھنا ہے، پھر اس کا اطلاق حلف پر اسی لئے کیا گیا کہ مخلوق علیہ کی آدمی رعایت اور حفاظت کرتا ہے، اور یمین کی شرعاً یہ تعریف کی گئی ہے تو کنید شیء بذکر اسم

او صفیہ اللہ تعالیٰ، کہ کسی چیز کو مضبوط اور مؤکد کرنا اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت ذکر کر کے، قال الحافظ: وهذا اخضر التعریف واقر بہا۔

نذور جمع ہے نذر کی جس کے معنی ہیں انذار اور تحویف، اور امام راغب نے اس کی تعریف (شرعاً) اس طرح کی ہے ایجاب بالیس بواجب لحدوث امر، یعنی انسان کا اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو واجب قرار دے دینا جو اس پر واجب نہ تھی کسی امر کے پائے جانے کے وقت، جیسے یوں کہے ان فزرت فی الاختبار فعلی صوم کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گیا تو میرے ذمہ ایک روزہ ہے، یہاں پر صوم کو جو غیر واجب تھا اپنے اوپر واجب کیا گیا ہے حدوث امر یعنی فوز فی الامتحان پائے جانے پر۔

بحث رابع: حاشیہ لامع میں حضرت شیخ نے ایمان اور نذور کے اقسام ذکر کئے ہیں، اور الابواب التراجم میں مجملایہ لکھا ہے: فالاول علی خمسۃ انواع، والثانی علی سبعة انواع ایمان کی تین قسمیں بہت مشہور ہیں، یثین معتقدہ، یثین الغموس، یثین اللغو، اگے ابوداؤد میں ایک مستقل باب آرہا ہے باب لغو الیمین، ان اقسام کو مع ان کے احکام کے انتشار اللہ تعالیٰ وہاں بیان کیا جائے گا۔

باب التغلیظ فی الیمین الفاجرة

اس باب میں یمین غموس کا ذکر ہے اور آئندہ آنے والے باب میں بھی، فاجرة بمعنی کاذبہ، یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں جو وعید آئی ہے، یمین غموس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی امر ماضی پر قصد خلاف واقع قسم کھائی جائے، جیسے یوں کہے کہ واللہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ اس نے نہیں کیا، یا جیسے کسی دوسرے کے مال کے بارے میں یہ قسم کھائے کہ یہ میری ملک ہے، یمین غموس کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے صاحب کو گناہ کے اندر ڈبو دیتی ہے اور پھر بعد میں جہنم میں۔

یمین غموس میں وجوب کفارہ ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں جہور علماء کے نزدیک کفارہ نہیں، صرف معصیت اور اثم ہے، اور امام شافعی اور اوزاعی کے نزدیک

اسمیں کفارہ واجب ہوتا ہے، جہور کہتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی، اور جو لوگ وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں انہ ائحوج الی الکفارة من غیرہ، کہ اس میں تو کفارہ کی اور زیادہ حاجت ہے،

من حلف علی یمین مصبورة کاذباً فلیتوبأ یوجہہ مقعداً من النار

یمین مصبورة اس قسم کو کہا جاتا ہے جو آدمی کو قاضی کی مجلس میں روک کر اس سے لی جائے۔ صغیر بمعنی جنس اس کو یمین صبر بھی کہتے ہیں، اور یمین کی صفت مصبورة مجاز الائی گئی ہے، مصبور تو فی الواقع وہ صاحب یمین ہے مگر چونکہ اس کو اس قسم کی وجہ سے روکا گیا ہے اس لئے صبر کی نسبت یمین ہی کی طرف کی گئی مجازاً و اتساعاً (خطابی)

آپ فرما رہے ہیں کہ جو شخص قاضی کی مجلس میں جھوٹی قسم کھائے اس کو اپنے ٹھکانے پر جو جہنم میں ہے چلا جانا چاہیے اس میں آپ نے سوائے اس وعید کے کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا اس سے جمہور کی تائید ہوتی ہے یعنی عدم وجوب کفارہ فی الیمین الغموس۔

باب فی من حلف لیقتطع بہامالا

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فقال الاشعث فی واللہ کان ذلک، کان ببینی و بین رجل من الیہود ارضاً -

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے حال یہ کہ وہ اُس میں جھوٹا ہو، اور کھائے اسلئے تاکہ اس قسم کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے مال کو خود قبضہ لے تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوں گے۔ — اشعث بن قیس کنندی نے یہ حدیث سن کر کہا: واللہ اس حدیث کا ورد تو میرے قصہ میں ہوا تھا، پھر آگے انہوں نے وہ قصہ بیان کیا کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین تھی، یعنی جس پر وہ یہودی قابض تھا جس کے دینے سے وہ انکار کرتا تھا، میں اس یہودی کو پکڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اشعث کہتے ہیں: حضور نے مجھ سے پوچھا کیا تیرے پاس بیٹہ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو جھوٹا آدمی ہے قسم کھالے گا اور میرا مال اڑائے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ان الذین یشرکون بعہد اللہ وایماہنم ثمنا قلیلا۔ الی آخر الآیۃ۔

یہ آیت اور حدیث دونوں اس پر بات پر دلالت کرتے ہیں کہ علماء کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔

عن الاشعث بن قیس ان رجلا من کندہ ورجلا من حضرموت اختصما الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فی ارض من الیمن فقال الحضرمی یا رسول اللہ ان ارضی اغتصبہا ابوہذا وہی فی یدہ۔

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یمین میں ایک زمین تھی جس کے بارے میں ایک رجل کنندی اور رجل حضرمی کا اختلاف اور جھگڑا ہوا، حضرمی مدعی تھا اور کنندی مدعی علیہ، حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کنندی کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ میری ہے اس کنندی کے باپ نے وہ زمین مجھ سے چھینی تھی، آپ نے حضرمی سے فرمایا: تیرے پاس بیٹہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، اور یہ بھی کہا کہ میں اس کنندی سے اس طرح قسم کھلوانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی قسم میں یوں کہے: واللہ میں نہیں جانتا ہوں یہ بات کہ یہ زمین حضرمی کی ہے اور اس حضرمی سے میرے باپ نے غضب کی تھی اس پر کنندی اس طرح قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے جھوٹی قسم کھانے پر تحریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا مال لے لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے

اس حال میں ملاقات کریگا کہ اجزم ہوگا (کندی یہ وعید سنکر ڈر گیا اور) کہنے لگا کہ یہ زمین اسی کی ہے۔

یہاں پر مصنف نے تین روایات ذکر کی ہیں | اس حدیث کے راوی صحابی اشعث بن قیس ہیں، اس کے بعد والی حدیث میں بھی اسی قسم کا قصہ آرہا ہے جس کے راوی

وائل بن حجر ہیں لیکن وائل کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرمی مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میرے باپ کی تھی جس پر یہ کندی قابض ہے، اور پہلی حدیث یعنی اشعث بن قیس کی حدیث میں یہ تھا کہ حضرمی مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میری ہے کندی کے باپ نے مجھ سے غصب کر لی تھی یہ دونوں حدیثیں اس بات میں متفق ہیں کہ مدعی رجل حضرمی تھا اور مدعی علیہ رجل کندی، اور ان دونوں کے برخلاف باب کی پہلی حدیث جس کے راوی عبداللہ بن مسعود ہیں اس میں اس طرح ہے کہ خود اشعث بن قیس یہ کہتے ہیں کہ میری زمین ایک یہودی کے قبضہ میں تھی جس کو وہ دینے سے انکار کرتا تھا اور میں اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا فیصلہ کے لئے، اس صورت میں مدعی خود اشعث بن قیس ہوئے اور مدعی علیہ یہودی۔

روایات ثلاثہ میں تطبیق | جاننا چاہیئے کہ دوسری اور تیسری حدیث میں جو آپس میں اختلاف ہے وہ تو صرف صفۃ ارض کے بارے میں ہے ایک میں یہ ہے کہ میرے باپ کی زمین تھی جس پر یہ قابض

ہے اور ایک میں یہ ہے میری زمین ہے جس کو اس کے باپ نے غصب کر لیا تھا، اور باب کی پہلی حدیث یعنی عبداللہ ابن مسعود والی حدیث اس کے اندر مدعی خود اشعث بن قیس کندی ہیں اور مدعی علیہ یہودی ہے، اور اشعث بن قیس اور وائل بن حجر کی حدیثوں میں مدعی رجل حضرمی اور مدعی علیہ رجل کندی ہے، حضرت سہارنپوری نے بذل میں متعدد روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس اختلاف کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے، عبداللہ بن مسعود والی حدیث کا واقعہ الگ ہے، اور جو واقعہ حدیثیں اخیرین میں مذکور ہے وہ دوسرے حضرت امام بخاری نے صحیح میں ان دو میں سے صرف عبداللہ بن مسعود والی حدیث کے قصہ کو لیا ہے۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، و حدیث اشعث بن قیس سکت علیہ المنذری، و حدیث وائل بن حجر اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی، قال المنذری۔

باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تغلیظ الیمین بالزمان والمکان | تعظیم بمعنی تغلیظ، اور ترجمۃ الباب کا حاصل تغلیظ الیمین بالمکان ہے، یعنی قسم کو معظم اور غلیظ کرنا مکان مقدس کے ذریعہ جیسے مسجد یا منبر شریف کے قریب قسم کھلوانا، اور ایسے ہی تغلیظ بالزمان جیسے بروز جمعہ یا بعد العصر وغیرہ، تغلیظ الیمین بالزمان ہو یا بالمکان

حنفیہ اس کے قائل نہیں، شافعیہ مالکیہ قائل ہیں، وعن الحنابلہ روایتان، ویسے ہمارے فقہار کی عبارتیں قدرے مختلف ہیں، ففی الدر المختار لایستحب تغلیظ الیمین بزمان ولا مکان، قلت وحاصلہ الاباضۃ، وفي البحر لا يجوز۔

لا یحلف احد عند منبری هذا علی یمین اثمۃ الخ۔ اس حدیث سے بظاہر تغلیظ الیمین بالمکان سمجھ میں آ رہا ہے اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ عند منبری کی قید بیان واقع کے طور پر ہے برائے تغلیظ نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عموماً فیصلے مسجد میں منبر شریف کے قریب ہی ہوا کرتے تھے۔ فقہ ترجم البخاری فی کتاب العلم باب ذکر العلم والفقیانی المسجور وترجم ایضاً فی کتاب الاحکام باب من قضی ولا عن فی المسجور، قال ابن بطال استحب القضاء فی المسجور طائفة وقال مالک ہوا الامر للقدیم الخ وفي الہدایہ وبجلس للحکم جلوساً ظاہراً فی المسجور الخ (ترجم بخاری ص ۳۱۶) والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب الیمین بغیر اللہ

یمین بغیر اللہ بالاجماع ممنوع ہے، کراہۃ اور حرمت میں اختلاف ہے، اس میں سبھی ائمہ کے دونوں قول ہیں، لیکن مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہۃ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک تحریم اور یہی ظاہر یہ کا مذہب ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دور روایتیں ہیں اس لئے کہ امام شافعی سے منقول ہے: اخشی ان یكون الحلف بغیر اللہ معصیۃ، فامشأ الی الرد، لیکن جمہور اصحاب شافعی کے نزدیک کراہۃ تنزیہی ہے، اور علت منع یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ قسم کھانا محکوف بہ کی غایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے، والعظمتۃ فی الحقیقۃ انما ہی للہ تعالیٰ وحدہ (الابواب والترجم ص ۱۹۲)۔

من حلف فقال فی حلفہ: واللوات فلیقل لا الہ الا اللہ، ومن قال لصاحبہ تعال اقام رک فلیتصدق بشئ۔ جو شخص لات کی قسم کھائے یعنی بطور سبقت لسان کے اس سے ایسا ہو گیا تو چونکہ یہ صورت شرک ہے اس لئے اس کو اس کے تدارک کے لئے کلمہ توحید پڑھنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص یہ قسم قصداً بطریق تعظیم کھائے اس صورت میں تو کفر لازم آئے گا اور تجدید ایمان ضروری ہو گا۔ حدیث کا دوسرا جز یہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھی کو جوئے بازی کے لئے بلائے تو چونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو اس کے اثر کے ازالہ کے لئے صدقہ کرنا چاہیئے۔ قال اللہ تعالیٰ: ان الحسنات یدفعنہن السیئات، وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا عملت سیئۃ فاتبعها حسنة تجہا (امام شریک) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، ولیس فی حدیث اجدنہم بشئ، یہی مسلم وحدہ، قال المنذری

لا تحلفوا با بآبائکم ولا بامہاتکم ولا بالانداد

حلف بالآباء والامہات ناجائز اور ممنوع ہے اور اس سے یمین بھی منع نہیں ہوتی عند الائمۃ الاربعۃ، ان قدامہ فرماتے ہیں مخلوق کے ساتھ قسم کھانے سے یمین منع نہیں ہوتی کالکعبۃ والانیار و سایر المخلوقات

وہو قول اکثر الفقہاء اگے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قسم منعقد ہوجاتی ہے جس میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذ ركبه وهو في ركب الخ-

شرح الحدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک قافلہ سواروں میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دکھا کہ میں باپ کی قسم کھا رہا ہوں تو اس

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

انہ سمع طلحہ بن عبید اللہ۔ یعنی فی قصۃ الاعرابی۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اقلع وابیہ الخ
یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے شروع میں گزر چکی و کذا الکلام علیہ فارجع الیہ لوشئت۔

باب كراهية الحلف بالامانة

حلف بالامانۃ منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے بان یقول وامانۃ اللہ

له وجزم الدردير المالكي بانه لا يعتقد بالبنى ولا بالكعبة والركن والمقام والعرش. الى آخر ما ذكره. وفي البدائع: لو حلف بشئ ممن ذلك لايكون يميناً

لأنه حلف بغير الله تعالى (تراجم بخاری) وقال ابن الهمام من حلف بغير الله كالنبي والكعبة لم يكن حالفاً اه (عون)

معہ شرح نے اس جملہ کے دو معنی اور لکھے ہیں (۲) یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یعنی ارادۂ وقصد و علیٰ ہذا اگر کرامن الذکر (بالفہم) ضد النسیان و اثر اُمن
الایشارای الی اختیار و فی المعنی الاول اثر اُمن الاثر بمعنی النقل (۳) تیسرے معنی یہ لکھے ہیں اثر اُمن ای مفتخر یا الایثار بمعنی الافتخار و الاکرام یعنی
باب کی قسم بطور فخر علی الایثار کے کبھی نہیں کھائی (کما یفعل فی الجاہلیۃ) بل علی سبیل تجرّی علی اللسان، اب خلاصہ ان معانی ثلثہ کا یہ ہوا۔

جان کر اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کی طرف سے نقل کے طور پر۔ ارادۂ و اختیاراً، بخلاف النسیان کہ اس کی نفی نہیں ہے۔ یاب کی قسم بھی نہیں

کھائی لامطلقاً ولا منفرداً نہ تفاخر کے طور پر اور نہ دلچسپی سے۔ (لیستفادہ المعانی من حاشیۃ الترمذی)

او: بالامانہ (معنی) اور خطابی نے امام شافعی کا مسلک عدم انعقاد یحییٰ لکھا ہے، اور حنفیہ کی انہیں دونوں روایتیں ہیں انعقاد و عدم انعقاد، انعقاد کی وجہ تو یہ ہے کہ امانت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے از الایمن من اسمائے تعالیٰ اور عدم انعقاد کی وجہ امانت کا عبادت اور فریضہ کے معنی میں آنا ہے۔ (بذل)

من حلف بالامانة فليس منا۔ اس حدیث کا تفسیر یہ ہے کہ حلف بالامانہ منعقد نہیں ہونی چاہیئے، ممنوع ہے جس طرح حلف بالآبائے ممنوع ہے، لیکن چونکہ حلف بالامانت بہت سے ائمہ کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں ممانعت تشبیہ بالنہود کی وجہ سے ہے۔

باب المعارض في الايمان

معاریض جمع ہے معراض کی جو ماخوذ ہے تعریض سے، تعریض یعنی ضد التصریح، اشارہ و کنایہ سے بات کرنا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یمینک علی ما یصدقک علیہا صاحبک۔ یہ خطاب حالف یعنی مدعی علیہ کو ہے اور صاحب سے مراد اس کا مقابل اور خصم یعنی مدعی ہے، یعنی جس چیز پر مدعی قسم کھانا چاہتا ہے اسی پر وہ قسم محمول ہوگی، یہ نہیں کہ جھوٹ سے بچنے کے لئے مدعی علیہ قسم کھاتے وقت کچھ اور نیت کر لے۔

اس حدیث میں دیانت اور سچائی کی تعلیم اور ترغیب ہے اور معارضہ سے گویا روکا گیا ہے کہ آدمی قسم کھاتے وقت تو یہ کرنے لگے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ اگر مدعی علیہ ظلم ہو تو پھر ظلم سے بچنے کے لئے تو یہ جائز ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

عن سويد بن حنظله رضي الله تعالى عنه قال خرجنا نريد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم
ومعنا وائل بن حجر بن الحنظله رضي الله تعالى عنه كبتے ہیں کہ ہم اپنے وطن سے چلے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ سے، ہمارے ساتھ وائل بن حجر بھی تھے ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا،
میں نے دشمن کے سامنے قسم کھائی کہ یہ میرا بھائی ہے اس پر دشمن نے ان کو چھوڑ دیا، دوسرے لوگوں نے تو قسم
کھانے سے گریز کیا تھا گناہ کے خوف سے، پھر جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو
میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تو آپ نے میری تائید فرمائی صدقت المسلم اخو المسلم
اس حدیث سے ظلم سے بچنے کے لئے توریہ کی اجازت معلوم ہوگئی۔

حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أخرجه مسلم والترمذي وابن ماجه، وحديث سويد أخرجه ابن ماجه، قاله المنذرى

باب ماجاء فی الحلف بالبراءة من ملة غیر الاسلام

ترجمہ الباب کی تشریح و ذکر اختلاف النسخ | اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں ترجمہ الباب اس طرح ہے "ما جاء فی الحلف بالبراءة بملّة غیر الاسلام" اور یہی نسخہ صحیح ہے، اس صورت میں ترجمہ الباب کے دو جزو ہوئے اول حلف بالبراءة، ای عن الاسلام، اور دوسرا جزو حلف بملّة غیر الاسلام، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں ترجمہ الباب کا جزو ثانی مذکور ہے، من حلف بملّة غیر الاسلام کاذباً فهو کما قال اس کی مثال یہ ہوگی ان فعلت کذا فانما یہودی، اور نصرانی، اس میں قسم غیر اسلام کے ساتھ کھائی جارہی ہے، اور باب کی دوسری حدیث میں ترجمہ کا جزو اول موجود ہے۔ من حلف فقال انی برئ من الاسلام فان کاذباً فهو کما قال مثلاً اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اسلام سے بری ہوں، اب یہ کہ ان دونوں مسئلوں سے متعلق فقہاء کیا فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی و مالک کے نزدیک ان دونوں صیغوں سے یحیٰ منقطع نہیں ہوتی اور نہ کفارہ واجب ہوتا ہے لیکن اس طرح قسم کھانے والا گنہگار بہر حال ہے سچ کہہ رہا ہو یا جھوٹ، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک دونوں صیغوں سے یحیٰ منقطع ہو جاتی ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے اور جو ترجمہ الباب ہمارے نسخہ میں ہے اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ قسم کھانا ملت غیر اسلام سے برائت کی مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو غیر اسلام سے بری ہوں، اس طرح تو کوئی قسم نہیں کھاتا، اور غیر اسلام سے تو ہر مسلمان بری ہوتا ہی ہے اور اگر کوئی بالفرض اس طرح قسم کھائے بھی تو اس میں وعید کی کوئی بات نہیں حالانکہ حدیث میں وعید مذکور ہے قد برّ و تامل فان هذه الترجمة دقيقة مشككة لاجل اختلاف النسخ، صحیح بخاری میں ترجمہ کی عبارت اس طرح ہے "باب من حلف بملّة سوی الاسلام"

باب الرجل یحلف ان لا یأتم

اور بعض نسخوں میں "ان لا یأتم" ہے، اور موافق قیاس بھی یہی ہے جیسا کہ کتاب الطہارة میں "ان تتزوّا و اتأتمّ" کی تحقیق میں گذر چکا ہے، صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے "اذا حلف ان لا یأتم" یہ ادام سے ماخوذ ہے جسکے معنی سالن کے ہیں۔

رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وضع تمرّة علی کسرة فقال هذه ادام هذه۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقه | یعنی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیا اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا یہ اس روٹی کا سالن ہے۔

یعنی ضرورت کے وقت میں کھجور سے ہی سالن کا کام لیا جاسکتا ہے، آپ کا مقصد مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے، یہی بات کہ مسئلہ کیا ہے سو جانتا چاہیے کہ اس میں امام محمد اور شیخین کا اختلاف ہے، شیخین فرماتے ہیں الادام بالیضطبع بہ الخبز اذا اخلط بہ کخل وزیت، لا اللحم والبیض، یعنی ادام وہ چیز ہے کہ جب روٹی کو اس کے ساتھ لگائیں تو روٹی اس کے رنگ میں رنگ جائے جیسے سرکہ اور روغن زیتون، اور جہاں اس طرح نہ ہو تو وہ ادام نہیں ہے جیسے لحم اور بیضہ ان میں روٹی کہاں رنگی جاتی ہے، اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ الادام ہو مایو کل مع الخبز غالباً، یعنی جو چیز عام طور سے روٹی کے ساتھ روٹی کے تابع ہو کر کھائی جاتی ہو وہ ادام ہے خواہ روٹی اس میں رنگی جائے یا نہ رنگی جائے، لہذا جو چیز عام طور سے تنہا کھائی جاتی ہو مستقلاً کتمر و زبیب و بیض و سائر الفواکہ لیس اداً، ہاں اگر کسی مقام میں ان پھلوں میں سے کوئی پھل تبعاً لخبز کھایا جاتا ہو تو اس مقام میں اس کو ادام کہا جائے گا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کذا فی الدر المختار، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وبقول محمد قالت الائمة الثلاثة الشافعی و مالک و احمد، (من الابواب والترجم)

اس بیان مذاہب سے معلوم ہو رہا ہے کہ روٹی کے لئے تمر ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی ادام نہیں ہے، اس لئے کہ عرب میں کھجور غالباً مستقلاً کھائی جاتی ہے، اور اس میں روٹی بھی نہیں رنگی جاتی، لہذا حدیث کا جواب دہی ہے جو اوپر شرح حدیث میں ہم نے لکھا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

باب الاستثناء فی الیمین

من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فقد استثنی۔
 یمین کا اطلاق کبھی محلف پر بھی ہوتا ہے مجازاً کما فی ہذا الحدیث، یعنی جو شخص کسی بات پر قسم کھانے کے ساتھ ان شاء اللہ کہے تو وہ حانت نہیں ہوتا بشرطیکہ یہ استثناء یعنی ان شاء اللہ کہنا متصلاً ہو، اس اتصال کی قید کا بیان آئندہ "باب الحالف استثنی بعد ما یتکلم" میں آ رہا ہے۔
 والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب ما جاء فی یمین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر کن لفظوں کے ساتھ قسم کھاتے تھے، باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ لفظ "لا و مقلب القلوب" ہے، اور تیسری حدیث میں "لا و استغفر اللہ" لا و مقلب القلوب میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ لازماً ہے دوسرا یہ کہ "لا" کا تعلق مضمون سابق سے ہے یعنی دوران کلام آپ نے فرمایا کہ

ایسا نہیں ہے و مقلب القلوب، اس صورت میں "لا" پر سکتہ کرنا ہوگا، اور "لا" واستغفر اللہ میں یہ بات متعین ہے کہ یہاں پر قسم یہ محذوف ہے یعنی "لا واللہ، استغفر اللہ" اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جب آپ کسی بات پر قسم مبالغہ کے ساتھ کھاتے تھے تو اس طرح فرماتے تھے "لا والذی نفس ابی القاسم بیدہ"۔

جو تھی حدیث یہ ہے قال دلمہم وحد ثنیہ ایضا الاسود بن عبد اللہ عن عاصم بن لقیط بن عاصم۔
تحقیق سند | دلمہم بن الاسود جو سند حدیث کے راوی ہیں وہ اس حدیث کو دو طریق سے روایت کر رہے ہیں، پہلا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عمہ لقیط بن عامر، یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اپنے باپ اسود سے اور اسود روایت کرتے ہیں اپنے چچ لقیط بن عامر سے۔

اور دوسرا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عاصم بن لقیط عن لقیط بن عامر یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اسود اور اسود روایت کرتے ہیں عاصم بن لقیط سے اور عاصم بن لقیط روایت کرتے ہیں لقیط بن عامر سے، مگر حضرت نے بذل میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ میرے پاس جو رجال کی کتابیں موجود ہیں ان میں میں نے لقیط بن عامر کوئی راوی نہیں پایا، پس ہو سکتا ہے کہ یہ تحریف ہو اور صحیح لقیط بن عامر ہو وھو لقیط بن صبرۃ بن عامر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خرج وافداً الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اعـ

لقیط کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں قاصد بن کر پہنچا۔ آگے مصنف فرماتے ہیں اختصاراً کہ اس کے بعد لقیط نے حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا لَعَمْرُ اللَّهِ تیرے معبود کی بقا کی قسم، عمر سے مراد بقا جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون"۔ اب یہ کہ لعمر اللہ یا لعمر الہک سے یحییٰ منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ حنفیہ والکلبیہ کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ یحییٰ کی نیت سے کہا تب تو یحییٰ ہوگی ورنہ نہیں، اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں کاملہ صحیحین، کمافی النیل (کنزانی ہامش البذل)

فائدہ کا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کا باب قائم کیا ہے "باب کیف کان یحییٰ بن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، یعنی وہ الفاظ جن کے ساتھ آپ ہمیشہ قسم کھاتے تھے یا اکثر، اور مجموعہ اس کا جو اس باب میں مذکور ہے وہ چار الفاظ ہیں (۱) والذی نفسی بیدہ اور ایسے ہی والذی نفس محمد بیدہ، ان میں بعض کے شروع میں لفظ "لا" ہے اور بعض کے شروع میں لفظ "آنا"۔ اور بعض کے شروع میں لفظ "ایم"۔ (۲) لا ومقلب القلوب، (۳) واللہ (۴) ورب الکعبۃ، والاول اکثرھا ورواھا اور حافظ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قسم کھانا اسی سے زائد مواضع میں منقول ہے فی اکثر من ثمانین موضعاً، وامر اللہ تعالیٰ بالحلف

على تصديق ما أخبر به في ثلاثه مواضع: في سورة يونس وسيا والتغابن اهـ (الابواب والتراجم محققاً)

باب الحنث اذا كان خيرا

عن أبي بردة عن أبيه أن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال انى والله ان شاء الله لا احلف على يمين

فَارِىْ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا الْكَافِرَتِ يَمِينِىْ وَآتَيْتِ الذِّى هُوَ خَيْرِىْ

آپ فرما رہے ہیں کہ دانش میرا طریقہ یہ ہے کہ اگر میں کسی چیز پر قسم کھا بیٹھوں اور پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر سمجھوں تو میں اپنی یحیٰی کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں اور وہ کام جس کو خیر سمجھتا ہوں اسکو کرتا ہوں۔ اس میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ یا تو آپ نے اسی طرح فرمایا تھا اور یا اس طرح فرمایا تھا کہ میں اس کا رخیہ کو کرتا ہوں اور کفارہ یحیٰی ادا کرتا ہوں (ان دونوں میں تقدیم و تاخیر کا فرق ہے) پہلے جملہ میں کفارہ یحیٰی اولاً مذکور ہے اور اس کا رخیہ کو کرنا بعد میں مذکور ہے، اور دوسرے جملہ میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔

تقديم الكفارة على الحنث

اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز عدم جواز جس کو مصنف آگے خود بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، قال ابو داؤد: سمعت

احمد بن حنبل فیہا الکفرۃ قبل الحنث، بقیہ ائمہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام مالک کا مسلک بھی یہی جو امام احمد کا ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز مطلقاً اور امام شافعی کے نزدیک کفارہ مالیہ کی تقدیم توجائز ہے اور غیر مالیہ یعنی کفارہ بالصوم اس کی تقدیم جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ کفارہ یمین جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے، "لَا يَأْخُذُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغُومِ"

ایمان لکھو لیکن یو اُخذ کر بما عقدتم الایمان نکفار تہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اہلیکھو او کسو تھرا و تحریر رقبۃ، فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام، یہ کل چار چیزیں ہوں، اطعام عشرۃ مساکین، یا ان کا کسوۃ، اعتاق، اور ان تینوں میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہونکی صورت میں صوم ثلاثۃ ایام، حنفیہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب حنث ہے اسی لئے انکے نزدیک تقدیم الکفارۃ علی الحنث جائز نہیں، اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب خود یمین ہے اور حنث اسکی شرط، و فی شرح السنۃ: وانما یجز تقدیم العقی والاطعام او الکسوۃ کما یجز تقدیم الزکاۃ علی الحول، ولا یجز تعجیل صوم رمضان قبل وقۃ انتہی۔ (ربذ مختصراً)

باب في القسم هل يكون يمينا

له ونحن نقول كما لا يجوز تقديم الزكاة
على النصاب كذا لا يجوز تقديم الكفارة
على الميثاق ٢

تفصیل مذاہب الکفر فی مسئلہ الباب | یعنی لفظ قسم سے یمن منعقد ہوتی ہے یا نہیں جیسے یوں کہے قسمت

یا اقسمت باللہ جاننا چاہیے کہ حلف بلفظ القسم کی دو صورتیں ہیں (۱) مجرداً عن لفظ الجملۃ یعنی بغیر لفظ اللہ کے صرف یوں کہے "اقسمت" (۲) مقررۃ بلفظ الجملۃ جیسے اقسمت باللہ حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یحییٰ منعقد ہو جاتی ہے، اور امام خطابی نے امام شافعی و مالک کا مذہب یہ لکھا ہے کہ پہلی صورت میں منعقد نہیں ہوتی صرف دوسری صورت میں منعقد ہوتی ہے (بذل) حنفیہ کا یہ مسلک بذل میں بدائع سے نقل کیا ہے اور یہ کہ امام زفر کا مسلک اس میں امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے، اور حافظ نے ابن المنذر سے جو مذاہب ائمہ نقل کئے ہیں وہ اس طرح ہیں کہ لفظ "اقسمت" سے خواہ اس کے ساتھ "باللہ" کہیں یا نہ کہیں، یحییٰ کا قصد ہو یا نہ ہو بہر صورت یحییٰ ہے وہ قال النخعی والثوری والکوفیون، اور امام مالک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ اقسمت باللہ تو بہر حال یحییٰ ہے اور صرف لفظ "اقسمت" یحییٰ نہیں ہے الا بالنیۃ، اور امام شافعی کا مسلک یہ لکھا ہے کہ صرف لفظ "اقسمت" تو کسی حال میں یحییٰ نہیں ہے یعنی ولو نوى، اور لفظ "اقسمت باللہ" یہ یحییٰ ہے یہ صورت نیت ورنہ نہیں، اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک مطلقاً یحییٰ نہیں ہے، اور امام احمد کے اہلوتوں نے اس میں دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ مطلقاً یحییٰ ہے مثل الحنفیہ، دوسرا یہ کہ نیت کی صورت میں یحییٰ ہے ورنہ نہیں مثل المالکیہ (الابواب الاربع)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ابوہریرۃ یحدث ان رجلاً اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال انی اری اللیلۃ فذکر رؤیا فعبہا ابو بکر فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اصبت بعضاً واطأت بعضاً فقال اقسمت علیک یا رسول اللہ الخ۔

مضمون حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے (مصنف نے تو اس خواب کو یہاں اختصاراً حذف کر دیا یہ خواب ابو داؤد میں باب فی شرح السنۃ میں باب فی الخلقاء کے اندر اس طرح آرہا ہے فقال انی اری اللیلۃ ظلمۃ یتطف منہا السمن والعسل فاری الناس یتکفون بایدیم فالمتکثر والمستقل الحدیث، کافی طویل خواب ہے جس کے شروع کا حصہ یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ رات میں نے خواب میں ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور میں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس ٹپکنے والی چیز کو لے رہے ہیں بعض کثیر مقدار میں اور بعض قلیل مقدار میں۔ الی آخر الروایا، اس خواب کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر دینے کی مجھے اجازت دے دیجئے، اور پھر انہوں نے اس کی تعبیر بیان کی اور پوچھا یا رسول اللہ میں نے صحیح تعبیر دی یا غلط، اس پر آپ نے فرمایا جو یہاں روایت میں مذکور ہے، اصبت بعضاً واطأت بعضاً، کہ کچھ حصہ تعبیر کا صحیح ہے اور کچھ غلط، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے بتلا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی۔

آپ نے فرمایا لا تقسم، یعنی قسم مت کھاؤ اور پھر آپ نے خطا و صواب کی تعیین نہیں فرمائی۔

حدیث الباب استدلال بہ الفرقان | امام خطابی فرماتے ہیں اس واقعہ کو فریقین میں سے ہر ایک نے اپنی دلیل قرار دیا، شافعیہ نے (جن کے نزدیک اس سے قسم نہیں ہوتی)

اس طور پر کہ حدیث میں ابرار مقسم کا حکم وارد ہوا ہے کہ اگر کسی مسلمان پر اس کا دوسرا بھائی قسم کھالے تو اس کو چاہیے کہ اس کی قسم کو پورا کر دے اور حالف کو حانث نہ ہونے دے، دیکھئے یہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر نے جس چیز پر قسم کھائی تھی کہ آپ بتا دیجئے مگر آپ نے نہیں بتایا، تو اگر قسمت علیک قسم منعقد ہو جاتی تو صدیق اکبر حالف اور مقسم ہوتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ابرار فرماتے، حالانکہ حضور نے ان کا ابرار نہیں فرمایا، معلوم ہوا صدیق اکبر مقسم ہی نہ تھے، یہ طریق استدلال تو ہوا شافعیہ کا، اور حنفیہ کا طریق استدلال یہ ہے کہ حضور صدیق اکبر سے فرما رہے ہیں لا تقسم کہ قسم کیوں کھاتے ہو میں نہیں بتاؤں گا، معلوم ہوا کہ قسم ہو گئی تھی۔ والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی الحلف کاذباً متعمداً

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلین اختصما الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی دو شخص آپ کی خدمت میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے، مدعی کے پاس چونکہ بیٹہ نہیں تھا اس لئے آپ نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو اس نے قسم ان لفظوں کے ساتھ کھائی، باللہ الذی لا الہ الا هو، تو آپ نے اس کی قسم کے یہ لفظ سن کر فرمایا بلی قد فعلت، کہ جس چیز کے نہ کرنے پر تو قسم کھا رہا ہے تو نے وہ کام ضرور کیا ہے (لہذا تو اس قسم میں جھوٹا ہے) لیکن تیری یہ لغزش اور گناہ قول لا الہ الا اللہ کے اخلاص کی برکت سے معاف کر دیا گیا۔

استفیدہ بالحديث امران | اس پر علامہ سندی فتح الودود میں لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی یمن کو بذریعہ وحی یا الہام باطل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ فرمایا، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ احیاناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وحی وغیرہ کے ذریعہ سے باطن حال کا اعتبار کرتے ہوئے ظاہر کے خلاف فیصلہ فرماتے تھے، اور وہ جو آپ نے فرمایا وکن غفر الله لك اس سے مراد حلف کاذب کے گناہ کی معافی ہے نفیہ دلیل علی ان الکبائر تغفر بکلمۃ التوحید اھ

لہ یعنی قسم کیوں کھاتے ہو فلم نہ ان یمن کما هو مسلک الحنفیۃ واجاب عنہ الشافعی بوجہ آخر بانہ علیہ السلام امر بار بار المقسم فلو کان قسماً لا یرتہ۔

قال ابو داود: يراى من هذا الحديث انه لم يامر بالكفارة - امام ابو داود يفرار به من اس حديث
 سے یہ بات مستفاد ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالف کو کفارہ کا حکم نہیں فرمایا حالانکہ
 اس کی یہ یحییٰ بن یحییٰ بن غموس تھی جس کے اندر امام شافعی کے نزدیک کفارہ ہے، لیکن جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کفارہ
 فیہ، اس حدیث سے دو فائدے وہ مستفاد ہوئے جن کو علامہ سندی نے بیان کیا، تیسرا فائدہ یہ ہوا جس کو مصنف
 نے بیان فرمایا ہے، یہاں پر حضرت نے بذل الجہود میرا ایک اشکال اور پھر اس کا جواب تحریر فرمایا ہے، اشکال یہ کہ
 یحییٰ بن یحییٰ بن غموس کبیرہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، تو اس شخص کا یہ کبیرہ صرف کلمۃ التوحید سے کیسے معاف ہو گیا اس لئے
 کہ حسنات صرف مکفر صغائر ہیں نہ کہ مطلقاً، پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب اس شخص نے
 لا الہ الا اللہ اخلاص کے ساتھ کہا تو گویا اس کو ندامت ہوئی اپنے فعل پر اور ندامت ہی توبہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے
 کہ کہا جائے کہ یہ شخص لا الہ الا اللہ کہتے سے پہلے مؤمن مخلص نہیں تھا اس حلف کے وقت ہی کلمہ توحید اخلاص کے
 ساتھ پڑھا تو گویا اس نے اپنے ایمان کی تجدید کی تو اس تجدید ایمان نے اس کی سابق معصیت کی تکفیر کر دی۔
 والحديث اخرجه النسائي، قال المتذري۔

باب كم الصاع في الكفارة

یعنی کفارہ یحییٰ بن یحییٰ میں کتنے صاع غلہ دیا جائے گا؟

کفارہ یحییٰ بن یحییٰ کی تفصیل مع مذاہب ائمہ | وفي الكثر: وكفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرة مساکین کہانی الظہار
 او کسوہم بما یستر عامۃ البدن لقولہ تعالیٰ: فكفارتہ اطعام عشرة
 مساکین او کسوہم الآیۃ وکلمۃ: اوہ للتحییر فكان الواجب احد الاشیاء الثلاث، وقولہ: کہانی الظہار ای کالاتعام
 والتحریر فی الظہار، وقد بینا ہما ہناک (زیلعی ص ۱۱۱) وفي حاشیۃ الشلبی: وان شارب اطعم عشرة مساکین کالاتعام فی
 کفارۃ الظہار وہی نصف صاع من براوصاع من تمر او شعیر، ویجوز ان یغدیہم وبعشیم بنجر الا انہ ان کان بڑا لا یشرط
 فیہ الا دام وان کان غیرہ فیا دام، وبجزئی فی الاطعام کل من التملیک والاباحۃ اھ معلوم ہوا کہ اطعام میں دونوں اختیار
 ہیں یا تو ہر مسکین کو مثل صدقۃ الفطر کے ایک صاع شعیر وغیرہ کا اور نصف صاع گیہوں کا دیا جائے، اور یا تغذیہ
 اور تعشیہ کو اختیار کرے یعنی دس مسکینوں کو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلانا، اور کھانے میں بھی اباحت اور تملیک
 دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح شافعیہ وغیرہ کے یہاں جو مقدار کفارۃ ظہار وغیرہ میں دی جاتی ہے وہی مقدار یہاں
 دس مسکینوں کو دیا جادے، چنانچہ شافعیہ کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد من کل شیء اور امام مالک کے نزدیک نصف صاع
 یعنی دو مد من کل شیء، اور امام احمد کے نزدیک من البرید ومن غیرہ مدین کا تقدیم فی کفارۃ الظہار۔

یہی مسئلہ مصنف کے ترجمہ الباب میں مذکور ہے اسی لئے ہم نے اس کو یہاں بیان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف کی غرض ترجمہ الباب سے مقدار صاع کو بیان کرنا ہو کہ جس صاع سے کفارہ ادا کیا جائے اس صاع کی مقدار کیا ہو، چنانچہ اس حدیث سے جو مذکور تحت الباب ہے معلوم ہوا کہ اس کی مقدار مدہشام کے اعتبار سے مدین اور نصف مدہشام چاہیے، نفی غرض المصنف من الترجمة احتمالان۔

فوهبت لنا ام حبيب صاعا حدثنا عن ابن اخی صفية عن صفية رضي الله تعالى عنها..... فوجدت مدین ونصفاً بمدہشام، ابن حرمہ کہتے ہیں کہ ہم کو ام حبیب نے جو کہ حضرت صفیہ کے بھتیجے کے نکاح میں تھیں انہوں نے ہم کو ایک صاع دیا جس کے بارے میں انہوں نے اپنے شوہر ابن اخی صفیہ سے اور انہوں نے حضرت صفیہ سے یہ روایت کیا کہ یہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صاع تھا۔ آگے حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے جو اس کو ناپا تو اس کو دو مدہ اور نصف مدہ پایا مدہشام کے لحاظ سے۔

مدکی بحث ہمارے یہاں ابواب الوضوء میں بالتفصیل گزر چکی اور یہ کہ ایک صاع بالاتفاق چار مد کا ہوتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ایک مد کا وزن کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک دو رطل اور جمہور کے نزدیک ایک رطل اور ثلث رطل، لیکن یہاں روایت میں راوی یہ کہہ رہا ہے کہ وہ صاع دو مد اور نصف مد کا تھا لیکن ساتھ ہی میں راوی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میری مراد مد سے مدہشام ہے۔

مدہشام کی مقدار اور اس کی تحقیق | اس سے معلوم ہوا کہ مدہشام مطلق مد سے بڑا ہوتا ہے، اب یہ کہ اس کی مقدار کیا ہوتی ہے، بخاری شریف کا ترجمہ تو ہے ”باب صاع المدینہ و المد النبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وبرکتہ“ مدہشام کا ذکر اس میں نہیں ہے البتہ موطا مالک میں ہے چنانچہ اس میں ہے قال مالک والکفارات كلها وزكاة الفطر وزكاة العشر كل ذلك بالمد الا صغر مد النبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الا الظهار فان الكفارة فيه بالمد الاعظم مدہشام اھ جمہور علماء کے نزدیک تو تمام ہی کفارات میں مد مدنیہ یا کہنے مد النبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعتبار ہے اور امام مالک نے بھی جملہ کفارات اور زکاة فطر وغیرہ میں اسی مد کا اعتبار کیا ہے جس کو موطا میں مد اصغر سے تعبیر کیا ہے لیکن کفارہ ظہار میں انہوں نے مدہشام کا اعتبار کیا ہے جس کو مد اعظم سے تعبیر کیا ہے اور جز میں حضرت شیخ نے علامہ باجی سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اسکی مقدار میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ایک مدہشام ایک ثلث کم دو مدہشام کے برابر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پورے دو مدنی کے برابر ہوتا ہے یعنی اس سے پورا دو گنا ہوتا ہے۔ (الی آخر ما ذکر فی الاوجز ص ۱۸۹)

باب فی الرقبة المؤمنة

کفارہ یمین والے رقبہ میں مؤمنہ کی قید جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک اس میں مؤمنہ کی قید نہیں، البتہ کفارہ قتل میں حنفیہ کے نزدیک رقبہ مؤمنہ کی قید ہے اسلئے کہ وہ آیت کریمہ جو کفارہ قتل کے بارے میں ہے وہ ایمان کی قید کے ساتھ مقید ہے بخلاف اس نص کے جو کفارہ یمین کے بارے میں ہے کہ وہ مطلق ہے قال تعالیٰ: او تحریر رقبہ، لہذا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقييد پر اور جمہور علماء نے اس مسئلہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے، یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے کتب اصول فقہ میں بھی مذکور ہے المطلق بحری علی اطلاقہ والمقید علی تقييده ضابطہ کے تحت۔

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يا رسول الله جارية لي صككتها صكة فعضم ذلك علي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔

معاوية بن الحكم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جس کے چہرہ پر میں نے تھپڑ مار دیا تھا آپ نے اس کا میرے حق میں جرم عظیم ہونا ظاہر فرمایا (یہ گھبر گئے) اور کہنے لگے کہ کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے کر آ، وہ کہتے ہیں میں اس کو آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے اس سے بطور امتحان سوال فرمایا: این اللہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے نزدیک کہاں ہے اس نے جواب دیا: فی السماء، آسمان میں ہے، یہ سوال تو گویا توحید سے متعلق ہوا اور اس میں اصنام کے الہ ہونے کی نفی ہو گئی پھر آپ نے سوال فرمایا کہ میں کون ہوں، اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ نے ان صحابی سے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کہ یہ مؤمنہ ہے،

اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ یہ بات معقول اور بدیہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس جاریہ کے آزاد کرنے کا حکم بطریق کفارہ کے دیا تھا یعنی معصیت ضرب کا کفارہ اس طور پر کہ پہلے آپ نے اس کے ایمان کا امتحان لیا اس کے بعد اس کے اعتقاد کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کفارہ کا حال اور حکم یہی ہے اور پھر اس کے بعد انہوں نے اس میں اختلاف علماء کو بیان کیا ہے، یہاں ذکر چونکہ کفارہ یمین کا ہو رہا ہے اسی لئے امام خطابی نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کو مطابقت بطریق قیاس ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی بائتم منه، قاله المنذري۔

باب کراہیۃ النذر

گذشتہ ابواب میں متعلق تھے یہاں سے نذر کے ابواب شروع ہوتے ہیں چنانچہ بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے جلی قلم سے لکھا ہے، اول النذور۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ینہی عن النذر ویقول انہ لا یزید شیئاً وانما ینتہج بید من البخیل۔

حکم نذر میں مذاہب ائمہ مصنف نے ترجمہ قائم کیا کراہت نذر کا، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے یہاں ابتداء نذر مکروہ ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کما قال الحافظ، اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک حکم نذر استحباب ہے لیکن حافظ نے مالکیہ کا مذہب بھی کراہت نقل کیا ہے مثل شافعیہ کے، لیکن اس پر قسطلانی نے تعقب کیا ہے کہ مختصر خلیل (جو فقہ مالکی کی کتاب ہے) میں تصریح ہے اس بات کی کہ جو شخص نذر مانتا ہے شکر اللہ تعالیٰ وہ مندوب ہے قال ابن رشد وہو مذہب مالک اھ من الابواب والترجم والبسطافیہ حنفیہ مالکیہ کے نزدیک روایات نہی کا محل مطلق نذر نہیں ہے بلکہ نذر اللجاج ہے، امام بخاری نے باب قائم کیا، باب الوفاء بالنذر وقول اللہ تعالیٰ یوفون بالنذر علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس آیت کو لائے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ نذر کو پورا کرنا قابل تعریف چیز ہے، اس کا فاعل مستحق ثناء ہے لیکن اس نذر سے مراد نذر طاعت ہے نہ کہ نذر معصیت، اور پھر فرماتے ہیں کہ نذر طاعت کے وفاء کے وجوب پر علماء کا اجماع ہے، لیکن ابتداء نذر میں اختلاف ہے فقہل مستحب وقیل مکروہ الخ، یعنی اولاً تو یہ سمجھئے کہ ایک تو ہوتی ہے نذر طاعت اور ایک نذر معصیت، نذر معصیت کا قبیح اور ناجائز ہونا تو ظاہر ہے اور نذر طاعت میں دو پہلو ہیں ایک نذر مان کر اس کو پورا کرنا، اسمیں بھی کوئی کلام نہیں کہ یہ عبادت ہے اور مستحسن ہے، لیکن گفتگو ابتداء نذر میں ہے یعنی نذر ماننا کیسا ہے محمود یا مذموم؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ و مالکیہ کے یہاں مستحب اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں مکروہ ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے یعنی الفرق بین ایفاء النذر و ابتداء النذر۔

شرح الحدیث یہ سارا کلام تو تھا ترجمہ الباب کے تحت اور حدیث الباب کا مضمون یہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے رہتے تھے نذر سے۔ یعنی ابتداء نذر سے۔ اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ایفاء نذر واجب ہے، اور پھر آگے حدیث میں ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی (بلکہ ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں ہے) اور پھر فرماتے ہیں کہ جزا میں نیست کہ نذر کے ذریعہ سے مال نکلوایا جاتا ہے بخیل آدمی سے، اس سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں

ایک یہ کہ اس اعتقاد سے نذر ماننا کہ نذر کی وجہ سے ہمارا کام ہو ہی جائے گا یہ اعتقاد تاثر باطل ہے لہذا اس نیت اور اعتقاد سے نذر نہیں مانتی چاہیے، دوسری بات یہ معلوم ہو رہی ہے کہ طاعت کی نذر ماننا اس طاعت کو معلق کرنا ہے کہ اگر یہ کام ہمارا ہو جائے گا تو ہم اتنا مال صدقہ کریں گے یہ طریق بخیلوں کا ہے، انفاق یا مال لوجہ اللہ کو نذر کے ذریعہ سے معلق نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس نیکی کو بدون نذر کے کر گزرنا چاہیے، لیکن بخیل کی طبیعت اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتی وہ بدون تعلیق یا نذر کے خرچ نہیں کرتا، اور نذر طاعت کا یہ پہلو قابل مدح نہیں بلکہ مذموم ہے، بذل میں لکھا ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جلب منافع اور دفع مضار کیلئے نذریں مانتے ہیں اور یہ فعل ہے بخلا کا اسی لئے اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے لیکن اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کسی قربت و عبادت کی نذر مانے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی وہ ممنوع نہیں ہے اھ

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ الملتذری۔

باب النذر فی المعصیۃ

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلیعصہ۔

نذر معصیت منعقد ہوتی ہے یا نہیں، مذاہب ائمہ | اس حدیث میں نذر طاعت کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نذر معصیت سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کے پورا کرنے سے، اس پر اجماع ہے کہ نذر معصیت کا ایفار جائز نہیں لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ نذر معصیت منعقد بھی ہوتی ہے یا نہیں اور ایسے ہی وجوب کفارہ میں، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ نذر معصیت کا ایفار بالاجماع جائز نہیں اور ناذر پر کفارہ یحییٰ واجب ہوتا ہے سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک، اور امام احمد اس قسم کی روایت مردی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک اور شافعی کا اھ (تراجم بخاری) امام خطابی نے بھی امام مالک اور شافعی کا مذہب عدم وجوب کفارہ لکھا ہے، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں امام احمد کا مسلک مثل حنفیہ کے لکھا ہے ان کے لفظ یہ ہیں : قال الموحون للکفارۃ فی نذر المعصیۃ (وہم احمد واسحاق والثوری وابو حنیفہ واصحابہ) ہذہ الآثار قد تعدت طرقتہا درواہا ثقات۔ الی آخر ما ذکر۔ خود حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ کلام کرتے ہوئے وجوب کفارہ کو ترجیح دی ہے روایۃ ودرایۃ، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بعض نے تصریح بھی کی ہے کہ

حضرت امام احمد بن حنبل سے اس میں دونوں روایتیں ہیں۔
والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال بینما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یخطب اذا هو
برجل قائم فی الشمس فسأل عنہ فقالوا هذا ابو اسرائیل الخ۔
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ خطاب فرما رہے تھے اچانک آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو
دھوپ میں گھڑا ہوا تھا آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ابو اسرائیل
ہے اس نے نذر مانی ہے اس بات کی کہ گھڑا ہے گالی یعنی دھوپ میں، اور بیٹھے گا، نہیں اور یہ کہ کسی سے بات نہیں کریگا، اور یہ کہ
روزہ سے رہے گا، آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ اس کو چاہیے کہ بات کرے اور سایہ میں چلا جائے، اور بیٹھے گھڑا
نہ رہے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔

امام خطاب فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نذر، نذر طاعت اور نذر معصیت دونوں پر مشتمل تھی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے ان انواع نذر میں سے جو نذر طاعت تھی اس کے پورا کرنے کا اور جو نذر غیر طاعت کی تھی اس کے ترک کرنے کا
حکم فرمایا، صوم تو نذر طاعت تھی اور قیام فی الشمس اور ترک کلام و ترک استقلال یہ نذر غیر طاعت تھی، اسلئے
کہ یہ چیزیں مشاق کے قبیلہ سے ہیں بدن کو تھکانے والی اور اذیت پہنچانے والی، ان میں کوئی معنی عبارت اور
قربت کے نہیں ہیں، اسی لئے آپ نے ان کے ترک کا حکم فرمایا۔
والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجه، قاله المنذری۔

باب من رأى عليه كفارة اذا كان في معصية

یہ ترجمہ الباب حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے اور اسی طرح وہ حدیث جو اس باب میں مصنف لائے ہیں
لیکن مصنف نے اس حدیث پر بعض دیگر محدثین کی طرح سخت کلام کیا ہے کما سیأتی۔

عن یونس عن الزہری عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم قال لا تذکر فی معصیة وکفارة یمین۔

یہ حدیث ترجمہ الباب اور حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے آگے مصنف اس پر کلام اور نقد فرما رہے ہیں۔

قال ابو داود وسمعت احمد بن شویہ قال قال ابن المبارک۔ یعنی فی هذا الحدیث حدیث

ابی سلمة۔ فدل ذلك علی ان الزہری لم یسعه عن ابی سلمة۔

قال ابو داود کی تشریح و تفتح اس عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے اس حدیث کی دوسری سند جو آگے آرہی ہے

اس کو دیکھتے چنانچہ اس میں اس طرح ہے: عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرہ عن ابی سلمۃ۔ اس سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے مذکور ہیں سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر جبکہ اس پہلی سند میں ان دونوں واسطوں میں سے ایک بھی واسطہ مذکور نہیں بلکہ براہ راست زہری ابوسلمہ سے روایت کر رہے ہیں، اب اسکے بعد مصنف کے کلام کا مطلب سمجھئے، مصنف فرما رہے ہیں میں نے اپنے استاذ احمد ابن شیبہ سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن المبارک نے اس حدیث ابوسلمہ پر کلام کیا ہے (آگے کچھ نہیں ہے کہ کیا کلام فرمایا ہے) لیکن مصنف فرما رہے ہیں کہ ابن المبارک کا حدیث پر نقد اور کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث کو ابوسلمہ سے براہ راست نہیں سنا، یہ بات مصنف نے کیسے سمجھی کہ انہوں نے کلام اس بنا پر کیا؟ غالباً مصنف نے یہ اسلئے سمجھا کہ اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جو غیر ثقہ ہو، لہذا یہ کلام کسی اندر کے راوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انقطاع سند کی وجہ سے ہو سکتا ہے اسی لئے اس کے بعد والی حدیث میں مصنف ایسے طریق کو لائے ہیں جس میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، فثبت منہ انقطاع هذا السند ووجه الکلام علیہ، مصنف اسی پر بس نہیں کرتے ہیں بلکہ آگے امام احمد کا نقد بھی جو اس حدیث پر ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں: قال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل یقول انسند واعلیٰ هذا الحدیث، قیل لہ: وضح

افسادہ عندک؟ دھل رواہ غیر ابن ابی اویس؟ قال: ایوب، کان أمثل منہ، وقد رواہ ایوب، مصنف فرما رہے ہیں میں اپنے استاذ احمد بن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ہم پر فاسد اور خراب کر دیا۔ یعنی اس کی سند میں گڑبڑ کر کے۔ کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا یعنی اس کی سند کا گڑبڑ ہونا محقق ہے؟ دراصل سائل سمجھ گیا تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اس حدیث کی سند کا فساد جو ثابت فرما رہے ہیں وہ اسی سند اور طریق کے پیش نظر ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے جس کا راوی ابوبکر بن ابیس (جس نے اس حدیث کی سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے ذکر کئے ہیں) تو سائل امام احمد سے یہ سوال کر رہا ہے کہ جس حدیث کی بنا پر آپ اس حدیث کی سند کا فساد ثابت کر رہے ہیں جس کا راوی ابن ابی اویس ہے تو کیا ابن ابی اویس کا کوئی متابع بھی اس میں ہے یا نہیں تاکہ ہم اس دوسری سند کو جو آنے والی ہے جس میں دو واسطے موجود ہیں اس کو راجع قرار دے سکیں، اس لئے کہ جس حدیث کی سند کو وہ فاسد کہہ رہے ہیں اس کا راوی تو زہری سے یونس ہے جو کہ ثقہ اور قوی ہے اور وہ دوسری سند جس کے پیش نظر وہ اس سند کو منقطع قرار دے رہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے جو متکلم فیہ ہے، تو تاوقتیکہ اس کا کوئی متابع نہ مل جائے اس کو راجع کیسے قرار دیا جاسکتا؟ تو اس اصولی سوال کا جواب امام صاحب نے ایسا دیا جو عجیب سا ہے، اور وہ یہ کہ وہ بجائے متابع پیش کرنے کے یہ فرما رہے ہیں کہ ابن ابی اویس کا جو شاگرد ہے یعنی ایوب وہ ابن ابی اویس سے زیادہ ثقہ ہے تو گویا

ثقاہت شاگرد کو قائم مقام متابع کے قرار دے رہے ہیں، یعنی امام صاحب کے ذہن میں ابن ابی اویس کا کوئی متابع تو تھا نہیں جو اس کو بیان کرتے بلکہ یہ فرمایا کہ ایوب جو ابن ابی اویس سے روایت کر رہے ہیں وہ بہت ثقہ ہیں مگر یہ بات بس ایسی ہی ہے چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں دانت خیر بان جواب الامام غیر صحیح علی قاعدۃ المحدثین فان رواۃ ایوب بن سلیمان لا یدفع ضعف ابی بکر بن ابی اویس فانه تلمیذہ فلا یقاوم حدیث یونس عن الزہری فلا یشبہ احتمال التدریس، حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ شاگرد کی ثقاہت رقت استاذ کے ضعف کو دور نہیں کر سکتی جب یہ بات ہے تو پھر ابو بکر بن ابی اویس کی حدیث، حدیث یونس عن الزہری کی مقاومت نہیں کر سکتی، لہذا حدیث یونس عن الزہری کا مدلس یا منقطع ہونا ثابت نہ ہوا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، پھر آگے حضرت فرما رہے ہیں علی ان النسائی روی حدیث یونس بسندھارون بن موسی المدنی قال ثنا ابو ضمرة عن یونس عن ابن شہاب قال ثنا ابو سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دیکھئے اس سند میں ابن شہاب ابو سلمہ سے سماع کی تصریح کر رہے ہیں، لہذا اس حدیث کا نہ انقطاع ثابت ہوا نہ تدلیس۔ الی آخر ما ذکر فی البذل۔

حدثنا احمد بن محمد المروزی نا ایوب بن سلیمان عن ابی بکر بن ابی اویس عن سلیمان بن بلال عن ابن ابی عتیق و موسی بن عقبہ عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرنا عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا نذر فی معصیۃ و کفارتہ کفارة یمین۔

باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی ہے جس میں ابن شہاب اور ابو سلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں پہلی سند میں نہیں تھے اور اسی بنا پر امام ابو داؤد نے اس سند پر عبد اللہ بن المبارک اور امام احمد بن حنبل کا نقل فرمایا تھا لیکن اب آگے یہاں مصنف اس طریق ثانی پر بھی اپنے استاذ احمد بن محمد المروزی کا نقل فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی بھی غلط ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

قال احمد بن محمد مروزی انما الحدیث حدیث علی بن المبارک عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد

ابن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اراد ان سلیمان بن ارقم و ہ و فیہ و حملہ عن الزہری و ارسلہ عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

احمد بن محمد مروزی فرما رہے ہیں کہ اوپر والا طریق یعنی سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر بالکل غلط ہے، صحیح طریق یحییٰ بن ابی کثیر کے دوسرے شاگرد یعنی علی بن المبارک کا ہے، اور علی بن المبارک نے حدیث اس طرح روایت کی ہے عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین، دراصل یہ سلیمان بن ارقم راوی جمع علی ضعف ہے اس نے سند کو یحییٰ بن ابی کثیر سے غلط طریقہ سے بیان کیا، یحییٰ بن ابی کثیر کے استاد اس سند میں ابو سلمہ نہیں ہیں

جیسا کہ سلیمان بن ارقم نے بیان کیا بلکہ محمد بن الزبیر میں اور پھر ان سے آگے سند اس طرح ہے عن ابیہ عن
 عمران بن حصین، گویا یہ حدیث مسانید عائشہ سے ہے ہی نہیں بلکہ عمران بن حصین کے مسانید سے ہے
 اور یہ ساری گڑبڑ سلیمان بن ارقم کی طرف سے ہے، اور پھر مزید برآں یہ گڑبڑ پائی گئی کہ چونکہ اس حدیث کو
 امام زہری نے سلیمان بن ارقم سے لیا تھا تو انہوں نے بجائے بعینہ نقل کرنے کے مسال عن ابی سلمہ روایت کر دیا
 بیچ کے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے (زہری کا شمار ہے بھی مدلسین میں) خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث عائشہ
 کی سند میں دو شخصوں نے گڑبڑ کی اول سلیمان بن ارقم نے کہ انہوں نے سند کچھ کی کچھ بیان کی اصل حدیث مسانید
 عمران بن حصین میں سے تھی سلیمان نے اس کو بجائے ان کے عائشہ کی طرف منسوب کیا، دوسرا تصرف اس حدیث
 کی سند میں سلیمان کے شاگرد ابن شہاب زہری نے کیا کہ درمیان سے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے، امام
 ابو داؤد جو کچھ فرمانا چاہ رہے ہیں اس کی تشریح وہ ہے جو ہم نے اوپر لکھی، اب اس سب کا حاصل یہ ہوا کہ باب کے
 شروع میں مصنف نے جو حدیث عائشہ پہلے ایک طریق سے اس کے بعد دوسرے طریق سے ذکر کی، یہ حدیث
 دونوں ہی طریق کے اعتبار سے وہم ہے، اور صحیح اس طرح ہے جس کو احمد بن محمد مروی کہہ رہے ہیں یعنی علی بن المبارک
 عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال لا نذر فی
 معصیۃ وکفارتہ کفارة یمین۔

میں ابو داؤد کے سبق میں کہا کرتا ہوں کہ یہ قال ابو داؤد تمام کتاب میں جملہ اقابیل ابو داؤد میں سے زیادہ
 مشکل اور دقیق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے اوپر اس کی پوری وضاحت لکھ دی ہے اب سمجھنے والوں کے لئے
 اس میں کوئی دشواری نہ ہوگی، اور ہم نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ تقریباً سب ہی بذل الجہود سے ماخوذ ہے۔

حدیث عائشہ پر محدثین کا نقد اور حنفیہ کی طرف سے اس کا رد

یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، اب یہ حضرات محدثین اس حدیث
 عائشہ پر کلام کر رہے ہیں، امام ابو داؤد اور امام احمد وغیرہ کا نقد تو ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے، امام خطابی نے کہا کہ یہ
 ہیں کہ اگر یہ حدیث عائشہ صحیح ہو جائے لکان القول بہ واجبا والمصیر لہ لازما، اور پھر آگے فرماتے ہیں لیکن یہ حدیث
 ثابت نہیں ہے کیونکہ محدثین کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث مقلوب اور اس کے بعد پھر وہ جو امام ابو داؤد نے جو کچھ
 کلام کیا ہے خطابی نے اس سب کو بیان کیا ہے اور پھر اخیر میں یہ کہا کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث اس طرح
 مروی ہے جس طرح احمد بن محمد مروی کہہ رہے ہیں، اور جس طرح وہ کہہ رہے ہیں اس کی سند میں محمد بن الزبیر

اور ان کے باپ راوی ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں، پس یہ حدیث من طریق الزہری تو مقلوب ہے اور اس دوسرے طریق میں رجل مجہول ہے لہذا یہ حدیث ساقط الاحتجاج ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سب کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے جس کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں حاشیۃ السندی علی النسائی سے نقل فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ ہی سے مروی نہیں ہے بلکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین سے بھی مروی ہے، اور حدیث عائشہ کی بعض اسانید میں عن الزہری عن ابی سلمہ ہے اور بعض طرق میں عن الزہری قال حدثنا ابو سلمہ ہے جو صریح ہے زہری کے سماع میں ابو سلمہ سے (لہذا تدریس کا احتمال بیان کرنا صحیح نہیں) اور اس کے بعض طرق میں ہے عن الزہری عن سلیمان بن ارقم ان یحییٰ بن ابی کثیر حدثنا سمع ابی سلمہ، وھذا الاختلاف یکن دفعہ باثبات سماع الزہری مرۃ عن سلیمان عن یحییٰ عن ابی سلمہ ومرۃ عن ابی سلمہ نفسه، وعند ذلک لا قطع بضعف سہا حدیث عقبہ وعمران یؤید الثبوت واللہ تعالیٰ اعلم یعنی زہری کی حدیث میں جو اضطراب و اختلاف ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث زہری کو دونوں طرح پہنچی ہو براہ راست ابو سلمہ سے بھی اور بواسطہ سلیمان بن یحییٰ بن ابی کثیر، اور اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، خصوصاً جبکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین کی حدیث سے بھی کفارہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المذہبی۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخبرنا انہ سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اخت له

نذرت ان تتحج حافۃ غیر مختمرۃ فقال مروھا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ایک بہن ہے جس نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ حج کرے گی پیدل ننگے پاؤں اور بغیر سر ڈھانکے، آپ نے فرمایا اس کو چاہیے کہ سر ڈھانپے اور سوار ہو کر حج کرے اور اس کو چاہیے کہ تین روزے رکھے۔

روایات الباب کا تجزیہ | جاتا چاہیے کہ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اخت عقبہ کی نذر کے قصہ کو دو طرح ذکر کیا ہے ایک بروایت عقبہ اور دوسرے بروایت عکرمہ عن ابن عباس مسنداً

اور ایک طریق میں ہے عن عکرمہ مرسلًا، پھر روایت عقبہ بن عامر کے الفاظ تو یہ ہیں مروھا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔ اور ایک روایت میں ہے لتمش ولترکب اسمین صوم وغیرہ کا ذکر نہیں، اور ابن عباس کی ایک روایت میں یہ ہے فامرها النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ترکب و تہدی صدیا، اور ایک روایت میں ان کی اس طرح ہے فلتج را کبۃ و لتکفر یمینہا، نیز ابن عباس کی روایت میں صرف مشی کا ذکر ہے عدم اختار کا نہیں۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا تعلق اخت عقبہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں ہے رأی رجلاً یہادی بین ابینہ، اور اس میں یہ ہے، ان اللہ لغنی عن تعذیب ھذا الفہرۃ امرہ

ان پر کب، حافظ فرماتے ہیں کہ حدیث انس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رکوب کا حکم فرمایا جزئاً، اور اخت عقبہ کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو آپ نے حکم فرمایا، ان تمشی وان ترکب، اس لئے کہ حدیث انس کے اندر نذر ماننے والا کان شیخا ظاہر الحج، اور اخت عقبہ کا حال یہ نہیں تھا اس لئے آپ نے اس کو یہ فرمایا کہ جب تک پیدل چل سکے پیدل چلے اور جب عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے ۱۵۔

الکلام علی الحدیث من خیر الفقہ

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ جو شخص حج ماشیا کی نذر مانے تو اس پر اس کا ایفاء واجب ہے ورنہ اس پر ہزار واجب ہوگی، پس اگر اس نے اپنی نذر کا ایفاء کر دیا تو فقہاء اور اگر نہیں کیا تو امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارۃ یمین واجب ہوگا لہذا "ولتقسم ثلاثۃ ایام" والی روایت حنبلیہ کے موافق ہوگی اور امام شافعی و مالک کے نزدیک اس پر ہدی واجب ہوگی، اور حنفیہ کے نزدیک ہدی اس صورت میں واجب ہوگی اذا کان الركوب فی اکثر المسافۃ اور اگر ایسا نہیں تو اس پر قیمت شاة واجب ہوگی بقدر رکوب کے، ائمہ ثلاث کا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہوا جس میں ہے "ان ترکب و تہدی ھدیا" اب یہ کہ جس روایت میں "ولتقسم ثلاثۃ ایام" ہے وہ ائمہ ثلاث کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ روایت بالمعنی ہو اس لئے کہ ابن عباس کی روایت کے ایک طریق میں اس طرح ہے "فلتج راکبۃ و لتکفر یمینہا" تو اسی کو راوی نے "ولتقسم ثلاثۃ ایام" سے تعبیر کر دیا، حالانکہ کفارۃ یمین سے مراد یہاں پر کفارۃ الجنایۃ تھا جیسا کہ ابن عباس ہی کی روایت کے دوسرے طریق میں ان ترکب و تہدی ھدیا دار ہے چنانچہ ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں والظاهر ان المراد بالتکفیر کفارۃ الجنایۃ دہی الہدی او ما یقوم مقامہ من الصوم یہ سب کچھ تو وہ ہے جو ہم نے حافظ وغیرہ شراح کے کلام سے سمجھا، اور ہمارے حضرت سہارنپوری نے "بذل الجہود" میں اس مقام کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اخت عقبہ کی نذر میں دو چیزیں پائی گئیں ایک حج ماشیا کی نذر دوسرے عدم اختیار کی نذر، ان دو میں ایک نذر نذر طاعت ہے اور دوسری نذر معصیت، نذر طاعت کا پورا کرنا واجب ہے یعنی حج ماشیا، اور پورا نہ کرنے کی صورت میں ہدی یعنی دم جنایت واجب ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں ہدی کا ذکر ہے، اور دوسری نذر جو نذر معصیت ہے اس کا ایفاء چونکہ ناجائز ہے اور حائث ہونا واجب، اور پھر اس صورت میں کفارۃ یمین واجب ہوگا جیسا کہ یہاں ایک روایت میں ہے "ولتقسم ثلاثۃ ایام" مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو جس ترجمۃ الباب کے تحت لائے ہیں اس سے حضرت کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل مذکور ہے جو نیچے حاشیہ میں درج کی جاتی ہے

والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

وحدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

(حاشیہ الخ مسر)

باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس

عند الحنفیة نذر کے اندر تعیین الزمان والمكان معتبر نہیں لہذا اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نماز نذرمانے یا کسی خاص زمانہ میں روزہ کی نذرمانے تو نفس نماز اور نفس روزہ سے نذر پوری ہو جاتی ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن ان کے نزدیک مساجد ثلاثہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، ان مساجد کی تعیین ان کے نزدیک معتبر ہے، اور امام شافعی سے دور وائتیں ہیں، اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی تعیین الزمان والمكان والشخص نذر میں معتبر ہے۔

قال صل ہنہنا ثم اعد علیہ فقال صل ہنہنا، مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے یہ نذرمانی تھی اللہ کے لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مکہ کو فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت ادا کروں گا، آپ نے فرمایا یہیں پر ٹھہرے اس نے پھر دوبارہ سوال دہرایا آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ یہیں پر ٹھہرے، پھر تیسری بار ایسا ہی ہوا فقال شأنک اذا یعنی بس تو پھر تو جان اور تیرا کام۔

انہ سمع حفص بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف وعمر، وقال عباس بن حنظلہ، اخبرنا عن عمر بن عبد الرحمن بن عوف۔

شرح السند اس سند کو اس طرح سمجھئے کہ یوسف بن الحکم کے دو استاد ہیں حفص بن عمر اور عمر، اس دوسرے استاد کے بارے میں مصنف کے ایک استاد یعنی مخلد بن خالد نے تو صرف عمر ہی کہا بغیر نسبت کے اور مصنف کے دوسرے استاد عباس غبنری نے بجائے عمر کے عمر بن حنظلہ کا بھی ذکر کیا، اخبرنا کی ضمیر ثنیہ حفص بن عمر اور عمر بن حنظلہ کی طرف راجع ہے، یعنی ان دونوں نے خبر دی اپنے شاگرد یوسف کو۔ قال ابو داؤد: رواہ الانصاری عن ابن جریج فقال: جعفر بن عمر، وقال: عمرو بن حنیۃ۔

لے نفیہ: من نذر المشی ثم رکب فعند احمد والقادر علی المشی اسرار دون العاجز وعلیہ کفارة یمین بكل حال والروایۃ الاخری علیہ دم وھو قول الشافعی فی الحالیین القدرة والعجز والدم البشاة علی الاصح، وقول آخرانہ بدنة، وعند مالک یجب قضاء مارکب فی سنة اخرى فیمشی مارکب یرکب المشی اذا کان کثیرا وکان فی المناسک وھو من خروج مکة الی رجوع منی، ومع ذلك یجب الہدی ایضا وھذا اذا کان قریب البلدة کالمکہنی او متوسطا کالمصری، وان کان بعید البلدة کالافریق فی فعلیہ الہدی فقط وکذا اذا کان الרכوب قلیلا فی غیر المناسک وعندنا الحنفیۃ۔ اذا رکب فی اکثر الطرق بعد ذرا بلاء عذر فعلیہ دم شاة، وفي الاقل والمساواة بقدر ذلك من قیمة الشاة (او جزءہا) (۱۳)

یہ انصاری ابن جریج کے شاگرد روح کے عدیل (مقابل) ہیں جو اوپر سند میں آئے، مطلب یہ ہے کہ ابن جریج کے شاگرد روح نے تو ان سے یوسف کے استاد کا نام حفص بن عمر ذکر کیا، اور اس انصاری نے ابن جریج سے بجائے حفص بن عمر کے جعفر بن عمر ذکر کیا، نیز بجائے عمر بن حنہ کے عمر بن حمیہ ذکر کیا وقال: اخبرنا عن عبد الرحمن بن عوف وعن رجال، یعنی انصاری نے حفص بن عمر اور عمر بن حنہ کا استاد عبد الرحمن بن عوف کو قرار دیا۔ بجائے عمر بن عبد الرحمن کے، اور دوسرا فرق یہ کر دیا کہ بجائے "عن رجال" کے "عن رجال" کر دیا۔

باب قضاء النذر عن الميت

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یعنی میت کے ذمہ اگر کوئی نذر ہو تو اس کے پورا کرنے کا بیان، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نذر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مالی ہوگی یا بدنی،

یعنی اس کا تعلق یا تو عبادت مالیہ سے ہوگا جیسے صدقہ یا عبادت بدنیہ سے، اگر عبادت مالیہ سے ہے تو پھر دیکھا جائے گا میت نے مال چھوڑا ہے یا نہیں، اگر نہیں چھوڑا تو پورا کرنا کسی کے نزدیک واجب نہیں، اور اگر چھوڑا ہے تو پھر اس وصیت کی تنفیذ صرف ثلث مال میں واجب ہوگی، امام شافعی واحد کے نزدیک مطلقاً، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک بشرط الوصیۃ، اور اس کے بالمقابل عبادت بدنیہ میں جیسے صوم و صلاۃ اس میں وارث کی جانب سے قضا یعنی نیابت عن الميت جائز نہیں، ہاں افتداری یعنی فدیہ کے ذریعہ قضا ہوگی عند الائمۃ الثلاثۃ امام احمد کے نزدیک صوم اس سے مستثنیٰ ہے ان کے نزدیک صوم مندور کی قضا نیابت عن الميت جائز ہے۔

یہ نیابت کا مسئلہ اس سے پہلے کتاب الحج و الصوم میں بھی گذر چکا، اور ظاہر یہ کہ نزدیک قضا النذر عن الميت مطلقاً واجب سوا ان فی العبادۃ المالیۃ او البدنیۃ۔

عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما ان سعد بن عبادۃ رضي الله تعالى عنه استفتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انـ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا حالانکہ ان کے ذمہ ایک نذر تھی جس کو پورا نہیں کیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم ان کی طرف سے اس کی قضا کر دو۔ یہ نذر کس چیز کی تھی؟ قیل کان نذراً مطلقاً، وقیل نذراً الصوم، وقیل نذراً العتق، وقیل الصدقۃ۔

لہ لا تجزى النيابة في الصلاة عند الائمة الاربعة الا في رواية لاجم، ولا يجوز في الصوم عند الائمة الثلاثۃ ويجوز عند احمد في الصوم المنذور لا الواجب الاصلی وروایۃ للشافعی، وتجزى فی الحج بالاتفاق۔

یہاں پر اس حدیث میں قضا کا حکم حنفیہ کے نزدیک استحباً ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نذر بالعبادة البدیہ میں تو قضا جائز ہی نہیں بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد، وعن ابن عمر نحوہ اور عبادت مالیہ میں اگرچہ واجب ہے ایک صورت میں لیکن بشرط الوصیۃ اور یہاں وصیت پائی نہیں گئی اسلئے کہا ہم نے کہ یہ امر استحباً ہے عند الحنفیۃ وکذا عند المالکیۃ۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان امرأة رکبت البحر فنذرت ان نجاها الله ان تصوم شهراً
یعنی کسی عورت نے کشتی کے سفر میں یہ نذر مانی کہ اگر میں صحیح سالم پہنچ گئی تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی، مگر اس کو روزے رکھنے کی نوبت نہیں آئی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا تو اس کی بیٹی یا بہن آپ کی خدمت میں آئی تو آپ نے اس کو صوم عن المیت کا حکم فرمایا، یعنی بالافتاء علی مسلک الجمهور۔

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه بريدة رضي الله تعالى عنه ان امرأة الو۔ یہ حدیث بسندہ و متنی کتاب الوصایا میں گذر چکی اور اسی طرح کتاب الزکاة میں باب من تصدق بصدقة ثم در شہاکے اندر، اور آگے کتاب البیوع میں "باب فی الرجل یفضل بعض دلدہ علی بعض فی النخل" میں آرہی ہے۔

باب ما یومر به من وفاء النذر

ان امرأة انت النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم فقالت يا رسول الله اني نذرت ان اضرب على رأسك بالدف، قال اوفى بنذرک۔

اس روایت میں یہاں اختصار ہے، ترمذی کی روایت میں اس پر اضافہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے بعض معازی میں تشریف لے گئے، آپ کی اس غزوہ سے واپسی پر ایک چار یہ سوداگر آئے اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس بھیج دیا تو آپ کے سامنے میں دف بجاؤں گی (یعنی دھپڑانے کہ ڈھول اسی الطبل فانیہ ممنوع کما سیأتی فی الاشیۃ بنی عن الطبل) بین یدیک کا لفظ ترمذی کی روایت میں ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو نے یہ نذر مانی تھی تو اس کو پورا کر لے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا حدیث حسن صحیح غریب۔

شرح الحدیث | اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ ضرب دف تو ان طاعات میں سے نہیں ہے جس کی نذر صحیح ہو اسلئے کہ ضرب الدف زائد سے زائد مباح ہو سکتا ہے نہ کہ طاعت لیکن چونکہ اس ضرب دف کا تعلق بعض ایسی چیزوں سے ہے جن کو عبادت کہا جاسکتا ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی سلامتی کیساتھ واپسی پر اظہار سرور جس میں مسارۃ کفار ہے اور اذلال منافقین وغیرہ امور، اس حیثیت سے اس میں عبادت کے معنی پیدا ہو گئے، اور پھر آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اس عورت نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے فلاں مکان میں جانور ذبح کرنے کی نذر مانی ہے جہاں پر مل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، آپ نے پوچھا کہ کیا تیری یہ نذر کسی بت کے نام پر ذبح کرنے کے لئے ہے، اس نے کہا کہ ایسا نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لے۔ اس کے بعد بھی ایک اور حدیث اسی قسم کے مضمون کی آرہی ہے۔

باب النذر فیما لا یملک

باب کی حدیث کے آخر میں ہے "لا فاء لنذر فی معصیۃ اللہ ولا فی ما لا یملک ابن آدم"۔
ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ
اس مضمون کی مفصل حدیث، باب فی الطلاق قبل الزکاح میں گزری ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا بیع الا فیما تملک ولا فاء لنذر الا فیما تملک، اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے ومن حلف علی معصیۃ فلا یمین لہ، ان تمام مسائل کا بیان و اختلاف علماء کتاب الطلاق میں اسی حدیث کے ذیل میں گزر چکا، تاہم نذر سے متعلق مسئلہ دوبارہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں یعنی جو چیز آدمی کی ملک میں نہ ہو نذر ماننے کے وقت، اس کی نذر معتبر نہیں، منذور بہ اگر مال کے قبیلہ سے ہے وہ ناذر کی ملک میں ہونا چاہیے یا کم از کم وہ نذر مضاف الی الملک ہو یا مضاف الی سبب الملک ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی نذر صحیح ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے ان شفی اللہ مر یضی فعبد زید حر، یہ نذر باطل ہے بالاتفاق یا تو اپنا غلام ہونا چاہیے یا پھر اضافت الی الملک یا سبب الملک ہونا چاہیے جیسے یوں کہے کل مال الملک قیما استقبل فهو صدقۃ، یا یوں کہے کل ما اشتريتہ او ارثہ فهو صدقۃ، اور امام مالک کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک کے ساتھ اس شئی کی کچھ صفت بھی ذکر کر دی جائے مثلاً قبیلہ کی تعیین یا کسی شہر کی تعیین یا اور کوئی صفت جس سے فی الجملہ تخصیص پیدا ہو جائے تب نذر صحیح ہوتی ہے ورنہ نہیں، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک عموماً ہو یا خصوصاً دونوں صورتوں میں معتبر نہیں فی الحال ملکیت ہونی چاہیے حنفیہ مالکیہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے کوئی شخص غیر مملوک چیز میں نذر مانے تنجیز معتبر نہیں، تعلیق کی صورت میں معتبر ہے، اور امام شافعی کے نزدیک تنجیز و تعلیق دونوں حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: و مذہبنا مردی عن عمرو ابن مسعود وابن عمر و الجواب عن الاحادیث المذكورة انها محمولة علی نفی التنجیز و الحمل ما ثور عن السلف کالشعبي والزہری، قال عبد الرزاق فی مصنفہ: انا معمر عن الزہری انه قال فی رجل قال کل امرأۃ تزوجها فی طائفة، وکل امۃ

اشتر یہاں ہی حرة ہو کا قال، فقال له عمر اليس قد جازا لاطلاق قبل النكاح ولا عتق الا بعد ملك، قال انما ذلك ان يقول امرأة فلان طالق، وعبد فلان حراہ (بذل ۲۳۷) بذل میں اس کے بعد مصنف ابن ابی شیبہ سے بہت سے تابعین سے بھی یہی نقل کیا ہے جیسے سالم وقاسم بن محمد وعمر بن عبد العزیز وشعبی والخنفي والزہری وغیرہ، یعنی یہ کہ یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے اور تعلیق والی صورت اس میں داخل نہیں۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانت العضباء لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج قال فأسر فأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم وهو فی وثاق۔

آپ کی اس ناقہ عضبار کا واقعہ جو یہاں مذکور ہے اس کو ہم ”باب فی اقطاع الارضین“ میں صحیح بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں مختصراً لکھ چکے ہیں ایک خاص مناسبت سے، اس کو وہاں دیکھ لیا جائے (۱/۱۸۱) اس قصہ کا بقیہ یہ ہے کہ قال فضوی الرجل بعد بالرجلیں، یعنی پھر اس قیدی کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ان دو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں بطور فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔

قصہ میں آچکا ہے، قال وحسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم العضباء لرجلہ، یعنی اس عضبار اونٹنی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی سواری کے لئے روک لیا، قال فاغار المشركون علی سرح المدینة۔

فذهبوا بالعضباء فلما ذهبوا بهن اسروا امرأة من المسلمین قال فکانوا اذا کان اللیل یرجون ابلہم فی افنیہم۔

ناقہ عضبار کا ایک واقعہ آگے راوی اس ناقہ عضبار کے ساتھ جو ایک اور قصہ پیش آیا اس کو بیان کرتا ہے وہ یہ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ بعض مشرکین نے اہل مدینہ کے اونٹوں پر غارت گری کی اور ان کو لوٹ کر لے گئے اور ان اونٹوں کے ساتھ یہ اونٹنی بھی گئی اور ایسے ہی ایک عورت کو بھی قید کر کے لینگے یہ عورت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں، یہ مشرکین جو اونٹوں کو لوٹ کر مدینہ سے لے جا رہے تھے دوران سفر جب رات آتی تھی تو ان اونٹوں کو خیموں کے سامنے باندھ کر سو جاتے تھے، یہ بڑھیا ان کے ساتھ تھی ہی جو ہر وقت جان بچا کر ان کے پیچھے سے بھاگنے کی فکر میں رہتی تھی، چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ رات کے وقت جب وہ سب لیڑے پڑ کر سو گئے تو یہ عورت جاگ رہی تھی یہ اٹھی کسی قابل سواری اونٹنی کو تلاش کرنے لگی تاکہ اس پر سوار ہو کر مدینہ لوٹ آئے، دراصل ہر اونٹنی سواری کے قابل ہوتی نہیں اس لئے پہلے اس اونٹنی کو دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ سواری کے لائق ہے یا نہیں، یہ عورت تجربہ کار تھی جانتی تھی کہ سواری کے قابل کون سی اونٹنی ہوتی ہے، چنانچہ یہ عورت چپکے سے اٹھی اور ان اونٹنیوں کے پاس جا کر ہر ایک پر الگ الگ ہاتھ رکھ کر دیکھتی تھی، جس پر بھی ہاتھ رکھے وہی اونٹنی بلبلانے لگتی، (اونٹ پر جب پا لان وغیرہ رکھتے ہیں سواری کے لئے یا سامان لادنے کے لئے تو اس وقت وہ کچھ آواز سی نکالتا ہے) جب وہ اونٹ بولت ایہ عورت ایک دم اس کے پاس

سے ہٹ جاتی یہ اندازہ لگا کر کہ یہ سواری کے قابل نہیں ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ سوتے ہوئے جاگ نہ جائیں غرضیکہ وہ اسی طرح جلدی جلدی ہر ایک پر ہاتھ رکھ کر دیکھتی اور جب وہ بولنے لگتا تو ہٹ جاتی، جب اس ناقہ عضبہ کا نمبر آیا اور اس پر بھی اس نے ہاتھ رکھ کر دیکھا تو وہ نہیں بولی، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے فجلت اذا دنت من البعیر رغافتر کہ حتی تنتهی الی العضبہ فلم ترغ، یہ سمجھ گئی کہ یہ اونٹنی سواری کے قابل ہے، ذلول اور مجوسہ کے معنی یہی ہیں یعنی وہ اونٹنی جو سوار کے تابع ہو اور سواری کے لائق ہو، چنانچہ یہ اس پر سوار ہو گئی، اور مدینہ کا رخ کیا اور اس وقت اس نے یہ بھی نذر مانی ان نجاها الله لتخرجنہا، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کے ذریعہ مجھے نجات دلادی اور اس پر سوار ہو کر میں مدینہ منورہ صبح سالم پہنچ گئی تو میں اس اونٹنی کو اللہ کے لئے ذبح کروں گی، چنانچہ اس پر بیٹھ کر وہ صبح سالم مدینہ پہنچ گئی، فلما قدمت المدینة عرفت الناقة ناقہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یعنی جب دن میں لوگوں نے اس اونٹنی کو دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ عضبہ ہے اور پھر آپ کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ نے آدمی بھیج کر اس عورت کو بلایا اور آپ سے اس عورت کی نذر کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے سن کر فرمایا: بئس ملجئ تھا۔ او جزی تھا۔ یہ شک راوی ہے کہ آپ نے غائب کے صیغہ کیساتھ فرمایا یا اس عورت کو خطاب کرتے ہوئے صیغہ حاضر کا تلفظ فرمایا، یعنی اس عورت نے اس اونٹنی کو یہ تو بہت برا بدلہ دیا ان الله نجاها علیہا لتخرجنہا یہ حرف شرط ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دیدی اس اونٹنی پر تو یہ ضرور بالضرور اس کو ذبح کریگی، اس جزاء کا برا ہونا صوریہ ظاہر ہے کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ اس عورت کی جان کی حفاظت کا ذریعہ بنا رہے ہیں وہ عورت اس کو ہلاک کر دے فہذا جزاء الحسنۃ بالسیئۃ، پھر آگے آپ نے شرعی مسئلہ کی بات بیان فرمائی لا دفاع لندری معصیۃ اللہ ولا فیما لا یملک، یعنی جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس میں نذر ماننے کا کیا مطلب، نذر تو اپنے مال کی ہونی چاہیئے اس حدیث کی شرح اور مسئلہ کی تفصیل ہم شروع باب میں بیان کر چکے ہیں۔

استیلا الرکافر علی مال المسلم سے متعلق ایک سوال و جواب

یہاں پر ایک اور علمی سوال و جواب ہے وہ یہ کہ کتاب الجہاد میں ایک باب کے تحت میں "باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ" یہ مسئلہ گزر چکا ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک استیلا الرکافر علی مال المسلم سبب ملک ہے تو اس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مشرک لٹیرے اس عضبہ کے مالک ہو گئے تھے اور یہ عورت اس مال مشرک کو لوٹ کر لائی لہذا یہ اونٹنی مال غنیمت ہوئی جس کا مالک لوٹنے والا ہی ہونا چاہیئے، اس پر لا یملک کہاں صادق آتا ہے، شافعیہ و حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک استیلا الرکافر سبب ملک نہیں ہوتا، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ عند الحنفیہ استیلا سبب ملک بعد الا حراز ہوتا ہے، یہاں گو استیلا پایا گیا لیکن ابھی تک

احراز نہیں پایا گیا تھا، یعنی مال کو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل کر لینا، ہاں مالکیہ کے نزدیک استیلا کافر مطلقاً سبب ملک ہوتا ہے، پس یہ حدیث اگر خلاف ہے تو مالکیہ کے ہے نہ کہ حنفیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قال ابوداؤد: المرأة هذه امرأة ابی ذر۔

والحدیث أخرجه مسلم والنسائی بطوله، وأخرجه الترمذی منہ طرفاً، وأخرج النسائی وابن ماجہ منہ طرفاً، قال المنذری۔

باب من نذر ان يتصدق بماله

عن كعب مالك رضى الله تعالى عنه قال قلت يا رسول الله ان من توبتي ان انخلع من مالي صدقة

الى الله والى رسوله قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امسك عليك بعض مالك فهو خير لك۔

تصدق بجميع المال کی نذر میں مذہب ائمہ | ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تصدق بجمع المال کی نذر

کا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا قلال کام ہو گیا تو میں

اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کر دوں گا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مالکیہ و حنابلہ کا مسلک اس صورت میں یہ ہے

یکفیه التصدق بالثلث یعنی ایسے شخص کے لئے ثلث مال کا صدقہ کر دینا کافی ہے، اور امام شافعی کے نزدیک پورا ہی

مال صدقہ کیا جائے گا، وعند الحنفیہ جميع المال الزکوی ان کان والا فمال کان، یعنی حنفیہ کے نزدیک یہ نذر اس مال پر

محمول ہوگی جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (نقدین و السوائم وغیرہ) اگر اس کے پاس مال زکوٰۃ ہو، اور اگر اس

کے پاس اس قسم کا مال نہ ہو تو پھر جو بھی مال ہو اسی پر محمول ہوگی، وہی سب دیا جائے گا، امام مالک کا مسلک خود

موطائیں موجود ہے عن عائشة ام المؤمنين انہا سئلت عن رجل قال مالی فی رباح الکعبة فقالت عائشة یکفیرہ

ما یکفر الیمین، قال مالک فی الذی یقول مالی فی سبیل اللہ ثم یحت قال یجعل ثلث مالہ فی سبیل اللہ، و فی الادب

واخرج محمد فی موطاه اثر عائشة ثم قال قد بلغنا هذا عن عائشة و احب الینا ان یعنی بما جعل علی نفسه یتصدق

بذلک و یمسک ما یقوتہ فاذا افاد مالاً یتصدق بمثل ما مسک و هو قول ابی حنیفہ و العامة من فقہائنا ہ امام محمد فرما رہے

ہیں کہ ہمارے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر ماننے والا شخص اس نذر کو پورا کرے یعنی سارا مال صدقہ

کرے اور سر دست بقدر قوت روک لے پھر بعد میں جب کہیں اور سے مال کملے تو اس مقدار کو بھی صدقہ کر دے

(ادجزع ۴ ص ۱۶۵)

شرح الحدیث من حیث الفقہ | حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی توبہ جب قبول ہو گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے

یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (میرے ذہن اور اعتقاد میں یہ بات ہے کہ) میری توبہ کا کمال اس میں ہے کہ میں اپنے پورے

مال کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر کے اس سے علیحدہ ہو جاؤں، اس پر آپ نے فرمایا کچھ مال اپنے لئے روک لے یہ تیرے لئے زیادہ بہتر ہے، تو انہوں نے عرض کیا: بہتر ہے تو پھر میں اپنا وہ حصہ جو غنائم خیر میں سے ملا تھا اس کو روک لیتا ہوں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان کو کل مال کے تصدق سے اور اسی طرح نصف مال کے تصدق سے بھی منع فرمایا اور پھر اخیر میں ثلث مال کے تصدق کی اجازت دی، مالکیہ و حنابلہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے استدلال بہ الموفق فیمن نذر التصدق بجمع مالہ انہ یحرمونہ التصدق بالثلث، وبہ قال مالک، وقال الشافعی یلزمہ کل فی البتر دون اللجاج، وقال الحنفیہ یلزمہ تصدق المال الزکوٰۃ کلہ اھ نذر لجاج والغضب اس نذر کو کہتے ہیں جو نذر آدمی جو شس میں آکر قسم کے طور پر مانتا ہے کسی کام کے کرنے یا اس سے رکنے کے لئے جس سے ناذر کا مقصود قربت اور عبادت نہیں ہوتا صرف اپنے ذمہ کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے، نذر تبریر نذر طاعت کو کہتے ہیں جس سے مقصود قربت اور عبادت ہو اور سوچ سمجھ کر وہ نذر مانی جائے، نذر لجاج پر تفصیلی کلام آئندہ ایک باب کے بعد آ رہا ہے، لہذا یہ حدیث حنفیہ و شافعیہ کے خلاف ہوئی، اس کا جواب احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ اس قصہ کعب میں نذر کا ذکر کہاں ہے وہ تو آپ سے استشارہ کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ میری توبہ کی تکمیل جب ہوگی جب میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں، آپ نے ان کو بجائے کل کے ثلث مال کے تصدق کا مشورہ دیا، اور اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصد اپنی نذر ہی کو بیان کرنا تھا کہ میں نے اپنی توبہ کی تکمیل کے لئے تصدق بجمع المال کی نذر مان رکھی ہے تو اب میں کیا کروں، تو اس صورت میں آپ کے کلام کی تاویل یہ ہوگی کہ سر دست ثلث مال کا صدقہ کر دو، سارا مال ایک ساتھ صدقہ نہ کرو اس سے پریشانی ہوگی، بعد میں آہستہ آہستہ اس مقدار کو صدقہ کر کے پورا کر دینا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ دفعۃً سارا مال صدقہ نہ کرے کما تقدم آفا من کلام الامام محمد رحمہ اللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والحدیث اخرجه النسائی ایضا محققا، واخرجه البخاری ومسلم فی الحدیث الطویل، قال المنذری۔

باب نذر الجاہلیۃ ثم ادرك الاسلام

عن ابن عمر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال یا رسول اللہ انی نذرت فی الجاہلیۃ ان اعتكف

فی المسجد الحرام لیلة فقال له النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوف بندرت۔

یہ حدیث باب الاعتکاف میں گزر چکی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک صحت نذر کے لئے اسلام ناذر شرط ہے اس لئے کہ نذر ہوا کرتی ہے طاعت کی و الکافر لیس باہل لہا، امام احمد کے نزدیک شرط نہیں انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور جمہور اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اگر کوئی اس پر

یہ اشکال کرے کہ عند الجہور تو نذر کا فر نذر ہی نہیں ہے حالانکہ آپ اس کو نذر قرار دے ہیں، اس کا بعض علماء نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے اوف بمثل نذر کہ جس طرح حقیقی نذر کو پورا کیا کرتے ہیں اسی طرح اس مثل نذر کو پورا کرے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

باب من نذر نذراً لم یسمہ

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفارة النذر کفارة الیمین۔

حدیث الباب کا محل اور اس میں اختلاف علماء اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کفارة النذر اذا لم یسمہ کفارة الیمین، البوداؤد کی حدیث میں گویہ زیادتی نہیں، لیکن مصنف نے اس حدیث کو محمول اسی پر کیا ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے، اس نذر کی صورت یہ ہے جسے کوئی شخص یوں کہے "لله علی نذر" اور کس چیز کی نذر ہے اس کی تعیین نہ کرے اس نذر کو نذر مبہم بھی کہتے ہیں، نذر مبہم میں جہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ کفارة کفارة الیمین، اس لئے کہ پورا کرنے کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں غیر معین ہونے کی بنا پر، ابن قدامہ نے اکثر علماء کا مذہب یہی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں: ولا اعلم فیہ مخالفاً الا الشافعی قال لا ینتقد نذرہ ولا کفارة فیہ، ولنا ما روی عقبۃ بن عامر کفارة النذر اذا لم یسمہ کفارة الیمین الحدیث اھ من المعنی وفي المحلی ورواہ احمد والبوداؤد والنسائی، ورواہ مسلم بدون قولہ "اذ لم یسمہ" فحملہ مالک والبوحنیفہ وجماعۃ علی النذر المطلق، وحملہ احمد وبعض الشافعیۃ علی نذر المعصیۃ، وحملہ جہور الشافعیۃ علی نذر اللجاج مثلاً ان کلمت زیداً فللله علی حجة فکلمہ فہو بالخیار بین الکفارة و بین ما التزمہ اھ، وھکذا حکى القاری عن النووی انه قال حملہ جہور اصحابنا علی نذر اللجاج قال لقاری لا یظهر حملہ "لم یسمہ" علی المعنی المذكور مع ان التخییر خلاف المفہوم من الحدیث، وحملہ علی المعصیۃ مع بعدہ یردہ حدیث ابن عباس مرفوعاً من نذر نذر لم یسمہ کفارة الیمین ومن نذر نذر فی معصیۃ کفارة الیمین فان الاصل فی العطف المغایرة اھ مخقر من الادب ج ۱ ص ۱۴ صاحب محلی نے جو لکھا ہے کہ امام احمد نے اس کو نذر معصیۃ پر محمول کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ابن قدامہ سے نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ اس سے مراد نذر مطلق و مبہم ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ جہور علماء و مبہم الاثنتہ الثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد نذر مبہم ہی ہے۔ الا الشافعی کہ ان کے نزدیک اس سے مراد نذر لجاج ہے اب یہ کہ نذر لجاج کا حکم کیا ہے۔

نذر لجاج کی تعریف اور اسکے حکم میں اختلاف ائمہ
او جز میں ایک دوسرے مقام پر نذر لجاج پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے مالکیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ یہ نذر ان کے نزدیک

قول راجح میں واجب الوفا رہے، اور نذر لجاج یہ ہے کہ جس سے مقصود طاعت وغیرہ کچھ نہ ہو بلکہ اپنے نفس کو کسی کام سے روکنا اور اس کو سزا دینے کے طور پر ہو جیسے یوں کہے للہ علی کذا ان کلمت زیدا، یعنی زید پر ناراض ہونے کی صورت میں کہے کہ اگر میں اس سے بات کروں تو میرے ذمہ ایک حج یا عمرہ ہے مثلاً اس کی ایک مثال باب الیمین فی قطیعة الرحم میں آرہی ہے، قال الباجی یلزم النذر علی وجه اللجاج والغضب وقال الشافعی هو مخیر فی نذره علی اللجاج بین ان یکفر کفارة یمین و بین ان یفنی بہ اور موفی نے اپنا یعنی حنابلہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے جو امام شافعی کا ہے انہ مخیر بین الوفا بما حلفت فلا یلزمہ شیء و بین ان یحنت فیتخیر بین فعل المنذور و بین کفارة الیمین، وقال ابو حنیفہ و مالک یلزمہ الوفا بنذره لانه نذر فیلزمہ الوفا بہ کذا التبرر۔ الی آخر بالسط الموفی۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے اس میں پانچ قول ہیں جن کو امام نووی نے شرح مہذب میں مبسوطاً ذکر کیا ہے وقال نذر اللجاج والغضب ویقال فیہ یمین اللجاج والغضب ویقال لہ ایضاً یمین الغلق ونذر الغلق فاذا قال ان کلمت فلانا للہ علی صوم شہر او حج او صلاۃ او نحو ذلك ثم کلمہ فیما یلزمہ خمسۃ طرق جمہا الرافعی قال اشہرھا علی ثلاثۃ۔ اقوال احدثھا یلزمہ الوفا بما التزم، والثانی یلزمہ کفارة الیمین والثالث یتخیر بینہما، قال وھذا الثالث هو الاظہر عند العراقیین، وقال النووی هو الاصح اھ اور ملا علی قاری نے حقیقہ کا مذہب اس طرح لکھا ہے کہ یلزم الوفا بالنذر سواء کان مطلقاً او معلقاً بشرط بان قال ان شفی الثمر یعنی فعلی حجۃ مثلاً او عمرۃ مثلاً، لکن لزومہ عند وجود الشرط اذا کان معلقاً، ولا یتخرج عنہ بالكفارة فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نذر معلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہو جس کا وجود مطلوب ہو جیسے ان شفی الثمر یعنی فعلی کذا تو ایسی نذر کا تو ایفا رہی واجب ہے اور اگر تعلیق ایسی چیز کے ساتھ ہو جو غیر مطلوب ہو جیسے ان کلمت زیدا فللہ علی کذا اسمیں دو قول ہیں ایک یہی کہ واجب الایفا رہے دوسرا یہ کہ اس صورت میں کفارة یمین کافی ہے وھو الصحیح وقد رجح الیہ الامام ابو حنیفہ قبل موتہ بثلاثۃ ایام او سبعة وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اھ اور یہی تفصیل حنابلہ کے مذہب میں ہے کمافی الروض المربع کہ اگر تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہے جس کا وجود مطلوب ہو اس کا ایفا واجب ہے اور اگر وہ شیء ایسی ہے جس کا وجود مطلوب نہیں وہاں پر تخیر ہے بین الایفا و کفارة الیمین، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں ہذا التفصیل موثر مرجع الشافعیۃ

خلاصۃ المذہب فالجاصل فی نذر اللجاج ان الائمۃ الثلاثۃ فی جانب والامام مالک فی جانب امام مالک کے نزدیک وہ مطلقاً واجب الایفا رہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الرائج اسمیں تفصیل ہے

جواب بھی اوپر مذکور ہوئی اس مقام کی شرح میں بہت تطویل ہو گئی جس کا منشأ ناقلین مذہب کا اختلاف ہے کسی ایک کتاب میں مسئلہ مہذب و منقح نہیں ملا لیکن اب بحمد اللہ تنقیح و تحقیق ہو گئی جو ہم نے دونوں جگہ اخیر میں لکھ دی نذر مہذب میں بھی اور نذر لجاج میں بھی فللہ الحمد۔

باب لغو الیمین

یہ وہی باب ہے جس کا حوالہ ہم نے ابتدائی مباحث کی بحث رابع میں دیا تھا۔

یمین کی تین قسمیں مشہور ہیں۔ یمین منعقدہ، یمین غموس، یمین لغو، یمین منعقدہ وہ ہے جس کا تعلق زمان مستقبل سے ہو کہ قسم کھا کر یوں کہے کہ میں ایسا کروں گا یا نہیں کروں گا، اور یمین لغو اور غموس

ان دونوں کا تعلق ماضی یعنی گزشتہ زمانہ سے۔ یا حال سے ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں خلاف واقع ہوتی ہیں، فرق یہ ہے کہ یمین غموس میں جان بوجھ کر خلاف واقع بات پر قسم کھائی جاتی ہے یمین لغو میں بلا قصد کے یعنی وہ خیر اعتقاد کے تو مطابقت ہوتی ہے لیکن واقعہ کے خلاف، مثلاً اگر قسم کھا کر یہ کہا کہ زید آگیا، اور فی الواقع وہ آیا نہیں تھا تو اگر یہ غلط قسم جان بوجھ کر کھائی تب تو یمین غموس ہے ورنہ یمین لغو، یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے ان کے نزدیک یمین لغو کی تعریف یہ ہے خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد، جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوران گفتگو لاؤ اللہ، بلی واللہ وغیرہ لفظ کہنے کی، اور امام احمد کے نزدیک یہ دونوں قسمیں یمین لغو میں داخل ہیں، جس کو شافعیہ لغو کہتے ہیں وہ بھی اور اسی طرح جو حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک لغو ہے وہ بھی، قال الصاوی المالکی المفسر: اختلف العلماء فی معنی اللغو فقال الشافعی هو ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد عقد الیمین وقال ابو حنیفہ و مالک هو ان یحلف علی ما یعتقد فتبین خلافہ، وکلاہما داخل فی اللغو عند الامام احمد۔

قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال هو کلام الرجل فی بیتہ کلا واللہ دبی واللہ۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ کے موافق ہے، بدائع میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک بھی یہ یمین لغو ہی ہے بشرطیکہ اس کا تعلق ماضی یا حال سے ہو، شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے، ان کے نزدیک یہ مستقبل کو بھی شامل ہے، وہ فرماتے ہیں والدلیل علی ما قلنا انہا فسرہا بالماضی، روی عن مطر عن رجل قال دخلت انا و ابن عمر علی عائشہ فسألتہا عن یمین اللغو فقالت قول الرجل فعلنا واللہ کذا، وصنعنا واللہ کذا، فحمل تلک الروایۃ علی ہذا تو فیقا بین الروایتین اذا حمل محمول علی المفسر

قال ابو داؤد: ابراہیم الصائغ قتلہ ابو مسلم بفرسندس، قال وکان اذا رفع المطرقۃ فسمع النداء سیبہا

ابراہیم صائغ کی ایک خاص خصلت | سند میں جو ایک راوی ابراہیم صائغ آئے ہیں ان کے بارے میں مصنف فرما رہے ہیں کہ ان کو ابو مسلم نے مقام فرزندس میں قتل کیا تھا

آگے ان کی ایک عادت بیان کر رہے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا کہ کام کے دوران جب یہ زیور بناتے وقت ہتھوڑی مارنے کے لئے اٹھاتے تھے تو اگر اس وقت ان کے کان میں اذان کی آواز پڑ جاتی تھی تو فوراً ہاتھ کو روک لیتے تھے۔ اور اس ہتھوڑی کو بجائے مارنے کے رکھ دیتے تھے۔ بزل میں لکھا ہے کہ یہ ابو مسلم حجاج بن یوسف کی طرح بڑا ظالم اور سفاک تھا۔

باب فیمن حلف علی طعام لایا کله

عن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل بنا اضياف لنا وكان ابو بکر يتحدث عند رسول الله صلى الله عليه واله وسلم بالليلۃ۔

ضيْفَانِ ابی بکر صدیق کا قصہ | عبد الرحمن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں چند مہمان آئے (یہ تین شخص تھے اصحاب صفہ میں سے) وہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا معمول رات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے جانے کا تھا، چنانچہ وہ جاتے وقت مجھ سے فرما گئے کہ میری والدہ سے پہلے ان کو کھانے سے فارغ کر دینا، عبد الرحمن کہتے ہیں: میں ان کے پاس کھانا لیکر آیا، مہمانوں نے بغیر صاحب خانہ (صدیق اکبر) کے کھانے سے انکار کر دیا، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ جب والد صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس آئے تو دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کو آواز دی (وہ صدیق اکبر کے غصہ کو دیکھ کر چھپ گئے تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے) یا غنم (ادکینے) وہ سامنے آئے اور اگر عرض کیا اجمی میں تو ان کے سامنے کھانا لیکر آیا تھا مگر ان لوگوں نے کھانے سے انکار کر دیا کہ جب تک آپ نہیں آئیں گے اس وقت تک ہم۔ نہیں کھائیں گے، اس پر مہمانوں نے عبد الرحمن کی تصدیق کی کہ بیشک یہ تو کھانا لیکر آئے تھے لیکن ہم ہی نے انکار کر دیا تھا آپ کے انتظار میں، صدیق اکبر نے پوچھا کہ میرا انتظار کیوں کیا انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے، صدیق اکبر کو اس پر ناگواری ہوئی اور قسم کھا کر فرمایا میں بھی آج یہ کھانا نہیں کھاؤں گا، ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھائیں گے۔

قال مارأیت فی الشرک للیلۃ قط۔ اس پر صدیق اکبر بڑے متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسی بری رات تو میں نے کبھی نہیں دیکھی، مگر انہوں نے اس ناگوار صورت حال کو فوری طور پر ختم کیا اور فرمایا کھانا لیکر آؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا، مہمانوں نے بھی شروع کر دیا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ اس رات کے واقعہ کے بعد صبح کو جب صدیق اکبر حضور کی خدمت میں پہنچے اور یہ رات کا واقعہ آپ کو سنایا اور یہ کہ میں تو اپنی

قسم میں حانث ہو گیا تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بل انت ابرہم وأشد قہم کہ تم کہاں حانث ہوئے تم تو ان میں سب سے زیادہ نیک اور سچے ہو مطلب یہ کہ یہ حنث وہ حنث نہیں جو معصیت یا مذموم ہو بلکہ یہ تو من حلف علی یمین فرآی غیر ہا خیر امنہا کے قبیل سے ہے۔

یہ واقعہ صحیح بخاری میں مزید تفصیل سے ہے اس میں یہ بھی ہے فاکلوا فکلوا لا یرفعون لقمة الاربت من اسفلہا اکثر منہا فقال یا اخت بنی فراس ما هذا؟ فقالت وقرۃ عینی انہا الآن لا کثر قبل ان ناکل فاکلوا وبعث بہا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکر انہ اکل منہا، یعنی جب یہ لوگ وہ کھانا کھا رہے تھے تو جو بھی لقمہ اٹھاتے تھے تو کھانا اس کے نیچے سے اور بڑھ جاتا تھا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اس کھانے میں کاپچا ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی بھیجا گیا جس میں سے آپ نے بھی نوش فرمایا، یہ قصہ صحیح بخاری میں کتاب الادب ص ۹۰ اور علامات نبوت میں ص ۱۵۰ اور مواقیف الصلوة میں ص ۸۵ پر مذکور ہے، قال: ولم یبلغنی کفارۃ، راوی کہہ رہا ہے کہ اس واقعہ میں صدیق اکبر نے کفارہ یمن ادا کیا تھا یا نہیں اس بارے میں مجھے کچھ نہیں پہنچا لیکن اصولاً کفارہ واجب ہے اور عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں، اور اگر یہ واقعہ مشروعیت کفارہ سے پہلے کا ہو تو پھر امر آخر ہے۔ (بذل) والحدیث اخرجه البخاری و سلم بخو اتم منه، قالہ المنذری۔

باب الیمن فی قطیعة الرحم

عن سعید بن المسیب ان اخوين من الانصار كان بينهما ميراث فسأل احدهما صاحبه القسمة فقال

ان عُدَّتْ تَسْأَلْنِي عَنْ الْقِسْمَةِ فَكُلْ مَالِي فِي رَاجِ الْكُعْبَةِ الخ۔
شرح الحدیث و فیہ بیان نذر اللجاج یعنی دو انصاری شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان دو کے درمیان میراث کا مسئلہ رکھا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے تقسیم

میراث کا مطالبہ کیا (ممکن ہے کئی بار مطالبہ کی نوبت آچکی ہو) اس نے کہا کہ اگر آئندہ تو نے تقسیم کا سوال کیا تو پھر میری نذر یہ ہے کہ میرے حصہ کا کل مال باب کعبہ کے لئے ہے، مراد خود کعبہ ہی ہے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو انہوں نے اس نذر ماننے والے سے فرمایا ان الکعبۃ غنیۃ عن مالک، کہ کعبہ کو ترے مال کی ضرورت نہیں، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بات کرنا شروع کر اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: لا یمین علیک ولا نذر فی معصیۃ الرب ولا فی قطیعة الرحم۔ اس قصہ میں جو نذر مذکور ہے وہ نذر اللجاج ہے جس کا حکم ابھی قریب میں مع بیان مذاہب الائمہ گذر چکا ہے و حاصلہ: اگر کوئی شخص اپنی نذر کو کسی شئی کے حصول پر معلق کرے

تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ شئی مطلوب و مقصود ہو جیسے ان شفی اللہ مریضی فعبدی حر، ایسی نذر کا ایفار بالاتفاق واجب ہے اور اگر وہ شئی غیر مطلوب ہو جیسا کہ غصہ وغیرہ کی صورت میں نذر مان لی جاتی ہے جیسے ان کلمتک فعلی صوم شہر، یہ نذر نذر لجاج ہے اور پہلی نذر نذر المجازاة اور نذر تبرئ، امام مالک کے نزدیک تو دونوں قسموں کا حکم یک ہی ہے یعنی وجوب ایفار اور باقی ائمہ ثلاث کے نزدیک قسم اول یعنی نذر المجازاة کا حکم وجوب ایفار ہے و فی القسم الثانی التحذیر بین الایفار و کفارة الیمین اس مضمون کی ایک حدیث موطا کے اندر بھی ہے عن عائشة ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا سئلت عن رجل قال مالی فی رتاج الکعبة فقالت عائشة لیفرہ ما یکفر الیمین، یہ روایت ہمارے یہاں "باب من نذر ان یتصدق بماله" میں بھی گزر چکی۔

باب الحالف یستثنی بعد ما یتکلم

اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے "باب الاستثناء فی الیمین" وہاں پر ہم نے یہ لکھا تھا کہ استثناء وہ معتبر ہے جو متصلاً ہو اور یہ کہ اس اتصال کی بحث اس آنے والے باب میں ذکر کی جائے گی۔

استثناء میں اتصال کی قید و ذکر المذہب | استثناء اصطلاح میں تو حکم ماقبل سے بعض افراد کے الا وغیرہ کے ذریعہ سے اخراج کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا

اطلاق تعلیق علی المشیئة پر بھی آتا ہے یعنی ان شأ اللہ کہدینا، یہاں پر یہی مراد ہے، قسم کھانے کے بعد اگر کوئی شخص ان شأ اللہ متصلاً کہے تو یہ انعقاد یمین سے مانع ہو جاتا ہے، اتصال کی قید جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے

نزدیک ہے، بعض سلف جیسے طاؤس حسن قتادہ وغیرہ کا اس میں اختلاف منقول ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس کا اختلاف اس میں مشہور ہے ان کے نزدیک استثناء کے لئے کسی زمانہ کی قید نہیں جب بھی چاہے کر سکتا ہے

اس سلسلہ میں ایک قصہ بھی مشہور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے (قیل ہو محمد بن اسحاق صاحب المغازی) خلیفہ منصور عباسی سے امام ابو حنیفہ کی شکایت کی کہ یہ آپ کے جدا مجد ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں کہ استثناء منفصل

معتبر نہیں متصل ہونا ضروری ہے، منصور نے امام صاحب کو بلا کر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں کہتا ہوں کہ استثناء منفصل معتبر نہیں اور پھر اس کو مطمئن کرنے کے لئے انہوں نے فرمایا کہ کیا

آپ کو یہ بات پسند ہے کہ لوگ آپ کی مجلس میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حلف اٹھائیں اور پھر مجلس سے باہر جا کر ان شأ اللہ کے ذریعہ نقص بیعت کر کے بری ہو جائیں اس پر وہ خوش ہو گیا اور کہا نعم ما قلت و غضب علی ابن اسحاق و اخرجه من عنده (بذل)

عن عکرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال غُرُوْا قَرِیْشاً، واللہ لا غزوان قریشا،

والله لا غزوة قریشا ثم قال ان شاء الله۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے۔ ثم سکت ثم قال ان شاء الله۔

لیکن فصل یسیر جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے چنانچہ بذل میں ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے: یشرط فی الاستئثار الاتصال بالمستثنی منہ لفظاً عند جماہیر العلماء الا تنفص او سوال او اخذ فم ونحوہ کعطاس او جثارہ وعن ابن عباس جواز الفصل بشرہ وسنة مطلقاً، اور اس کے بعد پھر یہ ہے کہ وہ جو ابن عباس سے جواز فصل منقول ہے اس سے مراد وہ استئثار ہے جو بوقت تکلم منوی ہو لیکن مؤخر ہو۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز فرمایا واللہ میں قریش مکہ سے بالضرور غزوہ کروں گا اور اس کو آپ نے تین بار فرمایا، اس کے بعد دوسری روایت میں یہ ہے ثم لم یغزہم کہ پھر آپ کو ان کے ساتھ غزوہ کی نوبت نہیں آئی اس پر بذل میں اشکال کیا ہے کہ مکہ کی فتح غزوہ ہی کے ذریعہ تو ہوئی ہے پھر نفی کے کیا معنی ہیں؟ قلت و لیکن ان یقال معناه لم یغزہم بعد هذا القول علی الفور بل بعد زمان، یا یہ کہ راوی کی مراد غزوہ سے قتال ہو چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ کی فتح صلحا ہوئی نہ کہ عنوة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من نذر نذرا لا یطیقه

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من نذر نذرا لم یسمہ فکفارتہ یمین ومن نذر نذرا فی معصیة فکفارتہ کفارة یمین الخ۔ یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں "باب من نذر نذرا لم یسمہ" میں ملا علی قاری کے کلام میں اس ذیل میں آیا ہے کہ جن علماء نے من نذر نذرا لم یسمہ کو نذر معصیت پر محمول کیا ہے وہ درست نہیں اس لئے کہ نذر معصیت تو اس حدیث کے بعد خود مذکور ہے اور عطف مقتضی ہے مغایرت کو وغیرہ وغیرہ۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ قال المنذری۔

اول کتاب البیوع

ما قبل من سبب | جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ عبادات کے بیان سے فارغ ہو گئے یعنی ارکان اربعہ نماز روزہ زکوٰۃ حج اور نکاح و جہاد و امینا سبہ من الضیایا والوصایا والفرایض وغیرہا تو اب یہاں سے معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد اطعمہ و اشربہ کا، اس لئے کہ یہ بیع وغیرہ معاملات کھانے پینے ہی کی سہولتوں کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور پھر ان سب کے بعد جو احکام باقی رہ گئے ہیں یعنی حدود و قصاص

اور دیات ان کو مصنف نے ذکر فرمایا اس لئے کہ یہ امور یعنی حدود و قصاص وغیرہ زیادہ تر اکل و شرب ہی کی بے احتیاطی پر متفرع ہوتے ہیں اسی لئے ان کو اطعمہ و اشربہ کے بعد اخیر میں ذکر کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ مناسبت تو پوری کتاب کے مضامین کے اعتبار سے ہوئی اب رہی یہ بات کہ قریب میں جو کتاب گذری ہے یعنی کتاب الایمان والسنن اور اس میں اور بیوع میں کیا مناسبت ہے سو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے جیسا کہ کتاب السنن کے شروع میں گذر چکا کہ نذر میں زوال اختیار ہوتا ہے تو ایسے ہی بیع میں زوال ملک ہوتا ہے فتا سنا واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور صحیح بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ انہوں نے ارکان اربعہ میں سب سے اخیر میں صوم کو ذکر کرنے کے بعد، اس کے بعد متصل کتاب الیوع کو بیان فرمایا ہے اور امام مسلم نے ارکان اربعہ میں کتاب الحج کو سب سے اخیر میں ذکر کرنے کے بعد اول کتاب النکاح اور اس کے بعد کتاب الیوع کو ذکر کیا ہے۔ بیع کی تعریف جو مشہور ہے وہ یہ ہے، «البيع مبادلة المال بالمال بالتراضی» اس تعریف پر ایک اشکال بھی کیا گیا ہے کہ یہ مانع نہیں ہے کیونکہ یہ ہبت بشرط التراضی پر صادق آتی ہے، اس لئے بعض علماء نے اس تعریف میں لفظ تجارت کا اضافہ کیا یعنی مبادلة المال بالمال بالتراضی بطریق التجارة، لیکن اس پر بھی اشکال ہے اس لئے کہ اس سے بیع مکرہ خارج ہو جاتی ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک وہ منعقد ہے بیوع جمع ہے بیع کی بیع و شرائ ان دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں اضداد میں سے ہیں ایک دوسرے کے معنی میں آتا ہے لیکن اکثر بیع کا اطلاق اخراج المبیع عن الملك، اور شراء کا اطلاق اکثر اخراج الثمن عن الملك پر ہوتا ہے بیع کی انواع اور بیوع میں جمع کا صیغہ اختیار کرتے ہیں فقہاء بھی اور محدثین بھی کثرت انواع بیع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے، حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ بیع کی باعتبار مبیع کے چار قسمیں ہیں (۱) بیع سلعۃ بمثلہا یعنی سامان کے بدلہ میں سامان بدلنا اس کا نام بیع مقایضہ ہے (۲) ثمن کے بدلہ میں سامان دینا جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، مطلق بیع جب بولتے ہیں تو یہی مراد ہوتا ہے (۳) بیع الثمن بالثمن یعنی دونوں طرف نقدین میں سے کوئی سا ایک ہو اس کا نام بیع الصرف ہے (۴) بیع دین بعین اس کا نام بیع سلم ہے، اس بیع میں مبیع دین ہوتی ہے یعنی فی الحال نہیں بلکہ واجب فی الذمہ، اور ثمن فی الحال ہوتا ہے یعنی عام طور سے تو اسکے برعکس ہوتا ہے کہ سلعۃ یعنی سامان فی الحال لیا اور اس کا عوض یعنی ثمن مؤجل کر دیا کہ بعد میں دیں گے، اور بیع کی اس قسم میں یعنی سلم میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ ثمن فی الحال اور مبیع مؤجل اسی لئے اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں «بیع أجل بعاجل» یہ ذہن میں رہے کہ باب بیع میں حرف «باء» ثمن پر داخل ہوتا ہے، بیع کی اس قسم رابع کا جواز خلاف قیاس، نص کی وجہ سے ہے، شریعت نے مصلحت اور سہولت عباد کیلئے اس قسم کو خلاف قیاس جائز رکھا ہے، اسی لئے اس کے جواز کے لئے بہت سی شرطیں رکھی گئی ہیں تاکہ بعد میں اختلافات پیدا نہ ہوں، یہ شرطیں فقہ کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہیں، اسی طرح ثمن کے لحاظ سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں، بیع المساومہ، ما اتفاقا علیہ من غیر اعتبار الثمن الاول یعنی بھاؤ کر کے کوئی چیز

خریدنا جتنی قیمت پر بھی اتفاق ہو جائے جیسا کہ عام طور سے بیوع میں ہوتا ہے، و بیع المراجہ، التولیہ والوضیعہ ان تینوں قسموں میں ضمن اول کا اعتبار ہوتا ہے یعنی بائع یہ کہے کہ مجھ کو یہ چیز اتنے میں پڑی ہے اور میں تجھ کو اتنے میں دے رہا ہوں پھر لفع لینے کی صورت میں اس کو مراجہ اور نہ لینے کی صورت میں بیع تولیہ اور کم کرنے کی صورت میں بیع الوضیعہ کہتے ہیں۔

دین میں معاملات کی درستگی کی اہمیت | ہمارا دین یعنی دین اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے، بلکہ عبادات معاملات، معاشرت اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہے، بغیر معاملات کی درستگی کے آدمی دیندار یا صوفی و زاہد نہیں ہو سکتا، چنانچہ ”تعلیم المتعلم“ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا الا تصنف کتابا فی الزہد، کہ آپ زہد و تصوف میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا قد صفت کتابا فی البیوع، کہ میں مسائل بیوع پر کتاب لکھ چکا ہوں، بظاہر جواب سوال کے مطابق نہ تھا اسی لئے مسائل نے دوبارہ سوال کیا انہوں نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا، تین بار ایسا ہی ہوا ہر بار وہ یہی فرماتے رہے کہ میں بیوع میں کتاب لکھ چکا ہوں گویا امام صاحب نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بغیر بیوع اور معاملات کی درستگی کے آدمی صوفی اور زاہد نہیں بن سکتا، امام محمد والے اس قصہ کی تائید امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صنیع سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے کتاب البیوع کے شروع میں سب سے پہلے جو باب باندھا ہے وہ یہ ہے ”باب اجار فی ترک الشبہات“ اور پھر اس میں یہ مشہور حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی ہے الحلال بین والحرام بین و بین ذلک امور شتہات لا یدری کثیر من الناس امن الحلال ہی امن الحرام فمن ترکہا استبرأ لیدینہ وعرضہ فقد سلم الحدیث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح اھ قلت ہو متفق علیہ خرجه البخاری وسلم۔

باب فی التجارۃ یخاطبہا الحلف واللغو

عن قیس بن ابی غرزۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نسئلی السماسرۃ فمیرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فسمانا باسمرہا احسن منه فقال یا معشر التجار ان البیع یحضرہ اللغو والحلف فشوبہ بالصدقۃ۔

قیس بن ابی غرزہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شروع عہد نبوی میں سماسرہ کہلاتے تھے یعنی تاجروں کو سماسرہ کہا جاتا تھا جو کہ سمسار بمعنی الدلال کی جمع ہے، ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بازار میں تاجروں کے پاس کو گزرے، وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اس روز آپ نے ہمیں بڑے اچھے نام سے یاد فرمایا: فرمایا یا معشر التجار اے تاجروں کی جماعت دیکھو لین دین اور بیع و شرار میں لغویات اور جھوٹی طبعی قسم زبان پر آ جاتی ہے تو تم اپنے

اس عمل کو صدقہ کے ساتھ ملا لیا کرو، یعنی روزانہ حسب گنجائش و وسعت کچھ صدقہ کرتے رہا کرو، تاکہ ان لغویات کی تلافی ہو جائے۔

تاجر کا نام سمسار سے کیوں اچھا ہے اسلئے کہ تجارت الفاظ عربیہ میں سے ہے قرآن کریم میں مذکور ہے بخلاف سمسار کے کہ وہ عجمی لفظ ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی استخراج المعادن

یعنی سونے چاندی کی کانوں میں سے مال نکال کر حاصل کرنا، اس باب کو کتاب البیوع سے کیا مناسبت ہے، اسلئے کہ سونا چاندی اشیاء کو خریدنے کے لئے ثمن بنتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلا لزم غیر یمالہ بعشرۃ دنانیر الخ۔

شرح الحدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یعنی دائن نے پکڑ رکھا تھا اپنے دیون کو جس پر دین صرف دس دنانیر تھے، اور وہ رجل دائن یہ کہہ رہا تھا کہ واللہ میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک کہ تو مجھ کو میرا دین ادا نہ کر دے یا اپنا کوئی کیفل پیش کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص کے دین کی کفالت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لے لی اور پھر چند دن کے بعد حسب وعدہ آپ کی خدمت میں وہ دیون مال لے کر آیا، آپ نے اس سے سوال فرمایا کہ یہ سونا تو نے کہاں سے حاصل کیا، اس نے عرض کیا کہ ایک معدن سے، آپ نے یہ سن کر اس کو واپس کر دیا اور فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں، اسمیں کوئی خیر نہیں اور پھر اس دائن کو اپنے اپنے پاس سے ادا فرما دیا۔

آپ نے اس معدن سے نکالے ہوئے سونے کو کیوں واپس فرما دیا، شرح اس کی توجیہ میں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی جس کی ہمیں خبر نہیں درہم محض اس کا مال مستخرج من المعدن ہونا تو مانع عن التملک نہیں ہے امام خطابی نے اس کی متعدد توجیہات احتمالاً لکھی ہیں (۱) آپ نے اس کو اس لئے رد فرمایا لانہ لم یخمس یعنی اس شخص نے ابھی تک اس مال کا خمس ادا نہیں کیا تھا جو شرعاً واجب ہے (۲) اصحاب معادن کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تراب المعادن کی بیع کرتے ہیں اسلئے کہ اس میں سونے چاندی کے ذرات ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ نکلے گا یا نہیں اور کتنا نکلے گا ففیہ غرر (۳) ضرورت تھی سکے کی دراہم و دنانیر کی اور وہ شخص لایا تھا سونا وغیرہ مضروب اسلئے آپ نے اس کو واپس کر دیا (۴) اصحاب معادن یہ کیا کرتے ہیں کہ کان کو ٹھیکہ پر دیدیتے ہیں کہ کھودنے والوں کا اس میں سے عشر یا خمس یا ثلث، باقی ہمارا، اور اس کی مقدار معلوم نہیں، اس جہالت کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوا اسلئے آپ نے واپس فرما دیا (بذل) والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی اجتناب الشبهات

عن الشعبي قال سمعت نعيمان بن بشير رضي الله تعالى عنه - ولا اسمع احدا ابعدا يقول

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول ان الحلال بين وان الحرام مبين -

اس سند میں "ولا اسمع احدا ابعدا" یہ جملہ معترضہ ہے اور رسائی میں اس طرح ہے "فواللہ لا اسمع بعدہ اصدا" شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث (جو آگے آرہی ہے) نعیمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے، اور ان سے سننے کے بعد پھر کسی اور سے اس کو نہیں سنوں گا، یعنی ان سے سننے کے بعد کسی اور صحابی سے سننے کی حاجت نہیں، صرف ان ہی سے سن لینا کافی ہے کیونکہ وہ بالکل سچے اور قابل اعتماد ہیں۔

شرح الحدیث | حدیث کا مضمون یہ ہے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس چیز کا لوگوں کو حلال ہونا معلوم ہے اس کا حکم تو ظاہر ہے، یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں، اور اسی طرح جس چیز کا حرام ہونا لوگوں کو معلوم ہے اس کا حکم بھی ان کے نزدیک بین اور ظاہر ہے، یعنی یہ کہ اس سے بچنا ضروری ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ جو امور حلال و حرام کے درمیان ہیں ان کا حکم جانا جائے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث کے اگلے حصہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے امور سے بھی اجتناب احتیاطاً ضروری ہے ورنہ احتیاط نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ معاملہ آگے نہ بڑھ جائے یعنی وقوع فی الحرام، اور پھر آپ نے ان مشتبہات کے حکم کو ایک مثال سے سمجھایا ان الله حَسْبِيَ حَمِيٌّ وَاَنْ حَمِيٌّ اللهُ مُحَارَفَةٌ، کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں پر باڑیں قائم کر کے ان کو ممنوع قرار دیدیا تاکہ آدمی ان تک نہ پہنچ سکے اور وہ ابو جن پر اللہ تعالیٰ نے باڑیں قائم کر دی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ ہیں اور جو شخص باڑ کے قریب اپنے جانوروں کو چرائیگا تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ قوی ہے کہ وہ باڑ کے اندر نہ گھس جائے، (انہ من یحاط بالوبیۃ یوشک ان یتجسس) یعنی جو شخص مشکوک کے قریب جائے گا اس کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ ایسا کرنے سے آگے جرات کرے اور صریح حرام میں گھس جائے۔ اس حدیث کے جملہ اولیٰ کا مطلب شرح نے یہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر لکھا، اور اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام وہ چیزیں جو عند اللہ حلال ہیں اور اسی طرح وہ چیزیں جو عند اللہ حرام ہیں وہ سب بین اور ظاہر ہیں سب لوگ ان کو جانتے ہیں، اس مطلب کی شرح نے نفی کی ہے اس لئے کہ اس مطلب کی صورت میں پھر مشتبہ امور کہاں باقی رہیں گے جن سے بچنے کے لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ شعبی اوساط تابعین میں سے ہیں جو زیادہ تر تابعین سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث انکی صحابی سے ہے اس لئے م

حدیث الباب کے بظاہر معارض ایک دوسری حدیث

یہاں ایک طالب علم نے اشکال ہے کہ آگے کتاب الاطعمہ کے اخیر میں باب مالم
یذکر تحریر کے اندر ابن عباس کی حدیث میں اس طرح ہے کان اہل الجاہلیۃ
یا کلون اشیار ویترون اشیار تقدراً فبعث اللہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وانزل کتابہ واصل حلالہ وحرم حرامہ فما اهل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو، اس حدیث میں حلال و حرام
کے درمیان چیزوں کو عفو قرار دیا گیا ہے اور حدیث الباب میں ان کو مشتبہ اور واجب الاحتراز فرمایا گیا ہے، اس
اشکال اور اس کے جوابات کی طرف اشارہ حضرت شیخ نے حاشیہ کو کتب میں اس طرح فرمایا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے
درمیان کئی طرح جمع کیا گیا ہے مثلاً کہ (۱) حدیث ابن عباس من باب الفقه والفتویٰ ہے اور نعمان بن بشیر کی حدیث
من باب الورع والتقویٰ ہے (۲) اور اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے یعنی عفو
وہ مسکوت عنہ کا ہے، اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ امر مشتبہ کا ہے، پس یہاں چار امر اتب
ہوئے حلال، حرام، مسکوت عنہ یعنی وہ شئی جس کے بارے میں نہ دلیل حلت موجود ہو نہ دلیل حرمت، مشتبہ
یعنی جس امر میں دلائل متعارض ہوں حلت و حرمت کے بارے میں، اور اس کا حکم وجوب ترک ہے ترجیحاً للحرمة،
اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ وہ معفو عنہ ہے اباحتہ اصلہ کا اعتبار کرتے ہوئے اھ اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ
نعمان بن بشیر کی حدیث متفق علیہ ہے بلکہ صحاح ستہ کی حدیث ہے، اور حدیث ابن عباس سنن کی روایت ہے
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لیأتین علی

الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یأکلہ اصابہ من بخارہ، قال ابن عیسیٰ اصابہ من غبارہ۔
شرح الحدیث | عرب کے اندر ربا اور سودی معاملات کا لین دین بہت عام تھا جس کو وہ بالکل جائز سمجھتے تھے
اسلام نے آگے اس کو حرام قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبوں میں
دوسرے امور کے ساتھ اس کی بھی حرمت کا بار بار اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت سے جو لوگوں کے ربوی معاملات
چل رہے تھے سب پر آپ نے روک لگائی و ربا الجاہلیۃ موضوع و اول ربا اضع ربا ناربا عباس بن عبد المطلب
فانہ موضوع کلمہ اور فرمایا کہ سابقہ سودی معاملات کی باقی رقم جو حضرت عباس کے معاملات کی ہے اس کے چھوڑنے میں
پہل میں کرتا ہوں غرضیکہ لوگوں نے اس حرمت کے بعد سودی کاروبار و معاملات بند کر دیئے، پھر آپ اس حدیث الباب
میں فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ سودی معاملات کا سلسلہ پھر زور و شور کے ساتھ پایا جائے گا، اور

لہ اشیا میں اصل اباحتہ ہے یا توقف | وفی ہامش البذل: فی حکم الاشیا قبل ورود الشرع اربعۃ مذاہب کما فی العینی ص ۳۷۳ وفی الدر المختار مذہب
اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیا التوقف والاباحتہ رأی المعزلة و رد علیہ ابن عابدین ص ۲۶۶ وحق ان الثانی مذہب اکثر احنافۃ و الشافعیۃ و بسط المذاہب اھ۔

یہ وبا ایسی عام ہوگی جس سے کوئی نہ بچ سکے گا، اور اگر کوئی بہت ہی کوشش کر کے صریح سود کے کھانے سے پرہیز کرے گا بھی تو کم از کم اس کا بخار اور دھواں تو ضرور ہی اس تک پہنچ کر رہے گا، یعنی سود کا اثر اس کو کسی نہ کسی طرح پہنچے گا، مثلاً سودی معاملات میں شاہد بننے کی ذہبت آئے گی یا کاتب بننے کی یعنی سودی معاملات لکھنے لکھانے کی، یا آکل ربا کے یہاں ضیافت کھانے یا اس کی طرف سے ہدیہ وغیرہ ملنے سے۔
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في جنازة۔
مضمون حدیث ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں قبرستان گئے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے گورن کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ اس جانب سے اور کھودو، اور اس فلاں جانب سے اور کھودو، فلما رجع استقبله داعی امسراة فنجی بالطعام، یعنی جب آپ اس موقع پر قبرستان سے واپس تشریف لارہے تھے تو ایک عورت کی طرف سے آپ کو دعوت دینے والا ملا، چنانچہ آپ اس عورت کے یہاں تشریف لے گئے پس آپ کے سامنے کھانا لایا گیا، لوگوں نے کھانا شروع کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نعمہ اٹھا کر منہ میں رکھا، لوگوں نے دیکھا کہ آپ اس نعمہ کو نگل نہیں رہے ہیں، چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمادیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت اس بکری کا ہے جس کو مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، جب اس عورت کو پتہ چلا کہ آپ اس گوشت کو نوش نہیں فرما رہے ہیں تو اس نے آپ کے پاس ایک شخص کو صورت حال بیان کرنے کے لئے بھیجا کہ یا رسول اللہ میں نے نفع یعنی جانوروں کی منڈی میں بکری خریدنے کیلئے آدمی بھیجا تھا لیکن وہاں بکری ملی نہیں تھی اس لئے میں نے اپنے پڑوسی کے یہاں آدمی بھیجا جس نے بکری خرید رکھی تھی کہ وہ بکری قیمت مجھے دیدے مگر اتفاق سے وہ شخص گھر پر نہیں تھا، پھر میں نے

لہ اہل بیت میت کی طرف سے اکثر نسخوں میں سیطرہ ہے مطبوعہ بھی اور قلمی بھی اور یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے اس میں یہ لفظ اسطرہ ہے ضیافت پر اشکال اور اسکی توجیہ، داعی امرأتہ، ضمیر کے ساتھ یعنی اس میت کی زوجہ جس کو دفن کر آپ واپس آرہے تھے، جیسا کہ ملا علی قاری نے اسکی شرح کی ہے، اگر یہ لفظ اسی طرح ہے جس طرح مشکوٰۃ میں ہے تو پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ ہمارے فقہانے تصریح کی ہے اس بات کی کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت جائز نہیں اسلئے کہ ضیافت تو کسی سرت کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ رنج اور صدمہ کے موقع پر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس ضیافت کو قبول فرمانا یہ دلالت کرتا ہے اسکے جواز پر، تو اولاً تو اس کا جواب یہی دیا جائیگا کہ مشکوٰۃ میں یہ روایت ابو داؤد کی ہے اور ابو داؤد کے کسی نسخہ میں نسخ موجودہ میں سے داعی امرأتہ نہیں ہے، ثانیاً یہ کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ نبی سے قبل کا ہو، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا اسلئے کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت مکروہ ہی تو ہے حرام تو نہیں۔

اس کی بیوی کے پاس اسی غرض سے آدمی بھیجا اس نے میرے پاس وہ بکری بھیج دی پس یہ گوشت اس بکری کا ہے آپ نے فرمایا اطعمیہ الاساری یعنی یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔ یا تو اس لئے کہ وہ اکثر فقیر ہوتے ہیں اور یا اس لئے جیسا کہ بعض شراح نے کہا کہ وہ کافر ہیں ان کے کھالینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

باب فی آکل الربا وموکلہ

آکل سے مراد آخذ اور موکل سے مراد معطی، یعنی جو شخص کسی سے ربا کا مال لے یا دوسرے کو دے (خواہ کھائے یا نہ کھائے)
عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
آکل الربا وموکلہ وشاہدہ وکاتبہ۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے، اس بات کی کہ ربوی اور سودی معاملہ کی کتابت خواہ اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت کے، اسی طرح اس قسم کے معاملہ میں شہادت یعنی شاہد بننا حرام اس لئے کہ اس میں اعانت علی الباطل ہے، والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، وخرجه مسلم من حدیث جابر بن عبد اللہ بتامہ، ومن حدیث علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود فی آکل الربا وموکلہ فقط وخرج البخاری من حدیث ابی حنیفہ (حدیث طویلہ وافیہ: وہی عن) واکل الربا وموکلہ، قال المنذری۔

باب فی وضع الربا

لمکھ رؤس اموالکم یعنی سابق سودی معاملات میں جو سود کی رقم باقی رہی ہوئی ہے اس کو نہ لیا جائے صرف
رأس المال لیا جائے، لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ نہ تو تم دوسرے پر ظلم کرو کہ سود کی باقی رقم لو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے کہ اصل رأس المال بھی پورا نہ دیا جائے، دونوں باتیں غلط ہیں، واول دم اصنع متھادم الحارث بن عبد المطلب یہ روایت کتاب الحج میں گزر چکی وہاں ایک روایت میں تو دم ربیعۃ بن الحارث، یعنی بجائے حارث کے ربیعۃ بن الحارث ہے، اور ایک روایت میں گزرا ہے دم ابن ربیعۃ بن الحارث، اور یہی صحیح ہے، تو گویا یہاں روایت میں دو مضاف محذوف ہیں۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔۔۔۔۔ وہذا مذکور فی حدیث جابر الطویل۔
وقد اخرجه مسلم والبوداؤنی والحج، قال المنذری۔

باب فی کراہیۃ الیمین فی البیع

الحلف منقحة للسلعة منقحة للبركة، وقال ابن السرح، "للکسب" الحلف حار کے فتح اور لام کے کسرہ کے ساتھ اور سکون لام بھی جائز ہے قالہ السندی علی النسائی قلت ویجوز فیہ کسر الحار مع سکون اللام کا تھم

مفصلاً فی "باب الحلف" فی آخر کتاب الفرائض، اگر قسم جھوٹی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر سچی ہے تب بھی مکروہ ہے بکراہت تنزیہیہ۔ یعنی تاجر کا جھوٹی قسم کھانا (اسلئے کہ مسند احمد کی روایت میں "الیمین الکاذبہ" ہے) یہ تاجر کے سامان کو تو چاٹو کرنے والی ہے، لیکن برکت کو کم کرنے والی ہے، یا مٹانی والی ہے، منفقہ میم اور فار کے فتح کیساتھ درمیان میں بون ساکن ہے، یہ ماخوذ ہے لفاق بفتح النون سے وهو الرواج ضد الکساد، اور لفظ منحقہ بروزن منفقہ، اور اس میں ایک روایت ضم میم اور کسر جاہ کی بھی ہے، یہ ماخوذ ہے حق سے بمعنی النقص والابطال، مطلب ظاہر ہے کہ جھوٹی قسموں سے سامان تو نکل جاتا ہے فروخت ہو جاتا ہے لیکن اس تجارت میں برکت نہیں ہوتی۔

باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالاجر

یعنی بائع کو چاہیئے کہ مبیع کچھ بڑھا کر دے اور اسی طرح مشتری کو چاہیئے کہ ثمن کو کچھ جھکا کر دے، یعنی بیع مقایضہ میں یعنی جس صورت میں شرار بالسلعة ہو۔

عن سماک بن حرب ناسوید بن قیس قال جلبت انا ومخرفہ العبدی بزامن هجر فالتینابہ مکة
سويد بن قيس رضي الله تعالى عنه فمات في ذلك من اور مخرفه العبدی رضي الله تعالى عنه
مضمون حدیث | مقام ہجر سے کچھ پڑا برائے تجارت لیکر مکہ مکرمہ میں آئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس پا پیادہ تشریف لائے اور ایک سراویل کا ہم سے بھاؤ کیا ہم نے آپ کو وہ فروخت کر دیا و شکر رجل یزین بالاجر یعنی وہاں ایک شخص موجود تھا جو اجرت لیکر اشیاء کا وزن کرتا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس ثمن کو تول اور جھکتا ہوا تول۔

کوکب میں لکھا ہے کہ غالباً آپ نے یہ سراویل کسی وزنی شے (سلعہ) کے بدلہ میں خریدا ہو گا جس کو آپ نے وزن کر کر بائع کو دیا (ورنہ اگر یہ شرار بالثمن یعنی درہم اور دینار کے ذریعہ ہوتی تو اس کے تولنے کی کیا ضرورت تھی) لہذا فہمت من الکوکب فار جمع الیہ۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا وزن بالاجر جائز ہے نیز یہ کہ وزن ثمن مشتری کے ذمہ ہے لہذا اس کی اجرت بھی اسی پر واجب ہوگی اور اس کے بالمقابل مبیع کا وزن یا کیل بائع کے ذمہ ہے فلذا الاجرۃ علیہ۔

کیا آپ کے لئے لبس سراویل ثابت ہے؟ نیز کوکب میں ہے کہ اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سراویل کا خریدنا ثابت ہوا لیکن آپ کا اس کو پہننا کسی روایت

میں اس کی تصریح نہیں اہ اسکے حاشیہ میں حضرت شیخ نے جمع الفوائد سے یہ روایت نقل کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت یا رسول اللہ انک لتلبس السراویل؟ قال اجل فی السفر والحضر وباللیل والنہار، فانی امرت بالستر فمدت

شیئا استرمنہ، یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ کے سوال پر فرمایا کہ ہاں میں سر اویل پہنتا ہوں، سفر و حضر میں اور آپ نے سر اویل کی تعریف فرمائی کہ اس میں ستر زیادہ ہے (یہ نسبت تہبند کے) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ سیوطی نے اسکی سند پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اور فی نفسہ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ آپ کا لبس سر اویل ثابت ہے یا نہیں، ایک جماعت اس کی قائل ہے، ابن قیم ان ہی میں سے ہیں، اور ایک جماعت نے لبس کا انکار کیا ہے (لوکب ص ۲۸۱)
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن سماک بن حرب عن ابی صفوان بن عمیرۃ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمکہ قبل ان ینہاجر۔ بهذا الحدیث۔

شرح السند پہلی سند میں سماک سے روایت کرنے والے سفیان تھے اور اس دوسری سند میں ان سے روایت کرنے والے

دونوں کی روایت میں بیٹن فرق ہے، سفیان کی روایت میں سر اویل کی بیع کرنے والے سوید بن قیس ہیں اور ان کے ساتھ مخرفہ بھی شامل ہیں، اور شعبہ کی روایت میں بجائے سوید اور مخرفہ کے ابو صفوان ہیں۔

قال ابو داؤد: رواہ قیس کما قال سفیان، والقول قول سفیان، امام ابو داؤد نے سفیان کا متابعت قیس کو بیان کر کے سفیان کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح دی، اسی طرح امام نسائی نے بھی حدیث سفیان کو اشبہ بالصواب قرار دیا ہے، نیز نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں سمعت مالک ابا صفوان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوید بن قیس اور ابو صفوان دو شخص الگ الگ ہیں، ابو صفوان کا نام مالک ہے، اور اس میں بعض علماء کی رائے یہ ہے جس کو حاکم کراہیسی اور ابو عمر ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ ابو صفوان سوید بن قیس ہی کی کنیت ہے (بذل) والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

قال رجل لشعبة: خالفك سفیان، فقال دَمَغَتَنِي، یعنی کسی شخص نے راوی حدیث شعبہ بن الحجاج کو کبار محدثین میں سے ہیں، اُن سے یہ کہا کہ آپ کی سفیان نے فلاں بات میں مخالفت کی ہے (یا تو یہی مخالفت جو حدیث الباب کی سند میں پائی گئی، یا اور کوئی مخالفت) تو اس پر شعبہ نے فرمایا کہ تو نے یہ جملہ بول کر (مخالفت سفیان کا) میرا سر توڑ دیا، بظاہر امام شعبہ نے حضرت سفیان ثوری کی مخالفت کو ان کی جلالت شان کے پیش نظر اہمیت دی۔
عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی، مصنف کی غرض تو ان اقوال کے نقل کرنے سے سفیان کی روایت کی ترجیح مقصود ہے جیسا کہ مصنف پہلے خود فرما چکے ہیں۔

دوسری بات جو ہمیں کہنی ہے کہ یہ دونوں ہی بڑے جلیل القدر محدثین میں ہیں، یہ آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے، چنانچہ شعبہ خود فرما رہے ہیں کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

سے شعبہ کے باریکس میں قول ہے کہ انہوں نے فرمایا: شعبۂ امیر المؤمنین فی الحدیث، چنانچہ تہذیب التہذیب میں ہے: وقال ابن مہدی کان الثوری یقول: شعبۂ امیر المؤمنین فی الحدیث۔

باب فی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المکیال المکیال مدینۃ

یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث تحت الباب مذکور ہے، الوزن وزن اہل مکہ والمکیال مکیال اہل المدینۃ، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ یعنی زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور کفارات میں وزن تو معتبر ہے اہل مکہ کا اور کیل معتبر ہے اہل مدینہ کا، دراہم و دنانیر یہ موزونات میں سے ہیں اور زمین کی پیداوار غلے یہ مکیلات میں سے ہیں، اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ اصحاب تجارت تھے جن کے لین دین اور معاملات زیادہ تر دراہم و دنانیر سے ہوتے ہیں، اور اہل مدینہ اصحاب زراعت تھے جن کے معاملات زیادہ تر مکیال (بیجانہ) یعنی مد اور صاع وغیرہ سے ہوتے ہیں، خطابی فرماتے ہیں کہ دراہم دراصل مختلفۃ الاوزان ہوتے ہیں مختلف شہروں کے اعتبار سے، اور اہل مدینہ کا تعامل جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے دراہم سے تھا باعتبار عدد کے اور چونکہ دراہم جیسا کہ ابھی گزرا مختلفۃ الاوزان ہوتے ہیں اس لئے آپ نے اس حدیث میں اہل مدینہ کو تو جہ دلانی اس طرف کہ وہ دراہم اور دنانیر میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار رکھیں، اور اہل مکہ کا درہم وزن سببہ ہوتا ہے یعنی ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوتے تھے، لہذا جس شخص کی ملک میں دوسو درہم وزن سببہ کے اعتبار سے موجود ہوں وہ صاحب نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، وزن سببہ اور وزن سستہ کا ذکر کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

قال ابو داؤد: وکذا رواہ الفریابی، وابو احمد عن سفیان، وافقہما فی المتن، وقال ابو احمد: عن

ابن عباس، مکان ابن عمر، ورواہ الولید بن مسلم عن حنظلہ فقال: وزن المدینۃ ومکیال مکہ۔

اس حدیث کا مدار حنظلہ پر ہے، حنظلہ سے روایت کرنے والے امام ابو داؤد کے کلام کے مطابق دو ہیں سفیان اور ولید بن مسلم، اور پھر سفیان سے روایت کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں، ابن دکین، فریابی، ابو احمد، ان تینوں کی روایت متن کے اعتبار سے تو متفق ہے یعنی وزن مکہ اور مکیال مدینہ، لیکن سند میں یہ تینوں مختلف ہیں تین میں سے دو یعنی ابن دکین اور فریابی ان دونوں نے اس حدیث کا راوی صحابی ابن عمر کو قرار دیا، اور ابو احمد نے ابن عباس کو۔

اور ولید بن مسلم نے سفیان کی مخالفت کی متن حدیث میں اس نے متن کو پلٹ دیا اور کہا، وزن المدینۃ ومکیال مکہ۔ اس کے بعد مصنف ایک اور روایت کا حوالہ دیتے ہیں یعنی مرسل عطا، اور اس کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں

کہ اس روایت میں، مالک بن دینار کی روایت میں بھی متن مختلف ہے۔

اس روایت کے متن میں مصنف نے کافی اختلاف روایات کو ذکر فرمادیا ہے اور پھر بعد میں کسی ایک طریق کی ترجیح کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں فرمایا اللہم الا ان یقال کہ وہ ابھی قریب نہیں اس سے پہلے باب میں یحییٰ بن معین کا یہ مقولہ نقل کر چکے ہیں۔ "کل من خالف سفیان فالقول قول سفیان، لہذا سفیان کی روایت کا متن راجح ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم امام نسائی نے اس حدیث کو صرف ایک ہی طریق سے "باب کم الصاۃ" کے تحت اس طرح ذکر کیا ہے، قال ابو عبد الرحمن وحدثنیہ زیاد بن ایوب واحمد بن سلیمان قال احداثا ابو یغثم قال حدثننا سفیان عن جنظلة عن طاؤس عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: المکیال مکیال اہل المدینۃ والوزن وزن اہل مکۃ۔

باب فی التشدید فی الدین

عن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال اھمنا احد من بنی فلان؟ فلم یرجبہ احد..... فقام رجل فقال انا یا رسول اللہ فقال ما منعت ان تجیبنی فی المرتین الاولیین انی لم أنوۃ بکم الا خیرا۔

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو خطاب فرمایا اور اس میں آپ نے ایک قبیلہ کا نام لیکر یہ دریافت فرمایا کہ اس قبیلہ کا یہاں کوئی فرد موجود ہے، اس پر کوئی نہیں بولا، آپ نے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی پوچھا، تیسری بار میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا میں ہوں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا پہلی اور دوسری مرتبہ کیوں نہیں جواب دیا تھا، بیشک میں تم سے اچھی ہی بات کہنا چاہتا تھا (وہ یہ کہ) تمہارا ایک ساتھی قبر میں اپنے دین کی وجہ سے مازو و مقید ہے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ذمہ جتنا بھی دین تھا وہ سب ادا کر دیا گیا۔ والحدیث اخرہ النسائی، قال المنذری۔

سمعت ابا بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری یقول عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ قال:

شرح الحدیث | ابو موسیٰ اشعری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بیشک گناہوں میں سے بڑا گناہ جن کو لیکر بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے یہ ہے کہ مرے کوئی شخص اس

حال میں کہ اسکے ذمہ دین ہو جس کو ادا کرنے کے لئے کچھ مال نہ چھوڑا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ حقوق اللہ کی بنا و مصالحت اور مباحث پر ہے بخلاف حقوق العباد کے کہ ان کا مسئلہ شدید ہے جیسا کہ اس حدیث میں گذرا یغفر کل ذنب التہمید الا الدین، اور اس حدیث میں دین کو کبائر کے بعد رکھا ہے، اس سوال کا جواب طیبی نے دیا ہے کہ وہ جو حدیث میں گذرا ہے کہ

شہید کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے دین کے وہ حدیث لوگوں کو دین سے بچانے کیلئے اور ڈرانے کیلئے علی سبیل المبالغہ تھی اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے، طبی نے پھر ایک اور سوال قائم کیا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نفس دین تو معصیت نہیں بلکہ وہ تو مندوب الیہ ہے چہ جائیکہ گناہ ہو، پھر اس کا جواب انہوں نے خود ہی یہ دیا کہ یہ تو صحیح ہے کہ نفس دین مہنی عنہ نہیں بلکہ مندوب الیہ ہے، بلکہ اس کا گناہ ہونا ایک عارضی کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ دین حقوق الناس کی اصاعت کا سبب بن جاتا ہے، بخلاف کبار کے کہ وہ فی حد ذاتہ تفتیح اور ممنوع ہیں اھ عزیز شارج جامع الصغیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو وعید ہے دین پر یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ مدیون اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے (یعنی دین کے ادا کرنے میں مستعد نہ ہو) یا اس صورت پر محمول ہے جبکہ دین کسی معصیت کے لئے لیا گیا ہو اھ (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یصلو علی رجل مات وعلیہ دین الخ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جو شخص اپنے اوپر دین چھوڑ کر مر جائے تو آپ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ ایک میت کو لایا گیا آپ نے سوال فرمایا کہ اس پر دین تو نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس پر دو دینار کا دین ہے، آپ نے فرمایا صلوا علی صاحبک کہ اس کی نماز جنازہ تم ہی پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا ہما علی یا رسول اللہ کہ ان دیناروں کی ادائیگی کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اس پر آپ نے اُس پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ معمول شروع میں رہا ہے فتوحات کے زمانہ سے پہلے فتوحات کے بعد آپ کا معمول یہ ہو گیا تھا کہ آپ فرماتے تھے انا اولی بکل مؤمن من نفسه، اس جملہ کا مطلب پہلے ہمارے یہاں کتاب الفرائض میں گزر چکا، یعنی یہ کہ میں ہر مومن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور فرمایا آپ نے جو شخص اپنے ذمہ دین چھوڑ کر مر جائے گا اس کی قصائیر سے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اس حدیث میں ادار دین عن المیت کا مسئلہ ہے اس پر کلام آگے آ رہا ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مثله، قال اشتری

من غیر بیعاً ولیس عنده ثمنہ واربع فیہ الخ

یعنی ایک مرتبہ آپ نے کسی باہر سے آنے والے قافلہ سے کوئی چیز خریدی جس کا ثمن آپ کے پاس اس وقت نہیں تھا، یعنی وہ چیز آپ نے ادھار خریدی، اس کے بعد آپ نے اس کو فروخت کیا تو اس میں آپ کو نفع ہوا تو آپ نے اس نفع کو اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں پر سداً فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ کوئی چیز میں ادھار نہیں خریدوں گا۔

صحۃ الکفالت عن المیت میں اختلاف ائمہ | اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میت کے ذمہ جو دو دینا تھے اس کی میت کی طرف سے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ میت مفلس کی طرف سے کفالت صحیح ہے، ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک تو یہی ہے، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ اس کفالت کی صحت کے قائل نہیں، اس لئے کہ کفالت کی حقیقت ہے ضم ذمۃ الاصل الی ذمۃ الکفیل فی المطالبۃ، چنانچہ کفالت کے بعد مکفول لہ کو حق رہتا ہے کہ چاہے تو وہ مطالبۃ الاصل یعنی اصل مدیون سے کرے یا اس کے کفیل سے، اور یہاں پر موت الاصل کی وجہ سے ذمۃ الاصل فنا ہو گیا، جب وہ فنا ہو گیا فلیکف ضم ذمۃ الی ذمۃ؟ اسی لئے ہدایہ میں امام صاحب کی دلیل میں لکھا ہے کہ یہ کفالت بدین ساقط ہے، اس لئے کہ جب محل دین باقی نہیں رہا تو دین بھی باقی نہیں رہا اس لئے یہ کفالت صحیح نہیں، اور اس حدیث کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفالت اصطلاحیہ نہیں تھی بلکہ ان صحابی میت کی طرف سے ادار دین کا وعدہ تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو قتادہ نے جو فرمایا صاعاً علی اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں، میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں۔ (بذل عن القاری)

باب فی المطل

مطل الغنی ظلم واذا اتبع احدکم علی ملئ فلیتبع، یعنی مالدار آدمی کا ادار دین میں تسویف و تاخیر کرنا یہ ظلم ہے، جب وہ اپنے غنا کی وجہ سے فی الحال ادائے دین پر قادر ہے اس کے باوجود اس کا ٹال مٹول کرنا سرسہ ظلم ہے، اس حدیث کے یہی معنی متبادر اور مشہور ہیں اور اس صورت میں مطل کی اضافت قائل کی طرف ہوگی اور میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مطل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہو، یعنی مدیون کا ٹال مٹول کرنا دائن غنی کے ساتھ یہ ظلم ہے یعنی مدیون ادائے دین میں اس بنا پر تاخیر کر رہا ہے کہ اس کا قرض خواہ مالدار ہے یعنی یہ سوچتے ہوئے کہ وہ تو مالدار ہے اس کو کیا جلدی ہے پھر کبھی دے دیں گے۔

اسی حدیث کے بارے میں میں نے استاد موصوف سے یہ بھی سنا تھا جو کہ حضرت تھانوی کے خلفاء میں سے تھے کہ میں نے حضرت تھانوی کی مجلس میں سب سے پہلی جو حدیث حضرت کی زبان سے سنی وہ یہی حدیث ہے "مطل الغنی ظلم"۔

آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر مدیون اپنے دین کا حوالہ کسی مالدار شخص پر کرے تو پھر دائن کو وہ حوالہ قبول کر لینا چاہیئے، اور پھر اسی محال علیہ کا یہ چھا کر ناجا ہے، و ہذا الامر قیل للذی قیل للیوب۔

ملیٰ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے مِلّیٰ بتشدید الیاء بدون الہمزہ کفنی لفظاً ومعنی، اور مِلّیٰ سکون یاء اور ہمزہ کے ساتھ۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی حسن القضاء

عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استسلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بکرا فجاءتہ ابل من الصدقة، حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے جو ان اونٹ نر بطور قرض لیا (اور اگر مراد ہو تو اس کو قلوں کہتے ہیں) کچھ روز بعد آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے مجھے حکم فرمایا ادائے دین کا تو میں نے عرض کیا کہ ان اونٹوں میں جس عمر کا اونٹ آپ نے لیا تھا وہ تو ہے نہیں بلکہ بہت عمدہ اور اس سے زیادہ عمر کا ہے (رباعی یعنی جو اونٹ چھ سال کا ہو کر ساتویں میں داخل ہو جائے) آپ نے فرمایا وہی دیدو، اس لئے کہ لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو دوسرے کا حق بہتر طریقہ سے ادا کرتا ہو۔

اس حدیث سے شراح نے بہت سے فوائد و مسائل کا استنباط کیا ہے جو بذل میں مذکور ہیں، منجملہ انکے ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے استقراض الحیوان، امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ حیوان کو بطور قرض لینا اور دینا جائز ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک و شافعی اور جمہور علماء کا۔ الی آخر ما ذکر فی النبل حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک استقراض الحیوان جائز نہیں، اور ان کے نزدیک اس کی دلیل وہ ہے جو آگے باب فی بیع الحیوان بالحوان نسیمہ میں آرہی ہے جس کو ہم وہیں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث پر ایک اشکال وجواب ہے وہ یہ کہ آپ نے مقرض کو اس کے حق واجب سے بطور حسن قصدار کے زائد دیا، یہ زائد دینا اگر اپنے مال سے ہوتا تب تو درست تھا آپ نے دیا یہ صدقہ کے اونٹوں سے جو بیت المال کے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ استقراض آپ کا اپنی ضرورت کے لئے تھا پھر جب بیت المال میں اونٹ آئے تو آپ نے ان میں سے ایک اونٹ خرید کر قرض میں دیا فلا اشکال اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ جس شخص سے قرض لیا گیا تھا وہ خود اہل ضرورت میں سے تھا اور اہل ضرورت کا حق بیت المال میں ہوتا ہی ہے۔ (بذل) والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

کان لی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دین نقضانی وزاد فی اس پر شراح نے لکھا ہے کہ مستقرض نے ادائے قرض کے وقت، جو قرض لیا تھا اگر اس سے احسن یا اکثر ادا کرے بشرطیکہ یہ زیادتی بغیر کسی شرط اور معاہدہ کے ہو تو دینے والا محسن ہوگا اور مقرض کے لئے اس کا لینا جائز ہوگا، امام نووی فرماتے ہیں کہ مقرض کے لئے زیادتی

کالینا جائز ہے خواہ وہ زیادتی صفت کے اعتبار سے ہو یا نہ دے اعتبار سے۔ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی فی العدد ممنوع ہے اور ہماری دلیل آپ کی حدیث خیر الناس احسنهم قضاء ہے اپنے عموم کے پیش نظر والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

باب فی الصرف

بیع الصرف کی تعریف اور حکم | بیع الصرف وہ بیع ہے جس میں عوضین یعنی عوض اور معوض من جنس الاثمان ہوں۔ یعنی سونا یا چاندی صرف کے لغوی معنی نقل کے ہیں، چونکہ اس بیع

میں بدلیں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف نقل کرنا فوراً ضروری ہے اسی لئے اس کا نام بیع الصرف رکھا گیا۔

جاننا چاہیے کہ بیع الصرف کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں عدم النسبۃ مطلقاً، وعدم التفاضل فی صورۃ اتحاد الجنس

یعنی عدم النسبۃ کا حکم تو ہر حال میں ہے خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس۔ اس بیع میں ادھار کا تو مطلقاً

ناجائز ہے تفاضل فی الجنس ضروری ہے اور حکم ثانی یعنی عدم تفاضل یہ وہی اس وقت ہے کہ جب عوضین متحد الجنس

ہوں مثلاً دونوں فضہ ہوں یا ذہب، اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو جیسے ایک جانب فضہ اور دوسری جانب ذہب

اس صورت میں تفاضل جائز ہے، ان دونوں میں سے پہلا حکم یعنی عدم النسبۃ ادھار کا ناجائز ہونا یہ تو اجتماعی مسئلہ ہے

ربا الفضل کے عدم جواز میں | اور حکم ثانی یعنی عدم تفاضل فی صورۃ الاتحاد اس میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ

کامسک تو یہی ہے۔ لیکن بعض صحابہ کا اس میں اختلاف رہا ہے ان سے

ربا الفضل کا جواز منقول ہے جیسے ابن عمر اور ابن عباس، ان دونوں میں

سے ابن عمر کا تو رجوع ثابت ہے کہ انہوں نے مسلک جمہور کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ لیکن ابن عباس کے رجوع

میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں انہوں نے بھی رجوع کر لیا تھا اور بعضوں نے ان کے رجوع کی نفی کی ہے

لیکن صحیح یہی ہے کہ ابن عباس سے بھی اس میں رجوع ثابت ہے وهو الذی اختارہ النووی فی شرح مسلم ص ۲۷

ان دونوں حضرات کا استدلال شروع میں حدیث اسماء لاریا لانی النسبۃ سے تھا، یہ حدیث بخاری و مسلم

دونوں میں ہے، جمہور علماء نے اس حدیث کے دو جواب دیئے ہیں یہ کہ ربا سے مراد ازنی الربا اور اشتراک الربا ہے

نفس ربا کی نفی نہیں مطلب یہ ہے کہ بیع الصرف میں شدید حرمت جو ہے وہ نسبۃ میں ہے اور تفاضل کی

حرمت اتنی شدید نہیں ہے، اور ایک جواب نسخ کا بھی دیا گیا ہے، نیز جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تا ہے

تو حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ربا الفضل اور ربا

ربا کی تعریف اور اسکی دو قسمیں | النسبۃ، ربا کی تعریف فقہار نے یہ لکھی ہے الربا هو الفضل المستحق

لاحد المتعاقدين في المعاوضة الى عن عوض شرط فيه، يعني مخصوص اموال کی بیع میں (یعنی اموال ربویہ جن کا بیان حدیث الباب میں ہے) احد الجانین میں ایسی زیادتی کا یا یا جانا کہ جانب آخر اس زیادتی کے عوض سے خالی ہو مثلاً ایک درہم کی بیع مبادرہم میں کی تو یہاں پر ایک جانب میں ربع درہم کی زیادتی ایسی پائی جا رہی ہے جس کا دوسری جانب میں کوئی عوض نہیں اسلئے کہ ایک درہم کے بدلہ میں تو ایک درہم ہو گیا اب اس کے بعد ایک جانب میں جو ربع درہم پایا جا رہا ہے اس کا عوض دوسری جانب میں ندارد، لیکن یہ تعریف ربائی قسمیں مذکورین میں سے ربی الفضل کی ہے اس کی قسم ثانی یعنی ربی النسیئہ اس سے اس تعریف کا تعلق نہیں، ربی النسیئہ تو یہ ہے کہ اموال مخصوصہ کی بیع میں تقابض فی المجلس نہ پایا جائے بلکہ معاملہ کو ادھار پر رکھا جائے، یعنی احد المتعاقدين تو معاملہ نقد کر رہا ہے اور فی الحال چیز دے رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کا عوض فی الحال نہیں دے رہا ہے اس کے بعد آپ حدیث الباب کو لیجئے۔

عن عمر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الذهيب بالذهب وبالاهاء وهاء والبر بالبر والاهاء وهاء والتمر بالتمر والاهاء وهاء والشعير بالشعير والاهاء وهاء۔

شرح الحديث على اكل وجه انشاء الله تعالى | اس حدیث میں صرف پانچ چیزیں مذکور ہیں، اور اس کے بعد جو عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آرہی ہے

اس میں شئی سادس بھی مذکور ہے، والملاح بالملاح مَدْعَى بَمَدْي، اس حدیث میں جو لفظ مکرر یعنی ہار و دھار ہے، یہ اسمائے افعال میں سے ہے جس کے معنی ہیں خذا اسمیں مذا و قمر دونوں جائز ہیں لیکن مد انقض ہے بیسوطی نے لکھا ہے کہ اس لفظ کی اصل ہا ک ہے یعنی خذا کاف (ک) کو حذف کر کے اس کے عوض میں مذا و ہمزہ کو لایا گیا، اور فائق میں لکھا ہے کہ لفظ "ہار" اسمائے اصوات میں سے ہے بمعنی خذا اور اسی سے ہے باری تعالیٰ کا قول "هاؤم اقرؤا کتابہ" علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ محجل نصب میں ہے بنا بر حالیت کے، اور الا کا مستثنیٰ منہ مقدر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بیع الذہب بالفضہ ربایہ تمام حالات میں الاحال المحذور والتقابض فی المجلس پس یہ لفظ ہار و دھار کنایہ ہے تقابض سے اھ (بذل) لہذا ترجمہ یہ ہوگا کہ ذہب کی بیع فضہ کے ساتھ رہا ہے جملہ احوال میں مگر اس حال میں کہ متعاقدين میں سے ہر ایک دوسرے سے کہہ رہا ہو خذا یعنی لے بھائی اور دوسرا بھی کہہ لے بھائی، اسی کا نام ہے تقابض فی المجلس، اور اگر اس طرح نہیں ہوگا تو پھر ربی النسیئہ پایا جائیگا جو کہ حرام ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہ حدیث جس میں اموال ربویہ کا ذکر ہے اسمیں اس طرح کے اموال کل چھ بیان کئے گئے ہیں اور ان اشیاء مستہ کے معاملہ کی دو صورتیں حدیث میں مذکور ہیں ایک اتحاد جنس والی کہ دونوں جانب ایک ہی شئی ہو مثلاً دونوں طرف ذہب ہی ہو یا فضہ ہی ہو دھکڑا، اور دوسری صورت اختلاف جنس کی بیان

کی گئی ہے جیسے ایک جانب ذہب دوسری جانب فضہ، یا ایک جانب حنظلہ، دوسری جانب شعیر، پہلی صورت کا حکم وجوب مساوات اور تقابض فی المجلس ہے یعنی کمی زیادتی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں اور دوسری صورت کا حکم جو حدیث میں مذکور ہے وہ ان دونوں سے صرف ایک ہے یعنی تقابض فی المجلس یعنی ادھار کا حرام ہونا اور مساوات اس صورت میں ضروری نہیں، یعنی اس صورت میں فضل اور زیادتی جائز ہے، ربایہ یعنی حرام نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ظاہر یہ جو کہ منکرین قیاس ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان ہی اشیائے ستہ میں ہے، اور جمہور علماء ائمہ اربعہ جو قیاس کو حجتہ شرعیہ مانتے ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان اشیائے ستہ میں نہیں بلکہ اور بھی بعض دوسری اشیاء کیلئے اس حکم کو وہ ثابت کرتے ہیں بذریعہ قیاس، قیاس نام ہے تعدیۃ الحکم لوجود العلة کا، یعنی حکم منصوص کی علت معلوم کرنے کے بعد جہاں جہاں وہ علت پائی جاتی ہو اس میں حکم منصوص کو جاری کرنا۔

اشیائے ستہ مذکورہ میں
 علیہ رباعند الائمۃ الاربعہ

اب یہاں ان حضرات ائمہ اربعہ نے ان اشیاء ستہ میں حرمت ربائی کی جو علت متعین کی ہے وہ مختلف ہے اور پھر ہر ایک امام کے نزدیک ان اشیائے ستہ کے علاوہ جہاں جہاں وہ علت پائی گئی اس نے وہاں یہ حکم منصوص نافذ کیا اب یہ کہ وہ علت حکم ان حضرات نے کیا متعین کی اس کے بارے میں سنئے، ان حضرات ائمہ نے اس حدیث میں جو اشیائے ستہ مذکور ہیں اس کا اولاً تجزیہ کیا، وہ یہ کہ ذہب و فومہ جن کو ثمنین کہا جاتا ہے ان کو تو الگ رکھا اور باقی اشیائے اربعہ کو الگ کر کے ان میں علیحدہ غور کیا، ثمنین کی علت ربائی الگ تجویز کی گئی اور باقی اشیاء کی الگ، امام شافعی و مالک کے نزدیک ثمنین میں علت ربائی ثمنیت ہے اور چونکہ ثمنیت خاص صفت ذہب و فضہ ہی کی ہے کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی لہذا ان دونوں اماموں کے نزدیک ثمنین پر تو کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اب رہے باقی اشیائے اربعہ، ان میں امام شافعی کے نزدیک علت ربائی طعم ہے یعنی ان اشیاء کا مطعم ہونا، لہذا جملہ مطعومات کا حکم ان کے نزدیک یہی ہوگا جو ان اشیائے اربعہ کا ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان اشیاء میں علت ربائی اقیات و ادخار ہے یعنی ان اشیاء میں سے ہر ایک کا قوت مدخر ہونا یعنی انسان کی ایسی روزی جس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جاسکے لہذا امام مالک کے نزدیک جملہ اقوات مدخرہ کا یہی حکم ہوگا، مثال کے طور پر ان اشیائے اربعہ میں رز یعنی چاول کا ذکر نہیں ہے، ذرہ یعنی جوار، اس کا بھی ذکر نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، سب کا حکم یہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک ثمنین میں علت، ربائی ثمنیت نہیں ہے بلکہ

۱۰
 منہ چنانچہ طائفہ ظاہر یہ کہ امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے انکار قیاس پر مستقل کتاب لکھی، «ابطال الرأی والقیاس»

وزن ہے یعنی ان دونوں کا شتی موزون ہونا لہذا ان دو کے علاوہ بھی جملہ موزونات کا یہی حکم ہوگا مثلاً حدید نحاس وغیرہ، اور باقی اشیائے اربعہ میں علت ربا حنفیہ کے نزدیک کیل ہے یعنی ان اشیاء کا یکلی ہونا، لہذا جملہ یکلیات کا حکم یہی ہوگا پس ربا النسبیہ کی علت ہمارے نزدیک بیع کے اندر عوضین کا وزنی یا کیلی ہونا ہے اور ربا الفضل کی علت عوضین کا وزنی یا کیلی ہونے کے ساتھ متحرک جنس ہونا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ ربا کی علت ہمارے نزدیک کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے، اور امام احمد سے اس مسئلہ میں دور وائیں ہیں ایک مثل حنفیہ کے اور دوسری مثل شافعیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فقہار کرام کا امت پر احسان عظیم | ان حضرات فقہائے کرام نے جو کہ ائمہ دین ہیں اپنی عمریں قرآن و حدیث سے استنباط مسائل ہی میں گزاری ہیں، پوری امت پر ان کا

احسان عظیم ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کر کے رہتی دنیا تک کیلئے دینی مسائل کی سہولتیں فراہم کر گئے، ایک قصہ یاد آیا جو تعلیم المتعلم میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد کسی نے ان سے خواب میں دریافت کیا کہ موت کے وقت آپ پر کیسی گزری، تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میری روح کیسے نکالی گئی، میں تو اس وقت مکاتب کے مسائل کے استنباط میں مشغول تھا اللہ اکبر! کیا شان تھی شکر اللہ سعیم واجزل مثوبتہم وحشرنا و مشائخنا معہم۔

اس حدیث میں تبرہا و عینہا مذکور ہے تبر کہتے ہیں خالص سونے چاندی کے ٹکڑوں کو جو مضروب نہ ہوں اور عین اس کا مقابل ہے یعنی جو مکہ کی شکل میں ہو، تو آپ یہ فرما رہے ہیں کہ تبر اور عین کا کوئی فرق معتبر نہیں دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برادر شعیر دو مختلف جنس ہیں **برادر شعیر باعتبار جنس متحد ہیں یا مختلف** | ائمہ ثلاث کا مسلک یہی ہے اس میں امام مالک کا اختلاف ہے

وہ ان دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبادۃ حدیث حسن صحیح و قدروی بعضہم ہذا الحدیث عن خالد بن خالد الاسناد قال بیوا البر بالشعیر کیف شتم ید ابید، و ہذا قول اکثر اہل العلم و ہذا قول سفیان الثوری و الشافعی و احمد واسحاق، و قد کرہ قوم من اہل العلم ان تباع الخنطۃ بالشعیر الا مثلاً بمثل و ہذا قول مالک بن انس، و القول الاول صحیح و مختصر المخصا۔ ومن زاد اذ زاد فقد اربی، یعنی اتحاد جنس کی صورت میں جو شخص دوسرے کو زائد دے گا یا زائد لے گا تو اس نے ربا اختیار کیا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اگر ذہب کی بیع فضہ کے ساتھ ہو اور اسی طرح برکی شعیر کے ساتھ اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے زائد ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ ید ابید ہو، اور نسیتہ جائز نہیں۔

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ۔

• و حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

باب فی حلیۃ السیف تباع بالدر اہم

عن فضالۃ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام خیبر

بقلاۃ فیہا ذهب وحرزٌ وفی روایۃ فیہا خرزفغلقۃ بذهب اتباعہا رجل بتسعة دنانیر او بسبعة دنانیر۔
یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا فتح خیبر والے
سال کہ ایک ہار جس میں سونا اور خر مہرے یعنی جواہرات وغیرہ قیمتی پتھر بھی تھے،
مخلوط کی بیع کا حکم اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسا قلابہ جس کے اندر خر مہرے سونے کے ساتھ
ٹکے ہوئے تھے، اس قلابہ کو ایک شخص نے نو یا سات دینار میں خریدا تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ بارہ
دینار میں خریدا تھا، اور اس دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ خریدنے والا شخص کہتا ہے کہ جب میں نے اس
قلاۃ کے اجزاء کو الگ الگ کیا تو اس میں سے جو سونا نکلا وہ بارہ دینار سے زائد تھا (یعنی اور دوسری چیزیں
جواہر وغیرہ وہ مزید برآں) شخص مذکور کہتا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ
نے فرمایا لا تباع حتی تفتصل یعنی اس قسم کے ہار کی بیع مجموعی طور پر جائز نہیں جب تک سب اجزاء کو الگ
الگ نہ کر لیا جائے۔

مسئلہ ثابتہ بالحديث میں مذاہب ائمہ اگر کسی ہار میں جواہرات کے علاوہ سونا ٹکا ہوا ہو تو اس کی بیع
خالص سونے کے ساتھ یا ایسے ہی جس قلابہ میں چاندی ٹکی ہوئی
ہو اس کی بیع چاندی کے ساتھ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں جب تک سب کو الگ الگ نہ کر لیا
جائے اندیشہ ربائی وجہ سے، ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے اور حنفیہ کا مذہب اس جیسے مسئلہ میں
یہ ہے کہ اگر کسی طرح بالجزم یہ معلوم ہو کہ وہ خالص سونا اس سونے سے جو قلابہ میں لگا ہوا ہے زائد ہے اور
قلاۃ والا سونا کم ہے تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی، ایک طرف کا سونا دوسری طرف کے سونے کے مقابلہ میں
ہو جائے گا اور وہ جو خالص سونے کی زیادتی ہے ایک جانب میں وہ دوسری جانب کے جواہر کے مقابلہ میں
ہو جائے گی اور اس صورت میں کوئی ربا لازم نہیں آئے گا کہ ہو ظاہر، یہ صرف ایک صورت تو ہے جواز کی، اور اگر
وہ ذہب مُفَرَّز (خالص سونا غیر مخلوط) ذہب مخلوط کے برابر یا اس سے اقل ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ
بیع ناجائز ہوگی لزوم ربا کی وجہ سے، اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ ذہب مخلوط بال غیر تابع ہو غیر کے
بیس طور کہ ثلث یا ثلث سے کم ہو تب تو یہ بیع جائز ہے ورنہ نہیں، اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہاں حدیث میں
جو صورت پائی گئی ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا یہ وہی صورت ہے جو حنفیہ کے نزدیک بھی

ممنوع ہے اس لئے کہ اس مثال میں تو ذہب مُفْرَز بجائے اکثر ہونے کے برابر بھی نہیں تھا ذہب مخلوط کے بلکہ اس سے اقل تھا اور یہ ہمارے یہاں بھی ناجائز ہے، لہذا حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث میں تو اس قسم کے قلاہ کی بیع کو تجزیہ و تفصیل سے قبل ناجائز قرار دیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تجزیہ و تفصیل کے بعد جس صورت میں جائز ہوتا ہے اسی صورت میں ہم بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور جس صورت میں ناجائز ہوتا ہے اس کو ہم بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، غرضیکہ تجزیہ و تفصیل معرفت مقدار کا ذریعہ ہے تاکہ کمی زیادتی کا علم ہو جائے اور بالآخر نہ آئے، لیکن اگر بدون تجزیہ و تفصیل کے معرفت مقدار حاصل ہو جائے ہم اسی کو جائز قرار دے رہے ہیں اور بغیر اس کے ہم بھی اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مدعجہ اور اسکی شرح و مثال | کتب شافعیہ میں اس مسئلہ کو مسئلہ مدعجہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ امام نووی کے کلام میں شرح مسلم ص ۲۶ میں مذکور ہے جس کی صورت انہوں نے یہ لکھی ہے کہ اگر ایک جانب میں مدعجہ اور درہم ہو (یعنی ایک مدعجہ جس کے ساتھ ایک درہم بھی ہو) اور اس کی بیع کی جائے مدین عجمہ کیساتھ یعنی دوسری جانب صرف تمر ہے لیکن بجائے ایک مد کے دو مد یا درہمیں کے ساتھ یعنی یا دوسری جانب صرف درہم ہو لیکن ایک نہیں بلکہ دو تو یہ جائز نہیں۔

یہ قلاہ والا مسئلہ اس کی تشریح و مذاہب ائمہ امام نووی نے حدیث الباب کے تحت شرح مسلم ص ۲۶ پر ذکر کئے ہیں، اس کی طرف رجوع کیا جائے فقہ کلام نفیس فی شرح ہذا الحدیث۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہار خریدنے والے کو اس بیع سے منع فرمایا تو اس نے کہا انما اردت الحجارة تو آپ نے تب بھی اجازت نہیں دی، اس شخص کی مراد یہ تھی کہ شراب قلاہ سے میرا مقصود و مطلوب وہ جواہرات ہیں جو اس میں ٹکے ہوئے ہیں، یعنی سونا مقصود نہیں، اور یہ جواہرات اموال ربویہ میں سے ہیں نہیں لہذا اجازت ہونی چاہیے۔

عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه نباع اليهود الوقية من الذهب بالدينار وقال

غير قتيبة. بالدينارين والثلاثة۔

اس حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہم لوگ یہود خیر کو دو یا تین دینار دیکر ایک وقیہ سونے کا خرید لیتے تھے وقیہ نام ہے چالیس درہم کا، اور ظاہر بات ہے کہ چالیس درہم وزن کے برابر سونا کون فروخت کر سکتا ہے دو یا تین دینار کے بدلہ میں اس لئے یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ الوقیہ من ذہب و خرز وغیرہ یعنی ایسا ہا جس کا وزن چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا جسمیں سونا اور خرمرہ سے وغیرہ ہوتے تھے اس قسم کے ہار کو دو یا تین دینار میں خرید لیتے تھے۔ قالہ النووی (عون) والحدیث اخرجہ مسلم۔ قالہ المنذری۔

باب فی اقتضاء الذهب من الورق

مسئلہ مترجم بہا کی شرح
اور بیان مذاہب

اقتضار بمعنی الاخذ یعنی خرید و فرخت کے معاملہ میں اگر دینار سے معاملہ ہوا ہے اس کے بجائے دراہم لینا یا اگر معاملہ دراہم کے ساتھ ہوا تھا اور پھر بعد میں بجائے دراہم کے اسی قیمت کے بقدر دنیا پر لینا، ایسا کرنا بحساب قیمت متساویاً تو بالافتاء جائز ہے اور بالفرض اگر متفاضلاً ہو تب بھی تراضی طرفین کے ساتھ جائز ہے اسلئے کہ اختلاف جنس کی صورت میں تو کمی زیادتی جائز ہے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا یعنی دنیا پر کے مقابلہ میں دراہم، یا دراہم کے عوض میں دنیا پر لے گا وہ بحساب قیمت متساویاً ہی لے گا تفاضل کا اصولاً جائز ہونا وہ امر آخر ہے، لیکن تقابض فی المجلس ضروری ہے جیسے کہ تمام اموال ربویہ کا حکم ہے کیونکہ یہ عقد عقد صرف ہوگا جمیع تقابض فی المجلس ضروری ہے، خطابی فرماتے ہیں وقد اختلف الناس فی اقتضار الدرہم من الدنانیر، فذهب اکثر اهل العلم الی جوازہ، ومنع من ذلک البوسلمہ بن عبد الرحمن والبوشیر مہ، وکان ابن ابی لیلیٰ یرکہ ذلک الالبسر یومہ، ولایعیر غیرہ السعہ، ولم یبالوا کان ذلک باغلی اذ ارض من سعہ الیوم اھ یعنی ابن ابی لیلیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے کہ جس روز معاملہ ہوا تھا اس روز دراہم و دنیا پر کی جو قیمت تھی بازار میں اس قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ہو ورنہ مکر وہ ہے سعہ الیوم جس کو خطابی فرما رہے ہیں وہ حدیث البیاب میں مصرح ہے۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا یأثم ان تأخذہا بسعہ یومہا ما لم تضر تقاد و بینکما شئ۔ لیکن یہ قید بعض طرق میں ہے بعض میں نہیں، چنانچہ باب کی حدیث ثانی میں نہیں کہا قال المصنف باسناده ومعناہ والاول اثم لم ینکر "بسعہ یومہا" غالباً اسی وجہ سے جمہور نے سعہ یوم کے اعتبار کو ضروری قرار نہیں دیا، خطابی کے کلام میں امام احمد کا مسلک مذکور نہیں، ان کے نزدیک سعہ الیوم کی قید ضروری ہے کہا قال الموفق کما فی ہامش البذل، وفيہ ایضاً: قلت حکى الشوكاني تقييده عن احمد واليه يشير كلام الترمذي اذ ذكر فيمن قال بالحديث احمد، وبه جزم الموفق كما سبق اور علامہ سندی کے حاشیہ میں یہ ہے کہ بسعہ الیوم کی قید علی طریق الاستحباب ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت ابيع الابل بالبیق (وفی نسخة: بالنقیع، بالمون) فابیع

الدنانیر واخذ الدرہم، وابع بالدر اھم واخذ الدنانیر الخ۔

اس حدیث میں وہی مسئلہ مذکور ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ والحدیث اخریہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

لہ لیکن یہ جواز تفاضل صرف حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز نہیں، کما فی ہامش البذل عن الموفق۔

باب بیع الحيوان بالحيوان نسيئة

یہ باب اور اسمیں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا حوالہ یہاں ہے "باب فی حسن القضایہ میں گذر چکا ہے استقراض الحيوان کے ذیل میں مسئلہ الباب میں مذکور ہے" اسمیں ضروری نہیں تفاضل بھی جائز ہے، مثلاً بیع البعیر بالبعیرین، یا بیع البعیر بالبعیرین، لیکن اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ بیع الحيوان بالحيوان نسيئة بھی جائز ہے یا نہیں، اس میں دو امام ایک طرف ہیں اور دو ایک طرف، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے کما فی حدیث الباب ہنی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة، اور امام مالک وشافعی کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، اسی لئے مصنف نے آگے باب قائم کیا ہے "باب فی الرخصة فی ذلک" لیکن امام مالک کے نزدیک اس کا جواز اختلاف جنس کی صورت میں ہے، مثلاً ایک طرف اونٹ ہے اور دوسری طرف بکریاں، اور اتحاد جنس کی صورت میں ان کے نزدیک بھی جائز نہیں، تو گویا امام مالک ایک صورت میں حنفیہ وحنابلہ کے ساتھ ہیں اور ایک صورت میں شافعیہ کے، یہ پہلا باب اور اس کی حدیث حنفیہ وحنابلہ کے حق میں ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، امام شافعی و مالک نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ نسيئة جائزین سے ہو جس کو اصطلاح فقہاء میں بیع الکالی بالکالی کہتے ہیں اور اگر جانب واحد سے ہو تو اسکو یہ دونوں حضرات ممنوع قرار نہیں دیتے اسی لئے یہ دونوں حضرات استقراض الحيوان کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس میں نسيئة جانب واحد سے ہوتا ہے اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یعنی خواہ نسيئة من الجانبین ہو یا من جانب واحد، اور اسی لئے ان کے نزدیک استقراض الحيوان بھی ناجائز ہے والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المتذری۔

باب فی الرخصة

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم امره ان يجهز جيشاً فنقدت الابل فامر به ان يأخذ في قلاص الصدقة (وفي نسخة: على قلاص الصدقة) فكان يأخذ البعير بالبعيرين الى ابل الصدقة۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کی تجہیز کا حکم فرمایا یعنی سامان جہاد مہیا کرنے کا، انہوں نے اس کی تیاری شروع کر دی، لیکن درمیان میں اونٹوں کی کمی پڑ گئی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، تو حضور نے ان کو حکم فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں کی بنیاد

پر لوگوں سے مستعار لے لیں، کہ جب بیت المال میں صدقہ کے اونٹ آئیں گے ان سے یہ دین ادا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگوں سے دو دو اونٹ کے بدلہ میں ایک ایک اونٹ لیتے تھے۔

اس حدیث میں دو باتیں پائی گئیں: استبدال حیوان بالحيوان متفاضلاً، یعنی حیوانات کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ، اس میں تو کوئی اشکال نہیں، یہ تو سب کے نزدیک جائز ہے، دوسری چیز ہے نسیمہ یعنی اس کا جائز ہونا مصنف کی غرض اس باب سے جواز نسیمہ ہی کو بیان کرنا ہے کما فی ترجمۃ الباب۔

حدیث الباب حنفیہ و حنابلہ | یہ حدیث حنفیہ و حنابلہ کے خلاف ہوئی اور شافعیہ کے موافق، ان حضرات کی طرف سے ایک جواب تھا اس حدیث کا نسخہ کے ساتھ دیا گیا کہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث منسوخ ہے ذکرہ الطحاوی احتمالاً، علامہ شوکانی فرماتے ہیں لاشک ان

احادیث النہی وان کان کل واحد منها لایخلو عن مقال لکنہا ثبتت من طرق ثلاثہ من الصحابہ، سمرۃ (کما فی الباب لای قبلہ) وجابر بن سمرۃ و ابن عباس وبعضہما یقوی بعضاً فی ارجح من حدیث واحد غیر قال عن المقال وهو حدیث عبداللہ بن عمرو، یعنی منع کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں حضرت سمرہ و جابر بن سمرہ اور ابن عباس، اور جواز کی روایت جو کہ صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے اور وہ بھی ایسی جو کلام اور ضعف سے خالی نہیں، اور ویسے بھی اصولاً دلیل تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے دلیل اباحت پر (بذل)

باب فی ذلک اذا کان یدابید

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری عبد البعلدین۔ یعنی آپ نے دو غلاموں کے بدلہ میں ایک غلام خریدا، یعنی یدابید کما فی ترجمۃ الباب، اور یہ بالاتفاق جائز ہے کما فی الباب السابق۔

والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی باتم منہ، قالہ المنذری

باب فی التمر بالتمر

یہ دونوں تائے مشابہ من فوق سے ہیں اور ایک نسخہ میں فی التمر بالتمر ہے یعنی پہلا شمار سے اور دوسرا شمار سے، اور ارجح بھی یہی نسخہ ثانیہ ہے حدیث الباب کے پیش نظر۔

ان زید اباعیاش اخبرہ انہ سأل سعد بن ابی وقاص عن البیضاء بالسلت فقال له سعد ایہما افضل؟ قال البیضاء قال فنہا عن ذلک، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یسأل عن

شراء التمر بالربط فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان ينقص الربط اذ ابیس؛ قالوا
نعم فمنها عن ذلك۔

شرح الحدیث من حیرث الفقه

مضمون حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا حنظلہ کی بیع شلت کے ساتھ جائز ہے؛ سلت شیعہ کی ایک عمدہ قسم ہوتی ہے جس کا قشر باریک ہوتا ہے، یعنی لطیف قسم کا جو، جو غوام میں جو پیمیری کیسا تھ مشہور ہے، تو اس پر حضرت سعد نے پوچھا کہ ان دو میں عمدہ کونسا ہے سائل نے جواب دیا کہ عمدہ تو کبھوں ہی ہوتا ہے، انہوں نے اس کا یہ جواب سن کر بیع سے منع کر دیا یہ حدیث احادیث مشککہ میں سے ہے غیر واضح المعنی، اس لئے کہ ہمیں معلوم کہ سائل کی غرض بیع نسیمہ سے ہے یا دایم سے، اگر سوال کا تعلق بیع نسیمہ سے ہے تب تو اس مسئلہ کا حکم واضح ہے کہ بالاتفاق ناجائز ہے یہ دونوں اموال ربویہ میں سے ہیں، پھر الفضل اور غیر الفضل سے سوال کے کیا معنی، اور اگر مراد اس بیع سے وہ ہے جو دایم ہے تو پھر اس میں دو احتمال ہیں، متفاضلاً یا متساویاً، اگر متساویاً مراد ہو تب بالاجماع جائز ہے، اور اگر متفاضلاً مراد ہے تو اس صورت میں بھی ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک ناجائز ہے لیکن یہ صورت امام مالک کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک جیسا کہ پہلے گذر چکا حنظلہ اور شیعہ تھو انجنس ہیں، اس صورت میں حضرت سعد کا جواب مالکیہ کے مسلک کے موافق ہو گا ہو سکتا ہے ان کی رائے بھی امام مالک کے موافق ہو، لیکن اس صورت میں حضرت سعد کا استدلال کرنا اس حدیث سے جو انہوں نے ذکر فرمائی یعنی بیع التمر بالربط جس کو حضور نے ناجائز قرار دیا تھا اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں بیع التمر بالربط سے بیع متساویاً مراد ہے نہ کہ متفاضلاً، پھر حضرت سعد کا اپنے مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کرنا کیسے درست ہوا اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے۔

بیع الربط بالتمر میں امام صاحب کا اختلاف اور دلیل

وہ یہ کہ بیع الربط بالتمر متساویاً جمہور علماء ائمہ ثلاث اور صاحبین کے نزدیک اسی حدیث کی بنا پر ناجائز ہے، اس لئے کہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا تھا کہ کیا ربط خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے، تو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں کم ہو جاتی ہے، اس پر آپ نے اس سے منع فرما دیا، کیونکہ اگر چہ فی الحال مساوات پائی جا رہی ہے لیکن آئندہ مستقبل میں بعد الیئس مساوات باقی نہیں رہے گی، لیکن اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے جمہور کے خلاف جواز بیع کی ہے وہ فرماتے ہیں اس لئے کہ ربط دو حال سے خالی نہیں، یا وہ من جنس التمر ہو گی یا نہیں، اگر من جنس التمر ہے تو جس طرح بیع التمر بالتمر متساویاً بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح یہ بھی

جائز ہونی چاہیے، اور اگر شق ثانی کو لیا جائے یعنی یہ کہ رطب من جنس التمر نہیں ہے بلکہ خلاف جنس سے ہے تو اسکے بارے میں خود حدیث میں تصریح ہے واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم، پس حاصل یہ کہ اگر رطب تمر کی جنس سے ہے تو اول حدیث کے پیش نظر یہ بیع جائز ہونی چاہیے، اور اگر خلاف جنس سے ہے تو پھر آخر حدیث کی وجہ سے یہ بیع جائز ہونی چاہیے لیکن یہ حدیث سعید بن ابی وقاص جس میں آپ نے یہ سوال فرمایا، اینقص الرطب اذا بیس امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے وہ مجہول، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث بیع نسبیہ پر مجہول ہے جیسا کہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں صراحت آ رہا ہے، نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسبیہ و فی حاشیۃ البذل عن "البحر الرائق" لوصح الحدیث فهو مخالف للروایات الشہیرۃ التمر بالتمر مثلاً بمثل، واذا اختلفا فکیف شئتم۔ زید بن عیاش جن کی کنیت ابو عیاش ہے اس راوی کے مجہول اور معروف، اسی طرح ثقہ اور ضعیف ہونے میں علماء رجال کا اختلاف ہے، بذل المجہود میں یہ سب اختلاف مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

باب فی المزبنة

بیع مزبنة کی تعریف اور وجہ تسمیہ | بیع مزبنة کی تعریف یہ ہے بیع ما علی الشجر من التمر بالتمر المجذوذ کیلاً، یعنی مالک باغ کا ان کھجوروں کو جو درخت پر لگی ہوئی ہیں اندازہ لگا کر ان کھجوروں کے بدلہ میں کیل کر کے بیچنا جو زمین پر ٹوٹی ہوئی رکھی ہیں چونکہ درختوں کی کھجوروں کی مقدار محض انداز سے تعین کی گئی ہے اسلئے یوں سمجھئے کہ یہ بیع التمر بالتمر جزا ہے نہ کہ کیلاً، اور اس صورت میں کمی زیادتی کا قوی احتمال ہے جو کہ رہا ہے، اسی لئے یہ بیع بالاجماع ناجائز ہے، یہ ماخوذ ہے زبن سے بمعنی الدفع، اس بیع میں چونکہ ظن غالب ہوتا ہے اس بات کا کہ متعاقبین میں سے کسی ایک کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے کا نقصان، جس کا علم بعد میں ہوتا ہے، تو اب وہ نقصان کے علم کے بعد کوشش کرتا ہے اس بیع کو فسخ کر نیکی، اور اس کا جو مقابل ہے وہ فسخ کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کا نفع بیع کو باقی رکھنے میں ہوتا ہے اسلئے اس میں جانیبن سے مدافعت ہوتی ہے اسی لئے اس کو بیع مزبنة کہتے ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع الشمر بالتمر

کیلاً، عن بیع العنب بالزبيب کیلاً۔

شرح الحدیث | یعنی منع فرمایا آپ نے ان کھجوروں کی بیع سے جو درخت پر لگی ہوئی ہوں ان کھجوروں کے بدلہ میں

جو ٹوٹی ہوئی ہیں کیل کر کے، کیلہ کا تعلق ان کھجوروں سے ہے جو زمین پر ٹوٹی ہوئی ہیں، اسلئے کہ جو درخت پر ہیں ان کو ناپنا اور کیل کرنا تو ممکن ہی نہیں، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے انگوروں کی بیج سے جو درختوں پر ہیں کشمش کے بدلہ میں کشمش کو کیل کر کے، اور تیسرا جزء حدیث کا یہ ہے کہ منع فرمایا آپ نے کھڑی کھیتی کی بیج سے گیہوں کے بدلہ میں کیل کر کے۔

وجہ منع کی ظاہر ہے کہ ان تمام بیوع کا مدار تخمین پر ہے جس میں تفاضل کا احتمال قوی ہے جو کہ ربا ہے اتحاد جنس کی وجہ سے۔ والی حدیث اخرجہ البخاری وسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

باب فی بیع العرایا

اخبرنی خارجة بن زید بن ثابت عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه

واله وسلم رخص فی بیع العرایا بالتمر والرطب۔

عرایا کی حقیقت اور مصداق میں اختلاف ائمہ عرایا عریۃ کی جمع ہے، عریۃ بمعنی عطیہ، اس کی جمع عرایا جیسے عطیہ کی جمع عطایا، عریۃ میں جمہور علماء اور حنفیہ کا

اختلاف ہے، اس کے حکم میں بھی اور حقیقت میں بھی، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے تفسیر العرایا جمہور کے نزدیک عرایا از قبیل بیع ہے، بالفاظ دیگر بیع مزانہ کا ایک فرد ہے،

اور جو حقیقت بیع المزانہ کی ہے جمہور کے نزدیک وہی حقیقت عرایا کی ہے، لیکن لامطلقاً بل فی مقدار مخصوص یعنی بیع مزانہ جس کی تفسیر اوپر گذشتہ باب میں گذر چکی ہے وہ عند الجمہور ایک مخصوص مقدار میں جائز ہے، اور اس سے زائد میں جائز نہیں، اس مقدار سے اگر زائد ہوگی تو پھر اس کا نام بیع العریۃ نہ ہوگا بلکہ بیع المزانہ ہوگا جو کہ ممنوع ہے، اور وہ مخصوص مقدار کیا ہے اس کا باب آگے مستقل آرہا ہے، چنانچہ امام نووی نے عریۃ کی تعریف جو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کے پاس تمر یعنی خشک کھجوریں ہیں وہ کسی باغ والے کے پاس جا کر اس طرح معاملہ کرے کہ اپنے باغ کے ان چند درختوں پر جو پھل ہے کسی خاص سے اس کا خرص کر کے یعنی یہ کہ ان پر جو تمر کھجوریں لگی ہوئی ہیں خشک ہونے کے بعد ان کی کیا مقدار رہے گی تو اسی مقدار کے برابر مجھ سے یہ کھجوریں لے لے اور یہ درخت میرے حوالہ کر دے پس وہ دونوں تقابض فی المجلس کر لیں مشتری تمر کی وہ مقدار صاحب نخل کے حوالہ کر دے اور صاحب نخل ان نخیل کو مشتری کے حوالہ کر دے، لیکن مخصوص مقدار کے اندر یعنی مادون خمسۃ اوسق، اور اگر وہ کھجوریں پورے پانچ و سق ہوں اس میں امام شافعی کے دونوں قول ہیں، اصح القولین عدم جواز ہے۔ لہ اور عند الحنفیہ بیع مزانہ کا کوئی فرد بھی جائز اور حلال نہیں، اور عریۃ جس کی

لہ بذلک عبارت میں یہاں نقل میں کاتبیہ خطا واقع ہوئی کہ بجائے لاجوز کے اس میں جواز لکھا گیا، فلیحرج۔

حقیقت عند الجہور بیع ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کی حقیقت بیع نہیں ہے بلکہ تبادلہ فی الہبہ ہے جس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص جو بڑے باغ والا ہے وہ اپنے باغ کے چند درختوں کو یعنی ان کے پھلوں کو کسی نادار آدمی کو ہبہ کر دے تاکہ وہ نادار شخص بھی ان درختوں کے پھل سے منفعہ ہوتا رہے، چنانچہ وہ نادار شخص یعنی معریٰ لہ وقتاً فوقتاً اس باغ میں ان درختوں سے پھل لینے کے لئے جاتا رہتا ہے اس کی اس بار بار آمد و رفت سے اس باغ والے کو گرانی ہوتی ہے کیونکہ وہ مع لینے اہل و عیال کے باغ میں مقیم ہے تو اس پر وہ باغ والا اس اذیت سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ وہ اس معریٰ لہ سے یہ کہتا ہے کہ تم اندازہ کر کے بتاؤ کہ ان درختوں پر جو پھل ہیں وہ کتنے ہونگے تاکہ اسی کے بقدر ہم تم کو تمر یعنی ٹوٹی ہوئی کھجوریں خشک پھلوں کے توڑنے کے وقت میں ادا کر دیں گے، اب ظاہر ہے اس بیچارہ کو کیا اس میں انکار ہو سکتا ہے اسکو تو جو کچھ مل رہا ہے مفت ہی میں ہے، باقاعدہ کوئی بیع تو ہے ہی نہیں وہ اس کو منظور کر لیتا ہے، اور اس کے جائز ہونے میں کوئی تردد کی بات ہی نہیں ہے، پس حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ احادیث میں جس عریہ کا ذکر آتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے یعنی معریٰ کا معریٰ لہ کو تر کھجوروں کے بدلہ میں جو درختوں پر لگی ہوئی ہیں لیکر اس کے بدلہ میں تمر یعنی خشک کھجوریں دیدینا موطا محمد میں بھی امام مالک سے عریہ کی یہی تفسیر منقول ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ معاملہ صرف واہب اور موہوب لہ کے درمیان ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک چونکہ عریہ کی حقیقت بیع ہے یعنی بیع مزابنہ کا ایک فرد لہذا ان کے نزدیک اس قسم کا معاملہ کسی بھی شخص کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جس طرح بیع ہوا کرتی ہے، ان کے نزدیک اس معاملہ کا تعلق واہب اور موہوب لہ سے نہیں، اسی لئے اس کو انہوں نے بیع قرار دیا اور ہر شخص کے ساتھ مقدار مخصوص میں اس بیع کو جائز قرار دیا، اب یہ کہ وہ مقدار مخصوص کیا ہے اس کا بیان آگے مستقل باب میں آ رہا ہے، مالکیہ کا مسلک اس میں بین بین ہے چنانچہ حضرت شیخ نے الابواب والتراجم میں مذاہب اربعہ اس کے بارے میں اس طرح لکھے ہیں، وحاصل اختلاف الائمتہ فی ذلک انہما رجوع الواہب فی ہبۃ بعض عند الحنفیہ وشرار الواہب ہبۃ عند المالکیۃ وقال الشافعی و احمد ان ہذا القدر ای مقدار خمسۃ اوسق مستثنی من البہی عن المزابنۃ فیجوز بیعہ مع الواہب وغیرہ، کذا فی ہامش اللامع اھ

لہ بذل میں بدائع سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عریہ کی تفسیر وہ ہے جس کو امام مالک نے موطا میں ذکر فرمایا ہے وہ ان یکن لرجل نخل فیعطی رجلاً منہا شمرۃ نخلۃ او نخلتین یلفظہما العیالہ ثم یتقل علیہ دخولہ ما ظہر فیسألہ ان یتجاوز لہ عنہما علی ان یعطیہ بمکیلہتا تمر عند صرام النخل، وذلک ما نابأس یہ عندنا، لانه لا یباع ہناک بل التمر کلہ لصاحب النخل فان شاء سلم لہ شمر النخل وان اشار اعطاه بمکیلہتا من التمر الا انہ سماہ الراوی بیعاً للتصورہ لصورۃ البیع لان یکن بیعاً حقیقۃ بل هو عطیۃ الاثری انہ لم یملکہ المعریٰ لہ لانعدام القبض فکیف یجعل بیعاً، ولانہ لو جعل بیعاً لکان بیع التمر بالتمر الی اجل وانہ لایجوز بلا خلاف۔ الی آخر ما فی البذل۔

باب فی مقدار العریۃ

مسئلۃ الباب کی تشریح | یعنی جس مقدار میں عریہ جائز ہے وہ کیا ہے؛ مادون خمسۃ اوسق کے جواز میں تو جمہور کا اتفاق ہے اور ما فوق خمسۃ اوسق کے عدم جواز پر اتفاق ہے، اور خمسۃ اوسق یعنی پوبے پانچ وسق میں، اسکے بارے میں روایت میں شک راوی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اور امام نووی کے کلام میں گزر چکا کہ ان کے اسمیں دو قول ہیں، اور اصح قول عدم جواز ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں کہ پانچ وسق کے اندر رخصت مشکوک فیہ ہے، اور نہی عن المزانیہ ثابت ہے، پس ضروری ہے یہ کہ پانچ وسق کے اندر عریہ مباح نہ ہو سوائے قدر متیقن کے، اور پھر اگے وہ فرماتے ہیں کہ اس قدر کو حضرت جابر نے بھی روایت کیا ہے فانتہی بہ الی اربعۃ اوساق یعنی جابر کی روایت میں صرف چار ہی وسق مذکور ہے لہذا صرف اسی مقدار میں عریہ مباح ہوگا اور اس سے زائد میں محظور و ممنوع، ہذا القول صحیح وقد الزمہ المزنی الشافعی وهو لازم علی اصلہ ومعتاہ قالہ الخطابی یعنی امام مزنی کی تحقیق بھی یہی ہے اور انہوں نے امام شافعی کا مسلک بھی یہی قرار دیا ہے جیسا کہ امام شافعی کا قاعدہ ہے اھ یہ اشارہ ہے اس طرف جو حضرت امام شافعی سے منقول ہے اذ اصح الحدیث فہو مذہبی، امام احمد کے نزدیک جواز صرف مادون الخمسۃ میں ہے اور مالکیہ کے نزدیک راجح قول پانچ وسق کے جواز کا ہے اور شافعیہ کے نزدیک عدم جواز ہے مثل حنابلہ کے (من التحف وغیرہ) والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

لہ جواب النسخہ کہ ہے یعنی چار وسق ۱۳

باب تفسیر العرایا

عن عبد ربه بن سعيد الانصاري انه قال العریۃ الرجل یعوی الرجل النخلۃ او الرجل یستثنی من ماله النخلۃ والانتین یا کلھا فینبیعھا بتمر یعنی ایک شخص (صاحب نخل) دوسرے شخص کو عطا کرتا ہے تمر نخل پھر بعد میں معریٰ لہ معریٰ کو وہ تمر نخل فروخت کرتا ہے تمر کے بدلہ میں، حضرت بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ عریہ کی یہ تفسیر اس صورت میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے، اور اگر بیعھا کے معنی یہ لئے جائیں کہ وہ معریٰ لہ معریٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ اسکو فروخت کرے تب بیشک یہ تفسیر ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی، اور دوسری شکل جو اس حدیث میں تفسیر عریہ کی مذکور ہے یعنی "او الرجل یستثنی من ماله" اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ کے پھلوں کی بیع کے وقت ایک یا دو درخت کا استثناء کر لے یعنی ان کو فروخت نہ کرے اپنے کھانے کے لئے لیکن پھر بعد میں ان دو

درختوں کے پھلوں کو بھی تمر کے بدلہ میں اسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے۔ عرایا کی تفسیر بالتفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ عن ابن اسحاق قال: العرایا ان یهب الرجل الرجل النخلات فیشق علیہ ان یقوم علیہا فیبیعہا بمثل خرصہا۔ بذل میں اس کے بارے میں لکھا ہے وھذا التفسیر ایضاً موافق لما فسره ابو حنیفۃ اور کر لیجئے سمجھ میں آجائے گا۔ لیکن بیع سے صورت بیع مراد ہوگی۔

باب فی بیع الثمار قبل ان یدو صلاحہا

یعنی درختوں کے پھلوں کی بیع ان پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے کر دینا، بدو بمعنی ظہور، اور صلاح سے مراد قابلیت انتفاع۔

مسئلہ مترجم بہا کی صورت مختلفہ مع بیان المحکم

جانتا چاہیے کہ بیع شمار کی تین صورتیں ہیں قبل الظہور، قبل بدو الصلاح، بعد بدو الصلاح، ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ بالا جماع جائز نہیں کیونکہ یہ بیع معدوم ہے پھلوں کا ابھی ظہور ہی نہیں ہوا، صرف پھول آنا شروع ہوا ہے (گہر)، اور تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ انہیں بالاجماع یعنی قابلیت انتفاع کے بعد، اور درمیانی صورت جو کہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی بیع الثمار قبل بدو الصلاح، اسکی تین صورتیں ہیں بشرط ترک علی الاشجار، یعنی خریدار بالغ سے شرط کرتا ہے کہ میں اپنے ان پھلوں کو فی الحال توڑ کر تیرے درختوں کو فارغ نہیں کروں گا، یہ بالا جماع ناجائز ہے، اور دوسری صورت ہے بیع بشرط القطع، یعنی بالغ نے شرط لگائی کہ ان پھلوں کا اسی حال میں توڑ کر میرے درختوں کو فارغ کرنا ہوگا، یہ بالاتفاق جائز ہے، تیسری صورت ہے اطلاق اور عدم تقید کی یعنی نہ ترک کی شرط لگائی گئی نہ قطع کی، بلکہ بیع کو مطلق رکھا، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ناجائز، لہذا حدیث الباب میں جو آیا ہے ہنی عن بیع الثمار حتی یدو صلاحہا، یہ ہمارے نزدیک بیع بشرط ترک پر محمول ہے، واللہ تعالیٰ اعلم کذا تذکر من الشرح۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع النخل

حتى تزھود عن السنبلی حتی یتبضّ ویامن الغاہۃ، نہی البائع والمشتري۔

یعنی منع فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمر کی بیع سے جب تک وہ تمر رنگ دار نہ ہو، کھجور پر رنگت کا آنا سرخی یا زردی وغیرہ یہ علامت ہے اس کے صلاح کی لہذا اس سے قبل اس کو فروخت نہ کیا جائے، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے بیع سنبلی یعنی گینوں وغیرہ کی بال کی بیع سے جب تک اس گینوں میں سفیدی نہ آجائے اور وہ

آفت سماوی سے محفوظ نہ ہو جائے، اس آخری جملہ میں اشارہ ہے علت نہی کی طرف یعنی ان چیزوں کی بیع اگر بالکل شروع میں کر دی جائے تو نہ معلوم بعد میں وہ کونسی آفت سماوی سے ضائع ہو جائے جس میں خریدار کا نقصان ظاہر ہے والحديث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قاله المنذرى۔

نہی عن بیع الغنائم حتى تقسم وعن بیع النخل حتى تحجز من كل عارض، وان یصلی الرجل بیعہ حرام یعنی منع فرمایا آپ نے مال غنیمت کی بیع سے جب تک وہ تقسیم نہ ہو، اس لئے کہ تقسیم کے بعد ہی وہ آدمی کی ملکیت میں آتا ہے اور اسی طرح کھجور کی بیع سے یہاں تک کہ وہ محفوظ نہ ہو جائے ہر قسم کے عارض سماوی سے (عارض مثلاً تیز ہوا، آندھی یا اولہ وغیرہ) اور اس سے بھی منع فرمایا آپ نے کہ آدمی نماز پڑھے تہبند کو بغیر باندھے حزام یعنی کمربند و پیٹی، مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے تہبند کو اچھی طرح درست کر کے باندھ لینا چاہیے تاکہ درمیان نماز کے اس کو درست کرنا نہ پڑے، اس کے بعد اور بھی دو حدیثیں اسی مضمون کی اور ہیں۔

كان الناس يتبايعون الثمار قبل ان يبدوا صلاحها الخ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں لوگوں کی عادت تھی کہ ثمار کی بیع کرتے تھے قبل بدو الصلاح پھر جب خریدار ان پھلوں کو توڑتے اور بیچنے والوں کی طرف سے ثمن کا تقاضا ہوتا تو خریدار کہتے کہ پھلوں میں فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی اور فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہمارا بڑا نقصان ہو گیا، دُمان اور قشام اور مراض یہ سب عوارض اور بیماریاں ہیں جو پھلوں سے متعلق ہیں

فلما كثرت خصوصتهم فامالا، فلا تبت عوا الثمرة حتى يبدوا صلاحه۔

شرح کلام الراوی | راوی حدیث حضرت زید بن ثابت فرما رہے ہیں کہ جب اس قسم کی خصوصیتیں اور جھگڑے ان لوگوں کے درمیان کثرت سے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بطور مشورہ اور خیر خواہی کے فرمایا کہ اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا یعنی یہ کہ جھگڑوں سے بچو اور آپس میں جھگڑانہ کرو تو پھر تم پھلوں کی بیع اس طریقہ سے کیوں کرتے ہو یعنی قبل بدو الصلاح۔

حضرت زید بن ثابت کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بیع الثمار قبل بدو صلاحہا کی ممانعت حتماً و لازماً نہیں ہے جس کی وجہ سے اس بیع کو فاسد قرار دیا جائے، بلکہ اس طرح کی بیع صحیح ہے اور یہ نہی آپ کی جانب سے عارض خصوصیت کی بنا پر ہے فامالا کا مطلب یہ ہے کہ ان لم تستطعوا ان لاتنازوا جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس کو ظاہر کر دیا۔

والحدیث اخرجه البخاری تعليقا، قاله المنذرى۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى عن بيع الثمر حتى

بند و صلاحہ، ولا یباع الا بالدينار او بالدرهم الا العرايا۔

اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع درہم اور دینار کے بدلہ میں ہونی چاہیے، یعنی تمر مجذوز کے عوض میں نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں تو وہ بیع مزاہنہ ہو جائے گی جو بالاتفاق ممنوع ہے، مگر عرایا کا اپنے استثناء فرمایا، یہ استثناء مسلک جمہور پر تو استثنائے متصل ہے، اور عند الحنفیہ استثناء منقطع، لان العریۃ لیست بیع عندہم۔
والحدیث اخرجه ابن ماجہ مختقراً، قالہ المنذری۔

باب فی بیع السنین

بیع السنین کو بیع معاومہ بھی کہتے ہیں، یعنی دو یا تین سال کے پھلوں کی ایک ساتھ بیع کر دینا حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور یہ بالا جماع ناجائز ہے لہذا بیع المعدوم، بلکہ یہ چاہیے کہ فصل کی بیع اسی سال میں ہونی چاہیے نہی عن بیع السنین و وضع الجواشع، یعنی آمر بوضع الجواشع، وضع کے معنی ساقط کر دینا اور معاف کر دینا، جواشع جمع ہے جائعہ کی یعنی وہی عارض اور آفت سماوی جو پھلوں کو خراب کر دیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جواشع کی وجہ سے پھلوں کے خریداروں کو جو نقصان پہنچے تو مالکان باغ یعنی بیچنے والوں کو یہ مقدار نقصان کی معاف کر دینی چاہیے۔ آگے چند ابواب کے بعد مستقل باب آرہا ہے "باب فی وضع الجاشع" یہ عفو اور وضع کا جو حکم حدیث میں وارد ہے عند الجمہور استحباب کیلئے ہے، ان کے نزدیک یہ حدیث معروف اور احسان کے قبیل سے ہے اس لئے کہ مبیع میں جو نقصان پایا جاتا ہے بعد قبض مشتری وہ ضمان مشتری میں ہوتا ہے، اصولاً بائع اس کا ذمہ دار نہیں ہے، امام احمد اور بہت سے محدثین کے نزدیک امر وجوب کے لئے ہے، ان کے نزدیک معاف کرنا واجب ہے، آگے ایک اور بھی باب آرہا ہے "باب فی تفسیر الجاشع" اس پر کلام وہیں آئے گا۔
وقال المنذری: اخرج النسائی الفضلین مفرقین، و اخرج مسلم وابن ماجہ عن بیع السنین۔

نہی عن المعاومۃ اس سے مراد وہی بیع السنین ہے، یہ لفظ عام سے مشتق ہے جس کو باب مفاعلت میں لے گئے، اور ایسے ہی سنہ سے مسانہہ اور شہر سے مشاہرہ، اور یوم سے میاومہ، یعنی روزانہ اور یومیہ۔
والحدیث اخرجه مسلم بآتم منہ، و اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی بیع الغرر

نہی عن بیع الغرر۔ زاد عثمان۔ والحصاة۔

غرر (دھوکہ) یعنی وہ بیع جس میں بائع یا مشتری کا نقصان اور غرر ہو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے یہ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے جس کے اندر بہت سی بیوع داخل ہو سکتی ہیں، مثلاً شئی مجہول کی بیع عبد آبن کی بیع، اور ایسے ہی ہر غیر مقدور التسليم کی بیع جیسے بیع السمک فی الماء و بیع الطیر فی الهواء اور بیع الحصة یہ ہے کہ احد العاقدین دوسرے سے یہ کہے اذ انبذت الیک الحصة فقد وجب البیع، یعنی بائع یا مشتری دوسرے سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کنکری پھینک دوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ بیع منعقد ہو گئی، اور یا یہ کہ میں یہ کنکری اس بکریوں کے ریوڑ میں پھینک رہا ہوں جس بکری کے بھی یہ لگے گی اسی کی بیع مانی جائے گی، اس صورت میں جہالت مبیع پائی جا رہی ہے

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجه قاله المنذری۔

نهی عن بیعتین وعن لیستین، اما البیعتان فالملامسة والمنابذة۔

شرح الحدیث یعنی آپ نے دو قسم کی بیع سے منع فرمایا اور دو طرح کے پہناوے سے، بیعتان سے مراد بیع ملامسة اور منابذة ہے ان دونوں کی تفسیر آئندہ روایت میں آ رہی ہے، اور لیستین کا مصداق حدیث میں ایک تو اشتمال صماہ بیان کیا گیا ہے (اشتمال صماہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں جو کتاب الصلاة میں ثیاب الصلاة کے بیان میں گذر چکیں، اول یہ کہ کسی چادر کو اپنے اوپر اس طرح اوپر سے نیچے لپیٹنا کہ دونوں ہاتھ بھی چادر کے نیچے رہ جائیں جس میں آدمی کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے ہاتھوں کے چادر کے اندر ہونے کی وجہ سے، قبل ماخوذ من الصخرة الصماء یعنی ٹھوس پتھر، اور دوسری تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ بغیر قمیص اور ازار کے ایک چادر کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کو لپیٹنے کے بعد اس کا کوئی سا ایک سرا دایاں یا بائیاں اس جانب کے کندھے پر اٹھا کر ڈال لیا جائے جس میں کشف عورت ہوتی ہے) اور لیستہ ثانیہ کا مصداق حدیث میں مذکور ہے ان یحتجب الرجل فی ثوب واحد کہ ایک چادر میں آدمی اس طرح گوٹ مار کر بیٹھے جس سے کشف فرج ہوتا ہو، یعنی نیچے کا بدن دکھائی دیتا ہو۔ والمنابذة ان یقول: اذ انبذت الیک هذا الثوب فقد وجب البیع۔ یعنی بائع مشتری سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کپڑے کا تھکان پھینک دوں پس سمجھ لینا کہ بیع لازم ہو گئی، یعنی بغیر ایجاب و قبول کے، اور یا یہ کہ ایجاب و قبول کی نفی مراد نہیں بلکہ لزوم بیع مراد ہے بغیر خیار رویت اور خیار عیب وغیرہ کے، والملامسة ان یمسہ یعنی بیع ملامسة یہ ہے کہ مشتری کے کپڑے پر صرف ہاتھ لگا دینے ہی سے، بغیر اس کے کھولنے اور بغیر پلٹے بیع لازم ہو جائے، بیع کی ان سب صورتوں اور قسموں میں تراضی طرفین کا فقدان ہوتا ہے خیار رویت و خیار عیب وغیرہ امور کے نہ ہونے کی وجہ سے اور یا فساد کی وجہ سے اس سے ایجاب و قبول ہی کا نپایا جاتا ہے بحسب احد التفسیرین یہ سب بیوع یا بیوع جالبیہ میں سے ہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه، واخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه من حدیث
ابی ہریرۃ مخرجا وموطا، قالہ المنذری۔

نہی عن بیع حبیل الحبیلۃ۔

شرح الحدیث وفيه اربعة اوجه | ان دونوں لفظوں میں حا اور با دونوں مفتوح ہیں، حبلہ میں دو قول ہیں
ایک یہ کہ جمع ہے حابل کی جیسے ظالم کی جمع ظلمہ، اور کہا گیا ہے کہ یہ مصدر

مطلق حیوان کے معنی میں۔ جاننا چاہیے کہ اس حدیث کی شرح میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ حبل الحبیل سے مراد جنین
یا جنین الجنین، اور ان دونوں صورتوں میں پھر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مصداق میسع ہے یا اس سے مقصود بیع الی

اجل ہے، یعنی میسع تو کوئی اور شئی ہے لیکن اس کی تاویل یعنی ادائے ثمن کی اجل ان دو میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے
لہذا یہ کل چار احتمال اس حدیث کے معنی میں ہو گئے ان احتمالات میں سے ایک صورت میں بیع فاسد ہوگی اور ایک صورت

میں باطل، یعنی اگر اس کو میسع پر محمول کیا جائے تو چونکہ ابھی وہ معدوم ہے اسلئے بیع باطل ہوگی، اور اگر میسع شئی آخری
اور یہ اس کے لئے اجل ہے، اس صورت میں فاسد ہوگی، یہ تفسیر اس کی یہاں خود کتاب میں موجود ہے چنانچہ راوی کہہ

رہا ہے۔ وحبل الحبیلۃ ان تنتج الناقۃ یطنها شتر تحمل التي تنتج، اس تفسیر میں اس کو جنین الجنین
پر محمول کیا گیا، لیکن اس کی تصریح نہیں کہ مراد میسع ہے یا اجل، اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ یہ

حاملہ اونٹنی جو سامنے ہے اس کا حمل پیدا ہونے کے بعد جب خود حاملہ ہوگا تو اس حمل ثانی کی بیع کرتا ہوں یا اس کو اجل
قرار دیتا ہوں۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

باب فی بیع المضطر

بیع المضطر کا مصداق اور حکم | مضطر کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اضطرار کی دو قسمیں ہیں ایک اضطرار
لاجل الغیر یعنی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے مجبور ہونا جس کو اگر اہ کہتے ہیں

اور دوسرے معنی اضطرار لاجل الفقر والحاجۃ یعنی اپنی ناداری کی وجہ سے محتاج اور مضطر ہونا، مضطر بالمعنی الاول
کی بیع جہور کے نزدیک ناجائز اور فاسد ہے، حنفیہ کے نزدیک منعقد ہے، اور مضطر بالمعنی الثانی کی بیع حنفیہ کے

نزدیک فاسد ہے اور جہور کے نزدیک جائز مع الکراهۃ، کذا انکر من درس الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ، ومثلہ فی البذل
عن الخطابی، اور اس کے بعد بذل میں درمختار سے بیع المضطر کی شرح یہ کی ہے ہوا ان یضطر الرجل الی طعام او شراب

او غیر ہما ولا یبیعہ البائع الا باکثر من ثمنہا بکثیر، وكذلك فی الشرار منہ، یعنی ایک شخص کو کھانے پینے کی چیز کی ضرورت ہے
مثلاً اور دوسرے شخص کے پاس وہ چیز موجود ہے لیکن وہ اس کو اس کی عام قیمت پر دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ بہت

زائد قیمت پر دیتا ہے اس قسم کے بیع کو در مختار میں فاسد لکھا ہے۔

خطبنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سیأتی علی الناس زمان عضوض، بعض الموبس علی مافی یدیدہ ولم یؤمر بذلک، ویبایع المضطرون وقد نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع المضطر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ عنقریب لوگوں پر ایسا شدید بخل کا زمانہ آنے والا ہے کہ مالدار کا حال یہ ہو گا کہ وہ اپنے مال کو اپنے دانتوں سے بہت مضبوط دبا لے گا، حالانکہ لوگ اس کے مامور نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے پر احسان کرنے کو نہ بھولو، یعنی ترک نہ کرو۔ آگے اسی بخل کی ایک شق بیان فرماتے ہیں کہ مجبور قسم کے لوگوں کے ساتھ بیع و شرا کی جائے گی حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع المضطر سے منع فرمایا ہے۔

یہاں اس حدیث میں بھی شرح نے مضطر کے معنی میں وہی دو صورتیں لکھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

باب فی الشرکۃ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رفعہ قال ان اللہ تعالیٰ یقول: انا ثالث الشریکین ما لم یخضن احدُهما صاحبہ فاذا خانته خرجت من بینہما۔

حاصل حدیث یہ ہے کہ شریک بہت خیر و برکت کی چیز ہے بشرطیکہ دیانت داری کے ساتھ ہو خیانت اس میں نہ ہو لیکن جہاں اس میں ذرا خیانت پائی گئی تو ساری خیر و برکت ختم۔

اقسام شریک شریک کی بہت سی قسمیں ہیں، اولاً اس کی دو قسمیں ہیں، شریک الماک اور شریک عقود، لیکن یہاں حدیث میں شریک عقود مراد ہے جس کی چند قسمیں ہیں شریک مفادضہ، شریک عمان شریک الصنائع جس کو شرکہ الابدان بھی کہتے ہیں، شریک الوجہ، جن کی تفصیل، احکام و شرائط کتب فقہیہ میں مذکور ہیں اسی طرح ایک خاص قسم اس کی مضاربہ بھی ہے، یہ شریکتیں جن کو شریعت نے مشروع فرمایا ہے اگر اصول شرعیہ اور دیانت کے ساتھ ہوں تو بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں جیسا کہ حدیث الباب میں ہے لیکن آج کل اس زمانہ میں لوگوں نے قسم قسم کے معاملات افزونی مال اور تجارت کے لئے اپنی طرف سے اختراع کر لئے ہیں جو قسمیں شریک کی شریعت نے مشروع کی تھیں ان کو نہ کوئی جانتا ہے نہ جاننے کی کوشش کرتا ہے، اور موجودہ اختراعی طریقوں کا جو حال اور انجام ہے وہ سب جانتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتوں میں لوگ گرفتار ہو رہے ہیں۔

باب فی المضارب یخالف

مضاربت جس کا ذکر ابھی گذر چکا یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے جس میں مال ایک شخص کا ہوتا ہے اور دوسری جانب عمل فقہ القدوری المضاربة عقد علی الشركة بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا تصح المضاربة الا بالمال الذی یتینا ان الشركة تصح بہ، ومن شرطها ان یکون الربح بینہما مشاعاً لا یستحق احدھما منہ دراهم مسماة، یعنی صحت مضاربت کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والا نفع صاحب مال اور عامل کے درمیان مشترک ہو مقدار معین نہ ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ مساوی اور علی النصف ہی ہو، بلکہ علی النصف یا علی الثلث جو بھی کچھ ہو مشترک ہو دراهم معینہ کسی ایک کے لئے نہوں۔

عن عروۃ قال اعطاه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیناراً یشتری بہ اضحیۃ او شاة الخ عروۃ بن ابی الجعد الباری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک دینار عطا فرمایا قربانی کی بکری خریدنے کے لئے، تو انہوں نے ایسا کیا کہ ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے بدلہ میں فروخت کر دیا، اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری مع دینار کے پیش کی، آپ نے ان کے لئے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ فكان لو اشترى تریالاً لربح فیہ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ان کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تھے تو اس میں بھی نفع ہوتا تھا مٹی سے مراد یا تو بطریق مبالغہ بہت گھٹیا اور معمولی چیز ہے اور یا یہ حقیقت پر محمول ہے، اس لئے کہ بعض انواع تراب کی بیع کی جاتی ہے، یہ صحابی آپ کی طرف سے وکیل بالشرا تھے لیکن انہوں نے اپنے موکل کی بظاہر مخالفت کی کہ شراہ اور بیع دونوں کر گذرے، اور ترجمۃ الباب مضارب کے بارے میں ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ مضارب بھی رب المال کے لئے بمنزلہ وکیل کے ہوتا ہے۔

مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ | مضارب اگر رب المال کی مخالفت کرے تو خطابی نے امام شافعی کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مخالفت کی صورت میں مضارب نے اگر سامان بعینہ رب المال کے مال سے خریدا ہے تب تو بیع باطل ہے اور اگر اس نے بعینہ اس مال سے سامان نہیں خریدا بلکہ اپنے ذمہ میں رکھ کر خریدا اور پھر ادا کر دیا اسی رب المال کے مال سے تو اس صورت میں یہ سامان تجارت مشتری کے لئے ہوگا اور وہ مضارب ہر حال میں ضامن ہوگا رب المال کے مال کا، اھ۔ اور جو کچھ نفع ہوگا وہ مضارب ہی کا ہوگا، اور خطابی نے امام احمد کا مسلک یہ لکھا ہے کہ مخالفت کی صورت میں ربح رب المال کا ہوگا اور نقصان کا ضامن مضارب ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک مخالفت کی صورت میں ربح سب کا

سب مضارب کیلئے ہوگا اور مضارب ہی ضامن ہوگا۔ بحديث "الغرْم بالغنم" لیکن مضارب پر اس ربح کا تصدق واجب ہوگا اسلئے کہ وہ کسبِ ضمیمہ ہے۔

بیع فضولی میں مذاہب ائمہ | اس حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہے صراحتاً وہ بیع فضولی کا ہے، مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ بیع موقوفاً علی اجازۃ المالك صحیح ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک صرف بیع فضولی جائز ہے۔ بشرار فضولی نہیں اور امام مالک کے نزدیک بیع و شراء دونوں جائز ہیں، چنانچہ ارشاد السالک میں ہے "البيع والشراء كلاهما جائزان موقوفاً علی اجازۃ المالك، اور حنابلہ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں کما فی زاد المستقنع لا يجوز البيع ولا الشراء، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، قول قدیم میں جائز ہے، وقواه النووي، و فی الجدید لا يجوز، امام شافعی کا استدلال لا تتبع ما ليس عندك الحديث سے ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مالیس عندك سے مراد شئی غیر مقبوض ہے جیسے عید آتی، اور یا پھر اس حدیث میں نفی مطلق بیع کی نہیں بلکہ بیع بات کی نفی ہے ہنی کا تعلق نفس بیع سے نہیں بلکہ بت البیع سے ہے بیع بات یعنی نافذ اور غیر موقوف۔

حدیث الباب حنفیہ مالکیہ کی دلیل ہے | اور حدیث الباب دلیل جواز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ جانتا چاہیئے کہ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں عروۃ الباری کی اور دوسری جو آگے آرہی ہے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ ایک دینار یا قربانی کا جانور خریدنے کے لئے تو انہوں نے ایک بکری ایک دینار میں خرید کر اس کو دو دینار میں فروخت کیا اور پھر ایک دینار میں ایک اور بکری خرید کر وہ بکری مع دینار کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیکر آئے۔

شافعیہ کی طرف سے جواب | یہ دونوں حدیثیں امام شافعی کے قول جدید کے خلاف ہیں، ان کی جانب سے پہلی حدیث کا خطابی نے جواب دیا ہے کہ پہلی حدیث کی سند میں حدیثی الحمی ہے یعنی قبیلہ وھو مجہول، اور دوسری حدیث کی سند میں شیخ من اہل المدینہ ہے وھو ایضاً مجہول، حضرت سہارنپوری نے بذل میں عروۃ بن ابی الجعد کی حدیث سے متعلق خطابی کا کلام کہ اس حدیث میں حمی مجہول ہے یہ فرمایا ہے کہ مصنف نے حدیث عروہ کو دو طریق سے ذکر کیا ہے دوسرے طریق میں عن ابی لبید حدیثی عروۃ الباری ہے، اس سند میں کوئی راوی مجہول نہیں چنانچہ منذری فرماتے ہیں وقد اخرج الترمذی حدیث شراء الشاة من رواية ابی لبید لما زاة بن زیاد عن عروۃ، وھو من ہذا الطريق حسن اھ اور حدیث ثانی یعنی حکیم بن حزام کی حدیث کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے سنن ترمذی میں عن حبیب بن ابی ثابت عن حکیم بن حزام

لیکن امام ترمذی نے اس پر یہ کلام کیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع میرے نزدیک حکیم بن خزام سے ثابت نہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس عدم سماع پر کیا دلیل ہے اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی ولا مانع من السماع، ولو سلم فالمرسل عندنا حجة اہ۔ اور صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں: وحدیث عروۃ الباری هذا اخرجه احمد والبخاری والبوداد وابن ماجہ، وفي اسناد من عبد البخاری سعيد بن زيد اخو حماد بن زيد وهو مختلف فيه، عن ابی لبید لما زه بن زياد، وقد قيل انه مجهول لكنه قال انه وثقه ابن سعد وقال حرب سمعت احمد بن حنبل عليه، وقال في التقریب انه ناصبی اجله، قال المنذرى والنووى اسنادیه صحيح لمحييه من وجهين، وقد رواه البخاری من طريق ابن عيينة عن شعيب بن غرقه سمعت الحی یحدثون عن عروۃ، قال الحافظ الصواب انه متصل في اسنادہ مبہم اہ امام نووی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر بھی گذرا اور غالباً اسی بنیاد پر انہوں نے امام شافعی کے قولین میں سے قول قدیم صحت جواز یح فضولی کی تقویت کی ہے کما سبق قریباً اس مقام پر فتح الباری کو بھی دیکھا جائے تاکہ مزید بصیرت حاصل ہو، امام بخاری نے یہ حدیث مناقب میں باب سوال المشرکین ان یرہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آیت فاراھم الشقاق القمر کے بعد باب بلا ترجمہ میں ذکر کی ہے۔

وقدم تخریج حدیث عروۃ الباری وحدیث حکیم بن خزام فی اثنا البحث۔

باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل بغير اذنه

یعنی جو شخص دوسرے کے مال میں تجارت کرے بغیر اس کی اجازت کے اس صورت میں جو کچھ ربح حاصل ہوگا وہ حنفیہ کے نزدیک تاجر کے لئے ہوگا اور اسی طرح ضمان بھی اسی پر ہوگا، لیکن یہ کسب کسب خبیث ہے لہذا اس قسم کا ربح واجب التصدق ہوگا، اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے مذاہب کی بھی تحقیق کر لی جائے مصنف نے اس باب کے تحت حدیث الغار کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے جو ترجمۃ الباب کے مناسب تھا باقی قصہ کو اختصاراً حذف کر دیا، اور حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ یہ ہے "اذا اشتري شيئاً غیره بغير اذنه فرضی" اور پھر اس کے تحت انہوں نے حدیث الغار بتامہ ذکر فرمائی، جو شخص پورا قصہ جانتا چاہے وہ صحیح بخاری کتاب البیوع میں باب مذکور کی طرف رجوع کرے، امام بخاری نے اس حدیث سے بیع فضولی و شراء فضولی کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول من استطاع منکم ان یکون مثل صاحب فرق الاثر، فلیکن مثله قالوا من صاحب الارز یا رسول اللہ فذکر حدیث الغار الخ۔

ملہ کنانی الاصل۔ لہ فرق یہ غلہ اور اناج کے ناپنے کا ایک برتن ہے۔

حدیث الغار کا ایک قطعہ | یعنی آپ نے فرمایا صحابہ کرام سے۔ ترغیب کے طور پر۔ جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ فرق ارز والے شخص کی طرح ہونے کے تو اس کو اس جیسا

ہو جانا چاہیے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صاحب الارز کون تھا؟ آگے مصنف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے سوال پر حدیث الغار یعنی غار والوں کا قصہ ذکر فرمایا جب ان پر پہاڑ کی چٹان اوپر سے آپڑی تھی، (جس کی وجہ سے غار کا منہ بند ہو گیا، یہ تین ساتھی تھے جو کہیں سفر میں جا رہے تھے راستہ میں جب بارش آئی تو اس سے بچنے کے لئے پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے، جب غار کا منہ بند ہو گیا تو ان تینوں کی آپس میں یہ رائے ہوئی کہ ہم میں سے جس نے جو عمل اپنی زندگی میں اپنے نزدیک سب سے اچھا کیا ہو اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے

قال وقال الثالث پہلے اور دوسرے کا عمل اس روایت میں مذکور نہیں ان میں سے تیسرے نے اپنے اعمال میں سے یہ عمل ذکر کیا کہ اے اللہ تو جاننا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے فرق ارز کے عوض میں کام کر لیا تھا، کام سے فراغ پر شام کے وقت جب میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا تو اس نے اس کو لینے سے انکار کر دیا اور بغیر لئے چلا گیا، اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اس کے اس فرق ارز کو کھیتی کے ذریعہ سے خوب بڑھایا یہاں تک کہ اس کی پیداوار اور آمدنی سے اس اجیر کے کیلئے کھیتی کے پل اور ان کے چرانے والے مہیا کر لئے، پھر ایک مدت کے بعد وہ اجیر مجھ سے ملاقات کے لئے آیا اور کہا کہ مجھ کو میرا حق دیدے تو میں نے ان بیلوں اور ان کے چرواہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو لیجایہ سب تیرے ہیں، وہ ان کو ہانک کر لے گیا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم بخود اتم منه، قال المنذری۔

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت میں اشکال ہے اس لئے کہ ترجمہ ہے تجارت فی مال الغیر، اور اس قصہ میں یہ اجیر اپنے فرق ارز کا بوجہ قبضہ نہ ہونے کے مالک ہی نہیں ہوا تھا اس لئے یہ تجارت فی مال الغیر نہ ہوتی بلکہ اس مستاجر کی یہ تمییز تصرف فی مال نفسه تھا لہذا جو کچھ اس مال میں بڑھوتری ہوئی وہ سب ملک مستاجر تھی لیکن اس مستاجر کا ان سب چیزوں کو اجیر کو دیدینا بطور کار خیر اور بطریق تصدق تھا (بذل)

باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال

ترجمہ الباب کی تشریح | یعنی وہ شرکت جو بغیر رأس المال کے ہو، جاننا چاہیئے کہ جو شرکت بغیر رأس المال کے ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں شرکت فی المباحات اور شرکت فی المصانع والابدان اول کی مثال جیسے دو شخص جن کے پاس کچھ مال نہیں ہے وہ آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم دونوں جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کیا کریں گے اور روزانہ بازار میں لاکرا ان کو فروخت کریں گے اور اس صورت

میں جو کچھ پیسے حاصل ہوں گے وہ ہم دونوں کے مشترک ہوں گے اور ثانی کی مثال یہ: جیسے دو کاریگر کپڑا سینے والے آپس میں یہ طے کریں کہ ہم دونوں مل کر جتنا کپڑا اسی کرتیار کریں گے یہ کمائی ہم دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔

اب ان کا حکم سنئے امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں جائز ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع تو جائز ہے لیکن شرکت فی المباحات ناجائز نہیں، مذاہب کی تحقیق یہی ہے، علامہ شوکانی سے بیان مذاہب میں خلط اور گڑبڑ ہو گئی انہوں نے حنفیہ کو مالکیہ کے ساتھ ذکر کر دیا، نیز ان کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع اور شرکت فی المباحات ایک ہیں، نہ علیہ شیخ شیخانی البذل

عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اشترکت انا وعمار وسعد فباعنا نصیب یوم بحدن

قال فجاء سعد باسیرین ولما اجئنا وعمار بشیء۔

مطلب تو ظاہر ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد بن ابی وقاص۔ ہم تینوں نے آپس میں شرکت کا معاملہ کیا جنگ بدر میں حاصل ہونے والی غنیمت میں (یعنی جو کچھ بھی ہم تینوں کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا ہم اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ آگے روایت میں یہ ہے عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص تو مال غنیمت میں دو غلام لیکر آئے، اور میں اور عمار کچھ نہیں لائے۔)

اس حدیث میں جو شرکت مذکور ہے وہ شرکت فی المباحات کے قبیل سے ہے، اور یہ قسم شرکت کی حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک ناجائز ہے، لہذا اس حدیث کا جواب یہ ہوگا کہ فعل بعض الصحابة یعنی حدیث غیر مرفوع ہے، نیز منقطع ہے لعدم سماع ابی عبیدۃ من ابیہ، کما فی البذل۔

حدیث الباب پر ایک اشکال مع جواب | مجھے یہاں پر یہ اشکال ہوا کرتا ہے کہ کتاب الجہاد میں حضرت

عبد اللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی نقلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر سیف ابی جہل، اور یہاں وہ یہ فرما رہے ہیں ولم اجئنا وعمار بشیء، اب یا تو حدیث البنا کو مروج قرار دیا جائے انقطاع کی وجہ سے، اور یا اس کی تاویل کی جائے وہ یہ کہ اس حدیث میں نفی غنیمت عام کی ہے ممکن ہے عام غنیمت میں ان دونوں کا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ لگایا ہو کیونکہ کتاب الجہاد میں یہ بات گزر چکی ہے بان غنائم بدر کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدفعہا لمن یشاء، اور سیف ابی جہل جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کو ملی تھی وہ تو بطور نفل اور حصہ خاصہ کے تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، وهو منقطع فان ابا عبیدۃ لم یسمع من ابیہ، قالہ المنذری۔

باب فی المزارعة

مزارعہ کا ذکر کتاب البیوع میں | کتاب البیوع چل رہی ہے اسی کے ضمن میں مصنف نے مزارعت کو بھی بیان

کیا اصل ہے کہ جس طرح بیع و شراء اور تجارت طرق کسب میں ہے، اسی طرح مزارعت بھی انواع کسب میں ہے، حضرت امام بخاری نے تو مختلف بیعوں کا ذکر اور اس کے متعدد ابواب کتاب البیوع ہی میں ذکر کئے ہیں باب ما قیل فی الصواع، باب ذکر القین والحداد، باب الخیاط باب النساج، باب النجار وغیرہ وغیرہ، لیکن انہوں نے ابواب الحث والمزارعت کو کتاب البیوع کے بعد مستقل علیحدہ بیان کیا ہے مزارعت کے اقسام مع بیان مذاہب ائمہ | مزارعت کی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں جن میں سے بعض بالاتفاق ناجائز ہیں اور بعض بالاتفاق جائز ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں، مزارعت

کہتے ہیں دوسرے کی زمین میں کاشت کرنے کو کرایہ پر لیکر تو گویا مزارعت کراء الارض کا نام ہوا، پس اگر کراء الارض بالدرہم وغیرہ ہے تو یہ باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے، اور اگر مزارعت بقسمۃ الارض ہے یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ زمین کے فلاں حصہ میں جو کاشت اور پیداوار ہوگی مالک ارض کہے کہ وہ تو میری ہوگی اور باقی کاشتکاری، یہ بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ اس میں غرر ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور ایک صورت مزارعت کی یہ ہے کہ طعام مسمی کے بدلہ میں ہو یعنی مالک ارض زارع سے یہ کہے کہ میں تمہیں یہ زمین غلہ کی اتنی مقدار کے بدلہ میں کرایہ پر دیتا ہوں، مثلاً دس بوری گیہوں کی، گیہوں کو مطلق رکھے یہ نہ کہے زمین کی پیداوار میں سے، یہ صورت ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے اور طعام مسمی اس صورت میں بمنزلہ درہم کے ہوگا، اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، وہ کراء الارض بطعام مسمی کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ایک قسم مزارعت کی وہ ہے جو بھتہ من الخارج ہو یعنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ حصہ پر زمین دی جائے مثلاً نصف یا ثلث جو بھی آپس میں طے ہو جائے یہی وہ صورت ہے جو مشہور اور مختلف فیہ ہیں الائمہ ہے جس کو بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے باقی ائمہ ثلاث امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی کے نزدیک ناجائز ہے، امام ابوحنیفہ و مالک کے نزدیک تو مطلقاً، اور امام شافعی کے نزدیک کما قال ابوہی مستقلاً تو ناجائز ہے لیکن تبعاً للمساقات جائز ہے، ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی جواز پر ہے، لیکن اس کے لئے متعدد شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں فلیراجع الیہا۔

مساقات کا حکم عند الائمہ الاربعہ | مزارعت ہی کے قبیل سے ایک اور معاملہ بھی ہے جس کو مساقات کہتے ہیں جس کا تعلق باغ اور درختوں سے ہوتا ہے جیسا کہ مزارعت کا تعلق زمین سے ہوتا ہے یعنی کوئی شخص باغ والا دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کرے کہ تم ہمارے ان درختوں کی آبپاشی اور خدمت کرو، جو کچھ ان پر پھل آئیں گے اس میں اتنا حصہ تمہارا ہوگا، یہ جمہور علماء ائمہ ثلاث و صاحبین سب کے نزدیک جائز ہے الا امام ابوحنیفہ کہ ان کے نزدیک مساقات بھی جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں یہ تو کراء معدوم ہے یعنی پھل موجود کہاں ہیں فی الحال جن کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ اس معاملہ کا تعلق عمل سے ہے جس طرح مضاربت میں ہوتا ہے وہاں بھی توقع فی الحال معدوم ہے پس اب ان اختلافات کا حاصل یہ ہوا کہ امام احمد و صاحبین

کے نزدیک مزارعت و مساقات دونوں جائز ہیں، اور امام اعظم کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک مزارعت تو ناجائز ہے اور مساقات جائز ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ امام شافعی کے نزدیک مزارعت تبعا للمساقات جائز ہے، یہ تفصیل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے اعتبار سے ہیں، بعض دوسرے علماء کے اس میں اس کے علاوہ بھی مذاہب ہیں چنانچہ طاؤس اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک مزارعت یعنی کراء الارض مطلقاً کسی طرح بھی جائز نہیں، اسی طرح حافظ فرماتے ہیں وبالغ ربيعة فقال لا يجوز كراءها الا بالذهب او الفضة۔ ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ حنفیہ کے یہاں مزارعت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جو کہ امام احمد کا بھی مذہب ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی باب المزارعة بالشط و نحوه قائم کر کے ترجمۃ الیاب کے تحت بعض صحابہ اور بہت سے تابعین کے اقوال تعلیقاً اس کے جواز میں نقل فرمائے ہیں۔

جواز مزارعت کی حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے بعد پھر ابن عمر کی حدیث مسنداً اسکے جواز میں بیان فرمائی جس کا متن یہ ہے عن نافع ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشرط ما تخرج منہما من زرع و ثمر الحدیث (بخاری ص ۳۱۲)

امام ترمذی نے بھی سب سے پہلے باب میں اسی حدیث ابن عمر کو ذکر فرمایا ہے اور پھر فرماتے ہیں قال ابو عیسیٰ بذہ حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند بعض اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیر ہم لم یروا بالمزارعة بأساً علی النصف والثلث والرابع وهو قول احمد اسحاق، اور پھر اس کے بعد دوسرا مذہب امام مالک و شافعی کا ذکر کیا کہ وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے یعنی بٹائی پر زمین دینے کو اور پھر آگے تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ بعض علماء کے نزدیک کراء الارض صرف بالذہب والفضہ جائز ہے اہ یہ آخری قول جیسا کہ اوپر حافظ کے کلام میں گذرا ربيعة الراعی کا ہے یہ حدیث ابن عمر جو دلیل جواز ہے جس کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح کہا یہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے اخرہ بالجماعۃ۔

مزارعت کے عدم جواز کی حدیث اور جو حضرات مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں جیسے ائمہ ثلاث ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے مستقلاً دوسرا باب قائم کر کے اس میں ذکر کیا ہے یعنی رافع بن خدیج کی حدیث جس کو امام ابو داؤد نے متعدد طرق سے

مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں و حدیث رافع فیہ اضطراب، یہ روایت بذہ الحدیث عن رافع بن خدیج عن عمرو، و یروی عنہ عن ظہیر بن رافع و ہواحد عمومتہ، وقد روی هذا الحدیث عنہ علی روایات مختلفہ اہ یعنی اس حدیث میں سنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی، اور یہ تمام مختلف طرق جن کی طرف امام ترمذی نے اشارہ فرمایا ہے اور تفصیلاً ان کو ذکر نہیں فرمایا یہاں ابو داؤد میں یہ تمام طرق مختلفہ و روایات

مختلف تفصیلاً مذکور ہیں جیسا کہ آپ کے سامنے کتاب میں موجود ہے۔

رافع بن خدیج کی حدیث میں متن اضطراب | اس حدیث میں ہم نے جو کہا تھا بھی اختلاف ہے وہ اس طرح کہ اس باب کی چوتھی حدیث دیکھئے جس میں اس طرح

ہے سأل رافع بن خدیج عن كرام الارض بالذهب والورق فقال لا يا س ما كان الناس يواجرن
یاعلیٰ الماذا یاتات واقبال الجداول الخ اس کا مضمون یہ ہے کہ رافع بن خدیج فرما رہے ہیں کہ کرام الارض بالدر اھم
والدنا یر میں کچھ حرج نہیں، ممانعت تو اس کی ہے جس طرح بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں
مزارعت کیا کرتے تھے (تقسیم ارض کے ساتھ) کہ جو پیداوار پانی کی نالیوں پر ہوگی اور نہر کے قریبی حصوں میں وہ تو
ہماری اور باقی کاشتکار کی (ماذیات یعنی مسایل الماء، پانی کی نالیاں اور اس کے بہنے کی جگہیں اقبال الجداول
یعنی اوائل الجداول) اس روایت کا متن تو یہ ہے، اور اس کے بعد پھر آئندہ آنے والے باب، باب فی التثدیدی ذلک
کی ساتویں حدیث میں اس طرح آرہا ہے، انی لیسیم فی حجر رافع بن خدیج وحجت معہ فجار اخی عمران بن سہل فقال اگرینا
ارضنا فلانة بمستی درہم، فقال دع فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی عن کرام الارض، دیکھئے اس میں کرام الارض
بالدر اھم والدنا یر سے بھی وہ منع کر رہے ہیں، لہذا ترجیح حضرت ابن عمر کی حدیث یعنی حدیث الجواز ہی کو ہوگی، اور یہی
ابن عباس کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں باب کی پہلی حدیث میں ہے۔

سمعت ابن عمر یقول ما كنت انرى بالمزراعة بأسا حتى سمعت رافع بن خدیج یقول ان رسول الله صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عنھا فذکرته لطاؤس فقال قال لی ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم لم یمنع عنھا ولكن قال لیمنع احدكم ارضه خیر من ان یاخذ علیھا خراجا معلوما، مضمون حدیث
یہ ہے عمر بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ تو مزارعت میں
کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے (یعنی تقریباً تمام ہی صحابہ) یہاں تک کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا وہ کہتے تھے کہ
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، عمر بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کی اس بات کو
طاؤس سے نقل کیا اس پر طاؤس نے کہا کہ مجھ سے میرے استاد ابن عباس نے یہ فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ آدمی اپنی زمین کو مینجہ بنائے یعنی ویسے ہی بغیر عوض کے کاشت
کے لئے دوسرے کو دیدے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کوئی اجرت معلوم لے۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ رافع بن خدیج جو حدیث ہی عن المزارعت کے بارے میں روایت کرتے ہیں اس حدیث
سے مقصود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تحریم مزارعت کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود صرف ترغیب ہے
کہ زمین بچائے بٹائی پر دینے کے مفت دیدی جائے تو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح آگے زید بن ثابتؓ سے بھی حدیث

رافع پر نقد آرہا ہے۔

اب اس کے بعد جملہ روایات الباب میں غور کر کے دیکھ لیا جائے سب کالب لباب اور ما حصل ہم نے بیان کر دیا۔
رافع بن خدیج کی حدیث بھی | اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے اتباع جنہوں نے رافع بن خدیج کی حدیث پر عمل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سنن کے علاوہ اپنے بعض طرق کے صحیحین میں موجود ہے اعتبار سے بخاری و مسلم میں بھی ہے اس حدیث کے جو طرق راجح تھے ان

ہی طرق سے حضرات شیخین نے اس کو لیا ہے اور اس کے متن میں جو اوپر اضطراب بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں محدثین نے اس طریق کو جس میں کراء الارض بالدرہم والدنانیر سے منع وارد ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے قال الحافظ فی الفتح واما ما رواہ الترمذی عن طریق مجاہد عن رافع بن خدیج فی الہنی عن کراء الارض ببعض خراجہا او بدرہم فقد اعطى النسائی بان مجاہد المسموع من رافع قال الحافظ والابو بکر بن عیاش فی حفظہ مقال، وقد رواہ ابو عوانہ و هو احفظ منه عن شیخہ فیہ فلم يذكر الدرہم

قال زید بن ثابت یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحديث الا۔

زید بن ثابت رافع بن خدیج کی روایت پر نقد فرما رہے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی، زید بن ثابت فرما رہے ہیں اس حدیث سے میں رافع بن خدیج سے زیادہ واقف ہوں اصل بات یہ ہے کہ دو شخص جنہوں نے آپس میں مزارعت کا معاملہ کیا تھا اس میں انہوں نے کوئی ناجائز والی شکل اختیار کی ہوگی، شرط فاسد وغیرہ، وہ آپ کی خدمت میں جھگڑتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا حال یہ ہے تو پھر مزارعت کا معاملہ مت کیا کرو یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ ایسی مزارعت جو مفضی الی النزاع ہو فمع قول لا تکرؤا المزارع یعنی رافع بن خدیج نے بغیر سیاق و سباق میں غور کئے لا تکرؤا المزارع حدیث کا صرف یہ ٹکڑا سنا اور اسی کو روایت کرتے رہے

عن سعد قال کنا نکرى الارض بما علی السواقی من الزرع وما سعد بالماء منها۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدلہ میں جو پانی کی نالیوں کے آس پاس کھیتی ہوتی ہے، اور زمین کے جس حصہ میں سواقی کا پانی خود بخود پہنچ جاتا تھا (یعنی مزارعت بقسمۃ الارض) پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔

باب فی التشدید فی ذلک

ان ابن عمر کان یکرى ارضہ حتی بلغه ان رافع بن خدیج الانصاری

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانہ سے مزارعت کی تھی یہاں تک کہ آپ کو حضرت رافع بن خدیج کی یہ حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے کراء الارض سے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رافع بن خدیج سے ملاقات کے لئے گئے کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کراء الارض کے بارے میں کیا حدیث نقل کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دو چچاؤں سے سنا تھا (قیل اسم العین: ظہیر ومظہر، وقیل ظہیر ومہیر) جو ہمارے گھر والوں سے بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا واللہ ہم تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں زمین اس طرح کرایہ پر دی جاتی تھی شخص خشی عبد اللہ یعنی شروع میں تو ابن عمر نے ہی فرمایا لیکن پھر بعد میں ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر میں اس سے منع فرمادیا ہو جس کی مجھے خبر نہ ہوئی ہو لہذا انہوں نے مزارعت کو احتیاطاً ترک کر دیا۔

ولا یکاریہا بثلث ولا بریح ولا بطعام مسمی۔

امام مالک کے مسلک کی تائید | اس حدیث سے امام مالک کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ زمین کو طعام مسمی کے بدلہ میں نہ دینا چاہیئے، جمہور کی طرف سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ طعام مسمی سے مراد غلہ کی مقدار معین پانچ بوری یا دس بوری مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ غلہ مراد ہے ماعلی السواقی والمادیاتا جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

قال سعید أفقر أخاك أو أكره بالدرهم، یہ اگر ہم الاکرہ سے ماخوذ ہے، کرایہ پر دینا، سعید بن المسیب فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو زمین ویسے ہی مفت عاریۃ دیدے یا درہم کے بدلہ میں، یعنی بٹائی پر مت دے۔
نہی عن المحاقلة والمزابنة، محاقلہ کہتے ہیں بیع الزرع بالمحظہ کو یعنی کھڑی کھیتی کا تبادلہ اس کا اندازہ لگا کر تیار شدہ غلہ سے کرنا، یا اس سے مراد بیع الزرع فی سنبلہ قبل بدو الصلاح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مزارعت بالثلث ونحوہ ہے۔

باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها

من زرع فی ارض قوم بغیر اذنہم فلیس لہ من الزرع شیء ولہ نفقۃ، یعنی جو شخص دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کرے تو زارع کے لئے اس کھیتی میں سے کچھ نہیں ہے، یعنی ساری کھیتی صاحب ارض کی ہوگی ولہ نفقۃ اور اس کھیتی کرنے والے کے لئے جو کچھ اس کا خرچہ اور محنت ہوئی ہے اس کیلئے وہ ہوگا یہ حدیث مسلک جمہور کے خلاف ہے اس لئے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ایسی صورت میں کھیتی مالک ارض کے لئے ہوگی اور مزارع کے لئے مطلقاً نہ ہوگی حالانکہ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے الزرع

صاحب البذر مطلقاً وللآخر كرا الارض او اجر الخدمۃ. یعنی اس صورت میں کھیتی اس شخص کے لئے ہوگی جس کا بیج ہوگا خواہ وہ مالک ارض ہو یا کاشتکار، اور دوسرے کیلئے اگر وہ مالک ارض ہے تو کرا الارض ہوگا اور اگر کاشتکار ہے تو اس کے لئے محنت مزدوری کی اجرت ہوگی، لیکن ظاہر یہ ہے کہ جب بغیر مالک کی اجازت کے کھیتی کر رہا ہے تو بیج وہ کاشتکار اپنے ہی پاس سے ڈالے گا اور اسی صورت میں فقہار کا فیصلہ یہ ہے کہ کھیتی۔ کاشتکار کیلئے ہوگی حالانکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ مالک ارض کے لئے ہوگی، اس کا محدثانہ جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث عند المحدثین غیر ثابت ہے کما قال الخطابی، اور یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں جو یہ حکم مذکور ہے اس صورت میں ہے جب بیج بھی مالک ارض کا ہو، یعنی حدیث عام نہیں بلکہ ایک خاص صورت پر مجہول ہے۔
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قال المنذری۔

باب فی المخابرة

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المزاینة والمحاقلة والمخابرة..... وعن الثنیا۔ مزاینة کے معنی مستقل باب میں گذر چکے اور محاقلة کے معنی ابھی گذرے ہیں، مخابرة سے مراد وہی مزارعت اور بٹائی پر زمین دینا ہے، یہ لفظ خیر سے بنا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مخابرة اور مزارعت میں فرق ہے وہ یہ کہ مزارعت میں بذر مالک ارض کی طرف سے ہوتا ہے بخلاف مخابرة کے کہ اس میں کسان کی طرف سے ہوتا ہے وقیل غیر ذلک۔ وعن الثنیا، ثنیا بمعنی استثناء اور مراد اس سے استثناء مجہول ہے کہ بیع وغیرہ میں استثناء مجہول مضر اور ناجائز ہے اسی لئے آگے دوسری روایت میں آرہا ہے الا ان یعلم یعنی معلوم ہو تو کچھ حرج نہیں جیسے کوئی پھلوں کی بیع کے وقت میں اپنے باغ کا معاملہ کرتے وقت یوں کہے، مگر پانچ درخت، اور یہ تعیین نہ کرے کون سے پانچ درخت یا یوں کہے مگر چند درخت، یہ استثناء مجہول ہے بیع فاسد ہو جائے گی۔

من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ، یعنی جو شخص مخابرة کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں اور وہ اتنا جری ہے تو اس کو چاہیے کہ اعلان کر دے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا۔ بطور وعید کہا جا رہا ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھ جائے، کافی قولہ تعالیٰ، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ، کہ اگر تم نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ جنگ کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے، اور صاحب عون المعبود نے اس کو بصیغہ مجہول ضبط کیا ہے ای بخبر وبالفارسیۃ، آگاہ کردہ شود، یعنی ایسے شخص کو آگاہ کر دیا جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ سے، یعنی وہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کر رہا ہے، یا یہ کہ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے ساتھ جنگ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم، اور بذل میں لکھا ہے کہ مخابرة چونکہ عقد فاسد ہے جو کہ ربا کے حکم میں ہے اور اللہ تعالیٰ

نے عدم ترکِ رباً پر قرآن کریم میں یہ وعید فرمائی ہے "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذرُوا ما بقی من الرِّبَا ان کنتم مومنین، فان لم تفعلوا فاذنوبکم من اللہ ورسولہ" اھ لہذا مخابرہ نہ چھوڑنے والا بھی اسی وعید کا مستحق ہے۔

باب فی المساقاة

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشطرنج ما یرج من شمر وذرع، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ خود مزارعت کے قائل تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں گذر چکا ایسے ہی وہ مساقات کے جواز کے بھی قائل تھے جیسا کہ ————— وہ اس حدیث مرفوعہ میں روایت کر رہے ہیں، اس حدیث میں مزارعت اور مساقات دونوں کا ذکر ہے۔

آپ کا معاملہ یہود خیبر کیسا تھا؟ مزارعت کا تھا یا خراج کا؟ حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدری میں باب ماجاء فی المزارعة میں یہ تحریر ہے جاننا چاہیے کہ اکثر آراضی خیبر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنۃ فتح فرمایا تھا، اور پھر اس طرح کی زمینوں کو بعد اخراج الخمس غنائم کے

درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا (جس کے صحابہ کرام مالک ہو گئے تھے) مگر پھر یہ ہوا کہ یہود کو عمل کے لئے وہیں برقرار رکھا گیا لہذا یہ معاملہ مزارعت کا ہوا اور جو آراضی خیبر ضلحی فتح کی گئی تھیں (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بجائے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کرنے کے) گویا یہودی کو ہبیہ کر دی تھیں (وقتی طور پر) اور ان پر خراج مقاسمت مقرر فرما دیا تھا، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے کا استقرا اس پر ہوا کہ یہ سب کا سب معاملہ خراج مقاسمت ہی کا تھا اس میں صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی اور انہوں نے اس بارے میں تفصیل کو ثابت کیا (یعنی یہ کہ بعض زمینوں کا معاملہ یہود کے ساتھ بطور مزارعت کے تھا اور بعض کا بطریق خراج مقاسمت) پھر حضرت فرماتے ہیں اور صحیح بھی یہی تفصیل ہے جس کو صاحبین نے اختیار کیا (اب یہ کہ پھر بعض روایات میں آپ نے مزارعت سے کیوں ہنی فرمائی اس کے بارے میں حضرت فرما رہے ہیں کہ) ان احادیث میں مزارعت سے یہ ہنی بعض شروط فاسدہ کے اقرار کی وجہ سے ہے اور یا ہنی تنزیہی ہے مہاجرین کے افلاس کی وجہ سے اس وقت میں اھ حضرت کی اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ صاحبین جو جواز مزارعت کے قائل ہیں ان کا استدلال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہود کے ساتھ اس معاملہ سے — ہے کیونکہ صاحبین کی تحقیق میں یہ معاملہ مزارعت ہی کا تھا لہذا دلیل جواز ہوا، اور حضرت امام اعظم جو جواز مزارعت کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس معاملہ یہود کو خراج پر محمول کیا ہے نہ کہ مزارعت پر۔

فلما کان حین یصرم النخل بعث الیہم عبد اللہ بن رواحۃ فحزرو (بتقدیم الزای علی الرء) علیہم

النخل وهو الذی یرسمیہ اهل المدينۃ الخوص الخ۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کر لیا اور مسلمان ارض خیبر کے مالک ہو گئے تو یہود خیبر نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کاشتکاری کو ہم آپ لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں لہذا یہ باغات اور زمینیں ہمارے حوالہ کر دیجئے اس طور پر کہ آدھا پھل اور آدھا غلہ ہمارے لئے اور نصف آپ کے لئے ہوگا، آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمائی (مگر چونکہ یہود غیر اُمنار تھے دیانت دار نہیں تھے اسلئے آپ یہ تدبیر فرماتے تھے کہ) جب پھل توڑنے کا زمانہ قریب آتا تو آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خرس یعنی باغوں کے پھلوں کا صحیح اندازہ لگانے میں ماہر تھے آپ ان کو بھیجتے یہود کے ان باغات میں خرس یعنی خرس کے لئے تودہ درختوں کی جاپخ کرنے کے بعد پھلوں کی مقدار متعین فرماتے کہ اس باغ میں اتنا ہے اور اُس باغ میں اتنا ہے، لہذا اسی مقدار کے مطابق تم کو دینا ہوگا تو یہود ان سے کہتے اکثرت علینا یا ابن رواحہ کہ تم نے تو بہت بڑی مقدار متعین کر دی تو وہ اس پر فرماتے فانا ائی حزر النخل یہ ابی واحد شکم کا صیغہ ہے ولی یلی ولیا ہے جس کے معنی ذمہ داری لینے کے ہیں، اور خرس یہاں محذور کے معنی میں ہے، یعنی پھلوں کی جو مقدار میں نے بیان کی ہے میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں، یعنی تم پھلوں کو چھوڑ کر ان کے تیار ہونے کے بعد علیحدہ ہو جانا میں اس محینہ مقدار کا نصف تم کو دیدینگا تو اس پر وہ کہتے کہ نہیں، نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہی ہے اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہے ہم اس مقدار پر راضی ہیں جو تم نے بیان کی۔

باسنادہ ومعناہ قال فخرز مصنف لفظ حدیث میں رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں پہلی سند میں عمر بن ایوب تھے ان کی روایت میں فخرز علیہم تھا یعنی زاک تقدیم کیساتھ راہ پر اور صحیح بھی وہی ہے، اور اس دوسری روایت کے راوی زید بن ابی الزرقار ہیں انہوں نے بجائے خرس کے حرز کہا، قال النووی فی بعض الروایات بتقدیم الراء وهو مصحف (بذل) والحدیث اخر جابر ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الخرس

خرس کا باب کتاب الزکاة میں بھی گزر چکا خرس کی تعریف اور اس سے متعلق جملہ مباحث و اختلافات وہاں گزر چکے ہیں، یہاں اس باب سے پہلے دو باب گزر چکے باب المزارعت اور باب المساقات، مزارعت اور مساقات دونوں کا حکم بھی گزر چکا مزارعت کا جواز مختلف فیہ ہے اور مساقات تقریباً تمام علماء کے نزدیک جائز ہے سوائے امام اعظم کے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کیساتھ یہ دونوں معاملے فرمائے ہیں مزارعت کا بھی اور مساقات کا بھی، یہ تیسرا باب جو خرس کے بارے میں ہے اس کو مصنف نے یہاں اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو

خیبر بھیجا کرتے تھے ان باغات کا خرص کرنے کے لئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے یہود خیبر کو بطریق مساقات دے رکھے تھے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ کتاب الزکاة کے باب الخرص میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے ان الخرص لا یجوز فی المحبوب بالا جماع اور حافظ ابن عبد البر نے کافی التعلیق المجدد اس بات کی تصریح کی ہے

عدم جواز الخرص فی المزارعة وکذا فی المساقاة وجوازہ فی الزکوة عند الجمهور دون الحنفیة

کہ خرص فی المساقات کسی کے نزدیک جائز نہیں اب اس پر اشکال ہوا کہ جب خرص فی المساقاة ناجائز ہے تو پھر عبد اللہ بن رواحہ کو بھیج کر خرص کیوں کرایا جاتا تھا؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہ خرص ایک خارجی مصلحت کیلئے تھا الزام حکم کے لئے نہیں تھا کیونکہ یہود غیر اُمنار تھے اس لئے ان کو صحیح مقدار سے آگاہ کیا جاتا تھا تاکہ زکاة یعنی عشر کے مسئلہ میں نقصان اور غلط واقع نہ ہو، چنانچہ حضرت عائشہ اس خرص کے بارے میں فرما رہی ہیں دکی تحصی الزکاة قبل ان توکل الشمار وتفرق، البتہ عشر جو مسلمانوں کے باغات میں ان پر واجب ہوتا ہے اس میں جواز خرص بلکہ وجوب خرص کے شافعیہ وغیرہ حضرات قائل ہیں، اور حنفیہ جو خرص فی الزکاة کے قائل ہی نہیں انکے دلائل کتاب الزکاة میں جمہور کی دلیل کیساتھ گزر گئے ہیں فارجع الیہ لوشنت۔

انہ سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول خرصھا ابن رولحة اربعین الف وسق الخ۔ یعنی ایک مرتبہ عبد اللہ بن رواحہ نے ان باغات کا خرص کرنے کے بعد جو مقدار متعین کی تھی وہ چالیس ہزار وسق تھی جس کے نصف یعنی بیس ہزار وسق دینے کی ذمہ داری یہود نے قبول کی تھی، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے چالیس ہزار وسق کے حساب لگا کر دیکھئے کتنے وسق بنتے ہیں ہمارے حساب سے تو چوبیس لاکھ صاع بنتے ہیں جس کا نصف یقیناً مسلمانوں کو ملا ہوگا حسب معاہدہ، اسی لئے کہتے ہیں کہ فتوحات خیبر کے بعد تو مسلمان مالدار ہو گئے تھے۔

کتاب الاجارة

امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں کتاب السلم کا باب قائم کیا ہے اس کے بعد کتاب الشفعة مستقل ہے

لہ وبعارة اخرى اس کو اس طرح سمجھئے کہ یہ خرص مساقین کے حصوں کی تقسیم کیلئے نہیں تھا، یعنی اصل معاملہ سے اسکا تعلق نہ تھا بلکہ زکاة یعنی عشر جو درختوں کی کلی پیداوار میں واجب ہوتا ہے اس کو محفوظ و معین کرنے کیلئے تھا، پھلوں کے پکنے اور تیار ہونے سے پہلے اور یہود کے اسمیں تصرف کرنے سے پہلے تاکہ مقدار عشر میں کوئی کمی نہ آئے، مثلاً خرص کے بعد فارص نے کہا کہ اس بارغ میں سو وسق تمر ہیں لہذا اس مقدار میں سے عشر یعنی دس وسق زکاة کے نام سے وصول کیا جائیگا اسکے بعد بوقت صرم نخل مساقین کے حصے حسب ضابطہ کیلا ہی تقسیم کئے جائیں گے، اس وقت فارص کے خرص کو پیش نظر نہیں رکھا جائیگا، وھذا معنی قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکی تحصی الزکاة قبل ان توکل الشمار وتفرق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد کتاب الاجارۃ، اور انہوں نے کتاب الاجارہ کے تحت تمام ابواب اجارہ ہی سے متعلق ذکر کئے ہیں، اور امام ابو داؤد نے کتاب الیوع ہی کے درمیان کتاب الاجارہ کا عنوان قائم کر کے اور اس کے بعد پھر چند ابواب اجارہ سے متعلق ذکر کر کے بقیہ ابواب الیوع جن میں بیع السلم اور شفعہ بھی داخل ہے ان کو ذکر کیا۔

جاننا چاہیے کہ تملیک کی دو قسمیں ہیں تملیک الاعیان و تملیک المنافع، اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں بعوض و بلا عوض، اس طرح یہ چار صورتیں ہو جاتی ہیں، تملیک العین بالبعوض بیع ہے اور تملیک العین بلا عوض یہ ہبہ ہے، اور تملیک المنافع اگر بالبعوض ہے تو وہ اجارہ ہے، اور اگر بلا عوض ہے تو وہ عاریۃ اور اعارہ ہے۔

باب فی کسب المعلم

استیجار علی الطاعات میں اختلاف ائمہ | علوم دینیہ کی تعلیم کے ذریعہ کسب اور کمائی یہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے حدیث الباب سے جس کا مضمون آگے آ رہا ہے حنفیہ و حنابلہ کے مسلک یعنی عدم جواز کی تائید ہوتی ہے، مصنف بھی علی القول الا شہر۔ حنبلی ہیں، استیجار علی الطاعات کا مسئلہ ابواب الاذان و اتیخذ مؤذنا لایاخذ علی اذانه اجراء الحدیث کے تحت البدل المنصود جداول میں گزر چکا ہے، اور ایسے ہی کتاب النکاح زوجتک بما معک من القرآن کے تحت بھی۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال علمت ناساً من اهل السنة القرآن والكتاب فاهدي الى رجل منهم قوساً الخ۔

حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ میں نے چند اہل صفہ کو قرآن سکھلایا اور کتابت یعنی لکھنا، تو ان میں سے ایک شخص مجھ کو ایک کمان ہدیہ کرنے لگا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کوئی ایسا مال تو ہے نہیں یعنی جس کو اجرت کہا جاسکے دوسرے یہ کہ میں اس کو جہاد ہی میں استعمال کروں گا (کسی اپنی ذاتی ضرورت میں نہیں، لیکن پھر بھی میں نے یہ ارادہ کیا کہ بغیر حضور سے دریافت کئے نہیں لوں گا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں گیا اور اس کمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان كنت تحب ان تطوق طوقاً من نادر فاقبلها کہ اگر تو اس کی وجہ سے آگ کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند کرتا ہو تو یہ ہدیہ قبول کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں امام خطابی نے اخذ الاجرة علی تعلیم القرآن میں علماء کے تین مذہب لکھے ہیں ایک مطلقاً عدم جواز، وقال البیہ ذہب الزہری والوصیفہ واسحاق بن راہویہ، دوسرا مذہب یہ کہ اگر بغیر شرط کے کوئی معاوضہ دے تو اس کے قبول میں کچھ حرج نہیں وهو قول الحسن البصری وابن سیرین والشعبي، اور تیسرا مذہب مطلقاً جواز وهو مذہب عطاء و مالک و الشافعی، اور شافعیہ کی دلیل زوجتک بما معک من القرآن بیان کی۔

توجیہ الحدیث عن الشافعیہ | اور حدیث الباب کا جو لب شافعیہ کی طرف سے انہوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبادہ نے تعلیم کی ابتداء کے وقت تبرع اور احتساب کی نیت کی تھی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس نیت احتساب کے بعد اجرت لینے سے منع کیا ابطال اجرت سے بچنے کے لئے، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا گم شدہ مال تلاش کر کے دے یا اگر کسی کا مال جو دریا میں غرق ہو گیا تھا اس کو حسبہ و تبرعاً دریا سے نکال کر دے تو اس نیت کے بعد اس کا اجرت لینا جائز نہیں، لیکن اگر وہ عمل سے پہلے اس کام پر اجرت مقرر کرے تب لینا جائز ہے۔ الی آخر ما ذکر۔ اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اس حدیث میں اس قدر شدید وعید کا منشاء شاید یہ ہو کہ یہاں معلم اور متعلم نے آپس میں اجرت کی شرط لگائی ہو یا یہ کہ اجرت لینا منوی ہو، اسی لئے آپ نے اپنے صحابہ کے لئے اس کو پسند نہیں فرمایا اگرچہ مجرد نیت حرام نہ تھی۔ الی آخر ما بسط۔ (من البذل مختصراً) والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی کسب الاطباء

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رھطاً من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انطلقوا فی سفرۃ سافروھا الخ۔

مضمون حدیث | یہ ہے کہ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کسی سفر میں جا رہی تھی راستہ میں کسی جگہ عربوں میں وہ جماعت اتری اور وہاں کے دستور کے موافق ان سے ضیافت طلب کی، وہ ضیافت کے لئے تیار نہ ہوئے، اتفاق سے اس قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا جس کا انہوں نے ہر طرح علاج کر کے دیکھا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، ان کا آپس میں مشورہ ہوا کہ یہ جو مسافروں کا قافلہ آیا ہوا ہے ان کے پاس جانا چاہیے شاید ان کے پاس اس کا علاج ہو چنانچہ وہ ان صحابہ کے پاس آئے اور جھاڑ پھونک کی درخواست کی، ان میں سے ایک صحابی نے فرمایا کہ میرے پاس اس کا رقیہ ہے لیکن ہم بغیر اجرت کے علاج نہیں کریں گے جیسا کہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی، فجعوا للہ قطیعاً من النساء یعنی انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ دینا طے کر دیا، اس سے مراد تیس بکریاں ہیں جیسا کہ اُسس روایت میں ہے جس کو مصنف نے کتاب الطب میں "باب کیف الرقی" میں ذکر کی ہے فقدا عاد المصنف ہذا الحدیث ہناک اور کہا گیا ہے کہ یہ جماعت بھی تیس نفر کی تھی، یہ صحابی اس شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرتے رہے اور لعاب گراتے رہے یہاں تک کہ وہ سیّد لدیخ بالکل تندرست ہو گیا، جیسے جانور کو رسی سے کھول دیا جاتا ہے اور ان لوگوں نے ان حضرات کو حسب وعدہ ان کا وہ جعل یعنی عوض دیدیا، وہ ساتھی آپس میں کہنے لگے کہ ان بکریوں

کو تقسیم کر لیا جائے، لیکن اصل راقی نے یہ کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہم نہ پہنچ جائیں اور آپ سے معلوم نہ کر لیں اس وقت تک نہیں، پھر حضور کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے اظہار مسرت فرمایا اور پوچھا کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ سورہ فاتحہ رقیہ ہے اور ان صحابہ کی مزید تسلی کے لئے فرمایا کہ اپنے ساتھ اس میں میرا بھی حصہ لگانا۔

دوسرا قصہ | اس کے بعد مصنف نے اسی قسم کی ایک دوسری حدیث جس کے راوی عم خارجہ ہیں ذکر فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کسی سفر میں جا رہے تھے راستہ میں کسی بستی میں لوگوں نے ان کو روک کر پوچھا کہ تم ایسے بزرگ شخص کے پاس سے آ رہے ہو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے، ہمارا ایک مریض ہے معتوہ یعنی مجنون جو زنجیروں میں بندھا ہوا ہے اس پر دم کر دیجئے انہوں نے تین دن تک صبح شام سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا، ہر مرتبہ پھونکتے وقت اس پر لعاب بھی گراتے تھے چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا فاعطوہ شیئا یعنی ان لوگوں نے ان صحابی کو ہدیہ کچھ پیش کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو بکریاں تھیں جیسا کہ خود ابو داؤد ہی میں یہ حدیث کتاب الاطعمہ کے اخیر میں آ رہی ہے وہاں پر اس عدد کی تصریح ہے، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے ان کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔ اور فرمایا کُلْ فَنِعْمَی لَکُم اکل برقیۃ باطل (اس کی جزا محذوف ہے فعلیہ وبالہ) یعنی آپ نے فرمایا کہ تو اس کو کھا سکتا ہے اور قسم ہے میری جان کی جو شخص باطل رقیہ کے ذریعہ سے کھائے اس پر وبال ہے اُس کا، تو یہ برحق رقیہ کے ذریعہ سے کھا رہا ہے اس میں کیا حرج ہے۔

استنباط المصنف بحديث الباب | مصنف نے تعلیم قرآن پر اجرت کے عدم جواز کو جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے حضرت عبادہ کی حدیث سے ثابت کیا ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلها، اور اُس پر ترجمہ قائم کیا کسب المعلم، اور ابو سعید خدری، اسی طرح عم خارجہ کی حدیث جن سے جواز جعل ثابت ہوتا ہے اس پر ترجمہ قائم کیا باب فی کسب الاطباء، انہوں نے اس دوسرے واقعہ کو علاج و معالجہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے ذریعہ سے اجرت طیب کے جواز کو ثابت کیا، جو بالاتفاق جائز ہے، امام ابو داؤد نے یہاں پر بڑی فقہانیت کا ثبوت دیا، احادیث پر کتب احادیث میں جو عنوان و تراجم قائم کئے جاتے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ مشہور ہے، ”فقه المحدث فی تراجمہ“ جیسا کہ ایک جملہ بھی مشہور ہے، ”فقه البخاری فی تراجمہ“ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ابو سعید خدری پر ترجمہ قائم فرمایا ہے، ”باب ما جاز فی اخذ الاجر علی التوید“ انہوں نے بھی اس حدیث کو مصنف کی طرح رقیہ اور علاج و معالجہ پر ہی محمول کیا، لیکن وہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں و رخص الشافعی للمعلم ان یاخذ علی تعلیم القرآن اجراً ویری لہ ان یشرط علی ذلک

واجب بهذا الحديث، اور امام البور اوڈ نے حدیث عباده اور حدیث ابو سعید خدری جن کے مضمون میں بظاہر تعارض ہے دونوں پر یکے بعد دیگرے الگ الگ ترجمہ قائم کر کے صحیح صورت حال کو واضح فرما دیا ہے کہ حدیث عباده کا تعلق تعلیم قرآن سے ہے اور حدیث ابی سعید خدری کا محل علاج و معالجہ اور کسب، طبیب ہے، فلسفہ درلصنف۔
والحدیث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

باب فی کسب الحجام

ایضاح المسئلة یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک پیشہ حجامت یعنی یہ حرفہ، دوسری اس کی آمدنی، جمہور کے نزدیک دونوں جائز ہیں اور امام احمد اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آزاد آدمی کے حق میں احترام بالحجامت مکروہ ہے یعنی یہ پیشہ اختیار کرنا اور اس کی آمدنی کو اپنے اوپر خرچ کرنا ان کے نزدیک حرام ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ پیشہ اختیار کرے تو اس کی آمدنی کو رقیق اور دو اب پر خرچ کرے، اور غلام کے حق میں ان کے نزدیک نہ پیشہ اختیار کرنے میں کچھ حرج ہے اور نہ آمدنی میں، قالہ الحافظ۔

عن رافع بن خدیج رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال كسب الحجام خبيث۔
شرح الحديث خبیث کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے حرام و نجس، دوسرے خلاف الطیب یعنی گری ہوئی اور گھٹیا چیز جمہور کے نزدیک یہاں بھی مایہ کذا قال القاری، لیکن امام احمد کے نزدیک اگر حجام حرم ہو تو پھر اس صورت میں خبیث کے دوسرے معنی ہوں گے یعنی حرام۔
اگے مصنف نے اس کے بعد دو حدیثیں اور ذکر کی ہیں ان میں بھی غور کیجئے

عن ابن شهاب عن ابن محیصة عن ابيه انه استاذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في اجارة الحجام۔

یعنی حضرت محیصہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے منع کر دیا وہ آپ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہی رہے یہاں تک کہ آپ نے اخیر میں ان سے یہی فرمایا اعلفه ناضحك و رقیقك کہ اس آمدنی کو جانوروں کو اور غلاموں کو کھلا سکتے ہو۔
اس حدیث سے تنابہ کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال احتجم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم واعطى الحجام اجرة ولو علمه خبيثا لم يعطه۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت

بھی عطا کی۔ آگے ابن عباس اپنا استنباط بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ اجرت حجام کو حرام سمجھتے تو کیوں عطا کرتے، اس حدیث سے جمہور کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس استدلال پر یہ نقد ہو سکتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس حجام سے مراد ابو طیبہ جیسا کہ اس کے بعد کی روایت میں ہے اور وہ حر نہیں تھے بلکہ مملوک تھے، لیکن جمہور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ابو طیبہ مملوک تھے تو اس سے یہ استدلال کہاں درست ہے کہ غیر مملوک کو اجرت دینا جائز نہیں یا اس کے حتیٰ میں حرام ہے یہ تو اتفاقی امر ہے کہ جن سے آپ نے پیچھے لگوائے وہ مملوک تھے حر نہ تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حجیم ابو طیبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نامرہ بصاع من تمر و امرأہ ان یخففوا عنه من خراجہ۔

یعنی حضرت ابو طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سینگ لگائی تو آپ نے اس کی اجرت میں ان کو ایک صاع تمر دینے کا حکم فرمایا اور ان کے مالکان کو حکم فرمایا کہ اس کی کمائی میں سے جو معینہ مقدار لیتے ہیں اس میں تخفیف کر دیں، ابو طیبہ کا نام بعض نے نافع لکھا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں، یہ مولیٰ الانصار تھے یعنی ان کے غلام چونکہ یہ سینگ لگانا جانتے تھے اس لئے ان کے آقا ان سے یہی کمائی کراتے تھے، اور یومیہ ایک مقدار معین مال کی ان سے لیتے تھے، اس کے بعد باقی ان کا تھا، تو آپ نے ان کے مولیٰ سے یہی بات فرمائی کہ تم نے جو مقدار ان سے لینے کی مقرر کر رکھی ہے اس میں کچھ کمی کر دو۔
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المنذری۔

باب فی کسب الاماء

منہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن کسب الاماء۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی باندیوں سے حرام کمائی کرایا کرتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک یہ کوئی عار کی بات نہیں تھی، یہی نہیں بلکہ زنا کے ذریعہ نسب بھی ثابت مانتے تھے جیسا کہ کتاب الطلاق میں ”باب فی ادعاء ولد الزنا“ میں یہ حدیث گزر چکی ہے لا مساعاة فی الاسلام، اسلام نے اگر زنا اور دواعی زنا اور زنا کی کمائی ان سب چیزوں کو حرام قرار دیا، آگے دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے نہانا عن کسب الامۃ الا ما عملت بیدھا وقال ہکذا یا صابغہ نحو الخبز والغزل والنفش، یعنی باندی کی اس کمائی سے منع کیا ہے جو حرام کاری کے ذریعہ ہو نہ کہ مطلقاً، لہذا اگر دوسرے جائز کاموں کے ذریعہ سے کمائی کرے جیسے کسی کی روٹی پکانی یا سوت کا تنا ایسے ہی روٹی دھنا، یہ کمائی اس کی جائز ہے، بیدل میں لکھا ہے کہ وہ جو شرح وقایہ کے بعض حواشی میں ہے ان اجرة الزانیۃ حلال اس سے مراد اجرة زنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باندی

جو کہ زانیہ بھی ہے اس کے باوجود اگر وہ کسی اور طریقہ سے کسب کرتی ہے تو اس کا وہ کسب جائز ہے جیسا کہ یہاں حدیث الباب میں ہے اھ۔ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری قالہ المنذری۔

باب فی عَسْبِ الْفَحْلِ

شرح الحدیث | فحل یعنی نر جانور مطلقاً فرسا کان او جملاً او تیساً، اور عَسْب بمعنی مار الحیوان اور اس کا ضرب یعنی جفتی دونوں معنی لکھے ہیں، اور حدیث الباب میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن عَسْبِ الْفَحْلِ، یہاں پر عبارت میں مضاف محذوف ہے یعنی عن کرار عَسْبِ الْفَحْلِ، یعنی نر کی جفتی کی اجرت لینے سے آپ نے منع فرمایا، اور کہا گیا ہے کہ عَسْب کا اطلاق اجرتِ ضرب پر بھی ہوتا ہے لہذا اس صورت میں حذف مضاف ماننے کی حاجت نہوگی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ نر کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینا حرام ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اسلئے کہ نر کبھی جفتی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا کبھی اس سے غلو ق یعنی حمل ٹھہرتا ہے کبھی نہیں ٹھہرتا نیز مار الفحل یعنی اس کی مٹی مال غیر مستقیم ہے، اجرت لینے کی صورت میں گویا اس کی بیع ہے جو فاسد ہے ہاں عاریتہ پر تحمل دینا چاہیئے یہ مندوب الیہ ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے، "من حقها اطراق فحلها" لیکن اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے بایں طور کہ مدت ضرب کو معین کر دیا جائے مثلاً ساعت یا نصف ساعت تو اس پر جو اجرت لی جائیگی وہ ثمن مار کے طور پر نہیں بلکہ آپ نے اپنا جانور دوسرے کے کام کیلئے مدت معینہ کیلئے دیا ہے یا اس کی اجرت ہے، عند الجمہور اجرت پر دینا تو ممنوع ہے لیکن مستعیر بطور کرامت کے اگر کچھ دے تو اس کا لینا جائز ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی قالہ المنذری

باب فی الصائغ

صائغ اور صَوَاغ دونوں لغت میں اور صِیَاغ بھی واو کو یا سے بدل دیتے ہیں، صیانت کے معنی کسی مادہ کو لپکھلا کر اس سے کسی خاص ہیئت پر کوئی چیز بنانا، اور اسی سے ہے صائغ الحلی یعنی زرگر، سونے چاندی کے زیورات بنانے والا، مجمع البحار میں ہے: وفيه واعدت صواغاً من بنی قینقاع، وهو صائغ الحلی، من صاغ یصوغ، ومنه اکذب الناس الصواغون، مصنف کی غرض اس ترجمہ الباب سے حرفہ صیانت کی کرانہت کو بیان کرنا ہے جیسا کہ حدیث الباب سے مستفاد ہو رہا ہے۔

عن ابی ماجدة قال قطعت من اذن غلام. اوقطع من اذنی۔

شرح الحدیث | ابو ماجدہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی لڑکے کا کان کاٹ دیا، آگے شک راوی ہے کہ یا انہوں نے

یہ کہا تھا کہ میرا کان کاٹ لیا گیا، پھر یہ ہوا کہ ہمارے پاس حج کے زمانہ میں ابو بکر تشریف لائے ہم ان کے پاس جمع ہو گئے اور گویا ان کے سامنے اس اذن کا ذکر آیا فرغنا الی عمر بن الخطاب یعنی حضرت ابو بکر نے ہمارے اس مقدمہ کو حضرت عمر کی خدمت میں بھیج دیا، تو حضرت عمر نے واقعہ سنکر فرمایا کہ یہ قصہ تو قصاص کی حد تک پہنچ گیا یعنی یہ فعل موجب قصاص ہے، اور فرمایا کہ میرے پاس حجام کو بلا کر لاؤ تاکہ اس قاطع سے قصاص لیا جائے، راوی کہتا ہے کہ جب حجام کو بلایا گیا (تو حضرت عمر کو ایک حدیث یاد آئی جس پر انہوں نے فرمایا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک موقع پر سنا تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنی خالہ کو ایک غلام سہہ کیا تھا اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی کہ میری خالہ کے لئے اس میں خیر و برکت ہوگی اور میں نے خالہ کو دیتے وقت ان سے یہ کہا تھا کہ اس لڑکے کو حجام یا صانع یا قصاکے حوالہ دے کرنا، یعنی ان پیشوں میں سے کوئی سا پیشہ سکھانے کیلئے، اور جمع البحار سے صواغین کے بارے میں اکذب الناس ہونا گذر چکا، علمائے لکھا ہے کہ صانع کی مذمت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ زیورات بنانے میں کھوٹ ملا تا ہے، نیز ان کے کلام میں ٹال مٹول اور جھوٹے وعدے بہت پائے جاتے ہیں، اور حجام اور قصاک کی کراہت اس نجاست کی وجہ سے ہے جس سے ان کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

باب فی العیدی باع ولہ مال

من باع عبداً ولہ مال فمالہ للبايع الا ان يشترطه المبتاع ومن باع نخلاً مؤثراً فالشجرة للبايع الا ان يشترط المبتاع۔

شرح الحدیث مع استنباط المسئلة | یعنی جو شخص اپنے ایسے غلام کو فروخت کرے جس کے لئے مال ہو تو وہ مال مالک یعنی بائع کا ہوگا مشتری کے لئے نہ ہوگا، الا یہ کہ مشتری شرط لگائے اس مال کی بھی، ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عبد بھی کسی مال کا مالک ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک عبد کے اندر مالک بننے کی صلاحیت نہیں لہذا حدیث میں مال کی اضافت عبد کی طرف مجاز ہے یعنی اس کے پاس جو مال ہے گو اس کا نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آقا اپنے غلام کو کسی مال کا مالک بنا دے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے، اس اختلاف پر شرح نے بطور ثمرہ اختلاف کے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک غلام کے لئے تشری جائز نہیں یعنی وطنی بملک الیمین، اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے، دوسرا مسئلہ اس حدیث میں

لہ تشری، مریہ سے ماخوذ ہے، مریہ اس باندی کو کہتے ہیں جس کو آدمی وطنی کے لئے رکھے ۱۲

بیع نخل کا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے نخل یعنی کھجور کے درخت کو تا بیر کے بعد فروخت کیا ہے تو اس صورت میں پھل درختوں کے تابع نہ ہوگا بلکہ بائع کے لئے ہوگا الا یہ کہ مشتری صراحۃً شرط لگائے تو پھر مشتری ہی کے لئے ہوگا یعنی بیع میں داخل ہو جائے گا، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اس حدیث میں "مؤبراً" کی قید کا اعتبار کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ یہ حکم نخل مؤبر کا ہے اور اگر نخل غیر مؤبر ہو تو اس صورت میں ثمر بائع کے لئے نہ ہوگا بلکہ درختوں کے تابع ہو کر مشتری کے لئے ہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، ان کے نزدیک قبل التا بیر اور بعد التا بیر دونوں صورتوں میں ثمر بائع کے لئے ہوگا، اور یہاں ایک تیسرا مذہب بھی ہے وہ یہ کہ ثمر دونوں صورتوں میں مشتری کے لئے ہوگا، اس کی طرف گئے ہیں ابن ابی لیلیٰ، جمہور کا استدلال بطریق مفہوم مخالف ہے اور حنفیہ چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے اسلئے انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا، وہ یہ کہتے ہیں ثمر مستقل چیز ہے اور درخت مستقل۔

عن نافع عن ابن عمر عن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقصة العید، وعن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقصة النخل۔

مصنف رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، اس حدیث کا پہلا طریق سالم عن ابن عمر ہے اور یہ دوسرا طریق نافع عن ابن عمر ہے، سالم سے روایت کرنے والے زہری ہیں، اور نافع سے روایت کرنے والے مالک، تو یہاں پر سالم اور نافع کا اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ سالم نے حدیث کے دونوں جزو بیع نخل اور بیع عبدان دونوں کو اپنے باپ ابن عمر سے روایت کیا، اور نافع نے بیع النخل کو تو ابن عمر سے روایت کیا، اور بیع العبد کو عن ابن عمر عن عمر روایت کیا، یعنی ایک جزو کاراوی عمر کو قرار دیا اور ایک جزو کاراوی ابن عمر کو بخلاف سالم کے کہ انہوں نے دونوں جزو کو ابن عمر ہی سے روایت کیا۔

بعض نسخوں میں ایک عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک چار حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں زہری اور نافع کا اختلاف ہے ان چار میں کی ایک یہ بھی ہے، یاد پڑتا ہے کہ رفع یدین کی بحث میں ابن عمر کی حدیث کے ذیل میں یہ گذرا ہے کہ سالم و نافع کا چار حدیثوں کے اندر رفع اور وقف میں اختلاف ہے بخلاف ان کے ایک رفع یدین والی حدیث بھی ہے جس کو سالم نے مرفوعاً اور نافع نے موقوفاً روایت کیا ہے۔

وحدیث سالم اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

باب فی التلقی

مسئلہ الباب کی تشریح مع اختلاف ائمہ | تلقی سے مراد تلقی الجلب ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے یہی عن تلقی الجلب، جلب مصدر بمعنی مجلوب یعنی وہ سامان جس کو دیہاتی

دیہات سے شہر میں فروخت اور تجارت کے لئے لار ہے ہوں اور تلقی بمعنی استقبال، لہذا مطلب یہ ہوا کہ جو مال دیہاتی دیہات سے شہر میں منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لار ہے ہوں، اگر کوئی شہری اس آنے والے قافلہ کا استقبال اس کے شہر میں پہنچنے سے پہلے کرے اور اس سامان کو وہیں راستہ ہی میں خرید لے منڈی تک اسکو پہنچنے نہ دے تو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، جمہور کے نزدیک تلقی رکبان مطلقاً ممنوع ہے اس میں اختلاف ہے کہ حرام ہے یا مکروہ، اور ابن المنذر نے حنفیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بلا کر اہت جائز ہے مگر اس پر حافظ نے تعقب کرتے ہوئے کہا کہ کتب حنفیہ میں تو یہ ہے کہ تلقی دو صورتوں میں مکروہ ہے، ایک یہ کہ اہل بلد کو اس سے ضرر لاحق ہوتا ہو، یا یہ کہ اس شہری کی طرف سے تلبیس سرپا یا جائے، یعنی وہ غلط بیانی سے کام لے اور اس قافلہ سے بازار کا صحیح بھاؤ نہ بتائے بلکہ اس سے کم کر کے بتائے اھ حافظ نے صحیح کہا کہ حنفیہ کے نزدیک تو تلقی مطلقاً مباح ہے اور نہ مطلقاً مکروہ ہے کما عند الجمہور بلکہ ان ہی دو صورتوں میں کر اہت ہے ورنہ نہیں کمافی البذل عن الہدیۃ وابن الہمام۔

فان تلقاہ متلق مشترفاً شتراف فصاحب السلعة بالخيار اذا وردت السوق۔ یعنی اگر کوئی شخص اس آنے والے قافلہ سے کوئی شئی خرید لے تو شہر میں پہنچنے کے بعد صاحب سلعہ یعنی بائع کو رجوع عن البيع کا اختیار ہوتا ہے، اس اختیار رجوع کے اکثر علما قائل نہیں الا الشافعی فانہ اثبت النحر للبائع قولاً بظاہر الحدیث قالہ الخطابی باب کی پہلی حدیث میں لا یبیع بعضکم علی بیع بعض مذکور ہے اس کے بارے میں سفیان کا کلام مصنف نقل کر رہے ہیں قال ابو داؤد! قال سفیان الخ یعنی بیع علی بیع اخیه جس کی حدیث میں ممانعت ہے سفیان اسکی تفسیر کر رہے ہیں۔

بیع علی بیع اخیه کی شرح کہ دو شخص جو آپس میں خرید و فروخت کی بات کر رہے تھے تو درمیان ہی میں تیسرا شخص یہ کہے مشتری سے کہ میں اس شخص میں یہ چیز اس سے بڑھیا تجھے دے سکتا ہوں لیکن یہ کر اہت اس وقت میں ہے جب اصل بائع و مشتری کا بھاؤ کرنے کے بعد کسی مقدار ثمن پر استقرار ہو گیا ہو، اور جب تک استقرار نہ ہو بلکہ کمی زیادتی کی بات چل رہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ بیع علی بیع اخیه جو حدیث میں آتا ہے اس کی شرح بالتفصیل کتاب النکاح میں لا یخطب علی خطیۃ اخیه الحدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے فاربع الیہ لوشنت۔ حدیث ابن عمر اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ مختصراً ومطولاً، و حدیث ابی ہریرۃ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب فی النهی عن النجش

مسئلۃ الباب کی تشریح عند الفقہاء | نجش کا مطلب یہ ہوتا ہے کسی چیز کے خریدار کے سامنے کسی شخص کا اس

لہ النجش بفتحین، وروی النجش بالسکون، اصل من نجش الصيد ہوا ثارہ (مغرب لموصفا من ہامش محمد عوامہ، وفي البذل قال النووی النجش لیسکون الحکم ان یرید فی الثمن لا رغبتہ بل لیخدع غیرہ۔

شئی کی زائد قیمت لگا دینا جبکہ خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے تاکہ وہ خریدار اس چیز کے ثمن میں اضافہ کر دے، اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ لا تنابشوا۔ کیونکہ یہ دھوکہ ہے لیکن بدائع میں یہ لکھا ہے کہ نجش کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ مشتری اس سامان کو مثل ثمن پر خرید رہا ہو یعنی پوری قیمت لگا کر، اور اگر وہ اس چیز کو خریدنا چاہ رہا ہو ثمن مثل سے کم پر پھر اس صورت میں کوئی شخص نجش کرے تاکہ وہ خریدار اس چیز کو ثمن مثل پر خرید لے یعنی بازار میں جو اس شئی کی قیمت ہو تو پھر یہ نجش مکروہ نہیں اگرچہ ناجش کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو (بذل) اور امام نووی فرماتے ہیں کہ نجش بالاجماع حرام ہے اور بیع صحیح ہے اور منعقد ہو جاتی ہے اور گناہ ناجش کے ساتھ خاص ہے اگر یہ نجش بغیر علم بالغ کے ہو، اور اگر دونوں کی موافقت اور سازش سے ہو تو پھر دونوں گناہ گار ہوں گے، اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے نجش کی صورت میں بیع باطل ہے انہوں نے یہی کو مقتضی فساد قرار دیا ہے (عون) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذری۔

باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد

حاضی یعنی حضری، شہری، باد بمعنی بدوی و دیہاتی۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان یبیع حاضر لباد۔

مسئلہ الباب کی تشریح | آگے روایت میں ہے کہ شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب تو انہوں نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ شہری کو دیہاتی کے لئے دلال نہیں بننا چاہیے دیہاتی دیہات سے جو مال شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں تو چونکہ شہر میں ان کے قیام کی کوئی جگہ باقاعدہ نہیں ہوتی تو وہ اس شئی کو بصریوم فروخت کر کے چلے جاتے ہیں، یعنی اس چیز کا اس روز منڈی میں جو بھی بھاؤ ہوتا ہے اس سے، اور چونکہ منڈی میں اشیاء کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسلئے کوئی شہری اپنے واقف دیہاتی سے یہ کہے کہ تو اپنا یہ سامان میرے پاس رکھ دے جس روز منڈی کا بھاؤ مناسب ہوگا اس وقت میں اس کو تیری طرف سے فروخت کر دوں گا تو اس میں اگرچہ اس دیہاتی کا تو فائدہ ہے لیکن عام لوگوں کا نقصان ہے اسلئے شریعت نے انفرادی فائدہ پر اجتماعی فائدہ کو ترجیح دیتے ہوئے ایسا کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب کی آخری حدیث میں آرا ہے لایبیع حاضر لباد وذروا الناس یرزق اللہ بعضهم من بعض۔ یعنی ان دیہاتیوں کو چھوڑو اور جس طرح وہ معاملہ از خود کریں شہر والوں سے سستی اہنگا جیسے بھی ہو کرنے دو، اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچاتا ہے اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اب یہ کہ یہ ممانعت کس صورت میں ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ کراہت مطلقاً ہے بشرطیکہ وہ چیز لوگوں کی عام حاجت و ضرورت کی ہو، اور بشرط العلم بالہی، اور

حقیقہ کے نزدیک ایک تو شرط یہی ہے کہ وہ چیز ایسی ہو کہ محتاج الیہ اہل المصر اور دوسرے یہ کہ زمانہ غلاء اور گرانی کا ہو (عندنا مختص بمن الغلاء وبما يحتاج الیہ اہل المصر) تیسرے مذہب اس میں امام بخاری وغیرہ کا ہے کہ یہ کراہت اور نہی اس صورت میں ہے جبکہ وہ شہری یہ کام کچھ اجرت لیکر کرے (کمیشن) والا فلا یکرہ، اسی لئے انہوں نے باب قائم کیا ہے، "صل بیع حاضر لباد بغیر اجر و صل بعینہ او بیعہ" اور پھر تعلیقاً یہ حدیث ذکر کی، "وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا استصح احدکم افاه فلینصح له، و رخص فیہ عطاء" شرح نے امام بخاری کا مسلک یہی لکھا ہے کہ کراہت اجر کی صورت میں ہے ورنہ پھر اس میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ وہ تو باب نصیحت سے ہے، ہاں اجرت لینے کی صورت میں نصیحت نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن سالم المکی ان اعرابا حدثہ انه قدم بحلیوبۃ لہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فنزل علی طلحة بن عبید اللہ الخ۔

یعنی ایک اعرابی نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں اپنی ایک دودھ دینے والی اونٹنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیہات سے شہر میں لیکر آیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں اتر (اور ان کے یہاں اترنے سے اس دیہاتی کا منشاء یہ تھا کہ فوری طور پر اس اونٹنی کو منڈی میں لیجا کر فروخت کرنے کے بجائے ان کے یہاں ٹھہرا رہے اور یہ اپنی صوابدید سے جب اس کو بیچنا مفید سمجھیں بازار میں جا کر فروخت کر آئیں) مگر حضرت طلحہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور فرمایا کہ دیکھ بھائی! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع الحاضر للبادی سے منع فرمایا ہے لہذا تو خود بازار اس کو لیکر جا پھر جسکے ہاتھ بیچنے کی تیری رائے ہو مجھ سے اگر مشورہ کرے، اس سے زائد میں نہیں کر سکتا۔

وحديث جابر رضي الله تعالى عنه آخر احاديث الباب اخرجه مسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

باب من اشترى مصراة فكرهها

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ولا تصورا
الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها فان رضىها امسكها وان سخطها
ردھا وصاعا من تمر اور اس کے بعد والے طریق میں یہ ہے فهو بالخيار ثلاثۃ ايام اور آگے ہے ردھا
وصاعا من طعام لاسمراء اور اس کے بعد والی حدیث ابن عمر میں ہے فان ردھا ردھا معھا مثل او مثلی لہا فتمحھا
حدیث المصراة کی شرح اور اس پر کلام من حیث الفقہ اس باب میں ایک مشہور اور اہم اختلافی مسئلہ مذکور ہے
مسئلہ بیع المصراة، مصراة اسم مفعول کا صیغہ ہے تقریباً

جنس کے لغوی معنی جنس کے ہیں (روکنا) اور عرف میں کہتے ہیں جنس اللبن فی الفرع کو، جس کی شرح یہ ہے کہ بعض لوگ جب کسی دودھ والے جانور کو فروخت کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ حرکت کرتے ہیں کہ ارادۃ بیع سے ایک دو دن پہلے اس کا دودھ دو سنا بند کر دیتے ہیں تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے اور پھر جب بوقت بیع مشتری کے سامنے اس کا دودھ نکال کر دکھاتے ہیں تو وہ مشتری سمجھتا ہے کہ یہ جانور بہت دودھ والا ہے اور اس کو یہی سمجھ کر خرید لیتا ہے پھر جب گھر لاکر اس کو باندھ دیتا ہے تو ایک آدھ روز کے بعد اس کے دودھ میں کمی آتی ہے تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس کو بایع کی دھوکہ دہی کا علم ہو جاتا ہے، ایسے جانور کو عرف میں مصراۃ کہتے ہیں، اب یہ کہ اس قسم کے معاملہ میں کوئی شخص مبتلا ہو جائے تو اس کا حل اور حکم کیا ہے حدیث الباب میں یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو دونوں اختیار ہیں اس جانور کو اس کی موجودہ حالت میں رکھنا چاہے تو رکھ لے، اور واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے، اور ایک روایت میں اس میں تین دن کی بھی قید ہے کہ تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں، نیز یہ بھی ہے کہ جب اس مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع تمر کا بھی واپس کرے۔

مذاہب ائمہ | اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور امام ابو یوسف کا عمل ہے یہ حضرات تصریہ کو عیب قرار دیتے ہیں اور عیب کی صورت میں چونکہ خیار رد ہوتا ہی ہے اس لئے یہاں بھی رد کا خیار مانتے ہیں طرفین یعنی امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ، و فی روایت لما لک ایضاً۔ تصریہ عیب نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق ذات بیع سے نہیں ہے بلکہ وصف بیع سے، لہذا تصریہ کی وجہ سے خیار رد نہیں حاصل ہوگا، نیز خیار عیب تین دن کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا مطلقاً ہوتا ہے اور یہاں حدیث میں تین دن کے ساتھ مقید ہے کہ تین دن کے اندر رد کر سکتا ہو بعد میں نہیں، بہر حال حنفیہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

حدیث المصراۃ مخالف اصول ہے ثمانیۃ اوجہ | علامہ عینی فرماتے ہیں واقوی الوجہ فی ترک العمل بہا خالفہا للاصول من ثمانیۃ اوجہ، یعنی حنفیہ کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اصول اور قواعد کلیہ کے خلاف ہے آٹھ حیثیت سے، پھر انہوں نے ان وجہ ثمانیہ کو بالتفصیل بیان کیا، علامہ عینی کا یہ پورا کلام بذل المجہود میں مذکور ہے، من جملہ ان وجہ کے یہ ہے کہ اس حدیث میں صاع من تمر دینے کا جو حکم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ اس دودھ کا عوض ہے جو مشتری نے اپنے یہاں لاکر نکالا ہے، یعنی اس کا ضمان ہے، لیکن ضمان میں تو مماثلت ضروری ہے لقولہ تعالیٰ "وان عاقبتہم فعاقبوا" بمثل ما عوقبتہم بہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالمثل ہو، اور مثل کی دو قسمیں ہیں، مثل صوری جو ذوات الامثال ہی میں ہو سکتا ہے (اور لبن بھی ذوات الامثال ہی میں سے ہے) دوسرا مثل معنوی ہے یعنی قیمت جو ذوات القیم میں ہوتا ہے جیسے حیوانات وغیرہ، اور صاع تمر تو نہ مثل صوری ہے نہ مثل معنوی، نیز یہاں پر

رد صاع جو بطور رمضان کے ہے وہ ہونا ہی نہیں چاہیے اسلئے کہ قاعدہ منصوصہ یہ ہے الغرم بالغنم، الخراج بالظمان، یعنی نفع اسی کا ہوتا ہے جس پر ظمان واجب ہو، اور یہاں یہ حیوان یعنی مصراۃ ظمان مشتری میں تھا کہ اس دوران اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کا ضامن مشتری ہوگا لہذا اس صورت میں اس جانور کا جو نفع و ثمرہ ہے یعنی دودھ وہ بھی مشتری کیلئے ہونا چاہیے پھر رمضان اس پر کیوں واجب ہو، اس حدیث میں ہے ردھا و صاعا من تہن ظاہر حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ صاع تہن ہر مصراۃ کے مقابلہ میں ہے خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد، لیکن اکثر وہ حضرات جو حدیث مصراۃ پر عمل کے قائل ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ ہر ایک بکری یا جو بھی جانور ہو مصراۃ اس کے بدلہ میں ایک ایک صاع ہوگا، مصراۃ کے عدد کے مطابق، لیکن بعض شافعیہ جیسے ابوالحسن ماوردی ان کے نزدیک یہ حکم مطلق مصراۃ کا ہے ایک ہو یا اس سے زائد، من شاة و کذا من الف شاة، اس حدیث میں ہے "صاعا من طعام لاسمراء"، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاع گبیہوں کا نہ ہونا چاہیے اس کے علاوہ کسی اور کھانے کی چیز کا ہو، علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ وینبغي ان یجمل الطعام علی التمر المذکور فی اکثر الروایات، پھر آگے وہ لکھتے ہیں چونکہ لفظ طعام کے متبادر معنی گبیہوں کے تھے اس لئے راوی نے اس کی نفی کر دی بقولہ "لا سمراء"، لیکن اس کے بعد والی روایت میں جو آ رہا ہے رد معہا مثل او مثلی لیسنا قمتھا، ان دونوں میں تعارض ظاہر ہے کہ پہلی حدیث میں گبیہوں کی نفی تھی اور اس میں اثبات، قلت اجاب عنہ الحافظ بیان اسناد هذا الحدیث ضعیف، قال وقال ابن قدامة انه متروک الظاہر بالاتفاق، قال المنذری، واخرجه ابن ماجہ، وقال الخطابی ولسن اسنادہ بذاک اھ من الحون، معلوم ہوا کہ یہ دوسری روایت ابوداؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ کی ہے، اور وہ روایت جس میں "لا سمراء" وارد ہوا ہے وہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

اہل اصول نے لکھا ہے کہ یہ حدیث المصراۃ خبر واحد ہے اور خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ خلاف اصول نہ ہو، اور حدیث المصراۃ خلاف اصول ہے گو سنداً ثابت اور صحیح ہے، اسلئے کہ یہ حدیث صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی روایت ہے اور حضرت اقدس گنگوہی کے افادات درسیہ میں جس کو ہمارے حضرت شیخ کے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے قلم بند کیا ہے، اور جس کو حضرت سہارنپوری نے یہاں بذل الجہود میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایات حنفیہ کے نزدیک اپنے موارد کے ساتھ خاص ہیں، قواعد کلیہ اور دوسرے نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اور کلمہ "من" جو ان روایات میں ہے اس کے لئے عموم جنسی یا نوعی لازم نہیں، بسا اوقات یہ لفظ قضیہ شخصیت میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہے کہ اسم موصول بسا اوقات عہد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عموم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور امام شافعی اگرچہ اس بات کے مقرر ہیں کہ یہ روایات مخالف کلیات ہیں لیکن ان کی رائے یہ ہے کہ یہ روایات عام ہیں اپنے موارد کے ساتھ مختص نہیں موصفاً

باب فی النہی عن الحکرۃ

حکمرۃ اور حکمرۃ اور احتکار ان سبکے معنی لغوی جمع اور امساک کے ہیں کسی چیز کو روک کر رکھنا۔
احتکار کی حقیقت و تعریف | احتکار جس کی حدیث کے اندر ممانعت ہے اس کی تعریف امام نووی نے یہ لکھی ہے کہ غلہ کو غلار اور گرانی کے زمانہ میں تجارت کی نیت سے خرید کر رکھ لینا اور فی الحال اس کی بیع نہ کرنا خرید گرانی کے انتظار میں تاکہ پیسے زیادہ حاصل ہوں، اور ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس غلہ کو اپنے ہی شہر سے خرید کر روک لے، اور اگر کسی اور جگہ سے خرید کر لایا ہے، یا سستے کے زمانہ میں خرید کر رکھ لیا ہو اور پھر اس کو روک لے گرانی کے زمانہ میں فروخت کرنے کے لئے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، اور بدائع میں لکھا ہے کہ احتکار یہ ہے کہ اپنے شہر سے غلہ خرید کر رکھ لینا اور اس کو فروخت نہ کرنا جبکہ اہل شہر کو ایسا کرنے سے نقصان پہنچ رہا ہو اور اگر بڑا شہر ہو جہاں ایسا کرنے سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی دور دراز علاقہ سے غلہ خرید کر اپنے شہر میں لا کر اس کو روک لے تب بھی احتکار نہ ہوگا، ہاں اگر شہر کے قریب کسی بستی سے لا کر جس کا غلہ اس شہر میں آتا ہو روک کر رکھے اور شہر بھی صغیر ہو تب محکم ہوگا۔ یہ تو احتکار ممنوع کی تعریف ہوئی۔

احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے | دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے یہ مسئلہ مشہور اختلافی ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک مافیہ عیش الناس و اوقات البشر یعنی جس چیز پر آدمی کی زندگی کا مدار ہو جس کو عام طور سے لوگ کھا کر زندگی بسر کرتے ہوں، اور طرین (امام ابو حنیفہ و محمد) کے نزدیک مافیہ عیش الناس و عیش البہائم، یعنی انسانوں اور جانوروں دونوں کی غذا اور خوراک میں، اور امام مالک کے نزدیک فی کل شئی غیر الفواکہ، اور امام ابو یوسف کے نزدیک فی کل ما تغم الحاجۃ الیہ، یعنی تمام وہ چیزیں جو عام حاجت اور ضرورت کی ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا یحتکر الا خا طئ فقلت لیسعید فانک تحتکر قال ومعہ کان یحتکر سعید بن المسیب کے شاگرد نے ان سے کہا کہ آپ نہیں عن الاحتکار کی حدیث بیان کر رہے ہیں اور آپ خود احتکار کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ میرے استاد عمر بھی احتکار کیا کرتے تھے۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ احتکار ہر چیز میں نہیں ہوتا، امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ احتکار کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا مافیہ عیش الناس آگے مصنف امام اوزاعی سے نقل کر رہے ہیں المحتکر من یعترض السوق یعنی محتکر وہ شخص ہے جو اپنے شہر ہی کے بازار میں سے غلہ خرید کر رکھ لے

اور اگر کوئی شخص اس قسم کی چیزیں باہر سے لا کر اپنے شہر میں روکے وہ احتکار نہیں۔

قال ابن المثنی قال عن الحسن فقلنا له لا تقل عن الحسن، مصنف کے اس حدیث میں دو استاد ہیں محمد بن یحییٰ اور محمد بن المثنی، اور ان دونوں کے استاد یحییٰ بن فیاض ہیں، اس کے بعد سند اس طرح ہے عن ہمام عن قتادہ، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد محمد بن المثنی نے اس سند میں عن قتادہ کے بعد عن الحسن بھی زیادہ کیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ عن الحسن مت کہو، غالباً یہ اس لئے کہ لیس فی التمر حکرۃ قتادہ ہی کا قول ہے حسن اس کے قائل تھے ہی نہیں۔

قال ابو داؤد: وكان سعيد بن المسيب يحتمل التوتى والخبث والبذر، امام ابو داؤد یہاں سے بعض علماء کے مذاہب نقل کر رہے اس بارے میں کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے اور کن کن میں نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسيب درختوں کے پتوں اور کھجور کی گٹھلی اور دوسری قسم کے بیج کا احتکار کرتے تھے یعنی ان کے نزدیک اس میں احتکار ممنوع نہ تھا۔

آگے روایت میں ہے سألت سفیان عن كبس القث، یعنی سفیان ثوری سے جانوروں کے چارے کے احتکار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کانوا يكرهون الحكرة جس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ ہاں علماء اس کے اندر بھی احتکار کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس جملہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے كبس القث کا حکم بیان کرنے سے گریز کیا ہو بوجہ علم یقینی نہ ہونے کے اسلئے مطلقاً فرما دیا کہ علماء احتکار کو مکروہ جانتے ہیں، مجمل سی بات فرمادی وسألت ابا بكر بن عياش یعنی ابو بکر بن عیاش سے بھی اس کا سوال کیا یعنی كبس القث کا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہاں اس کو روک سکتے ہو۔

باب فی کسر الدرہم

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تکسر سکة المسلمين الجائزة بينهم الا من بائس
شرح الحدیث یعنی آپ نے جو سکہ مسلمانوں کے درمیان رائج ہو اس کے توڑنے پھوڑنے سے منع کیا ہے مگر کسی ضرورت اور مجبوری سے، اس منع کی علت میں مختلف قول ہیں کہا گیا ہے کہ چونکہ سکہ میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوتا ہے حروف ہوتے ہیں، اس میں اس کی بے ادبی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس میں اضاعت مال ہے کیونکہ سکہ کی قیمت زائد ہوتی ہے مطلق سونے چاندی سے، اور کہا گیا ہے کہ کسر سے مراد توڑنا نہیں بلکہ دراہم اور دنانیر کے کناروں کو باریک باریک چھیلنا مراد ہے جس صورت میں کہ دراہم و دنانیر کے ساتھ معاملہ عدداً ہو تو بعض لوگ ان کے کنارے اس طرح چھیل کر ان کا وزن کم کر دیتے تھے چوری

اور دھوکہ سے اس سے منع کیا گیا ہے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی التسعیر

تسعیر سے ماخوذ ہے، یعنی اشیاء کی قیمت اور نرخ متعین کرنا۔

ان رجلا جاء فقال یا رسول اللہ سَعَرَ، فقال: بَلْ أَدْعُو۔

شرح الحدیث ومذاهب الائمہ فی مسئلۃ الباب ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! نرخ متعین کر دیجئے، بظاہر غلہ کا یا جو چیز اس کے قائم مقام ہو تو آپ نے فرمایا تسعیر نہیں کرتا بلکہ دعار کرتا ہوں، پھر ایک اور شخص بھی آیا اس نے بھی یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تسعیر سے کہاں گرائی ختم ہوتی ہے بلکہ (اشیاء کے نرخ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ان کو وہی گراتا اور بڑھاتا ہے، اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی (یعنی میری کوشش یہ ہے کہ) میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں اس حال میں کہ کسی کا حق مجھ پر نہ ہو مظلّم کہتے ہیں کسی کے اس حق کو جو دبا لیا جائے ادا نہ کیا جائے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حاکم وقت کا تسعیر لوگوں اور تاجروں کے حق میں ظلم ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ قاضی یا حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تسعیر کرے الا یہ کہ ارباب طعام حد سے تجاوز کرنے لگیں تو پھر کچھ حرج نہیں، اسی طرح در مختار میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ والی کو چاہیئے کہ گرانی کے زمانہ میں تسعیر کر دے اھ۔ من ہامش البذل۔

باب فی النہی عن الغش

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہر بوجہ بیع طعاما فسالہ کیف یبیع الخ۔ یعنی آپ کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو غلہ لئے بیٹھا تھا بیع و تجارت کے لئے تو آپ نے اس سے بیع کے بارے میں سوال فرمایا غالباً سمجھا و معلوم کیا اس نے بتلادیا، اسی وقت آپ پر وحی آئی کہ اس غلہ کی ڈھیر میں ہاتھ داخل کیجئے، آپ نے اس میں ہاتھ داخل کیا تو اس ڈھیر کے اندر کا حصّہ تر نکلا، اس پر آپ نے فرمایا لیس منامن غش۔ کان سفیان یکرہ ہذا التفسیر، لیس منا، لیس مثلنا، یعنی سفیان ثوری علماء جو اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اور اس کے جو معنی مرادی بیان کرتے ہیں وہ اس تاویل کو پسند نہ کرتے تھے اسلئے کہ لوگوں کے سامنے تاویل بیان کرنے کی صورت میں اس سے متکلم کی غرض فوت ہوتی ہے، یعنی تخویف اور توییح، تاویل اصولاً تو ضروری ہے اہل سنت و جماعت کے مسلک کے پیش نظر لیکن عام لوگوں کے سامنے اس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتے تھے اور تاویل اسلئے ضروری ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے

وہ جماعت مسلمین ہی سے خارج ہے حالانکہ غش کی وجہ سے اسلام سے تو خارج ہوتا نہیں، اور تاویل جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو مسلمان دوسروں کو دھوکہ دے وہ ہمارے طریق پر نہیں ہے، اور ہماری سیرت پر نہیں ہے۔
والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

باب فی خيار المتبايعین

بیع کے اندر جو خيار ہوتا ہے اس کی چند قسمیں ہیں جیسا کہ آپ نے ہدایہ ثالث میں پڑھ لیا ہے خيار بشرط، خيار عیب، خيار رویت وغیرہ، ایک قسم خيار کی اور ہے جس کو مصنف یہاں بیان کر رہے یعنی خيار مجلس جس کے شافعیہ و حنابلہ قائل ہیں، حنفیہ

خيار مجلس کے ثبوت میں
علماء کا اختلاف

اور مالکیہ قائل نہیں، اور خيار مجلس کا مطلب جس کے شافعیہ قائل ہیں یہ ہے کہ بائع مشتری کے درمیان ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد جب تک متعاقدین مجلس عقد میں موجود ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو بائع ہو یا مشتری بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے اور مجلس ختم ہونے کے بعد باقی نہیں رہتا، گویا ان کے یہاں ایجاب و قبول سے بیع تام تو ہو جاتی ہے، لیکن لازم نہیں ہوتی، اور ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے،

المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه ما لم يفتروا الا بيع الخيار یعنی بائع مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوتا ہے اپنے ساتھی پر یعنی بیع کو باقی رکھنے اور نہ رکھنے کا جب تک کہ وہ دونوں جدا نہ ہوں۔

الایبع الخيار اس استثناء کی تشریح ہم بعد میں کریں گے، اس حدیث میں افتراق سے مراد شافعیہ کے نزدیک مجلس سے جدا ہونا ہے یعنی تفرق بالابدان، اور حنفیہ و مالکیہ جو خيار مجلس کے قائل نہیں ان کے نزدیک افتراق افتراق بالبدن نہیں بلکہ افتراق بالقول مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے جب تک کہ دونوں اپنی بات کہہ کر فارغ نہ ہوں، دراصل ایجاب کہتے ہیں

اول کلام صدر عن احد المتعاقدين کو خواہ وہ مشتری ہو یا بائع ہو، لہذا مطلب یہ ہوا کہ بائع و مشتری میں سے جو بھی پہلے بولے اور ایجاب کرے تو ثنائی کے قبول کرنے سے پہلے اس صاحب ایجاب کو اختیار ہے اس بات کا کہ وہ اپنے اس قول سے رجوع کر لے، اور بیع کی بات ہی کو ختم کر دے اگر حدیث کا مطلب یہی لیا جائے تو پھر بات بالکل صاف اور واضح ہے یعنی یہ معقول بات ہے کہ احد المتعاقدين کو اختیار ہے اس کا کہ وہ اپنے کلام کے تلفظ کے بعد فوراً اس کو کالعدم کر دے، یہ تو ہوا عدم تفرق، اور حدیث میں ہے تفرق کے بعد اختیار نہیں رہتا یعنی دونوں جب اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں اور ایجاب کے بعد قبول بھی ہو جائے تو اب ان کے لئے اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ ایجاب و قبول کے بعد بیع محقق اور لازم ہو گئی اور عقد مضبوط ہو گیا، ظاہر بات ہے کہ اگر حدیث

کا یہ طلب لیا جائے جیسا کہ حنفیہ نے لیا تو پھر اس صورت میں خیار مجلس کوئی چیز نہیں بلکہ خیار مجلس کی تو اس سے اور نفی ہو رہی ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ تفرق کے متبادر اور ظاہری معنی تفرق بالبدن یعنی مجلس سے اٹھ جانا ہی ہے اور یہ تفرق بالقول جس کو آپ اختیار کر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر بتائیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ "وان يتفرقا یعنی الله كلامه من سعته" اس میں بھی تو تفرق سے تفرق بالقول ہی مراد ہے، اس لئے کہ طلاق میں تو تفرق بالقول ہی ہوتا ہے، نیز حنفیہ کی بعض تائیدات آگے بھی آرہی ہیں۔

اس حدیث میں یہ تھا الایبع الخیار جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ اس کی شرح اخیر میں لکھیں گے، اس استثناء کی شرح میں امام نووی نے علماء کے تین قول لکھے ہیں اول یہ کہ اس سے مراد تنخیر فی المجلس ہے اور امضار البیع یعنی ایجاب و قبول کے بعد تا قیام مجلس متبایعین کو بیع کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار رہتا ہے لیکن تنخیر کی صورت میں باوجود قیام مجلس کے خیار باقی نہیں رہتا، یعنی اگر مجلس کے اندر ایجاب و قبول کے بعد آپس میں بیع کو اختیار کر لیں ہر ایک دوسرے سے کہے کہ ہاں میں نے یہ چیز لے لی، دوسرا کہے ہاں میں نے فروخت کر دی تو اب بیع لازم ہو جاتی ہے خیار مجلس باقی نہیں رہتا، اب اس کو فسخ نہیں کر سکتے، اس سے مراد بیع بشرط الخیار ہے یعنی الایبع بشرط فیہ خیار الشرط یعنی اگر بیع کے وقت خیار بشرط پایا جائے تین دن یا اس سے کم کے لئے تو اس صورت میں افتراق کے باوجود خیار فسخ باقی رہتا ہے مدہ مشروطہ تک۔ تیسرے معنی یہ کہ متبایعین کیلئے جب تک ان کا افتراق نہ ہو ان کے لئے خیار باقی رہتا ہے مگر یہ کہ عدم خیار کی شرط لگائی جائے تو پھر اس صورت میں باوجود عدم تفرق کے خیار مجلس حاصل نہیں ہوتا، اس تیسرے معنی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں وهذا تاویل من تصحیح البیع علی هذا الوجه، والاصح عند اصحابنا بطلانہ بهذا الشرط، یعنی یہ تیسرے معنی اس جملہ کے ان لوگوں کے نزدیک ہیں جو اس طرح بیع کو جائز سمجھتے ہیں، ورنہ شافعیہ کا اصح قول تو یہ ہے کہ اس طرح کی بیع صحیح ہی نہیں ہے یعنی جس میں خیار مجلس نہ ہونے کی شرط لگائی جا رہی ہو اھ (بذل) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمعناه قال: او یقول احدھما لصاحبہ اختن یعنی اس روایت میں بجائے "الایبع الخیار" کے یہ دوسرے الفاظ ہیں میں کہتا ہوں یہ جو دوسرے الفاظ ہیں یہ وہی معنی اول ہے ان معانی ثلاثہ میں سے جو اوپر الایبع الخیار کی شرح میں گذرے، اور امام نووی نے اسی معنی اول کو اصح الاقوال کہا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں اس طرح ہے مالم یفترق الا ان تکنون صفقۃ خیاریہ بظاہر۔ ان معانی ثلاثہ میں سے معنی ثانی ہے۔

ولا یحل لہ ان یفارق صاحبہ خشیۃ ان یتستقلہ۔

حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے جو ابوداؤد ترمذی

اور تسائی میں ہے، اس میں جو آخری جملہ ہے، ولا یحل لہ ان یفارق الخ یہ جملہ خیار مجلس کے منافی ہے جس کے شافعیہ وغیرہ قائل ہیں، اسلئے کہ استقالہ کے معنی طلب اقالہ کے ہیں اور اقالہ لزوم بیع کے بعد ہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خیار مجلس کوئی چیز نہیں، اسلئے کہ اگر خیار مجلس متبایعین کو حاصل ہوا کرتا تو پھر اس صورت میں متبایعین میں سے ہر ایک کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہوتا، طلب اقالہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اب اس صورت میں اس پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ متبایعین کیلئے ایجاب قبول کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ مجلس سے جلدی سے اٹھ کھڑا ہو کر چلا جائے اس اندیشہ سے کہ کہیں دوسرا اس بیع کو فسخ کر نیکی فرمائش نہ کر دے بلکہ نصیحت اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی بات نہ سوچے۔

حضرت سہارنپوری نے حکیم بن حزام کی جو حدیث آگے آرہی ہے اس کی شرح میں اس مسئلہ میں مذہب حنفی کی ترجیح میں مختصر اور جامع کلام فرمایا ہے جس کے اخیر میں یہ ہے ویؤید الحنفیۃ مارواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری من عمر بکر اصعبا فوہیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لابن عمر بعد الشراء قبل ان یتفرقا، فلولم یکن التفرق صلا لأقبل التفرق ولم یتیم البیع کیف وہب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم البکر لابن عمر فثبت بذلک ان التفرق فی المبیع بعد العقد ان لم یتخیر احدہما الآخر جائزاً

وحدیث عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اخرجہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن ابی الوضی قال غزونا غزوۃ لنا فنزلنا منزلاً فباع صاحب لنا فرساً بخلام ثم اقاما ما بقیہ

یومہما ولیلتہما الخ

مضمون حدیث مضمون روایت یہ ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ کے سفر میں تھے (عرف الشذی میں بحوالہ بیہقی لکھا ہے کہ یہ واقعہ کشتی کے سفر میں پیش آیا تھا، کذا فی ہامش البذل) راستہ میں ایک جگہ اترے تو ہمارے ایک ساتھی نے اپنا گھوڑا ایک دوسرے ساتھی کے ہاتھ ایک غلام کے عوض میں فروخت کر دیا اور اس واقعہ پر دن — کا باقی حصہ اور پوری رات گزر گئی، پھر اگلے دن صبح کے وقت اس منزل سے کوچ کا وقت آیا تو اس گھوڑے کا خریدار اپنے گھوڑے کے پاس جا کر اس پر زین باندھنے لگا سوار ہونے کے لئے، اس موقع پر وہ بیچنے والا اپنی اس بیع پر نادم ہوا اور اس مشتری کے پاس گیا اور اس بیع کو فسخ کر کے اپنا گھوڑا لینا چاہا، مشتری نے واپس کرنے سے انکار کیا، بالغ نے کہا کہ اس معاملہ میں میرے اور تمہارے درمیان ابوہریرہ صحابی قاضی اور فیصل ہیں، چنانچہ یہ دونوں ان کی خدمت میں گئے اور ان دونوں نے اپنی اس بیع کا قصہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ کیا

عہ کیونکہ اقالہ کا مطلب تو یہ ہوتا ہے یا اور مشتری میں سے کوئی سا ایک دوسرے سے معاملہ کو فسخ کرنے کی درخواست کرے ۱۲

تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارے اس مسئلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والا فیصلہ نافذ کروں، اور پھر یہ حدیث سنائی، "البيعان بالخيار ما لم يتفرقا" اور یہ بھی فرمایا ما اُرُكَمَا اُفترقَا، کہ میری رائے یہ ہے کہ تم دونوں کا اس بیع کے بعد ابھی تک افریق نہیں ہوا (لہذا خیار مجلس باقی ہے جس کی وجہ سے فسخ بیع کا ہر ایک کو اختیار ہے) یہ ان صحابی کا اپنا اجتہاد تھا انہوں نے افریق کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور گویا ایک شکر اور ایک سفر کے معاملہ کو مجلس واحد کا معاملہ قرار دے دیا، اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ (بذل) والحدیث اخرہ ابن ماجہ ورجال اسنادہ ثقات، قالہ المنذری۔

كان ابو خزيمة اذا باع رجلا خيره - قال - ثم يقول خيري - يعني البوزرعہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کے ساتھ وہ بیع کا معاملہ کرتے تو ایجاب و قبول کے بعد اپنے ساتھی کو مجلس عقد میں اختیار دیتے، یعنی اس سے کہتے کہ اگر تو اس معاملہ پر راضی ہو تو باقی رکھ ورنہ فسخ کر دے، اور پھر اس ساتھی سے یہ کہتے کہ اسی طرح تو بھی مجھے اختیار دیدے (تاکہ جانبین سے اچھی طرح تراضی ہو جائے) اور پھر اس کو یہ حدیث سناتے "لا يفرقن اثنان الا عن تراض" کہ بائع مشتری کوئی معاملہ کرنے کے بعد بغیر اظہار رضا مندی کے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ والحدیث اخرہ الترمذی ولم يذكر قصته ابی زرعة - قالہ المنذری

باب فی فضل الاقالة

اقالة بمعنى فسخ، باب افعال سے، اور مجرد میں سمع سے، قال يقال، ففی القاموس: وقلة البيع بالكسر واقلته فسوته، واستقاله طلب اليه ان يعيله (بذل)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من اقال مسلما اقال الله عثرته، یعنی آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمام بیع کے بعد اپنے ساتھی سے اقالہ کر لے یعنی قبول کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف فرمادیں گے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو شخصوں نے آپس میں بیع و شراء کا معاملہ کیا، معاملہ کی تکمیل کے بعد کسی ایک کو اس پر ندامت ہوئی یا پھر یا خرید کر بچھتا یا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اگر تو اس معاملہ کو فسخ کر دے تو مہربانی ہوگی، دوسرے نے اس کی اس درخواست کو قبول کر لیا، اس حدیث میں اقالہ قبول کرنے والے کے لئے اس کی لغزشوں کی معافی کی بشارت ہے۔

دیکھئے بیع و شراء کوئی عبادت تو نہیں ہے ایک مباح کام ہے جس کو آدمی اپنی ضرورت کے لئے اختیار

کرتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شریعت پر چلے اور حدیثوں کو سامنے رکھے تو مباحات بھی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں، عبادات کا تو کہنا ہی کیا ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب فیمن باع بیعتین فی بیعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من باع

بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا۔

حدیث الباب اور اس مقام کی کامل تشریح یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں اس طرح ہے،

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیعتین فی بیعة۔

قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے قال الحافظ فی بلوغ المرام رواہ احمد والنسائی وصحہ الترمذی وابن حبان، ولابی داؤد: من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا انتہی، آپ نے دیکھا کہ ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث میں ایک زیادتی ہے جو دوسری کتب حدیث میں نہیں ہے اس زیادتی پر کلام اور اسکی شرح ہم آگے کریں گے، کیونکہ اس زیادتی کی وجہ سے معاملہ مشکل ہو گیا، پہلے اصل اور مشہور حدیث کا مطلب سمجھ

لیا جائے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں: والعل علی ہذا عند اهل العلم اور پھر انہوں نے اس حدیث کی شرح میں دو صورتیں اور مثالیں لکھی ہیں اول یہ کہ ایک بیع میں دو بیع جس کی ممانعت کی جا رہی ہے اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص

یوں کہے خریدار سے کہ میں یہ کپڑا تجھ کو نقد تو دس درہم میں دیتا ہوں اور اگر تو سیمینہ لے تو بیس درہم میں دیتا ہوں اب یہ ایک بیع کے اندر دو بیع ہو گئیں ایک دس درہم والی اور ایک بیس درہم والی، تو اب اگر قبل التفرق قبل العین ان دو میں سے کسی ایک کی تعیین کر لیں اور تعیین کے بعد جدا ہوں تب تو اس میں کسی کے نزدیک بھی کچھ حرج نہیں بلکہ جائز ہے اور اگر بلا تعیین کے بہم سامعہ کر کے جدا ہو جائیں تو یہ بالاتفاق ممنوع ہے جہالت ثمن کی وجہ سے

حدیث میں اسی صورت کی بھی وارد ہے، اور پھر امام ترمذی نے اس حدیث کی شرح میں ایک اور صورت تحریر فرمائی وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ کہے ابيعک داری ہذہ بکذا علی ان تبیعنی غلامک بکذا الخ یعنی

میں اپنا یہ مکان تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اتنی رقم میں اس شرط پر کہ تو اپنا غلام مجھ کو فروخت کرے اتنی رقم میں پس جب تو اپنے غلام کی بیع مجھ سے اس طرح کر لیا کہ تو پھر میرے مکان کی بیع بھی تیرے لئے ہو جائے گی، وھذا

تفارق عن بیع ثمن معلوم ولایدری کل واحد منہما علی ما وقعت علیہ صفقتہ، یہ جو دوسری مثال ہے اس میں کوئی شق صحت بیع کی نہیں کیونکہ یہ تو بیع بغیر ثمن معلوم ہے، اس لئے کہ بائع دار اس بیع پر بغیر بیع غلام کے

تیار نہیں جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس بیع غلام میں اس کا نفع ہے تو گویا ثمن کا کچھ حصہ اس بیع غلام میں داخل ہے

اور وہ کتنا ہے یہ معلوم نہیں، اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بٹمن مجہول ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بشرط ہے اور بیع بشرط کی حدیث میں ممانعت آئی ہے اس سبب بعد آپ ابو داؤد کی حدیث کو لیجئے جس کا سیاق اس مشہور سیاق سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اسکا مضمون یہ ہے کہ جو شخص ایک بیع کے اندر دو بیع کرے تو اس کیلئے اوکس البیعین یعنی اقل الثمنین والی بیع جائز ہوگی، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر بالازم آئے گا، رہا سے مراد فساد بیع ہے اسلئے کہ عقود فاسدہ جتنے بھی ہوتے ہیں وہ حکم رہا ہی میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔

اب اس ابو داؤد کی حدیث کا تو حاصل یہ ہوا کہ ہم نے اوپر بیعتین فی بیعة کی جو پہلی مثال لکھی تھی کہ میں اس چیز کو ادھار لیتے ہیں دیتا ہوں اور نقد اتنے میں دیتا ہوں تو اس معاملہ میں اگر بائع مشتری دس درہم والی صورت کو بعد میں اختیار کرتے ہیں تب تو یہ معاملہ صحیح ہے، اور اگر زائد ثمن والی شق کو اختیار کرتے ہیں تو پھر یہ بیع فاسد ہے حالانکہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ بیع مذکور اقل ثمن والی توضیح ہو سکتی ہے اور اکثر ثمن والی نہیں ہو سکتی، لم یذہب الیہ احد من الائمة الاربعہ، البتہ امام اوزاعی سے یہی منقول ہے جو ابو داؤد کی اس حدیث میں ہے، اسی لئے ہم نے شروع میں کہا تھا کہ ابو داؤد کی یہ حدیث بہت مشکل ہے، امام خطاب نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کو ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے یعنی بیع سلم کی ایک خاص شکل وہ یہ کہ ایک شخص نے قیصر حنظلہ کی بیع کی ایک دینار میں یعنی الی شہر، پھر جب مدت پوری ہو گئی یعنی ہمیشہ تو بائع نے کہا مشتری سے کہ تیرا جو قیصر حنظلہ میرے ذمہ ہے اس ایک قیصر کو قیصرین کے بدلہ میں میرے ہاتھ فروخت کر دے الی شہرین تو اس خاص صورت میں جو پہلی بیع تھی وہ اوکس البیعین تھی، تو اس صورت میں وہ توجیہ جائز رہے گی اور یہ دوسری فاسدہ، اور حضرت نے بذل میں حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر سے اس کی ایک اور توجیہ نقل کی ہے وہ یہ کہ بیعتین فی بیعة کی جو ہم نے شروع میں مثال لکھی تھی کہ یہ شئی اگر مشتری نقد لے تو اتنے کی ہے اور ادھار لے تو اتنے کی ہے اور پھر اس کے بعد ان کا تفرق ہو گیا بغیر احد البیعتین کی تعیین کے تو یہ بیع حدیث کی رو سے فاسد ہے اس کا حکم یہ تھا کہ یہ بیع واجب الفسخ تھی لیکن یہاں یہ ہوا کہ بیع مشتری کے پاس ہلاک ہو گئی یا اس نے اس کو کھالیا تو اب اس صورت میں بائع کو چاہیے کہ اصل ثمن لینے کے بجائے یا تو اس بیع کا مثل لے (ان کان من ذوات الامثال) یعنی بیع کو فسخ کرنے کی نیت سے یا اس کی قیمت، اور قیمت جو ہو اگر تھی ہے عادیہ اوکس من الثمن ہوتی ہے، اور اگر بائع صورتہ مذکورہ میں بجائے مثل یا قیمت کے ثمن ہی لیتا ہے تو ابقار بیع ہوگا، حالانکہ وہ بائع مامور ہے اس کے فسخ کا، اور بیع فاسد بلکہ تمام ہی عقود فاسدہ رہا کے حکم میں داخل ہیں اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ قلہ اوکسہما اوکس یا کہ اگر اوکس کو اختیار نہیں کریگا تو رہا بالازم آئے گا۔

علہ قیمت تو کسی شئی کی وہ بازار کے اعتبار سے ہوتی ہے بازار میں وہ جتنے میں ملتی ہے اور ثمن اس کو کہتے ہیں جو متعاقبین کے درمیان طے ہو ۱۲

باب فی النهی عن العینۃ

بیع عینہ کی تعریف اور حکم | بیع عینہ کی تعریف یہ لکھی ہے شرابا باع باقل مما باع قبل نقد الثمن الاول اور چاہے اس طرح کہہ لیجئے بیع ما اشتري باقل مما اشتري قبل نقد الثمن الاول یعنی ایک شخص نے اپنی کوئی چیز دوسرے شخص کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کی الی اجل مسمی ابھی تک مشتری نے اس کو ثمن ادا نہیں کیا تھا بائع ادا ثمن کا تقاضا کرنے لگا اور جب مشتری نہ دے سکا تو بائع مشتری سے کہنے لگا اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو اچھایہ کر کہ وہ چیز میرے ہاتھ پانچ درہم میں فروخت کر دے پھر میرے تیرے ذمہ پانچ درہم باقی رہ جائیں گے وہ بعد میں ادا کر دینا اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اس کو جائز رکھا ہے قالہ الشوکانی فی اللیل (عون) اور بذل میں درمختار سے نقل کیا ہے کہ بیع عینہ مکروہ اور شرعاً مذموم ہے کیونکہ اس میں اعراض عن الاقراض ہے یعنی بائع اول قرض دینے سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے تاکہ صورت قرض بھی ہو جائے اور اپنا نفع بھی، شامی میں ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا البیع فی قلبی کا مثال بحبال، ذمیم اخترعہ اکلمہ الربا، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ اس بیع کا بوجھ میرے قلب پر کئی پہاڑوں کے بوجھ کے مانند ہے، یہ بیع بڑی مذموم ہے جو لوگ سود کھانے کے عادی ہیں ان کی اختراع ہے۔ لہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذنا البقر ورضیتم بالزرع وتركتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلایینزعہ حتی ترجعوا الی دینکم۔

مسلمانوں کیلئے ترک جہاد پر سخت وعید | اس حدیث میں بیع عینہ کے اختیار اور ترک جہاد پر بڑی سخت وعید ہے چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور کھیتی پر راضی ہو کر بیلوں کی دموں کو پکڑو گے اور جہاد کو پس پشت ڈال دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک دور نہیں کریں گے جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹو گے، اور بقریہ سیاق حدیث رجوع الی الدین سے مراد بیع عینہ کو چھوڑنا اور جہاد کو کھیتی پر ترجیح

لہ فی الشرح الکبیر من بدع سلطۃ ثمن ہو جل ثم اشتراھا باقل من نقد الثمن بحج، روی ذلک عن ابن عباس وعائشہ و الحسن وابن سیرین والشیخ والحق دہ قال الثوری والاوزاعی والکاسحی واصحاب الرائی واجازہ الشافعی لانہ ثمن تجوز بہ ما بہ من غیرہ بالعماک لوباہا بمثل ثمنہا۔
الی آخر ما فی الاوجیز

دینا ہے، اس حدیث کی شرح میں شرح نے لکھا ہے کہ دراصل جہاد میں اسلام کا اعزاز اور اس کا غلبہ ہے باقی ادیان پر، تو جب مسلمان اس چیز کو چھوڑیں گے جس میں اسلام کی عزت اور غلبہ ہے تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان پر عزت کی نقیض یعنی ذلت کو مسلط کر دیں گے۔

باب فی السلف

اس میں دوسرا لغت سلم ہے، سلف اہل عراق کا لغت ہے اور سلم لغت اہل حجاز، اس بیع کی تعریف یہ کی گئی ہے "بیع موصوف فی الذمۃ" یعنی بائع بیع کے اچھی طرح اوصاف وغیرہ بیان کر کے مکمل طریقہ سے اور اس کو اپنے ذمہ میں لیکر نقد ثمن کے مقابلہ میں فروخت کرے، اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے "بیع اجل بعاجل" یعنی شئی مؤجل کی بیع ثمن معجل کے ساتھ، اس بیع کی شریعت نے اجازت دی ہے خلاف قیاس دفعا لحاجۃ المفایس یعنی نادار قسم کے لوگوں کی حاجت و ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ یہ اس شئی کی بیع ہے جو غیر موجود عند البائع ہے، اسی لئے اس بیع کی صحت کے لئے بہت سی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

صحت سلم کی شرائط چنانچہ قدوری میں ہے: ولا یصح السلم عند ابی حنیفۃ الا بیع شرائط تذکر فی العقد جنس راس المال، وتسمیۃ المكان الذی یوافیہ فیہ اذا کان لہ حمل وموتۃ اھ، اسی طرح جن چیزوں میں یہ بیع جائز ہے وہ بھی متعین ہیں ففی القدوری السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدونات التي لا تتفاوت کالجوز والبیض، و فی المذروعات، ولا یجوز السلم فی الیھوان۔ الی آخرہ۔ اس میں بعض اور اختلافی مسائل بھی ہیں جو آگے احادیث کے ضمن میں آرہے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ بیع سلم میں ثمن کو راس المال اور مبیع کو مسلم فیہ، بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالمدينة وهم یسلفون فی التمر السنۃ والسنین والثلاثۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اسلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔

یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ وہ کھجوروں میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے، ایک سال کی کھجوریں یا دو سال کی، اور اسی طرح تین سال کی بھی، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمر میں بیع سلم کا معاملہ کرے تو چونکہ تمر کی کیل ہے اسلئے کیل معلوم ہونا چاہیے

یعنی اس کی مقدار کیلئے متعین ہونی چاہیے اور اگر اس بیع کا تعلق شئی موزون سے ہے تو بیع کا وزن معلوم ہونا چاہیے اور اس کے علاوہ ایک شرط آپ نے یہ بیان فرمائی کہ بیع سلم کی مدت بھی معلوم ہونی چاہیے، اس آخری مسئلہ میں جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے تو یہی ہے البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے سلم حال کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اگر بیع سلم الی اجل ہو تو پھر وہ معلوم ہونی چاہیے۔
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

اناشعۃ اخباری محمد او عبد اللہ بن مجالد قال اختلاف عبد اللہ بن شداد والیوردیۃ فی السلف الخ شعبہ کہتے ہیں کہ مجھ کو خبر دی محمد بن مجالد نے یا عبد اللہ بن مجالد نے (کذا فی اکثر النسخ، والصحیح ابن ابی مجالد کہذا فی البذل کہ عبد اللہ بن شداد اور الیوردی کا اختلاف ہوا بیع سلم کے بارے میں تو وہ کہتے ہیں (محمد بن ابی مجالد یا عبد اللہ بن ابی مجالد) کہ ان دونوں نے مجھے عبد اللہ بن ابی اوفی صحابی کے پاس بھیجا میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کے زمانہ میں بیع سلم کیا کرتے تھے حنظلہ شعیرہ اور زبیب ان سب میں، اور یہ معاملہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرتے تھے جن کے پاس وہ بیع موجود نہ ہوتی تھی عند العقد۔

شرح السند آگے روایت میں آ رہا ہے۔ والصواب ابن ابی المجالد شعبہ سے اس میں خطا واقع ہوئی ہمارے اس نسخہ فرما رہے ہیں کہ صواب ابن ابی المجالد ہے شعبہ سے اس میں خطا واقع ہوئی ہمارے اس نسخہ میں اسی طرح ہے لیکن اس نسخہ پر مصنف کے کلام کا مطلب واضح نہیں اس لئے کہ شعبہ نے ابن ابی المجالد ہی تو کہا ہے حضرت کی تحقیق یہ ہے بذل میں کہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے والصواب عبد اللہ بن ابی المجالد اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ صواب تو عبد اللہ بن ابی المجالد ہے، لیکن شعبہ سے اس میں غلطی ہوئی کہ انہوں نے راوی کا نام محمد بن ابی المجالد یا عبد اللہ بن ابی المجالد شک کے ساتھ بیان کیا، الی قوم ماہو عندہم میں ایک مسئلہ مضمر ہے، یعنی سلم فی المنقطع جس کی تفصیل آگے آئے گی، والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

غزو نامع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشام فكان یأتینا انباط من انباط الشام فنسلفهم فی البر والیزیت سعوا معلوما واجلا معلوما، فقیل لہ ممن لہ ذلک؟ قال ما کننا نسألہم۔
عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملک شام کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ بظاہر اس سے مراد غزوہ تبوک ہے فانہا وقعت فی لواء حی الشام (بذل) تو اس سفر کے دوران ملک شام کے منبطی ہمارے پاس آتے تھے تو ہم ان کے ساتھ ان اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے سمر معلوم اور اجل معلوم کے ساتھ کسی نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا یہ بیع سلم کا معاملہ کیا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جن کے پاس وہ شئی مسلم فیہ موجود ہوتی تھی؟ تو انہوں

نے جواب دیا کہ یہ بات ہم ان سے دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔

مسئلہ سلم فی المنقطع کی تفصیل | جانتا چاہیے کہ بیع سلم کا معاملہ تو اسی شخص کیساتھ ہوتا ہے عند الجہور جس کے پاس بیع یعنی سلم فیہ عند العقد موجود نہیں ہوتی، لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مسلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا ضروری ہے یا یہ بھی ضروری نہیں، اس لحاظ سے اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں، چنانچہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں "باب السلم الی من لیس عنده اصل" کے تحت فرمایا ہے کہ مصنف کا اشارہ سلم المنقطع کی طرف ہے جو کہ عند الحنفیہ جائز نہیں اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یہ کہ مسلم فیہ عند العقد موجود ہو اور عند الاجل منقطع ہو، یہ بالاتفاق جائز نہیں (۲) مسلم فیہ بازار میں من وقت العقد الی الاجل موجود ہو یہ بلا خلاف جائز ہے (۳) یہ کہ منقطع عند العقد ہو اور موجود عند الاجل (۴) یہ کہ بوقت العقد اور اجل موجود ہو اور درمیان میں منقطع، یہ تیسری اور چوتھی دونوں صورتیں حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہیں اور ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہیں اھ۔ (۵) (الابواب والتراجم ص ۲۶) پس حاصل یہ کہ عند الحنفیہ سلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا من وقت العقد الی حلول الاجل ضروری ہے اور عند الجہور بوقت اجل موجود اس حدیث میں انبساط کا ذکر ہے نبط ایک عجیب قوم ہے جو عراقین کے درمیان آباد تھی اھ مصباح اللغات، عرب کی ایک قوم ہے جو رومیوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی اور شام میں مقیم تھی (بذل)

باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم يخرج تلك السنة شيئا۔ ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اشجار معینہ کے پھلوں میں بیع سلم جائز نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اس سال ان درختوں پر پھل نہ آئے، اس صورت میں مسلم فیہ غیر مقدور التسليم ہو جائے گا حالانکہ مقدور التسليم ہونا ضروری ہے، نفی القدوری، ولانی طعام قریہ بعینہا، ولانی ثمرۃ نخلة۔ بعینہا اھ چنانچہ حدیث الباب کا مضمون یہی ہے کہ ایک شخص نے نخلہ معینہ میں سلم کا معاملہ کیا اور پھر اس سال اس پر پھل نہیں آیا، جس پر آپ نے تنبیہ فرمائی، ہم تستحل مالہ اردود علیہ مالہ، ثم قال، لا تسلفوا فی النخل حتی یبد وصلاحہ، یہ بظاہر مستقل ایک دوسرا حکم ہے جو پہلے گذر چکا یعنی نہی عن البیع قبل بدو الصلاح۔

باب السلم لا یحوّل

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اسلف فی شئ فلا یصوفہ الی غیرہ۔ شرح الحدیث مع بیان المذاهب | اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال لکھے ہیں، اول یہ کہ جس شخص نے

جس شخص کیساتھ کسی شئی میں بیع سلم کا معاملہ کیا تو اس معاملہ کرنے والے کیلئے۔ یعنی مشتری کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اس شئی مسلم فیہ کو اپنے غیر کی طرف منتقل کرے باعتبار بیع یا ہبہ کے، یعنی قبل القبض، اور دوسرا احتمال یہ کہ جس شخص نے جس شخص کے ساتھ جس چیز کا معاملہ کیا ہے تو اس سلم فیہ کے بدلہ میں قبل القبض کوئی دوسری چیز نہ لے یعنی مسلم فیہ کا استبدال کسی دوسری شئی کے ساتھ قبل القبض کرنا جائز نہیں، اگر رب السلم مسلم فیہ کے عوض میں کوئی دوسری شئی لینا چاہے تو شئی اول پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ استبدال جائز نہیں، قبضہ کے بعد اختیار ہے، احتمال اول کی صورت میں "غیورہ" کی ضمیر "من" کی طرف راجع ہوگی، فی قولہ "من اسلف" اور دوسری صورت میں یہ ضمیر شئی کی طرف راجع ہوگی جس سے مراد مسلم فیہ ہے، مشہور ہے کہ مسلم فیہ میں استبدال قبل القبض جمہور منہم الخفیہ کے نزدیک جائز نہیں حضرت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے، لہذا یہ حدیث اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل ہے۔
والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی وضع الجائخۃ

مسئلہ اختلافیہ | اس مسئلہ سے متعلق حدیث باب فی بیع السنین میں بھی گزر چکی۔ وضع الجوائح وہاں پر یہ بھی گزر چکا ہے کہ امر بوضع الجوائح عند الجمہور من باب المعروف والاحسان ہے اور امام احمد اور اکثر محدثین کے نزدیک علی الوجوب ہے، جمہور کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر حدیث کو وجوب ہی پر محمول کیا جائے تو یہ ایک خاص صورت میں ہوگا یعنی جبکہ وہ پھل ہلاک ہو جائیں قبل التسليم الی مشتری فابہا حینئذ فی ضمان البائع، اس لئے اس صورت میں سارا نقصان بائع ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

اصیب رجل فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی شمار اتباعہا فکثر دینہ الخ مضمون حدیث واضح ہے۔ آگے اس حدیث میں یہ ہے: خذوا فمواجدتم وليس لکم الا ذلک، یعنی لوگوں کے صدقہ کرنے کے بعد مشتری پر، جب مشتری نے جتنے پیسے اس کے پاس جمع ہو گئے تھے ان کو دے دیا جو دین کے برابر نہیں تھے اس سے کم تھے تو آپ نے فرمایا کہ بس یہی لیجاؤ تمہارے لئے اور کچھ نہیں، اس کا مطلب علی حسب الاصول یہ لینا پڑے گا کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ فی الحال تمہارے لئے یہی ہے باقی بعد میں ادا ہوتا رہے گا والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

بعد تأخذ مال اخیک بغیر حق۔ یہ حدیث حنابلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے اور عند الجمہور مؤول ہے ای فی التقوی، یا قبل التسليم الی مشتری پر محمول ہے کما تقدم قریباً اخرہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی تفسیر الجائحة

عن عطاء قال: الجوائح کل ظاہر مفسد من مطر أو بکد أو جراد أو ریح أو حریق۔
یعنی جوارح جس کے ساقط کرنے کا اور معاف کرنے کا حدیث میں حکم آیا ہے اس سے ایسی آفت مراد ہے جو بالکل ظاہر اور نمایاں ہو، پھلوں کو خراب کر دینے والی ہو، جیسے بارش یا اولہ، اور ٹڈی، اسلٹے کہ ان کی قطار جس بارش میں بھی پہنچ جاتی ہے سب پھلوں کا ناس کر دیتی ہے۔ اور ایسے ہی آندھی اور سخت ہوا اور حریر یعنی آگ لگ جانا حدیث میں ظاہر کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس صورت میں مشتری کا نقصان متیقن ہوگا، اور اگر وہ چیز ظاہر نہ ہو بالکل مشتری کسی مخفی امر کو بیان کرے تو اس میں احتمال اس کے کذب کا ہے، پس ظاہر ہونے کی صورت میں اس پر جو حکم مرتب ہوگا وہ حتمی ہوگا، اور دوسری صورت میں عفو کا حکم محض دیانہ ہوگا (بذل بن تقریر الگست گوئی)

عن یحییٰ بن سعید انه قال لا جائحة فيما اصاب دون ثلث رأس المال قال یحییٰ وذلك فی سنة المسلمین۔ یحییٰ بن سعید فرما رہے ہیں کہ پھلوں کے نقصان کی تلافی کا جو حدیث پاک میں حکم ہے تو وہ اس صورت میں ہے جبکہ کم از کم ثلث مال ان آفات سماویہ سے ضائع ہوا ہو، اور اگر ثلث سے کم خراب ہوا ہے تو اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ تھوڑا بہت نقصان تو ہوا ہی کرتا ہے تجارتوں میں، آگے یحییٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کا تعامل اسی طرح ہے۔

باب فی منع الماء

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلاب۔
شرح الحدیث مقصد یہ ہے کہ جو پانی آدمی کی اپنی ضرورت سے زائد ہو اس کے دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے یہ نہی فی نفسہ عام ہے لیکن یہاں اس حدیث میں اس کو ایک خاص صورت کیساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی لیمنع به الکلاب یعنی پانی دینے سے اسلٹے انکار کرتا ہے تاکہ اس کو ذریعہ بنائے گھاس سے روکنے کا، جس کی مثال شرح نے یہ لکھی ہے کہ ایک شخص نے ارض ہوات کے اندر اس کا احیا کر کے اس میں کنواں کھودا جس کی وجہ سے اس کنوئیں کا مالک ہو گیا اور صورت حال یہ ہے کہ اس کے آس پاس جو ارض ہوات کی قسم کی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں اتفاق سے گھاس وغیرہ بھی اگتا ہے تو چونکہ اس شخص نے ان زمینوں کا احیا نہیں کیا اسلٹے ان کا مالک بھی نہیں ہوا اسلٹے اصولاً ان زمینوں کی گھاس سے آس کو حتی نہیں کہ کسی کو — روکے بلکہ دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو لاکر وہاں چرا سکتے ہیں، لیکن جب جانور وہاں چرنے کے لئے آئیں گے تو ان کو گھاس کے ساتھ پانی کی بھی ضرورت پیش آئے گی، اب یہ شخص یعنی صاحب المار

ان جانوروں کو اپنے کنویں کا پانی پلانے سے روکتا ہے تاکہ لوگ اپنے جانوروں کو یہاں چرانے کے لئے لانا ہی چھوڑ دیں، تو اس طور پر صاحب المار کے لئے یہ گھاس محفوظ ہو جائے گی، اس حدیث میں اسی سے منع کیا جا رہا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو گھاس سے روکا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ من حدیث الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال المنذری۔

ثلاثة لا یکلہم اللہ یوم القیامۃ رجل منع ابن السبیل فضل ماء عندہ الخ۔

یعنی تین شخص ایسے ہیں اللہ تعالیٰ بروز قیامت ان سے نرم کلام اور رحم و کرم کا معاملہ نہیں فرمائیں گے ایک وہ شخص جو مسافر کو اپنی ضرورت سے زائد پانی دینے سے انکار کرے۔ اس پانی کی دو صورتیں ہیں اگر یہ اس کی اپنی ملک ہے تب تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ قیمت لیکر اس کو دینا ضروری ہے باوجود قیمت ملنے کے انکار کرنا جائز نہیں اور اگر پانی اس کی ملک ہی نہیں تو اس صورت میں انکار مطلقاً ممنوع ہوگا، آگے مضمون حدیث واضح ہے والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن امرأة یقال لہا بھنسیۃ عن ایہا الخ۔ یہ حدیث کتاب الزکاة میں گزر چکی اور اس پر کلام و شرح بھی، یہاں پر بذل میں اس پر جو لکھا ہے اس کی تلخیص یہ ہے فی ہذا الحدیث ثلاثہ مسائلک للعلماء النہج علی التحریم، من باب المعروف والاحسان، لا یجوز لہ المنع لکن یجب لصاحب الماء القیمۃ، وھذا اذا کان المراد بالماء ما البراءۃ حفرھا فی النوات واسحاھا، وان کان الماء الذی جمعہ فی صہر یج او حوض فان لہ ان یمنعہ اھ۔

المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلا والنار، پانی کے بارے میں تو تفصیل کتاب الزکاة میں گزر چکی کہ پانی تین طرح کا ہوتا ہے ہر ایک کا حکم الگ ہے کلا کے بارے میں بھی ابھی اوپر گزری چکا کہ ارض موات میں جو گھاس ہوتا ہے کسی کے لئے اس سے روکنے کا حق نہیں ہے، اور تیسری چیز اس حدیث میں جس میں مسلمانوں کی شرکت برائی ہے وہ آگ ہے، بذل میں لکھا ہے کہ آگ میں شرکت کا ہونا وہ روشنی اور اس کی گرمائی کے اعتبار سے ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر سینکے سے کسی کو منع نہ کرے، اور اس سے دیکتے ہوئے انکار سے مراد نہیں ہیں، نہ اس پر ان کو دینا واجب ہے اور نہ دوسرے کے لئے لینا بغیر مالک کی اجازت کے جائز ہے۔

باب فی بیع فضل الماء

نہی عن بیع فضل الماء۔ فضل بمعنی زائد یعنی اپنی ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے، یعنی پیسے لیکر اس کو دینے سے آپ نے منع فرمایا ہے، پانی اگر صاحب مار کی ملک ہے تب تو اس کی بیع سے منع من باب المعروف والاحسان ہوگا، یعنی خلاف ادلی ہوگا، اور اگر غیر ملوک ہے تب یہ بھی تحریم کے لئے ہوگی کما تقدم قریباً ھذا التفصیل۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی حدیث حسن صحیح، قالہ المنذری۔

باب فی ثمن السنور

ثمن کلاب کا باب جو آگے آرہا ہے وہ تو مختلف فیہ ہے لیکن ثمن سنور یعنی اس کی بیع یہ باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے گو بعض سلف کا اس میں بھی اختلاف ہے چنانچہ بذل میں خطابی سے منقول ہے، وکرہ بیعہ ابوہریرہ وجابر وطاؤس ومجاہد اھ۔

نہی عن ثمن الکلب والسنور، اور اس کے بعد والی حدیث میں صرف ہرہ کا ذکر ہے نہی ثمن الہرہ ثمن ہرہ تو عند الجمهور جائز ہے اس لئے اس حدیث کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، ان دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں، ہذا حدیث فی اسنادہ اضطراب۔ الی آخر ما ذکر۔ اور دوسری حدیث کے بارے میں بذل میں لکھا ہے قال الترمذی غریب۔ وقال النسائی هذا منكر اھ، اور دوسرا جواب نسخ کا دیا گیا ہے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ متوہش پر محمول ہے، یعنی جو بلی مانوس نہ ہو جنگلی جانوروں کی طرح تو چونکہ وہ غیر مقدور التسليم ہوتی ہے اس لئے اس کی بیع ناجائز ہے۔

حدیث جابر الثانی اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی اثمان الکلاب

نہی عن ثمن الکلب ومہر البغی وحلوان الکاهن۔

اس حدیث میں بیع کلب سے منع کیا گیا ہے، امام شافعی واحمد کا مذہب یہی ہے حنفیہ کے یہاں بیع مذہب ائمہ کلاب جائز ہے خواہ معلم ہو یا غیر معلم، امام مالک سے تین روایتیں ہیں جواز، عدم جواز، والثالث یحبب الیقین لا الثمن، یعنی بیع تو اگرچہ جائز کسی طرح بھی نہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی کا کتا ہلاک اور تلف کر دے تو پھر اس کی قیمت یعنی ضمان دینا واجب ہوگا، اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ کلب عقور کی بیع جائز نہیں اور عطا اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں بجز بیع کلب الصيد دون غیرہ، ویدل علیہ ما اخرجه النسائی من حدیث جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید، الی آخر ما فی العون۔

یہ حدیث شافعیہ وحنابلہ کے تو موافق ہے اور حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب امر کلاب میں تشدید تھی حتیٰ کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا جو بعد میں عند الاکثر منسوخ ہو گیا، امر کلاب میں تشدید کی بحث کتاب الطہارۃ باب الوضوء من سور الکلب میں گزر چکی۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

اس حدیث میں دو جزر اور ہیں جن سے منع کیا گیا ہے مہربانی یعنی زانیہ کی اجرت، جس کو مجازاً مہر کہا گیا ہے اور دوسری چیز حلوان کاھن، یعنی کاہن کی شیرینی، یعنی کاہن سے اپنی مخفی باتیں اور راز معلوم کرنے کے بعد اس کی جو کچھ اجرت دیجائے، کاہن کے پاس جانا، اس کی تصدیق کے لئے اور اس کو اجرت دینا کہانت پر، سب حرام ہے، بلکہ اس کی بات کی تصدیق تو کفر ہے اگر اس کے علم غیب کے اعتقاد کے ساتھ ہو۔ الکوکب الدری میں لکھا ہے کہ اگر کاہن کی تصدیق یہ سمجھتے ہوئے کی جائے کہ بعض جنات ان کے تابع ہوتے ہیں اور وہ ان کو آ کر خبریں دیتے ہیں تو اس صورت میں اس کی تصدیق کفر نہ ہوگی۔

باب فی ثمن الخمر والمیتة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان اللہ حرم الخمر وشنہا، وحرم المیتة وشنہا، وحرم الخنزیر وشنہ۔

شرح الحدیث من حیث الفقہ | اس حدیث میں بیع خمر اور بیع میتہ اور اس طرح بیع خنزیر ان تینوں کی حرمت ایک ساتھ بیان کی گئی ہے، فقہاء کے نزدیک ان اشیاء کی تحریم بیع کی نوعیت میں فرق ہے، ہدایہ کے متن میں تو یہ ہے: واذا کان احد العوضین اوکلاہما محرما فالبیع فاسدا کا بیع بالمیتة والدوم والخمر والخنزیر، اس پر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ کلام مجمل ہے محتاج تفصیل ہے جس کو ہم بیان کریں گے، پھر آگے تفصیل میں انہوں نے فرمایا کہ بیع بالمیتة والدوم اور ایسے ہی بالخمر یہ تو بیع باطل ہے لانعدام رکن البیع وھو مبادلة المال بالمال، اس لئے کہ یہ اشیاء کسی کے نزدیک بھی مال شمار نہیں ہوتیں، اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ بیع بالخمر والخنزیر یہ دونوں بیع فاسد ہیں نہ کہ باطل، حقیقت بیع کے پائے جانے کی وجہ سے، یعنی مبادلة المال بالمال، اس لئے کہ خمر مال ہے، اور خنزیر بھی عند البعض مال ہے یعنی عند اہل الکتاب، اور بیع باطل مفید ملک ہی نہیں ہوتی بخلاف بیع فاسد کے کہ وہ مفید ملک ہو جاتی ہے بعد القبض، اس کے بعد پھر صاحب ہدایہ نے اور مزید تفصیل اور فرق کی صورتیں بیان کی ہیں فارجع الیہ لوشنت۔

اس کے بعد والی روایت میں میتہ اور خنزیر کے بعد والا صنم کی زیادتی ہے یعنی بیع صنم کو حرام قرار دیا گیا کوکب دری میں لکھا ہے کہ بیع اصنام حرام ہے جبکہ اصنام کی بیع اصنام ہونے کی حیثیت سے کچھ ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کی بیع کسی اور نیت سے کرے جیسے کوئی شخص لکڑیوں کی بیع کرے جس میں لکڑی کے تراشے ہوئے اصنام بھی ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی بشرطیکہ ان اصنام کو لکڑیوں ہی کے دام میں فروخت کرے، مگر یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیع ہو رہی ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ شخص اس صنم کی تعظیم یا عبادت کرے گا۔ اھ (کوکب ص ۲۷۸)

فقيل يا رسول الله ارايت شحوم الميتة فانه يطلى بها السفن ويدهن به الجلود و يستصبح

بها الناس فقال: لا هو حرام۔

شرح الحديث

یعنی جب آپ نے بیع میتہ کی تحریم بیان فرمائی تو اس پر آپ سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شحم میتہ کا کیا حکم ہے اس لئے کہ اس کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے (تاکہ چکنا بٹ کیوجہ سے اندر پانی سرایت نہ کر جائے) اور اسی طرح ان کو چمڑوں پر ملا جاتا ہے (ان کو نرم رکھنے کے لئے) اور ایسے ہی لوگ اس کے ذریعہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں یعنی مصباح اور چراغ میں اس کو جلاتے ہیں آپ نے فرمایا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

کوکب میں لکھا ہے کہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے بیع میتہ کا حکم بیان فرمایا تھا کہ وہ حرام تو میتہ میں تو اس کے تمام ہی اجزاء داخل ہو گئے تھے، تو پھر شحم میتہ کے بارے میں الگ مستقل سوال گس بنا پر کیا گیا، اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ چونکہ صحابہ کرام کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ بعض اجزاء میتہ ایسے ہیں جو جائز الاستعمال ہیں جیسے جلد میتہ اور ایسے ہی عظام میتہ تو اسی لئے انہوں نے شحم میتہ کے بارے میں سوال کیا کہ ممکن ہے وہ بھی اہاب وغیرہ کی طرح ہو خصوصاً جبکہ شحم میتہ کی — بہت سی چیزوں میں ضرورت پیش آتی ہے جس کی طرف صحابہ نے خود اشارہ اپنے سوال میں کیا ہے، پھر آگے کوکب میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میتہ کے اجزاء سے انتفاع کے جواز کا مدار رطوبات بخمسہ کے زوال پر ہے اور شحم سے زوال رطوبت ممکن ہی نہیں، پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حرمت کو مؤکد فرمایا بعد والے جملہ سے قاتل اللہ الیہود الا ہ اس جملہ کی تشریح یہ ہے آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہلاک و برباد کرے یہود کو کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر شحم میتہ کو حرام کیا تھا تو انہوں نے اس کی تحلیل کا یہ حیلہ اختیار کیا کہ شحم میتہ کو آگ پر بگھلایا اور پھر اس کی بیع کرنے لگے اور اس کے ثمن سے فائدہ اٹھانے لگے، یہ حیلہ اس لحاظ سے تھا کہ شحم پر شحم کا اطلاق اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو آگ پر بگھلایا نہ جائے اور بگھلانے کے بعد اس کا نام بدل جاتا ہے اور بجائے شحم کے اس کو ودک کہا جاتا ہے، لیکن ایسا کرنے سے اس کی حقیقت اور حکم تو نہیں بدلتا، امام خطابی اس پر لکھتے ہیں کہ اس سے ہر اس حیلہ کا بطلان ثابت ہو رہا ہے جس کو وسیلہ بنایا جائے کسی حرام تک پہنچنے کے لئے، اور یہ کہ محض تغیر ہیئت اور تبدیل اسم سے حرام چیز کا حکم نہیں بدلتا اھ۔

فقال: لا، هو حرام۔ اس کی شرح میں اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ ہوشمیر کس طرف راجع ہے حافظ کہتے ہیں کہ بعض علماء و مہم الشافعی کے نزدیک یہ ضمیر بیع کی طرف راجع ہے، یعنی شحم میتہ کی بیع حرام ہے، اور اکثر علماء نے اس ضمیر کو راجع کیا ہے انتفاع کی طرف، لہذا ان کے نزدیک نہ صرف بیع میتہ ناجائز ہے بلکہ مطلقاً

انتفاع اس کے تمام اجزاء سے ناجائز ہے بجز اس کے کہ جس کی تخصیص پر دلیل قائم ہے یعنی جلد مدبورغ (یہ کلام تو تھا شحم میٹہ سے متعلق) اس کے بعد انہوں نے دہن متنجس یعنی جوتیل وغیرہ کسی نجس چیز کے واقع ہونے سے ناپاک ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف علماء بیان کیا اور وہ یہ کہ جمہور کے نزدیک اس سے انتفاع جائز ہے اور امام احمد اور ابن الماجشون مالکی کے نزدیک ناجائز ہے اھ (من التحفہ) امام خطابی نے بھی "لا، هو حرام، کا تعلق بیع سے ہی قرار دیا ہے (غالباً امام شافعی کے مسلک کی تائید میں) کا تقدم عن الحافظ) چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وفيه دليل على جواز الاستصباح بزيت نجس وان بيعه لا يجوز اھ خطابی نے شحم میٹہ اور دہن متنجس دونوں کو ایک درجہ میں رکھا شافعیہ کے مسلک کے پیش نظر ورنہ عند الجمہور دونوں کے حکم میں فرق ہے، اس لئے کہ شحم میٹہ سے انتفاع عند الجمہور ناجائز، اور قسم ثانی یعنی دہن متنجس سے انتفاع فی غیر الاکل مثل الاستصباح جائز ہے۔ خلافاً للاحمد وابن الماجشون کما تقدم قریبانی کلام الحافظ، "عرف الشذی طہ" میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حدیث الثبا میں اشارہ ہے اس طرف کہ نجس العین کی بیع باطل ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شحم میٹہ نجس ہے، اس سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں، اور وہ بھی یا تیل جو کسی عارض کی وجہ سے ناپاک ہو جائے مثلاً سقوط فارہ جو گر کر اس میں مر جائے تو یہ تیل تو ناپاک ضرور ہے لیکن نجس العین نہیں، اس کی بیع بھی جائز ہے اور انتفاع یعنی استصباح بھی جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک شحم میٹہ سے بھی انتفاع و استصباح جائز ہے اھ پس خلاصہ یہ کہ شحم میٹہ کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے اور انتفاع فی غیر الاکل والشرب میں اختلاف ہے عند الجمہور وہ بھی ناجائز ہے، امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور دہن متنجس سے انتفاع عند الجمہور جائز ہے امام احمد کے نزدیک وہ بھی ناجائز ہے اب یہ کہ اس کی بیع کا کیا حکم ہے سو ظاہر یہ ہے کہ جب انتفاع جائز ہے تو بیع و شرا بھی جائز ہوگی چنانچہ عرف الشذی میں عند الحنفیہ اس کی بیع کو جائز لکھا ہے دوسرے ائمہ کے مسلک کی تحقیق کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم من

باع الخمر فليس شقوص الخنازير

شرح الحدیث تشقوص کے معنی الذبح بالمشقوص، مشقوص کہتے تیر کے اگلے حصہ کو جو دھار دار ہوتا ہے اس صورت میں یہ ماخوذ ہوگا مشقوص سے، اور یا اس کے معنی جعل الشئ شقوصاً شقوصاً یعنی کسی چیز کے الگ الگ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کی اصلاح کے لئے اس کے الگ الگ ٹکڑے کئے جاتے ہیں، اس سے پہلے احادیث میں بیع خمر و بیع خنزیر دونوں کا حکم یعنی تحریم میں مساوی ہونا گذر چکا لیکن بہت سے لوگوں کا حال یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ خنزیر کو تو عملاً واکلاً حرام قرار دیتے ہیں لیکن شراب نوشی اور اس کی تجارت سے نہیں بچتے اور نہ اس کو کوئی خاص عیب سمجھتے ہیں، اسلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تحریم خمر کی

تاکید میں یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص عملاً شراب کی بیع اور اس کی تجارت سے نہیں بچتا تو اس کو چاہیے کہ خنزیر کے گوشت کی بھی تجارت کرنے لگے اور اس کے کھانے کو بھی جائز سمجھنے لگے کیونکہ شرعاً دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما نزلت الآيات الاواخر من سورة البقرة خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقراهن عليهن وقال حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں (جن میں تحریم ربا مذکور ہے) کو آپ باہر تشریف لائے اور ہم کو وہ آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا کہ تجارت فی الخمر حرام ہے۔

ظاہر حدیث پر ایک اشکال اور جواب | اس حدیث کی شرح میں شرح نے یہ لکھا ہے کہ تحریم خمر کا ذکر سورہ مائدہ میں ہے اور وہ آیت ربا سے جو سورہ بقرہ کے اواخر میں ہے

بہت پہلے نازل ہو چکی تھی، اس لئے کہ مشہور ہے کہ آیت ربا آخر ما نزل یا من آخر ما نزل من القرآن ہے، اور اس حدیث کا سیاق اس ترتیب کے منافی ہے، اس سے تحریم خمر کا متأخر ہونا ظاہر ہو رہا ہے، تو اس کی توجیہ ان حضرات نے یہ کی ہے کہ گویا صحیح ہے کہ تحریم الخمر تحریم ربا سے پہلے ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ تجارت خمر کی تحریم جو اس حدیث میں مذکور ہے مؤخر ہو تحریم الخمر سے فلا اشکال حیثینذا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تحریم خمر کے وقت بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو اور پھر دوبارہ مکرر نزول آیت ربا کے بعد بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو تاکہ اکیداً ومبالغۃ امام بخاری نے ابواب المساجد میں باب قائم کیا باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد یعنی مسجد میں لوگوں کے سامنے تجارت خمر کی حرمت بیان کرنا کہ تجارت خمر حرام ہے جس طرح اور دوسری چیزوں کی نصیحت مسجد میں کی جاتی ہے لہذا فی المسجد یہ طرف تحریم سے متعلق ہے نہ کہ تجارت سے، ورنہ مطلب فاسد ہو جائے گا یعنی مسجد میں خمر کی تجارت کا حرام ہونا، تو کیا غیر مسجد میں تجارت خمر حرام نہیں ہے، چنانچہ بخاری کی حدیث الباب میں ہے کہ نزول آیات کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور پھر تجارت خمر کی حرمت کا اعلان فرمایا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یتستوفیہ۔ اور اس کے بعد ابن عمر ہی کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے، کنا فی زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم یتباع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بان نقالہ من المکان الذی ابتعنا فیہ الی مکان سواہ قبل ان یتبعہ یعنی جزافاً۔

اس ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث میں بیع الطعام قبل الاستيفار کی مانعت ہے، استيفار بمعنی قبض اور وصول کرنا، یعنی اگر کوئی شخص غلہ کی قسم کی کوئی چیز خریدے اور خریدنے کے بعد اس کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اس پر قبضہ کرے اس کے بعد اس کو فروخت کرے، لیکن ہر چیز کا قبضہ اور استيفار اسکے حال کے مناسب ہوتا ہے، بعض چیزوں کا قبضہ یہ ہے کہ اس شئی کو دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیا جائے اور بعض چیزوں کا قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، یعنی بائع چیز کو فروخت کرنے کے بعد مشتری سے کہے کہ تیری چیز یہ رکھی ہے تو اس کو جب چاہے یہاں سے اٹھا، اور بعض صورتوں میں قبضہ نقل شئی سے ہوتا ہے یعنی مشتری نے اس مبیع کو جس جگہ سے خریدا ہے وہاں سے اس کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے، اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں پر غلہ کی بیع جزاؤں پر یعنی غلہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بیع جزاؤں کی صورت میں بھی اس کا قبضہ ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے اور اگر کوئی شئی کیلا یا وزن فروخت کی جائے تو وہاں پر اس کو کیل کر لینا یا وزن کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے۔

بیع قبل القبض سے منہی
 اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ حکم طعام میں تو متفق علیہ ہے کہ اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں متفق احادیث میں اس کی تصریح ہے، طعام کے علاوہ باقی کن کن اشیا میں کن کن اشیا میں ہے یہ حکم جاری ہوگا اس میں علماء کا اختلاف ہے، اس میں چار قول مشہور ہیں (۱)

امام شافعی و محمد کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے سوار کان من المکیلات او الموزونات، ومن الماکول او المشروب والمنقول وغیر المنقول (۲) اور یحییٰ امام الوضیۃ والیوسف کے نزدیک عقار (زمین) کے علاوہ تمام منقولات کا یہی حکم ہے، اس مذہب میں صرف عقار کا استثناء ہے، بخلاف پہلے مذہب کے کہ اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں (۳) امام احمد کے نزدیک جملہ مکیلات و موزونات کا یہی حکم ہے، اس کے علاوہ باقی دوسری چیزوں کا یہ حکم نہیں ہے (۴) امام مالک کے نزدیک یہ حکم صرف ماکول اور مشروب کا ہے۔

امام مالک اور جمہور کا ایک اور اختلاف
 اس کے بعد یہاں ایک اختلاف اور ہے وہ بھی سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک بیع طعام مطلقاً

قبل القبض جائز نہیں، یعنی چاہے اس کو جزاؤں خریدنا ہو یا کیلا، اور امام مالک کے قول مشہور میں جزاف اور غیر جزاف میں فرق ہے وہ یہ کہ جو غلہ جزاؤں خریدنا ہو اس کی بیع قبل القبض جائز ہے اور جو کیلا خریدنا ہو

اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں اور مشتری کا اس کو کیل کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے، امام مالک کا

استدلال باب کی چوتھی حدیث سے ہے جس کے لفظ یہ ہیں نہی ان یبیع احد طعاما اشتراہ بکیل

حتی یتوفیہ، یعنی آپ نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شخص اس طعام کو جس کو اس نے کیلا خریدا ہو وہ

اس کی بیع قبل الاستيفار کرے اس حدیث میں اشتراہ بکیل کی قید مذکور ہے، جمہور یہ کہتے ہیں

اشتراک بکیل کی قید احترازی نہیں جس کا قرینہ باب کی حدیث اول ہے جو مطلق ہے، اسی طرح باب کی حدیث ثانی و ثالث میں باوجود بیع جزاف کی تصریح کے اس کو منتقل کرنے کا حکم کیا گیا ہے، اور یہ فقہی ہی تو استیفاء ہے مگر تقدیم قریباً ان قبض کل شیء بحسبہ۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، والثانی اخرجہ مسلم والنسائی، والثالث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، والرابع اخرجہ النسائی، قال المنذری،

قلت لابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لم؟ قال: الا ترى انهم يبتاعون بالذهب والطعام مَرَجًا حضرت ابن عباس نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی کہ جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اس کو کیل نہ کر لے کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت نہ کرے تو شاگرد یعنی طاؤس نے ان سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے تو انہوں نے اس منع کی وجہ کو ایک خاص مثال سے سمجھایا کہ دیکھتا نہیں ہے کہ بہت سے لوگ درہم و دینار سے خریدتے ہیں غلہ کو حالانکہ وہ غلہ مؤخر و مؤجل ہو تا ہے، انہوں نے یہ مثال بیع سلم کی دی جس میں بیع مؤجل ہوا کرتی ہے، ابن عباس کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قبل القبض بیع کرنے میں رہا پایا جاتا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ بیع سلم کی یعنی ایک دینار کے بدلہ میں قفیز حنظلہ خرید دینار تو فی الحال ادا کر دیا جیسا کہ بیع سلم میں ہوا کرتا ہے اور اجل پورا ہونے پر مثلاً ہینہ گذر جانے کے بعد جب بائع نے مشتری سے کہا کہ اپنا قفیز حنظلہ لے لے تو مشتری نے قبل القبض اس کو دو دینار میں کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور کہہ دیا کہ فلاں جگہ سے اٹھالے تو اب صورت حال یہ بن گئی کہ یہ بیع الدینار بالدینار بن ہو گئی جو سر اسر رہا ہے اسلئے کہ مشتری نے تو اس غلہ کی شکل بھی نہیں دیکھی بلکہ مال کا یہ ہوا کہ ایک دینار گیا اور اس کے بدلہ میں دو آ گئے، اور اس معاملہ کی حرمت ظاہر اور بدیہی ہے، والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: واحسب كل شيء مثل الطعام - اس سے حضرت ابن عباس کا مذہب معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ حکم بالکل عام ہے، آگے اس کے بعد اس باب میں دو روایتیں اور ہیں جن کا مفہوم ظاہر ہے۔
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ قال المنذری۔

لہ اس لفظ کے ضبط میں نسخے مختلف ہیں، بعض میں تو اسی طرح ہے جس کو ہم نے اختیار کیا یعنی بتخفيف الحیم وبعد ما ہمزہ، و فی بعض النسخ بدون ہمزہ مَرَجًا، و فی بعض النسخ مَرَجًا بتثقیل الحیم وبعد ما ہمزہ، و فی بعض النسخ مَرَجًا، و فی النہایۃ ای مؤجلاً ومؤخراً دیہمز ولا یہمز، و فی کتاب الخطابی علی اختلاف نسخہ مَرَجًا بالتشدید للمبالغۃ (کذا فی تعلیق ابن محمد عوامہ)۔

باب فی الرجل یقول عند البیع: لاخلابہ

خلابۃ بمعنی خدیعہ اور دھوکہ، یعنی کوئی شخص کسی چیز کی بیع کے وقت یا شرار کے وقت یوں کہے کہ دیکھو دھوکہ اور نقصان کی بات نہ ہونی چاہیے، یعنی قیمت میں زیادہ فرق نہ ہونا چاہیے (کیونکہ میں خرید و فروخت کا زیادہ تجربہ نہیں کرتا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً ذکر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسلہ

یخذ ع فی البیع فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اذا بایعت فقل: لاخلابۃ۔

شرح الحدیث

اس رجل سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا نام حبان بن منقذ ہے، انہوں نے آپ سے اپنا حال عرض کیا کہ میں بیع کے اندر دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ اس روایت میں اختصار ہے، بعد والی روایت

میں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں اس طرح ہے کہ ایک شخص جو ضعیف العقل تھے وہ

خرید و فروخت کیا کرتے تھے، یعنی خرید و فروخت کا تو انہیں شوق تھا، دکانوں پر جا کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے

لیکن تھے اس معاملہ میں اناڑی تو ان کے گھر والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنی

پریشانی ظاہر کی اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان پر حجر واقع کر دیجئے تاکہ یہ پھر کسی سے خرید و فروخت نہ کر سکیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں کی شکایت پر ان کو بلایا اور ان کو بیع و شراء سے منع کیا، انہوں نے

عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے بغیر بیع کے صبر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو بیع نہیں چھوڑ سکتا تو فصل

ہاء و ہاء و لاخلابۃ تو پھر تو بیع و شراء کے وقت بالغ سے یا مشتری سے چیز لیتے وقت یادیتے وقت یہ

کہہ دیا کر کہ لے بھائی (خمن یا بیع) اور دیکھ دھوکہ کی بات نہ ہونی چاہیے۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ اس حدیث سے امام احمد اور بعض علماء نے یہ استنباط کیا کہ اگر

کوئی شخص بیع و شراء کے وقت یہ لفظ کہہ دے یعنی لاخلابۃ، تو اس کا

فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس بیع کے اندر غبن پایا گیا تو خیاریہ رد حاصل ہوگا

و بیان مذاہب الأئمۃ فی خیاریہ المغبون

جمہور علماء و منہم الخنفیۃ و الشافعیۃ، مغبون کے لئے خیاریہ غبن حاصل ہونے کے قائل نہیں، اور اس حدیث کا جواب

انہوں نے یہ دیا "بأنہ واقعۃ حال لا عموم لہا" قال ابن العربی انہ کلمہ مخصوص بصاحبہ لا یستعدی الی غیرہ، اور امام مالک

کا قول اصح بھی یہی ہے، اور دوسرا قول ان کا یہ ہے لہ الخیار بشرط ان یتبلغ الغبن ثلث القیمۃ، کہ مغبون کے لئے

خیاریہ غبن ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس غبن کی مقدار ثلث قیمت تک پہنچی

ہو، اس سے کم ہو تو نہیں، کذا فی ہامش الترمذی، اور "بذل" میں نقلاً عن الخطابی امام مالک کا قول یہ لکھا ہے کہ جس

صورت میں مشتری صاحب بصیرت نہ ہو اور اس کی بیع میں غبن پایا جائے تو اس کو خیاریہ حاصل ہوتا ہے اور

بذل ہی میں خطابی سے امام احمد کا قول وہ نقل کیا ہے جو اوپر ہم نے ذکر کیا ان الامام احمد قال: اذا بايعه فقال لا خلافة
فله الرداه، پس حاصل کلام یہ نکلا کہ اکثر علماء اور حنفیہ شافعیہ کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے وہ اس حدیث کو صاحب
واقعہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں، اور امام احمد اور امام مالک فی احد القولین۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، ہم نے اپنے
بعض اساتذہ سنا ہے اس حدیث کی توجیہ میں کہ اس حدیث میں کہاں تصریح ہے اس بات کی کہ لا خلافت کہنے کے بعد خیاری غبن
حاصل ہوتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خیر کا زمانہ تھا لوگوں میں ایک دوسرے
کے لئے ہمدردی تھی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم بیع سے نہیں رک
سکتے تو کم از کم بیع کے وقت اتنا ہی کہہ دیا کرو تاکہ تمہارے ساتھ معاملہ کرنے والا تمہارا لحاظ و خیال رکھے اور
بس، اور اگر یہی کہا جائے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ ایسا کہنے سے تمہیں خیاری غبن حاصل ہو جائے گا تو پھر وہی جواب
ہوگا جو اوپر شرح سے نقل کیا گیا کہ انہ مخصوص بہذا الصحابی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک مسئلہ اور اختلافی ہے یعنی حجر علی الکبیر السفیہ، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اسباب حجر
کا انحصار تین چیزوں میں ہے، جنون، صبا اور رقی، فلا حجر عنده علی الکبیر السفیہ، یعنی جو شخص باوجود عقل بالغ
ہونے کے معاملات میں انارٹی ہو اور نادانی کی وجہ سے اپنا مال خراب اور ضائع کر دیتا ہو اس پر حجر واقع کرنا ائمہ
ثلاث اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے
اس حدیث سے فی الجملہ دونوں مسلکوں کی تائید ملتی ہے فتنہا عن البیوع سے قائلین کی تائید ہوتی ہے، اور
ان کنت غیر تارک سے امام صاحب کی تائید ہوتی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری ومسلم
والنسائی، وحدیث النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی العربیان

عربان ضم عین اور سکون رار کے ساتھ اور اس کو عربون بھی کہتے ہیں، اس کی تفسیر خود کتاب میں امام مالک
سے منقول ہے، حدیث الباب میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع العربان
قال مالک وذلک فیما نری واللہ اعلم الخ۔

بیع عربان کی تعریف و بیان مذاہب | بیع عربان جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے حضرت امام مالک
اس کی تفسیر فرما رہے ہیں کہ عربان یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے
غلام (مثلاً) خریدے یا اس سے دابہ کرایہ پر لے اور اس بیع یا اجارہ کے وقت مشتری یا مستاجر یوں کہے کہ میں
تجہ کو یہ دینا دے رہا ہوں اس طور پر کہ اگر میں نے یہ چیز چھوڑی اور نہ خریدی یا کرایہ پر نہ لی تو پھر جو کچھ میں

نے تجھ کو دیا ہے وہ تیرے لئے ہے اور اگر خرید لی یا کرایہ پر لے لی تو پھر یہ دینار ثمن اور اجرت میں شمار ہوگا، بیع عربان جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے، ائمہ میں امام احمد اور صحابہ میں عمرو ابن عمر سے اس کی اباحت منقول ہے، بذل میں یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اخیر میں یہ ہے: قلت ویرد العربان اذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق، یعنی وہ دینار جو مشتری یا مستاجر نے پیشگی دیا تھا اس کو واپس بہر حال کیا جائے گا بالاتفاق، یعنی ان کے نزدیک بھی جو بیع عربان کے جواز کے قائل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، قال الخطابی وقد اختلف الناس فی جواز هذا البیع فابطلہ مالک والشافعی للخبیر ولما فیہ من الشرط الفاسد والغرر، ویدخل ذلک فی اکل المال بالباطل، وابطلہ اصحاب الرأی ایضا، وقد روی عن ابن عمر وعمرانہ اجازہ هذا البیع، واما احمد بن حنبل الی القول باجازتہ۔ الی آخر ما فی البذل۔ امام احمد نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے کہ یہ منقطع ہے، لیکن علامہ زرقانی نے اس تضعیف کو رد کیا ہے۔

یہ باب کتب ستہ میں سے ابو داؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ میں ہے اور انہوں نے یہی حدیث ابو داؤد والی اس میں ذکر کی ہے یعنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور امام ابن ماجہ نے عربان کی تفسیر بھی ذکر کی ہے قال ابو عبد اللہ العربان ان یشتری الرجل دابة بمئة دینار فیعطیہ دینارین عربوناً فیقول ان لم اشتر الدابة فالدیناران لک اھ اور امام مالک نے موطا میں کتاب البیوع کی ابتداء ہی اس باب سے کی ہے، "ما جاء فی بیع العربان" وفي الاثر العربان بضم العین وسكون الراء يقال عربون وعربون بالفتح والضم، وبالهجرة (یعنی اربون) بدل العین فی الثلاث والراء ساکن فی الكل۔ الی آخر ما ذکر من اختلاف اللغات وغیرہ۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ وهذا منقطع، واسندہ ابن ماجہ وفيہ حبیب کاتب الامام مالک وعبد اللہ بن عامر الاسلمی ولا یحییٰ بہما، قال المنذری۔

باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ

عن حکیم بن الحزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یاد رسول اللہ! یا تبتی الرجل فیرید منی البیع، لیس عندی افا ابتاعہ لہ من السوق فقال لا تبع ما لیس عندک۔

اس حدیث کے مفہوم میں بیع العبد الایق اور بیع الشی قبل القبض اور بیع مال غیر بغیر اذنہ سب داخل ہیں لیکن اس آخری صورت میں یعنی بیع فضولی میں علماء کا اختلاف ہے جو پہلے گذر چکا، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں میں ان کیساتھ بیع کر سکتا ہوں، یعنی پہلے

اس چیز کی بیع کر دوں اور پھر بعد میں اس کو بازار سے خرید کر اس شخص کو دوں، آپ نے اس سے منع فرمایا۔
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن مالین عندک۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں چار اجزاء مذکور ہیں جس کی شرح یہ ہے (۱) ہمیں حلال ہے قرض اور بیع، یعنی بیع بشرط القرض جائز نہیں، اور یا مطلب یہ کہ بیع بید المقروض جائز نہیں، کیونکہ جب مقروض کے ساتھ بیع کی جائے گی تو وہ مشتری قرض کی رعایت میں شمن میں کمی نہیں کرائے گا بلکہ ہوسکتا ہے اس کو گراں قیمت پر خریدے، حالانکہ ضابطہ یہ ہے، "کل قرض جر نفعا فهو باء" (۲) ولا شرطان فی بیع اس کا مفہوم عند الجمهور تو یہ ہے لا بیعان فی بیع جیسا کہ حدیث ہے، "ہنی عن بیعتین فی بیعة" اور امام احمد نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھا یعنی یہ کہ کسی بیع میں دو شرطیں لگانا تو جائز نہیں، اور صرف ایک شرط اگر ہو تو جائز ہے، چنانچہ ترمذی میں ہے قال احمد اذا قال ابيعک هذا الثوب و علی خیاطۃ و قصارتہ فهذا من نحو شرطین فی بیع، واذا قال ابيعک و علی خیاطۃ فلا بأس به، او قال ابيعک و علی قصارتہ فلا بأس به انما هو شرط واحد، قال اسحاق کما قال، یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کوئی کپڑا بیچے اور بائع بوقت بیع اپنے ذمہ دو شرطیں لگالے کہ میرے ہی ذمہ اس کا سینا ہوگا اور دھونا بھی تو یہ صورت تو ناجائز ہے اور اگر بیع ثوب کے وقت صرف خیاطت یا صرف قصارت کی شرط لگائی تو اس میں کچھ حرج نہیں یہ شرط واحد ہے اور حدیث میں ممانعت شرطین کی ہے، اور جمهور اسکے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اس کا لگانا جائز نہیں مفسد بیع ہے کیونکہ ایک دوسری حدیث میں ہے ہنی عن بیع و شرط (۳) اور اس حدیث کا تیسرا جزو یہ ہے کہ جو چیز آدمی کے ضمان میں داخل نہ ہو اس سے ربح حاصل کرنا جائز نہیں، جیسے بیع قبل القبض (۴) جو تھا جزو دہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے جس کی مثال گذر چکی۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی شرط فی بیع

مصنف کی غرض بیع میں شرط واحد کے جواز کو بیان کرنا ہے جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے اور مصنف صنبلی ہیں، اس باب میں مصنف نے حضرت جابر کی شرار جمل والی روایت ذکر کی ہے جیسے، واشتطت حملانہ الی اہلی۔
حضرت جابر کی شرار جمل والی حدیث | حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا اور میں نے آپ سے فروخت کرتے وقت گھر تک اس پر سوار ہونے کی شرط لگائی، یہ شرط لگائی، یہ شرط جیسا کہ ابھی اوپر گذرا امام احمد کے نزدیک مطلقاً

جائز ہے اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے و عند مالک الفرق بین المكان القریب والبعید یعنی مختصر سی مسافت کی شرط لگانا ناجائز ہے ان کے نزدیک مسافت طویلہ کی شرط لگانا جائز نہیں، حنفیہ شافعیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس قصہ کی روایات کے الفاظ مختلف وارد ہیں ایک روایت میں ہے افقر فی ظہرہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اونٹ بطور عاریت کے مدینہ تک پہنچنے کے لئے مجھے دیدیا تھا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں صلب عقد میں کوئی شرط نہیں تھی بلکہ سہرے سے شرط ہی نہ تھی آپ نے اونٹ عاریتہ دیدیا تھا، قال فی آخرہ ثانی انہما کسک لا ذہب بجمک حذ جملک و شمنہ فہما لک، مصنف کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا کہ کیا تیرا خیال میرے بارے میں یہ ہے کہ میں نے تجھ سے اونٹ خریدتے وقت دشمن میں لگی اس لئے کرائی تھی تاکہ کم قیمت میں تیرا اونٹ لیلوں (نہیں، ایسا نہیں تھا بلکہ) بے اپنا اونٹ بھی لیا، اور اس کا دشمن بھی، دونوں ہی ہم نے تجھ کو دیئے، مصنف نے اس حدیث کو یہاں حسب عادت مختصر بیان کیا، صحیح بخاری میں یہ حدیث دسیوں نہیں بلکہ بیسیوں جگہ ہے کہیں مختصر کہیں مطول، کتاب الشروط ص ۳ میں اس حدیث پر انہوں نے ”باب اذا اشترط البائع ظہر الدارۃ الی مکان سہی جائز ترجمہ قائم کیا، اور وہاں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ میں غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ ایسے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہا تھا جو تھک گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب میرے قریب کو گذرے تو آپ نے اس اونٹ کے ایک ضرب لگائی اور دعا بھی فرمائی جس سے وہ بہت تیز چلنے لگا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس کے خریدنے کی بات شروع کی (تقریباً) اور فرمایا کہ میرے ہاتھ یہ ایک اوقیہ میں فروخت کر دے میں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے مکرر فرمایا، پھر آگے یہ ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچ گئے تو میں نے یہ اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے لے لیا اور اس کا دشمن مجھے دلا دیا، پھر جب میں جانے لگا تو آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا، ہمیں تیرا اونٹ لینا مقصود نہیں تھا اور یکڑا اپنا اونٹ بھی جو کہ تیرا ہی مال ہے الحدیث والحدیث اخرجہ البخاری والترندی والنسائی وابن ماجہ، مختصر مطولاً، قالہ المنذری۔

باب فی عہدۃ الرقیق

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال عہدۃ الرقیق ثلاثۃ ایام غلام کو واپس لینے کی ذمہ داری تین دن تک رہتی ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ مترجم بہا کی تشریح کے ہاتھ اپنا غلام فروخت کرے اور پھر مشتری کے پاس اس غلام میں کوئی عیب ظاہر ہو تو تین دن کے اندر اندر بائع کے لئے اس کا واپس لینا ضروری

یعنی واپس لینے کی اس کی ذمہ داری ہے یعنی بغیر بینہ کے۔ اور اگر تین دن کے بعد کوئی عیب اس میں ظاہر ہو تو پھر بغیر بینہ قائم کئے مشتری کو واپس کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس حدیث کا تعلق خیال عیب سے ہے، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک مشتری کو عیب کی وجہ سے جو خیال عیب حاصل ہوتا ہے اس کا عام قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں اس کا مشتری کے یہاں پیدا ہونا ممکن نہیں تب تو بغیر بینہ کے مشتری اس مبیع کو واپس کر سکتا ہے، اور اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں مشتری کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے یعنی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پہلے سے ہو، اس صورت میں مشتری کو بذریعہ بینہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ عیب میرے یہاں آکر پیدا نہیں ہوا بلکہ پہلے ہی سے ہے، پس اگر مشتری یہ بینہ پیش کر دے گا تب تو اس کو اس مبیع کے واپس کر دینے کا حق ہوگا ورنہ نہیں، جمہور کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کوئی مسئلہ اور جزئیہ ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ نہیں، امام مالک کے نزدیک اس میں ایک استثناء ہے جو کہ حدیث الباب میں مذکور ہے جس کا تعلق غلام اور باندی کی شرار سے ہے کہ اگر وہ مبیع غلام یا باندی ہے اور مشتری نے اس کے اندر کوئی عیب پایا تو مشتری تین دن کے اندر اندر اس غلام یا باندی کو بہر حال بغیر بینہ کے واپس کر سکتا ہے چاہے وہ عیب کیسا ہی ہو، مگر یہ ان کے یہاں اس صورت میں ہے جبکہ بائع نے برات من کل عیب کی شرط نہ لگائی ہو، اور اگر لگائی ہو تو ان کے یہاں بھی یہ مسئلہ نہیں ہے، بہر حال یہ حدیث امام مالک کی دلیل اور جمہور کے خلاف ہے جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں، بذل میں ہے وضعف احمد بن حنبل عہدۃ الثلاث، وقال لا یشیت فی العہدۃ حدیث وقالوا لم یسمع الحسن من عقبۃ بن عامر شیئاً خطابی فرماتے ہیں کافی النذل وعہدۃ السنۃ من الجوز والجزام والبرص، ولا عہدۃ الا فی الرقیق خاصۃ وهذا قول اهل المدینۃ وابن المسیب والزہری، یعنی بڑی بڑی بیماریاں جیسے جوزن جزام والبرص، ولا عہدۃ الا فی الرقیق خاصۃ وهذا قول اهل المدینۃ وابن المسیب والزہری، یعنی بڑی بڑی بیماریاں جیسے جوزن جزام اور برص ان میں عہدۃ الرقیق کی مدت بڑھ جاتی ہے تین دن کے بجائے ایک سال ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی اس میں نہ تین دن کا اعتبار کرتے تھے نہ ایک سال کا۔ الی آخر ما ذکر۔ (بذل) میں کہتا ہوں اور موطا محمد میں ہے: لا نعرف عہدۃ الثلاث ولا عہدۃ السنۃ الا کہ ہم نہیں جانتے کہ عہدۃ الثلاث اور عہدۃ السنۃ کیا ہوتا ہے، مگر یہ کہ آدمی تین دن کی یا ایک سال کی شرط لگائے تو پھر وہ شرط معتبر ہوگی یعنی عہدۃ الرقیق کوئی مستقل چیز نہیں ہے اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے حدیث مرفوع سے ہاں خیال شرط معتبر اور ثابت ہے لہذا اگر مشتری غلام یا باندی — خریدتے وقت شرط لگائے رد بالعیب کی مطلقاً خواہ وہ تین دن کی ہو یا ایک سال کی ہو تو اس حیثیت سے وہ معتبر ہوگی کیونکہ خیال شرط شرعاً ثابت اور متفق علیہ ہے یہ

لہ امام مالک نے موطا میں ترجمہ قائم کیا: العہدۃ فی الرقیق، اور پھر اس کے ذیل میں وہ حدیث مرفوع ذکر نہیں کی جو یہاں —

باب فمیں اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد به عيبا

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح | ہمارے اس نسخہ میں اسی طرح ہے "فاستعملہ" اور نسخہ خطابی میں بجائے اس کے "فاستغله" ہے استغلال غلہ سے ماخوذ ہے غلہ بمعنی نفع و آمدنی، لہذا ترجمہ الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے غلام خریدا اور پھر اس سے کمائی کرائی اور پھر مشتری نے اس غلام میں کوئی عیب پایا اس کے بارے میں مصنف مسئلہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ جب اس غلام میں عیب نکل آیا تو اب ظاہرات ہے مشتری کو اختیار عیب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے وہ اس غلام کو واپس کر سکتا ہے لیکن وہ آمدنی جو مشتری کو غلام کے ذریعہ سے اس مدت میں حاصل ہوئی ہے اس کا کیا ہوگا وہ بھی غلام کے ساتھ واپس جائے گی یا اس کا مستحق خود مشتری ہوگا، اس بارے میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی وہ یہ ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخراج بالضمآن - خراج بمعنی نفع اور پیداوار، بالضمآن ای مستحق بسبب الضمان یعنی آدمی آمدنی اور نفع کا مستحق ہوتا ہے ضمان کی وجہ سے، پس جو شئی جس شخص کے ضمان میں ہوگی اس کی آمدنی اور نفع کا مستحق بھی وہی ہوگا، لہذا اس حدیث سے ترجمہ الباب والے مسئلہ کا حکم معلوم ہو گیا وہ یہ کہ یہ آمدنی مشتری کے لئے ہوگی، غلام کے ساتھ واپس نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ اگر اس دوران وہ غلام مشتری کے یہاں ہلاک ہو جاتا تو اس کا ضمان مشتری ہی ہوتا یہ الخراج بالضمآن والا مسئلہ تقریباً اجماعی ہے چنانچہ احناف نے مسئلہ مصراۃ میں بھی اس کو پیش نظر رکھا لیکن جمہور نے اس مسئلہ میں اس حدیث کی موافقت نہیں کی۔
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

→ ابوداؤد میں ہے بلکہ بعض امرائے مدینہ ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل کا طرز عمل بیان کیا انہما کا نایہ کران فی خطبہما عہدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ من حین یشرى العید او الولیدۃ، وعہدۃ السنۃ یعنی یہ امرائے مدینہ اپنے خطبہ میں عہدۃ الرقیق اور اسی طرح عہدۃ الولیدۃ فی الایام الثلاثہ اور فی السنۃ ذکر کیا کرتے تھے، علامہ باجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا مقصد یہ ہے کہ یہ عہدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ اور فی السنۃ ان امور میں سے ہے جو مشہور اور معمول بہا تھے اور جن کا امر اہتمام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ خطبوں میں اس کو بیان کیا کرتے تھے اھ اور امام محمد نے موطا میں ترجمہ قائم کیا، باب عہدۃ الثلاث والسنۃ، اور پھر وہی روایت ذکر کی جو موطا مالک میں ہے پھر اس پر امام محمد نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا قال محمد بن سنان عہدۃ الثلاث ولا عہدۃ السنۃ الا ان یشرط الرجل خیار ثلاثۃ ایام او خیار سنۃ فیکون ذلک علی ما اشرط واما فی قول ابی حنیفہ فلا یجوز الخیار الا ثلاثۃ ایام اھ امام محمد فرماتے ہیں کہ خیار شرط کا اعتبار ہے عہدۃ الرقیق کوئی چیز نہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ خیار شرط میں جتنے دن کی بھی شرط لگائی جائیگی وہ درست ہے ہمارے نزدیک لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک خیار عیب تین دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

عن مخلد بن خفاف الغفاری قال کان بینی وبين اناس شرکة فی عبدنا فتویتہ وبعضنا غائب فأغل علی غلة فخاصمت فی نصیبہ الی بعض القضاة الخ۔

مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میرے اور بعض لوگوں کے درمیان ایک غلام مشترک تھا تو ایسا ہوا کہ ہمارے بعض شریک موجود نہیں تھے، میں نے اس غلام کو کمائی پر لگا کر اس کے ذریعہ سے کچھ کمایا، جب شریک غائب آیا تو اس نے اس غلام والی آمدنی میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا اور اس مسئلہ کو قاضی وقت کے پاس لے گیا، قاضی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اس آمدنی میں اس کا بھی حصہ لگاؤں میں قاضی کے اس فیصلہ کے بعد حضرت عروہ بن الزبیر کے پاس گیا اور ان سے یہ سارا قصہ اور قاضی کا فیصلہ بیان کیا، عروہ یہ سن کر قاضی کے پاس گئے اور اس قاضی سے یہ حدیث مرفوع جو حضرت عائشہ سے مروی ہے الخراج بالضمان بیان کی، یعنی آپ کا یہ فیصلہ صحیح نہیں خلاف حدیث ہے

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رجلا اتباع غلاما الخ۔

اس کا مضمون اوپر والی حدیث کے مضمون ہی کی طرح ہے۔

قال ابو داؤد: هذا السناد ليس بذلك۔

الخارج بالضمان حدیث کس درجہ کی ہے؟ | سند چاہے کیسی ہو لیکن مسئلہ اسی طرح ہے، اس سند کے ضعف کی وجہ جس کو مصنف فرما رہے ہیں یہ ہے کہ ما قال المنذری

کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں، جو کہ ضعیف ہیں، منذری کہتے ہیں لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں اس سند سے روایت کیا ہے عمر بن علی المقدمی عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الخراج بالضمان قال و ہذا حدیث حسن صحیح من حدیث ہشام بن عروہ اھ اس سند میں مسلم ابن خالد الزنجی نہیں ہے، نیز ترمذی میں ہے قال ابو عیسیٰ استغرب محمد بن اسماعیل ہذا الحدیث من حدیث عمر بن علی قلت تراہ تدلیسا؟ قال: لا اھ تہذیب السنن میں منذری فرماتے ہیں: وحکی البیهقی عن الترمذی ان ذکرہ لمحمد بن اسمعیل البخاری فکانہ اعجبہ یعنی امام بخاری نے جب یہ حدیث اس سند سے سنی تو اس کو پسند فرمایا اھ اس کے بعد حافظ منذری نے عمر بن علی کے بارے میں لکھا: وقد اتفق البخاری ومسلم علی الاحتجاج بحدیثہ ورواہ عن عمر بن علی ابوسلمۃ یحییٰ بن خلف الجوباری وهو ممن یروی عنہ مسلم فی صحیحہ، و ہذا اسناد جید ولہذا صححہ الترمذی، وهو غریب کما اشار الیہ الجوباری والترمدی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حافظ منذری نے ترمذی والی روایت کے تمام رواۃ کی ثقاہت کو اپنے اس کلام میں ذکر کر دیا ہے اور پھر اخیر میں فرما رہے ہیں کہ یہ سند جید ہے اسی لئے اس حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے، اور گو غریب بھی ہے لیکن غریب صحت کے منافی نہیں جیسا کہ مشہور اصولی مسئلہ ہے اور حضرت شیخ کے حاشیہ بدلی میں ہے ذکر تخریج الحدیث الحافظ فی التلخیص والمسئلۃ الجماعیۃ لہذا الحدیث کافی الاوجز، امام ابو داؤد نے اس حدیث

الخارج بالضم ان کو بروایت عائشہ تین مختلف سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان تین میں سے ایک سند پر کلام کیا ہے

باب اذا اختلف البيعان والمبيع قائم

اخبرني عبد الرحمن بن قيس بن محمد بن الاشعث عن ابيه عن جده قال اشترى الاشعث رقيقا

من رقيق الخمس من عبد الله بعشرين الفا ان۔ عبد الرحمن بن قيس روایت کرتے ہیں اپنے باپ قیس سے اور قیس روایت کرتے ہیں عبد الرحمن کے دادا محمد بن الاشعث سے، محمد بن الاشعث اپنے والد یعنی اشعث کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اشعث نے بیت المال کے غلاموں میں سے چند غلام عبد اللہ بن مسعود سے خریدے بیس ہزار درہم میں، عبد اللہ بن مسعود نے ثمن لینے کے لئے اشعث کے پاس آدمی بھیجا، اشعث نے کہا کہ میں نے وہ غلام دس ہزار درہم میں خریدے ہیں (اور عبد اللہ فرماتے تھے کہ بیس ہزار میں خریدے ہیں) جب ان دونوں میں اختلاف ہوا تو عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ کسی شخص کو اپنے اور میرے درمیان حکم بنالغیج، اشعث نے کہا میرے اور آپ کے درمیان خود آپ ہی حکم ہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، اذا اختلف البيعان وليس بينهما بينة فهو ما يقول رب السلعة او يتاركان۔

شرح الحدیث و بیان مذاہب لائمۃ | یعنی جب بائع اور مشتری کا مقدمہ ارٹھن میں یا مبیع میں اختلاف ہو اور بینۃ کسی کے پاس نہ ہو تو پھر رب السلعة یعنی بائع کا قول معتبر ہوگا (یعنی مع یمینہ) اور یا پھر دونوں اس معاملہ کو چھوڑ دیں اور فسخ کر دیں، یعنی یا تو مشتری بائع کے قول کو مع یمینہ تسلیم کر لے اور اس پر راضی ہو جائے، اگر ایسا ہے تو فہما اور اگر مشتری راضی نہ ہو تو پھر وہ بھی اپنی بات پر قسم کھالے اور پھر قاضی دونوں کے درمیان معاملہ کو فسخ کر دے یعنی ثمن مشتری، مشتری کو واپس کر دیا جائے اور مبیع مشتری سے لیکر بائع کو دیدی جائے۔

جانتا چاہیے کہ یہ مسئلہ مشہور اختلافی ہے بین الخفیۃ والشافعیۃ، اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اوپر حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً ہے خواہ سلعة یعنی مبیع موجود ہو یا ہلاک ہوگئی ہو، اور اس دوسری صورت میں تراد کا مطلب یہ ہوگا کہ مشتری مبیع کی قیمت واپس کرے اور امام محمد بھی ان ہی کے ساتھ ہیں اور شیخین امام ابو حنیفہ و ابو یوسف اور امام مالک کے نزدیک یہ حکم مذکور فی الحدیث اس صورت میں ہے جبکہ مبیع قائم ہو اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی ہو تو پھر ان دونوں کے نزدیک القول قول مشتری مع یمینہ، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اذا اختلف البيعان والسلعة قائمۃ جس کی طرف مصنف نے بھی خود اشارہ کیا ہے ترجمۃ الباب میں اسلئے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں "والمبيع قائم" کی قید لگائی ہے۔

لہذا ترجمہ الباب میں حنفیہ کی تائید ہوئی۔

تفصیل المسئلۃ یہ جو کچھ اب تک ذکر کیا گیا حدیث الباب کی شرح میں اور اس کے بعد فقہاء کا اختلاف ہے سب اس صورت میں تھا جبکہ بائع اور مشتری میں سے کسی کے پاس بیہ نہ ہو، اور اگر کسی ایک کے پاس بیہ نہ ہو اپنے دعویٰ پر تو صاحب بیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اور اگر ہر ایک نے بیہ قائم کر دیا تو اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ جو بیہ مثبتہ للزیادۃ ہوگا وہ اولیٰ ہوگا، اس حدیث کے ذیل میں مولانا محمد میں ہے قال محمد وبہذا نأخذ، اذا اختلفا فی الثمن تجالفا وترادا البیع وهو قول ابی حنیفہ والعامۃ من فقہائنا اذا کان المبیع قائما ببعینہ، فان کان المشتري قد استہلکہ فالقول ما قال المشتري فی الثمن فی قول ابی حنیفہ (وابی یوسف) واما فی قولنا فی ثقی القان ویردان القیمۃ اھ اس میں امام محمد نے تصریح کر دی ہے کہ ان کی رائے اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ نہیں بلکہ وہ اس میں امام شافعی کے ساتھ ہیں کما قد سلف منافی بیان المذاهب۔
والحدیث أخرجه النسائی، قال المنذری۔

باب فی الشفعۃ

شفعہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تحقیق و تنقیح شفعہ کے لغوی معنی ضم کے ہیں، قال القسطلانی وصی فی اللغۃ الضم علی الاشر من شفعت الشیء ضممتہ فی ضم نصیب الی نصیب، وفي الشرع حق تملک قہری یشتب للمشریک القدیم علی الحادث فیما لملک بعوض اور فتح الباری میں ہے:

وفي الشرع انتقال حصۃ شریک الی شریک کانت انتقلت الی اجنبی بمثل العوض المسمی ولم یختلف العلماء بمشروعیۃہا الا ما نقل عن ابی بکر الاصم من انکارہا اھ ان تعریفات میں جمہور کے مسلک کی رعایت کی گئی ہے جن کے نزدیک شفعہ کا ثبوت صرف شریک کے لئے ہوتا ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک شفعہ کا انحصار شریک میں نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک شفعہ سبھی جو بھی ہوتا ہے جیسا کہ آگے مفصلاً آ رہا ہے حافظ نے جو تعریف کی ہے اس کا مطلب ہے کہ احد الشریکین کا حصہ جو بیع کی وجہ سے کسی اجنبی شخص کی طرف منتقل ہو گیا ہے (یعنی مشتری) اس کا منتقل ہونا اس اجنبی سے شریک آخر کی طرف عوض مسمیٰ کے بدلہ میں، اس سے مراد وہ ثمن ہے جو مشتری نے ادا کیا ہے بائع کو، یہ احد الشریکین کے حصہ کا انتقال شریک آخر کی طرف جس کو شفعہ کہا جاتا ہے اس کا حصول چونکہ شریک آخر کے لئے غیر اختیاری ہے یعنی شرعی طور پر اس کو یہ حق پہنچتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے اس حق کو لے یا نہ لے

علم کسی زمین یا مکان کی بیع کے وقت شرکت یا جوار کی وجہ سے احد الشریکین یا طرفہ کسی لئے حق تملک حاصل ہونا ثمن مشتری،

اسی لئے قسطلانی نے شفعہ کی تعریف میں حق تملک قہری ای غیر اختیاری کہا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے وراثت کہ ایک وارث کو دوسرے وارث کے مال کا استحقاق غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے، اسی طرح شفعہ بھی ہے کہ شریعت نے احد الشریکین اور پڑوسی کے لئے شریک آخر اور جار کے حصہ میں حصہ رکھا ہے اگر وہ شریک چاہے تو شریک آخر کا وہ حصہ جو شخص آخر اجنبی یعنی مشتری کے پاس پہنچ گیا ہے اس کو اس سے لے سکتا ہے جتنے میں وہ چیز مشتری کو پڑی ہے، اسی لئے ہمارے فقہار نے شفعہ کی تعریف اس طرح کی ہے تملک البقعة بما قام علی مشتری بسبب البشرکہ او الجوار، ہر معنی اصطلاحی میں معنی لغوی بھی ملحوظ ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی شفعہ شرعی میں اس کے — لغوی معنی یعنی ضم حصہ الی حصہ پائے جاتے ہیں یعنی ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ کو اپنے حصہ کی طرف ملاتا ہے (وہذا غایۃ توضیح لهذا المقام)

اسباب شفعہ عند الائمۃ اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اسباب شفعہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، ہمارے یہاں اسباب شفعہ دو ہیں شرکت اور جوار، پھر شرکت کی دو قسمیں ہیں، شرکت فی نفس المبیع، اور شرکت فی طریق المبیع طریق کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ مقصود شرکت فی حق من حقوق المبیع ہے کا طریق والشرب و نحوہما، اور عند الجمہور وائمۃ ثلاثہ سببیت منحصر ہے شرکت فی نفس المبیع میں، لہذا اسباب شفعہ ہمارے یہاں تین ہیں اور جمہور کے نزدیک صرف ایک، یعنی شرکت فی نفس المبیع، باقی دو کے وہ قائل نہیں ہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشفعۃ فی کل شریک ربعة اوحائظ لا یصلح ان یبیع حتی یوذن شریکہ فان باع فہو احق بہ حتی یؤذنه۔

آپ فرما رہے ہیں کہ ہر مشترک چیز یعنی مکان یا باغ میں شفعہ ثابت ہے، شریکین میں سے کسی ایک کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنا حصہ کسی اجنبی شخص کو فروخت کرے یہاں تک کہ اپنے شریک کو مطلع نہ کر دے پس اگر اس نے اپنا حصہ قبل الایذان فروخت کر دیا تو اس کا شریک آخر اس کے حصہ کا زیادہ حقدار ہوگا بہ نسبت مشتری کے۔

اس حدیث میں دو مسئلے ہیں ایک وہی اوپر والا اختلافی مسئلہ کہ حق شفعہ صرف شریک ہی کے لئے ہوتا ہے شئی مشترک میں یا غیر شریک یعنی پڑوسی کے لئے بھی ہوتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ کہ شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے، صرف مکان اور زمین ہی میں یا اس کے علاوہ میں بھی۔

شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے یہ دوسرا مسئلہ بھی اختلافی ہے، خطابانی فرماتے ہیں حدیث الباب میں دلیل ہے اس بات پر کہ شفعہ صرف مکان اور زمین میں واجب ہوتا ہے

اس کے علاوہ دوسری چیزیں سامان اور حیوان وغیرہ میں نہیں ہوتا، ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث مرفوعہ عام دی ہے "الشریک شفیع والشفعۃ فی کل شئی" یہ روایت ترمذی میں مرسلہ و مستند دونوں

طرح مردی ہے، لیکن امام ترمذی نے روایت مرسلہ کو اصح قرار دیا ہے، اور پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: وقال اکثر اهل العلم انما تكون الشفعة في الدور والارضين ولم ير والشفعة في كل شئ، وقال بعض اهل العلم الشفعة في كل شئ والاول اصح، تحف الا حوزی میں، "الشفعة في كل شئ" پر لکھا ہے وہ قال مالک فی روایۃ، وهو قول عطار، اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک شفعة منقولات میں سے صرف حیوانات میں ہے، باقی منقولات میں نہیں، کذا فی الفتح (تحف) والھیث اخرجه النسائي، قال المنذرى۔

عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما قال انما جعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الشفعة في كل مال لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة۔

یعنی شفعة ہر اس مال مشترک میں ہے جس کو ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا اور پھر جب ہر شریک کے حصہ کی حدود متعین کر دی جائیں یعنی اس کی شرکت کو ختم کر کے ہر شریک کا حصہ میز اور جدا کر دیا جائے اور راستے بھی الگ الگ کر دیئے جائیں پھر شفعة نہیں رہتا۔

حدیث جو کہ دلیل جمہور ہے | جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اپنے مسلک پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حق شفعة کے مختلف اسباب ہیں جن میں ایک شرکت بھی ہے، جب یہ بات ہے تو پھر اس

حدیث کا یہ مطلب لیا جائیگا کہ مکان مشترک یا ارض مشترک کی تقسیم کے بعد جو حق شفعة شرکت کی وجہ سے حاصل تھا، تقسیم کے بعد اب وہ نہیں رہا، اب اگر کسی حدیث سے شرکت کے علاوہ کسی اور چیز کا سبب شفعة ہونا ثابت ہوگا تو پھر یہ حدیث اس کے منافی نہ ہوگی، اور ہم کہتے ہیں دوسری احادیث سے شرکت فی الطريق اور اسی طرح جوار کا سبب شفعة ہونا ثابت ہے لہذا اس کی اس حدیث میں نفی نہیں ہے (بذل) والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجه، قال المنذرى۔

آگے اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آرہی ہے اذا قسمت الارض وحُدَّت فلا شفعة، اخرجه النسائي وابن ماجه وسند او مرسل، قال المنذرى۔

عن ابراهيم بن ميسرة سمع عمرو بن الشريد سمع ابا رافع سمع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول الجار احق بسقبة۔

سَقَب بمعنی قرب، یعنی آدمی کا پڑوسی اپنے پڑوسی کا اپنے قرب و جوار کی وجہ سے زیادہ مستحق ہے، یعنی بہ نسبت اس شخص اجنبی یعنی مشتری سے، جس نے کسی کا مکان خریدا ہے۔

دلیل الحنفیہ اور اس پر اشکال و جواب

یہ حدیث شفعہ لاجل الجوار میں حنفیہ کی دلیل ہے، خطاب نے اس پر چند تعقب کئے ہیں اول یہ کہ یہ حدیث تو اپنے مضمون میں مبہم ہے محتاج کشف و بیان ہے کیونکہ اس میں شفعہ کا کوئی ذکر نہیں، لہذا اس میں دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے اس سے مراد شفعہ ہی ہو، اور ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو انہ احق بالبر والمعونۃ یعنی آدمی کا پڑوسی پڑوسی کی وجہ سے سختی ہے اس کا کہ اسکے ساتھ بھلائی اور ہمدردی اور اعانت کی جائے، اور ایک نقد یہ کیا ہے کہ لفظ جار کا اطلاق شریک پر بھی ہوتا ہے جس طرح کہ زوجہ پر بھی جارہ کا اطلاق ہوتا ہے، تیسرا نقد یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے اور وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ شفعہ صرف شریک کیلئے ہوتا ہے اسانید صاخیار لیس فی شئی منها اضطراب۔

خطابی کے پہلے نقد کا جواب یہ ہے کہ "الجار احق بسبقہ" اس حدیث میں کہا جا سکتا ہے شفعہ کا ذکر نہیں لیکن اس کے بعد والی روایت میں شفعہ کی تصریح ہے "جار الدار احق بدار الجار" دوسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح ہے اس بات کی کہ جار سے مراد جار ہی ہے شریک نہیں، جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ثم قد روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من سبابہ الشفعۃ بالجوار، وتفسیر ذلک الجوار ما قد حدثنا..... عن عمر بن الشریذ عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ارض لیس لاحد فیہا قسم ولا شرک الا الجوار بیعت قال الجار احق بسبقہ، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے اس بات کی کہ جس زمین کے بارے میں سائل نے آپ سے سوال کیا تھا اس میں کسی قسم کی کوئی شرکت فی المبیع یا شرکت فی الطریق کچھ نہیں تھی سوائے جوار کے اور اس کے باوجود آپ نے حق شفعہ کو ثابت فرمایا۔

اور تیسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ اضطراب صرف بعض احادیث کے بعض طرق میں ہے، اور بعض اس میں ایسی بھی ہیں جو ہر قسم کے اضطراب و اختلاف سے محفوظ ہیں جیسا کہ حدیث الحسن عن سمرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جار الدار احق بالدار قال ابو عیسیٰ فی الباب عن الشریذ وابی رافع والنس قال ابو عیسیٰ حدیث سمرة حدیث حسن صحیح، اور پھر بعض رواۃ نے جو اس میں اختلاف کیا ہے اس کو امام ترمذی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں والبیح عند اہل العلم حدیث الحسن عن سمرة۔ الی آخر ما ذکر الترمذی من اختلاف الروایات وترجیح بعضها علی بعض وفی آخرہ سمعت محمد بن یقول کلا الحدیثین عندی صحیح اھ والحدیث اخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعہ بعینہ

اس ترجمہ الباب اور حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے اصل مسئلہ اور اس میں اختلاف علماء کو سنئے۔

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح اور اس میں اختلاف ائمہ

اگر کوئی شخص مدیون مفلس ہو بہت سوں کا مقروض و مدیون ہو تو اس کے پاس جو مال ہو یا کہیں سے آئے تو وہ تمام ارباب حقوق کو علی حسب الرؤس دیا جاتا ہے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی لیکن اگر کسی شخص کا بعینہ مال اس مدیون کے پاس ہو تو اس صورت میں ترجیح ہوگی کہ وہ مخصوص شئی صرف اس کے مالک کو دی جائے، اب اسکے بعد سمجھئے کہ اس مخصوص شئی سے کیا مراد ہے، مال و دیعت و مال غصب و عاریتہ یہ تو بالاتفاق ہے، اس مال مخصوص میں مبیع بھی داخل ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی داخل ہے، حنفیہ کے نزدیک مبیع اس میں داخل نہیں، کیونکہ تبدیل ملک سے حکماً تبدیل عین ہو جاتا ہے شرعاً جیسا کہ حدیث بریرہؓ، لک صدقہ و لنا صدقہ سے ثابت ہے، لہذا مبیع پر فوجد الرجل مالہ بعینہ صادق نہیں آتا، اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ میں بائع احق بالمبیع نہ ہوگا بلکہ اسوۃ للفرار ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث کے مصداق میں مبیع بھی داخل ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ بائع احق بالمبیع ہوگا، پھر ان ائمہ میں آپس میں بعض جزئیات میں اختلاف ہے مثلاً یہ کہ شافعیہ کے یہاں بائع کو ترجیح ہر حال میں ہوگی مدیون زندہ ہو یا مرچکا ہو، اور مالکیہ کے یہاں مدیون کی زندگی میں تو بائع کو ترجیح ہوگی یعنی بائع احق بالمبیع ہوگا اور بعد الموت نہیں، اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو کچھ ثمن ادا کر دیا تھا تو شافعیہ کے یہاں اس میں بھی عموم ہے کہ بائع کو دونوں صورتوں میں ترجیح ہوگی اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کو کچھ بھی حصہ ثمن کا ادا نہ کیا ہوگا تب تو بائع کو ترجیح ہوگی، اور اگر اس نے ثمن کا کچھ حصہ ادا کر دیا تھا تب ترجیح نہ ہوگی۔

یہ دونوں اختلافی مسئلے شافعیہ اور مالکیہ کے باب کی آنے والی حدیثوں سے سمجھ میں آرہے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک بائع کو کسی حال میں ترجیح نہ ہوگی۔

اس کے بعد جانا چاہیے کہ اس مسئلہ کی جن روایات میں فوجد الرجل مالہ بعینہ کیساتھ بیع کا ذکر نہیں ہے وہاں تو حنفیہ کے مسلک پر کوئی اشکال نہ ہوگا، وہاں پر حنفیہ کھل کر یہ کہیں گے کہ مالہ بعینہ صرف ودائع و عواری وغیرہ پر محمول ہے مبیع اس میں داخل نہیں، لیکن اگر خود حدیث میں بیع کی تصریح ہو جیسا کہ بعض روایات الباب میں ہے تو پھر حنفیہ کی توجیہ کیسے چلے گی؟ اس کا جواب علامہ سندھی نے حاشیہ نسائی میں یہ دیا ہے کہ انہ محمول علی الماخوذ علی سؤم الشراء او المبیع بشرط الخيار للبائع، یعنی بیع سے مراد مسادمت ہے یعنی خریدنے کے لئے بائع کے ساتھ

۱۔ مدیون مفلس یا مفلس وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے دیون ہوں مگر دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے تسدید دین کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، دائنین کے مرفوعہ عند القاضی کے بعد قاضی بعد التحقیق اس کے افلاس کی تصدیق کر دے۔

بھاؤ کرنا، اور جو چیز بھاؤ کے وقت مشتری لیکر اپنے گھر جاتا ہے پسند کرنے کیلئے، یہ شئی مقبوض علی سوم الشار ہے جس کو بیع بھی کہہ سکتے ہیں مجازاً، اور ایسے ہی وہ بیع جس کے اندر خیار شرط بائع کے لئے ہو، اس قسم کی بیع بھی ہمارے نزدیک خالص بائع کا حق ہوتی ہے، جیسا کہ تم نے قدوری میں پڑھا ہے۔ ”وخیار البائع یمنع خروج المبیع عن ملکة بخلاف خیار مشتری، اس تفصیل مسئلہ کے بیان سے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب دونوں کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ حدیث میں کیا مسئلہ ہے اور اس میں کیا اختلاف ہے، اور یہ بھی کہ حدیث اگر حنفیہ کے خلاف ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے، فلتہ الحمد والمنة۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ایما رجل یافلس فادرك الرجل متاعه بعینه فهو احق به من غیره، اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال اللہ ایما رجل باع متاعا فافلس الذی ابتاعه ولم یقبض الذی باعه من ثمنه شیئا فوجد متاعه بعینه فهو احق به وان مات المشتري فصاحب المتاع اسوة الغرماء۔

بائع کے احق بالمبیع ہونے میں شافعیہ و مالکیہ کے جو دو جزئی اختلافی مسئلے ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان دونوں مسئلوں میں یہ حدیث مالکیہ کی دلیل ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، اور پھر آگے دو حدیثوں کے بعد جو تیسری حدیث آرہی ہے۔ عن عمر بن خلدۃ قال اتینا ابا ہریرۃ فی صاحب لنا افلس، فقال لاقضین فیکم بقضاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، من افلس او مات فوجد رجل متاعه بعینه فهو احق به یہ حدیث مالکیہ کے خلاف اور امام شافعی کے موافق ہے، حدیث عمر بن خلدۃ اخرجہ ابن ماجہ، قال اللہ النذری۔

باب فی من احیی حسیرا

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح و اختلاف ائمہ | حسیرا مخوذ ہے محسور سے بمعنی ماندہ شدن (تھک جانا) وہ ہو کر رک جائے، یہ بات زیادہ تر اونٹوں میں پائی جاتی ہے کہ بعض مرتبہ وہ تھک کر ایسا بیٹھتا ہے کہ کھڑا ہونے کا نام نہیں لیتا، اور پھر اس کا مالک مجبوراً اس کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے، مصنف کی غرض اس قسم کے اونٹ کا حکم بیان کرنا ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے من وجد دابة قد عجز عنها اهلها ان یعلقوها فسیبوها فاخذها فاحیاه فہی لہ، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص اس قسم کے جانور کو جس کو اس کا مالک چھوڑ کر چلا گیا ہو اٹھائے اور پھر اس کا احیاء کرے جس طرح ارض موات کا احیاء ہوتا ہے یعنی اس کو کھلائے پلائے خدمت کرے جس سے وہ دوبارہ کار آمد ہو جائے فہی لہ تو یہ جانور اسی کا ہو جاتا ہے، امام احمد اور اسحاق

ابن راہویہ کا اس حدیث پر عمل ہے، اور مصنف بھی چونکہ غالباً حنبلی ہیں اسی لئے انہوں نے یہ باب قائم کر کے حنابلہ کا مذہب ثابت کیا ہے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز یعنی حسیر ظاہر ہے کہ لفظ ہے اور لفظ کا حکم احادیث لفظ میں اس کے خلاف مذکور ہے، اور وہ احادیث اس حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور مشہور ہیں لہذا ان ہی پر عمل ہوگا۔ من ترک ذابۃ بمہلک، مہلک موضع ہلاکت، یعنی ایسی ویران جگہ جہاں گھاس پانی نہ ہونے کی وجہ سے جائز کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔

شرح السند باب کی حدیث اول کی سند میں اس طرح ہے وقال عن ابان ان عامراً الشعمی قال کی ضمیمہ مصنف کے استاذ موسیٰ بن اسماعیل کی طرف راجع ہے اور موسیٰ کے اس حدیث کی سند میں دو استاذ ہیں حائے تحویل سے پہلے جو سند ہے اس میں ان کے استاد حماد ہیں اور بعد والی سند میں استاد ابان ہیں، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ نے جب یہ حدیث حماد سے بیان کی تب تو انہوں نے سند میں عن الشعمی کہا، اور ان کی سند جو ابان سے ہے اس میں انہوں نے بجائے عن الشعمی کے ان عامر الشعمی کہا گویا دو فرق ہوئے ایک "عن" اور "ان" کا دوسرا یہ کہ پہلی روایت میں شعمی کا نام مذکور نہیں، اور دوسری میں شعمی کا نام عامر مذکور ہے۔

باب فی الرهن عہد الفریق بینہما ان الروایۃ بہن سكون بن انسلمی عن استاذہ بخلاف الروایۃ بأن ۱۲

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لبن الذر یحلب

بنفقتہ اذا کان مرہوناً والظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہوناً، وعلى الذی یحلب یرکب النفقة۔

شرح الحدیث من حیث الفقه و بیان المذاهب حدیث الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے یعنی ارتفاع المرہن بالمرہون پہلے اس کو سمجھ لیجئے، وہ یہ کہ امام احمد کا مسلک

یہ ہے کہ شئی مرہون اگر کوئی حیوان ہے سواری کے لائق یا دودھ کے قابل تو مرہن کے لئے اس سے منتفع ہونا جائز ہے، یعنی اس کا دودھ وہ خود رو ہے اور اگر سواری کا جائز ہے تو اس پر سوار ہو، اور اس صورت میں گھاس دانہ اور خرچہ مرہن ہی کے ذمہ ہوگا، وہی اس کو کھلائے پلائے گا اور وہی اس سے منتفع ہوگا، ورنہ مالک تو منتفع ہو ہی گا مالک ہونے کی حیثیت سے، اور اسی کے ذمہ اس کا نفقہ ہوگا ائمہ ثلاث کے نزدیک مرہن کا شئی مرہون سے منتفع ہونا جائز نہیں، حنابلہ کا استدلال حدیث الباب ہی سے ہے اور مصنف چونکہ حنبلی ہیں تو بظاہر ان کا مقصد بھی یہی ہے، حنابلہ نے بنفقتہ میں بار کو سببیہ قرار دیا ہے یعنی مرہن نفقہ کے سبب اس کا دودھ روہ سکتا ہے اور اس پر سوار ہو سکتا ہے، جمہور کی طرف سے اس حدیث کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ربائی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، پھر جب ربای

کی تحریم ہوئی تو یہ حدیث بھی منسوخ ہو گئی، مرتہن کا شئی مرتہن سے منتفع ہونا یہ گویا اپنے دین سے منتفع ہونا ہے۔
 «وکل قرض جر نفعا فوراً» قاعدہ کلیہ ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بفقہ میں «باء سببیہ نہیں، بلکہ «باء
 برائے الصاق ہے اور «یجلب» کا چونکہ فاعل مذکور نہیں کہ کون ہے، اس لئے اس کا فاعل اصل مالک ہی کو قرار دیا
 جائے گا، اور «باء الصاق کے لئے ہوگی اور «الدر» سے مراد چونکہ حدیث میں ذات الدر ہے تو پوری حدیث کا مطلب
 یہ ہو جائے گا کہ ذات در کا دودھ دوہا جائے گا اس کے خرچ کے ساتھ، یعنی جب ذات الدر کا مالک، مالک ہونی کی
 حیثیت سے اس کا دودھ دوہے گا تو اس کے ساتھ اس کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہوگا اس صورت میں یہ حدیث
 جمہور کے خلاف نہ ہوگی۔

قال ابوداؤد: هو عندنا صحيح، مصنف بظاهر یہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کے جو معنی متبادر ہیں کہ
 مرتہن اگر ذات در کا دودھ دوہے تو اس کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے، یہ حکم ہمارے نزدیک صحیح و ثابت ہے، یعنی گو
 خلاف قیاس ہے لیکن چونکہ حدیث ثابت ہے اس لئے اس سے جو حکم مستفاد ہو رہا ہے وہ بھی صحیح اور قابل عمل
 ہے، منسوخ اور فاسد نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجه، قال المنذری۔
 «امام ترمذی کے قول میں صحیح، پر جو مشہور اشکال و حواشی
 پر حدیث حسن میں صحیح، پر جو مشہور اشکال و حواشی
 اس میں حافظ ابن حجر نے فرماتے ہیں، صحیح ای
 من حیث الحكم حسن من حیث السند»

باب الرجل یا کل من مال ولده

عن عمار بن عمیر عن عمته انها سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: فی حجری یتیم
 افا کل من ماله؟ فقالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان من اطیب ما اکل الرجل
 من کسبه، وولده من کسبه۔

شرح الحدیث
 عمارہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ میری گود اور
 ماتحتی میں ایک یتیم بچہ ہے۔ ممکن ہے وہ یتیم ان کا بیٹا ہو یا ان کا پوتا (بذل) تو کیا میں اس
 کے مال میں سے کچھ کھا سکتی ہوں؟ اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
 ہے کہ بہترین روزی اور خوراک آدمی کی وہ ہے جو خود اس کی اپنی کمائی سے ہو، اور آدمی کی اولاد بھی اس کی
 کمائی ہے لہذا اولاد کی کمائی خود اس کی اپنی کمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے لئے اولاد کی کمائی میں سے
 لینا حلال اور جائز ہے، یعنی اگرچہ بغیر اس کی اجازت کے ہو، لیکن فقہار نے اس کو حاجت کے ساتھ مقید کیا ہے
 یعنی عند الحاجة لے سکتا ہے، اور اگر حاجت نہ ہو تو پھر بغیر اجازت کے لینا جائز نہیں (بذل)

قال ابوداؤد: وحماد بن ابی سلیمان زاد فیہ: اذا احتجتم وهو متکن یعنی حماد بن ابی سلیمان کی روایت

میں حدیث مذکور میں عند الاحتیاج کی قید کا اضافہ ہے، ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عند الاحتیاج ہے، مگر مصنف نے حدیث میں اس زیادتی کا انکار کیا ہے وہ اس کو ثابت نہیں مان رہے ہیں منکر قرار دے رہے ہیں، مصنف کی اس رائے پر حضرت نے بذل میں کلام فرمایا ہے اور یہ کہ یہ منکر نہیں بلکہ زیادہ وثقہ ہے، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

باب فی الرجل یجد عین ماله عند رجل

ترجمہ الباب الی مسئلہ کی تشریح | اس سے پہلے قریب ہی میں جو باب گذرا ہے "باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعه بعینه" اس میں اور اس باب میں فرق دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس باب کی حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہو گیا ہے وہ یہ کہ باب اول کا تعلق مشتری مفلس سے تھا (علی مسک المجہور) یا غاصب اور سارق و مودع سے تھا (علی مسک الخفیۃ) اور اس باب کا تعلق غاصب یا سارق سے نہیں اور نہ مدیون سے ہے بلکہ مشتری من الغاصب اور مشتری من السارق سے ہے، یعنی کسی شخص نے کسی کا مال چوری کر لیا اور پھر اس سارق نے وہ مال کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اس اپنی چیز کو اس مشتری کے پاس دیکھا، علی هذا القیاس غصب، کہ کسی نے کسی کا مال غصب کیا اور پھر اس غاصب نے اس مال کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اپنی اس چیز کو مشتری من الغاصب کے پاس دیکھا، تو اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے، من وجد عین ماله عند رجل فهو احق به ویستبع البیع من باعه، بیع بمعنی مشتری، یعنی جس شخص نے اپنا مال کسی شخص کے پاس دیکھا تو وہ مالک ہی اس کا زیادہ مستحق ہے اور مشتری کو چاہیے کہ وہ بیچھا کرے اپنے بائع کا، یعنی صورت مذکورہ میں وہ مالک اپنی شئی اس مشتری سے لے لے اور پھر اس مشتری کو چاہئے کہ اپنے خمن کا مطالبہ بائع سے کرے، بائع سے مراد غاصب اور سارق ہے جو حکم اس حدیث میں مذکور ہے، فقہاء بھی اس کے بارے میں یہی فرماتے ہیں مگر اس طور پر کہ وہ مالک مشتری کے سامنے بینہ سے ثابت کر دے کہ یہ چیز میری ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قاله المنذری۔

باب فی الرجل یاخذ حقه من تحت یدہ

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہذا ام معاویۃ جاءت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالت ان اباسفیاء رجل شحیح الخ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت معاویہ کی والدہ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اگر اپنے شوہر ابو سفیان کی شکایت کی کہ وہ بخیل آدمی ہے اور وہ میرے خرچ کے لئے اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو جائے تو کیا میں اس کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے کچھ لے سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں بقدر کفایت کے لے سکتی ہو، یعنی عرف و عادت میں عام طور سے جتنا کافی ہو جاتا ہے اتنا لے سکتی ہو۔

مسئلۃ الظفر کی تشریح اور مذاہب ائمہ | اس حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا نام ہے مسئلۃ الظفر یعنی ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کوئی حق ہے جس کو وہ ادا نہیں کرتا تو کیا ایسی صورت میں وہ صاحب حق اپنا حق اس شخص کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے خفیہ طور پر لے سکتا ہے یا نہیں اس حدیث سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ لے سکتا ہے فقہار میں سے امام احمد کا مسلک اس کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مطلقاً لینا جائز نہیں وہ اس کو خیانت قرار دیتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو اسی باب میں اس کے بعد آرہی ہے، باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے مگر تفصیل میں قدرے اختلاف ہے فعند الشافعی یا حذ من جنس حق الا اذا تعذر الجنس فمطلقاً، یعنی امام شافعی کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے لیکن جس چیز کو لے رہا ہے وہ من جنس حق ہونی چاہیے، خلاف جنس سے لینا جائز نہیں، مثلاً کپڑے کے بدلہ میں کپڑا لے سکتا ہے، دراہم یا دنانیر وغیرہ نہیں لے سکتا مگر یہ کہ من جنس حق لینا مستعذر ہو تو پھر ان کے نزدیک خلاف جنس سے بھی لے سکتا ہے اور حنفیہ کے یہاں اس میں دو روایتیں ہیں، فی روایت لا مطلقاً، یعنی ایک روایت یہ ہے کہ مطلقاً جائز نہیں جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ صرف من جنس حق لے سکتا ہے (والنقدان ای الدرہم والدنانیر من جنس واحد) اور امام مالک سے اس میں تین روایتیں ہیں مذاہب ثلاثہ مذکورہ کے مانند، والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن یوسف بن ماہک المکی قال کنت اکتب لفلان نفقة ایتام کان ولیہم فخالطوا بالف درهم

فادھا الیہم فادرکت لہم من مالہم مثلھا الخ۔

یوسف بن ماہک کہتے ہیں کہ فلاں شخص جو کہ بعض یتیم بچوں کے متولی تھے میں ان کے خرچ کا حساب کتاب کیا کرتا تھا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان یتیم بچوں نے (یعنی جب وہ ہوشیار ہو گئے) اپنے متولی کو ایک ہزار درہم کے ساتھ مغالطہ میں ڈال دیا، متولی نے ان کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہزار درہم ان کو ادا کر دیا تو وہ یوسف جو ان کے محاسب تھے وہ کہتے ہیں کہ کچھ روز بعد حساب کتاب کے میں ایک ایسے موڑ پر پہنچا جس میں میرے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ میں وہ ہزار درہم ان کے ان ایتام کے مال میں سے لے لوں، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں اس شخص سے یعنی متولی سے معلوم کیا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں وہ تمہارے ہزار درہم حساب

میں سے نکال لوں تو انہوں نے مجھے منع کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی جو ان کو ان کے باپ کے واسطے سے پہنچی تھی اَدَّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مِنْ اَثْمَنِكَ وَلَا تَخُنْ مِنْ خَانِكَ، کہ جس شخص نے تجھ کو اپنا امین بنایا ہے اس کی امانت اس کو پوری پوری حوالہ کر، اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت مت کر اس مسئلہ الظفر میں امام احمد کی یہی حدیث دلیل ہے، لیکن جمہوریہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تو خیانت سے منع کیا گیا ہے اور کسی سے اپنا حق وصول کرنا وہ جس طرح بھی ہو بغیر اس کی اجازت ہی کے یہی یہ خیانت کہاں ہے یوسف بن ماہک جو راوی حکایت ہیں وہ جن صاحب کے کاتب تھے یعنی متولی ایتام ان کا نام تو یہاں روایت میں مذکور نہیں، اور انہوں نے یہ حدیث اپنے باپ کے حوالہ سے نقل کی ہے لہذا ان کے باپ بھی مجہول ہوئے اس لئے اس اوپر ولے متن کا راوی کون صحابی ہیں یہ تو معلوم نہ ہو سکا، اس کے بعد مصنف نے یہی متن بڑا ایت ابوہریرہ مرفوعاً ذکر کیا ہے، قال المنذری و حدیث ابی ہریرۃ أخرجه الترمذی وقال حسن غریب اھ (عون)

باب فی قبول الهدایا

اس سے پہلے کتاب الخراج میں ”ہدایا العمال“ کے عنوان سے باب گذر چکا جس میں مصنف نے ابن اللثیبہ کی حدیث ذکر کی تھی، اور یہ باب جو ہے مطلق ہدیہ سے متعلق ہے، عمال سے اس کا تعلق نہیں ہے لیکن ہدایا العمال ہی کے عنوان سے ایک مستقل باب کتاب القضا میں بھی آ رہا ہے یعنی کتاب القضاء کی مناسبت سے، اور اس سے پہلے جو گذرا ہے وہ کتاب الخراج کی مناسبت سے تھا اور چونکہ مال کا مسئلہ بہت زیادہ احتیاط طلب ہے اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر مصنف نے دو جگہ اس کا باب قائم کیا ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقبل الهدیۃ ویشب علیہا یعنی آپ کی عام عادت شریفہ ہدیہ قبول کرنے کی تھی اور یہ بھی کہ آپ اپنے قہمدی کو بھی ہدیہ دیا کرتے تھے، خطابی فرماتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہدیہ قبول فرمانا یہ محاسن اخلاق کے باب سے ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں کی تالیف قلوب فرماتے تھے، اور ہدیہ قبول کر کے اس کو کھانا یہ آپ کی ایک خاص شان اور علامت تھی جس کا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے، یعنی یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ قبول نہ کریں گے، اور ہدیہ قبول کرنے کے بعد آپ کا خود اس کو ہدیہ دینا اس کی مصلحت ظاہر ہے تاکہ آپ دوسرے کے احسان مند ہو کر اس سے نہ دین (بذل) والحدیث أخرجه البخاری والترمذی قال المنذری۔

وَأَيْمُ اللَّهِ لَا أَقْبِلُ بَعْدَ يَوْمِي هَذَا مِنْ أَحَدٍ هَدِيَّةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَهْجَرًا يَفْرَشِيَا أَوْ أَنْصَارِيَا
اور دوسیا اور ثقفیا، یہ حدیث یہاں مختصر ہے جس کو امام ترمذی نے کتاب المناقب کے اخیر میں مفصلاً ذکر کیا ہے

وہ یہ کہ ایک اعرابی نے آپ کی خدمت میں ایک ناقہ بطور ہدیہ کے پیش کی جس کو آپ نے قبول فرمایا اور پھر بعد میں اس اعرابی کو اس ناقہ کے عوض میں چھ اونٹنیاں عطا کیں مگر وہ اس پر بھی خوش نہ ہوا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر خاندان کا فرد اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے، اور پھر چند قبائل کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے علاوہ آئندہ میں کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں گا ایسم اللہ الفاظ قسم میں سے ہے ففی الجمع وایم اللہ لفظ قسم ذولغات، و ہمز تہا وصل، وقد تقطع، تفتح و تکسر اھ۔
والحدیث أخرجه الترمذی والسائی، قالہ المنذری۔

باب الرجوع فی المہبتہ

مذہب ائمہ کی تحقیق مع الدلیل | یہ مسئلہ اختلافی ہے، امام مالک و شافعی و احمد کے نزدیک و اہلب کیلئے رجوع فی المہبتہ ناجائز ہے الایہ کہ وہ بہہ باپ کی طرف سے بیٹے کے لئے ہو تو باپ کے لئے رجوع فی المہبتہ جائز ہے، ان حضرات کا استدلال باب کی حدیث ثانی سے ہے جس میں اس طرح ہے: «الا والاد فیما یعطى ولده» اور امام شافعی کی باپ کے علاوہ دیگر اصول میں دو روایتیں ہیں، اصح قول میں باقی اصول کا بھی وہی حکم ہے جو والد کا، اور حنفیہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے ان کے نزدیک و اہلب کے لئے ہدیہ اجانب میں رجوع کرنا جائز ہے بشرطیکہ مہبوب لہ کی جانب سے اس کو عوض نہ ملا ہو ورنہ جائز نہیں الحدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً الواہب الحق بمہبتہ الم یثب منہا، اور جو ہدیہ ذی رحم محرم کو ہو اس میں رجوع جائز نہیں، نیز حنفیہ کے نزدیک زوجین اس مسئلہ میں ذی رحم محرم کے حکم میں ہیں۔ امام مالک کے مسلک کے بارے میں علامہ عینی لکھتے ہیں: «ولیس بغیر الاب الرجوع عند مالک الا ان عتدہ ان الام لہا الرجوع ایضا اذا کان ابوہ حیا، وھذا ہوا الاشہر عند مالک وروی عنہ المنع اھ (تراجم) اور قاضی عیاض فرماتے ہیں: «وجوز مالک الرجوع مطلقاً الا فی ہتہ احد الزوجین من الآخر اھ (تحفہ) حنفیہ کی دلیل اصل مسئلہ میں یہ ہے: «اذا كانت المہبتہ لذی رحم محرم لم یرجع ثرواہ الحاکم من حدیث الحسن عن سمرة مرفوعاً، اور ایک روایت اس سے پہلے گزر چکی الواہب الحق بمہبتہ الم یثب منہا، أخرجه ابن ماجہ والدارقطنی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً (تحفہ)

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کی توجیہ | اور حنفیہ نے جمہور کی دلیل یعنی باب کی حدیث ثانی، «لا یحل لرجل ان یعطى عطیۃ او یہب ہبتہ فی رجوع فیہا الا والاد فیما یعطى ولده» اس استثناء کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، یعنی اس سے مقصود رجوع فی المہبتہ کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس تصرف فی مال الابن کو بیان کرنا ہے یعنی عند الحاجة جو کہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ باپ کے لئے

بیٹے کے مال میں تصرف عند الحاجة مطلقاً جائز ہے (کذا فی الکوکب ص ۳۶۹) اور یہ جو حدیث میں ہے لایحل لاحد ان یعطی عطیۃ الخ اس کا مطلب عدم جواز نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں جیسے کہا جاتا ہے لایحل للواجد رد السائل، اور اس معنی پر اس حدیث کو محمول کرنے کی حاجت اس لئے ہے تاکہ دوسری احادیث سے تعارض نہ ہو جن سے رجوع فی الہبہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے، اسی طرح "العائد فی ہبۃ کالعائد فی قینہ" اس سے بھی عدم جواز پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ دوسری روایت میں ہے کالکلب یعود فی قینہ اس لئے کہ فعل کلب کو حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس سے مقصود شیعہ و تقیہ ہے۔

الحديث الاول عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اخرج البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه والحدیث الثانی اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجه قالہ المنذری۔

مثل الذي يسترد ما وهب كمثل الكلب يقضي الخ۔ یعنی اس شخص کا حال جو ہبہ کرنے کے بعد اپنی چیز کو واپس لے کتے کی طرح ہے جو حق کر کے اس کو کھائے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ہدیہ کو واپس لینا چاہے تو اس کو صوب لہ کو چاہیئے کہ اپنے واہب کو سب کے سامنے کھڑا کرے اور جو ہدیہ وہ دیکر واپس لے رہا ہے لوگوں کے سامنے اس کی تشبیہ کرے اور اس کے بعد پھر واپس کرے۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ واہب کے لئے حق رجوع ثابت ہے جواز کے درجہ میں لیکن نہایت بے مروتی اور کینہہ بن کی بات ہے، والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجه بنحوه، قالہ المنذری۔

باب فی الہدیۃ لقضاء الحاجة

من شفع لاختیه شفاعۃ فاهدی له ہدیۃ علیہا فقبلہا فقد آتی بابا عظیما من ابواب الریاء۔ اس حدیث میں شفاعت پر ہدیہ قبول کرنے پر وعید ہے اور اس کو رشوت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ شفاعت حسنہ شرعاً مندوب الیہ ہے اور بعض صورتوں میں واجب بھی ہو جاتی ہے تو پھر بعد میں اس پر ہدیہ لینا شفاعت کے اجر کو ضائع کرنا ہے جیسا کہ بیع کے اندر ربالیینے سے اصل بیع جو کہ حلال تھی ضائع اور برباد ہو جاتی ہے۔

باب فی الرجل یفصل بعض ولده فی النحل

نحل بمعنی عطیہ کسی شخص کا اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا تفصیل و مذاہب ائمہ ترجمۃ الباب والے مسئلہ کی

عطیہ میں یہ شرعاً مذموم ہے، حدیث میں اس کی مذمت آئی ہے، اب یہ کہ صرف مذموم ہے یا ناجائز و حرام؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء و مہتمم الائمۃ الثلاثہ کے نزدیک یہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے، بعض علماء جیسے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ ان کے

نزدیک تسویہ فی النخل واجب، اور تفضیل حرام ہے، اب یہ کہ تسویہ سے کیا مراد ہے؛ بعض شافعیہ و مالکیہ اور امام احمد اور ہمارے امام محمد کے نزدیک اس سے مراد میراث کے قاعدہ کی طرح للذکر مثل حظ الانثیین مراد ہے، اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ زندگی میں جو دیا جائے اس میں ذکر و انثی کا فرق معتبر نہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے سو و ابین اولادکم فی العطیۃ فلو کنت مفضلاً احد الفضلت النساء، اخرجه سعید بن منصور و البیہقی (تحفہ) امام ترمذی حدیث الباب کے تحت فرماتے ہیں: والعلم علی ہذا عند بعض اهل العلم یحبون التسویۃ بین الولد حتی قال بعضهم یسوی بین ولدہ حتی فی القبۃ، وقال بعضهم یسوی بین ولدہ فی النخل والعطیۃ، الذکر والانثی سوار، وهو قول سفیان الثوری، وقال بعضهم التسویۃ بین الولد ان یعطى الذکر مثل حظ الانثیین مثل قسمۃ المیراث وهو قول احمد و اسحاق۔

حدثنا احمد بن حنبل ناہشیم ناسیار وانا مغیرۃ وانا داؤد، عن الشعبي وانا مجالد و اسماعیل بن سالم عن الشعبي عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شرح السند | اس حدیث میں مصنف کے استاد امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد بشیم ہیں، پھر بشیم اس حدیث کو اپنے پانچ اساتذہ سے روایت کرتے ہیں سیار، مغیرہ، داؤد، مجالد، اسماعیل اور یہ پانچوں شعبی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الاطراف میں ابو داؤد کی اس سند کو اس طرح نقل کیا ہے عن ابن حنبل عن بشیم عن سیار و مغیرہ و داؤد بن ابی ہند و مجالد و اسماعیل بن سالم، خمستہم عن الشعبي (بذل) لیکن اس سند کی تعبیر کچھ الجھی ہوئی سی ہے، غور کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

عن النعمان بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انحلنی ابی نخل، قال اسماعیل بن ابی سالم من بین القوم انحلہ غلامہ الخ۔

مضمون حدیث | نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد نے ایک چیز ہدیہ کی۔ بشیم کے استادوں میں چار نے تو اسی طرح کہا، اور پانچویں استاد یعنی اسماعیل نے اس عطیہ کی تعیین کی غلام کے ساتھ کہ میرے والد نے مجھے ایک غلام بہہ کیا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میری والدہ عمرہ نے میرے والد یعنی بشیر سے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیے اور اپنے اس بہہ پر حضور کو گواہ بنائیجئے، وہ حضور کی خدمت میں گئے اور آپ سے صورت حال بیان کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بھی بیٹے ہیں نعمان کے علاوہ؟ انہوں نے کہا کہ جی اور بھی ہیں، آپ نے پوچھا کہ ان سب کو بھی تم نے غلام دیا ہے جس طرح نعمان کو دیا، انہوں نے عرض کیا کہ ان کو تو نہیں دیا، اس پر آپ نے فرمایا اس میں بشیم کے یہ اساتذہ خمسہ مختلف ہیں، بعض کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہذا جور، اور بعض نے فرمایا ہذا الخجۃ یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ظلم ہے، اور بعض کی روایت میں جو دوسرا

لفظ ہے ہذا تلجئة اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ کام تجھ سے زبردستی کرایا گیا ہے، یعنی تمہاری بیوی نے تم پر زور ڈال کر ایسا کر لیا ہے جس کو تم خود بھی نہیں چاہتے تھے فاشہد علی ہذا غیری آپ نے فرمایا کہ میں تو گواہ نہیں بنتا، اس پر کسی اور کو گواہ بنائے۔

اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں کہ ایسا کرنا حرام نہیں صرف مکروہ ہے کیونکہ اگر حرام ہوتا تو آپ دوسرے کو گواہ بنانے کی اجازت کیسے دیتے، اور اس سے پہلے جو لفظ آیا تھا ہذا جاور اس سے فی الجملہ امام احمد کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے قال لا، قال فارودہ یعنی آپ نے فرمایا کہ اپنے اس بہہ کو واپس لے لو، اس سے رجوع فی الہبہ کا جواز معلوم ہو رہا ہے جو کہ اختلافی مسئلہ ہے اور ابھی قریب میں گذرا ہے۔ وہ یہ کہ عند الجمہور باپ کے لئے بیٹے کے حق میں رجوع فی الہبہ جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت بشیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اہتمام علی الہبہ کے لئے آئے تھے یا بہہ کرنے کے بارے میں مشورہ کے لئے آئے تھے کہ آیا وہ بہہ کر دیں یا نہ کریں، اس کے بارے میں شرح نے دونوں ہی احتمال لکھے ہیں اور علامہ عینی نے بعض روایات کے الفاظ سے اس کے استشارہ ہونے کو ترجیح دی ہے، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ ابھی تک بہہ کا تحقق ہی نہ ہوا تھا، اور اس صورت میں فارودہ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے اس ارادہ بہہ ہی کو ترک کر دو۔

یہ حدیث مشہور ہے، جملہ صحاح ستہ میں مذکور ہے، ان حدیث الباب میں اختلاف روایات

سب روایات میں بہہ کی تعیین غلام کے ساتھ وارد ہے اور صحیح ابن حبان اور طبرانی میں بجائے غلام کے حدیقہ مذکور ہے۔ یعنی نعمان کی والدہ نے اپنے شوہر سے نعمان کو ایک باغ بہہ کرنے کی ترغیب دی، ابن حبان نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے وہ یہ کہ ولادت نعمان کے وقت میں ان کی والدہ نے اعطاء حدیقہ کی فرمائش کی اور پھر جب نعمان کچھ بڑے ہو گئے اس وقت دوبارہ ان کی والدہ نے ان کے باپ پر عطیہ کا اصرار کیا، یہ دوسرا عطیہ غلام تھا، حافظ نے اس کی ایک دوسری توجیہ اختیار کی وہ یہ کہ شروع میں بشیر نے نعمان کو حدیقہ بہہ کیا تھا لیکن پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیا، اس پر عمرہ نے دوبارہ اصرار شروع کیا کوئی چیز دینے پر انہوں نے دوسری مرتبہ ان کو غلام بہہ کیا مگر چونکہ اس سے پہلے بہہ کر کے رجوع کر چکے تھے اس لئے اس مرتبہ ان کی اہلیہ نے غلام بہہ کرنے کے بعد اہتمام پر اصرار کیا (ہذا کلمہ ماخوذ من اللاد ج ۲ ص ۳۲۹) اس واقعہ کے بارے میں احمہ کے ذہن میں ہمیشہ سے یہ بات ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے نعمان بن بشیر عمرہ بنت رواحہ کے سگے بیٹے ہوں گے اور جو دوسری اولاد تھی جن کے موجود ہونے کی تصریح اس روایت میں مذکور ہے وہ بظاہر بشیر کی دوسری زوجہ سے ہوں گے، اسی لئے عمرہ نے صرف اپنے بیٹے کے بارے میں اپنے شوہر

سے اس سہیہ کی باصرار فرمائش کی، واللہ تعالیٰ اعلم، کتب رجال سے اس کی تحقیق کی حاجت ہے۔
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بنحوہ، وأخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ،
من حدیث حمید بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن النعمان بن بشیر عن النعمان بن بشیر قالہ المنذری۔

باب فی عطیۃ المرأة بغير اذن زوجها

کتاب الزکاة میں۔ باب المرأة تصدق من بیت زوجها، گزر چکا ہے، اس باب کی احادیث پر کلام وہاں گذر گیا، الم بخاری نے باب باندھا ہے "ہبۃ المرأة لغير زوجها"۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء عورت کے سہیہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک بیت زوج سے یعنی جو چیز شوہر نے اس کو گھر میں خرچ کرنے کیلئے دے رکھی ہے، عورت کا اس میں سے صدقہ کرنا دوسری یہ کہ عورت خود اپنے مال میں سے صدقہ کرے، اس دوسری صورت میں جمہور کے نزدیک عورت کیلئے صدقہ وغیرہ کرنا جیسے وہ چاہے جائز ہے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، اس میں امام مالک کا اختلاف وہاں کتاب الزکاة میں گزر چکا ہے ان کے نزدیک عورت کے لئے اپنے مال میں زائد سے زائد صرف ثلث میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی بغير اذن الزوج اس سے زائد میں نہیں، قال الحافظ وخالف طاووس فمنع مطلقا، وعن اللیث: لا يجوز مطلقا الا فی الشئ القاف وادلة الجمہور من الکتاب والسنة کثیرۃ اھ (من التراجم ص ۴۵)

باب فی العمری

اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے "باب فی الرقبی"۔

عمری کی تعریف اور اس کا حکم شرعی | عمری اور رقبی سہیہ کی دو خاص صورتیں ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھیں، ان دونوں ہی کے بارے میں روایات متضاد جوازا

مختلف وارد ہیں جیسا کہ دونوں بابوں کی روایات دیکھنے سے ظاہر ہو رہا ہے، لہذا ان دونوں کے بارے میں فقہاء کی رائے معلوم ہونی چاہیے، نیز ہر ایک کا طریقہ و تعریف بھی عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے داری لك عمری، یا یوں کہتا ہے اعمرتك داری جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ مکان تجھ کو سہیہ کرتا ہوں، تیری عمر بھر کے لئے جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے اس طرح کہہ دے تو پھر یہ جائز ہے لیکن وہ مکان صرف عمر بھر تک کے لئے نہیں بلکہ مٹنے کی حیات میں اس کے لئے اور اس کے انتقال کے بعد اسی کے ورثہ کے لئے ہوگا، گویا عمر بھر تک کی قید کا اعتبار نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے وہ

فرماتے ہیں کہ عمری کی دو صورتیں ہیں اگر معمر نے صرف وہ الفاظ کہے جو اوپر گزرے یعنی "داری لک عمری" اس صورت میں تو وہ مکان معمر لکھنے کے لئے صرف اس کی زندگی تک کیلئے ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد معمر کی طرف لوٹ آئے گا، اور اگر سہ کرنے والے نے "داری لک" کے ساتھ "ولعقبک بعدک" بھی کہا ہے تب تو یہ سہ ہمیشہ کے لئے نافذ ہو جائیگا اور موت معمر لک کے بعد اس کے ورثاء کے لئے ہوگا، اور اگر سہ کے وقت یہ زیادتی نہیں کہی تھی تو پھر موت معمر لک کے بعد وہ مکان واہب کی طرف لوٹ آئے گا۔

در اصل یہ اختلاف حقیقت عمری پر متفرع ہے عند مجہور عمری کی حقیقت تملیک الرقبہ ہے یعنی عین دار کا مالک بنادینا، اور امام مالک کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک المنفعۃ ہے اسی لئے ان کے نزدیک معمر لک اصل مکان کا مالک نہیں ہوتا، اور نہ ان کے نزدیک اس میں میراث جاری ہوتی ہے یعنی من حیث الملك، اور اگر سہ کے وقت میں اس نے "لک ولعقبک بعدک" کہا ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک اس کے اندر میراث جاری ہوگی یعنی وہی منفعت کے لحاظ سے، لا من حیث الملك۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، و حدیث جابر بن طریق ابی سلمۃ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، ومن طریق عروۃ عنہ اخرجہ النسائی، قالہ المنذری، والحدیث الرابع من حدیث جابر بلفظ "ایما رجل اعمر عمری لہ ولعقبۃ الحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

باب فی الرقبۃ

رقبۃ کی تعریف اور اس میں اختلاف
رقبۃ یہ بھی ایک سہ کا طریقہ ہے عمری کی طرح، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے "داری لک رقبۃ" یا "ارقبۃک داری" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں اپنا یہ مکان تجھ کو اس طور پر

دیتا ہوں کہ اگر پہلے میری موت واقع ہوئی تب تو یہ مکان تیرا ہوگا اور اگر تیری موت پہلے واقع ہوئی تب یہ مکان لوٹ کر میری طرف آجائے گا، یہ لفظ مر اقبہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتظار ہیں کیونکہ سہ کی اس نوع میں واہب اور مویوب لہ میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے اسی لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

رقبۃ کے حکم میں اختلاف ہے امام شافعی واحمد کے نزدیک جائز ہے مثل عمری کے، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک ناجائز ہے، صاحبین میں سے امام ابو یوسف امام شافعی کے ساتھ ہیں، اور امام محمد امام صاحب کے ساتھ اور منشأ اختلاف یہ ہے کہ ان حضرات ائمہ اربعہ کا حقیقت رقبۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کیا ہے، قائلین جواز کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک بشرط فاسد ہے، بشرط فاسد سے مراد اس کا یہ کہنا کہ اگر تو پہلے مرے تب میرا، اور

اگر میں پہلے مروں تب یہ تیرا، ان حضرات کے نزدیک تملیک باقی رہ جاتی ہے اور یہ شرط فاسد کا لعدم، لہذا یہ تملیک صحیح ہوگئی اور بہر صورت مکان اسی کے لئے ہوگا، اور جو فقہار قائل بالجواز نہیں ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک نہیں بلکہ تعلیق تملیک علی خطر ہے جس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ ناجائز ہے۔
حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث زید بن ثابت اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی تضمین العاریۃ

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | عاریۃ سے مراد شئی مستعار، یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی چیز عاریۃ دے اور پھر وہ شئی مستعیر کے پاس بلا اس کی تعدی کے ہلاک و ضائع ہو جائے تو اس صورت میں مستعیر پر اس کا ضمان واجب ہے یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعی واحمد ضمان کے قائل ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک تفصیل ہے، مآظہر ہلاکہ لا ضمان فیہ، وما حنفی ہلاکہ فہو مضمون، یعنی اگر وہ شئی مستعار ایسی چیز ہے جس کا ہلاک ہونا ظاہر ہو یعنی قرین قیاس ہو جیسے حیوان اسیں ضمان نہیں ہے، اور جس چیز کا ہلاک ہونا مخفی اور پوشیدہ ہو جیسے کپڑا اس میں ضمان واجب ہوگا (بذل عن الخطایا) عن قتادۃ عن الحسن عن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال علی الید ما اخذت حتی تؤدی۔

شرح الحدیث | یہ سے مراد صاحب ید، یعنی جس شخص نے کسی کی جو چیز لے رکھی ہے (عاریۃ) تو وہ اس کے ذمہ میں ہے جب تک اس کو ادا نہ کرے۔

_____ ادا کا تعلق عین ما واجب سے ہوتا ہے اور قضا و ضمان کا تعلق مثل ما واجب سے تو اس حدیث میں ادا کا ذکر ہے نہ کہ ضمان اور قضا کا جس کا تقاضا یہ ہے کہ عاریۃ میں ضمان نہیں ہے شئی مستعار اگر موجود و محفوظ ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر ضائع ہو جائے _____ تو پھر اس کا مثل یعنی ضمان واجب نہیں۔

پس اس روایت کا حاصل یہ ہوا العاریۃ مؤداة _____ اور اگر عاریۃ میں ضمان ہوا کرتا تو اس کے لئے اس طرح ہوتا۔ العاریۃ مضمونۃ۔ حالانکہ باب کی آخری حدیث میں تصریح آ رہی ہے کہ عاریۃ مضمونۃ نہیں بلکہ مؤداة ہے، پھر آگے روایت میں یہ ہے، ثوان الحسن نسی فقال ہوا مینک لاضمان علیہ، یہ قتادہ کا کلام ہے کہ ہمارے استاد حسن یہ کہتے تھے کہ مستعیر این ہوتا ہے اس پر ضمان واجب نہیں، قتادہ یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید ہمارے استاد اپنی بیان کردہ حدیث بھول گئے یعنی علی الید ما اخذت الخ یہ قتادہ کا اپنا لگان ہے

جو صحیح نہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حسن نے جو حدیث مرفوع نقل کی ہے وہ مقضیٰ ہے ضمان عاریۃ کو، حالانکہ ایسا نہیں،
الفاظ حدیث کا تو تقاضا خود یہی ہے کہ ضمان نہ ہونا چاہیے (بذل بایضاح)
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن امیۃ بن صفوان بن امیۃ عن ابيہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعار منہ
ادعایوم حنین فقال اغصب یا محمد؟ قال: بل عاریۃ مضمونۃ۔

شرح الحدیث امیۃ بن صفوان اپنے باپ صفوان بن امیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ
حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے چند زرہیں عاریۃ لیں، تو
دیتے وقت صفوان نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ یہ زرہیں بطور غصب کے لے رہے ہیں یا
عاریۃ (اس وقت تک صفوان اسلام نہیں لائے تھے) آپ نے فرمایا غصبا نہیں بلکہ عاریۃ، اور عاریۃ بھی ایسی جو ضمان والی ہوگی۔

توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ اس حدیث سے قائلین ضمان کی تائید ہو رہی ہے، لیکن یہی حدیث باب کے
آخر میں بھی آرہی ہے اس میں اس طرح ہے: قلت یا رسول اللہ! أعاریۃ مضمونۃ
او عاریۃ مؤدۃ، قال: بل مؤدۃ، لہذا ایسی صورت میں ضمان پر استدلال صحیح نہیں، اور حضرت نے بذل میں بذل عاریۃ مضمونۃ کا جواب
یہ دیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور بطور بیان حکم شرعی کے نہیں ہے بلکہ چونکہ صفوان اس وقت تک اسلام
نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو اسلحہ کی حاجت تھی اسلئے خاص اس موقع کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ نہیں
بلکہ یہ عاریۃ ضمان والی ہوگی تاکہ صفوان عاریۃ دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جاتے
اور یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام عواری کا حکم یہی ہے اہ جس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ایک روایت میں یہ آرہا ہے
کہ آپ نے جو زرہیں صفوان سے عاریۃ لی تھیں تو جب ان کے واپس کرنے کا وقت آیا تو ان میں چند زرہیں تعداد
میں کم تھیں اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے فرمایا کہ تمہاری چند زرہیں مفقود ہو گئیں فہل نغرم
لک، قال لایا رسول اللہ الا یعنی آپ نے فرمایا کہ کیا ہم ان کا ضمان تمہیں دیں؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ،
اسلئے کہ میرے قلب میں آج وہ بات ہے جو اس وقت نہیں تھی۔ والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

العاریۃ مؤدۃ، والمنحۃ مردودۃ، والدین مقضی، والزعیم غارم۔ یعنی عاریۃ کی شئی کو اس کے مالک
تک پہنچانا ضروری ہے اسی طرح مینمہ کا مالک — تک لوٹانا ضروری ہے، مینمہ کا ذکر بارہا آچکا ہے یعنی کوئی
دودھ والا جانور، یا کوئی پھل دار درخت جو کسی کو چند روز کیلئے برائے انتفاع دیا جاتے، اور دین کا ادا کرنا واجب ہے اور
کفیل ضامن ہوتا ہے، زعامۃ بمعنی کفالت، اور غارم ماخوذ ہے غرم سے جس کے معنی شئی لازم کا ادا کرنا۔
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عطاء بن ابي رباح عن صفوان بن يعلى عن ابيه: اس روایت میں اسی طرح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ اور عاریہ پر دینے والے یعلیٰ تھے، حالانکہ گذشتہ روایت میں یہ ہے کہ وہ صفوان بن یعلیٰ تھے، ولم تعرض له فی شیء من الشروح التي بایدینا فلیفتش۔ والحدیث اخرجه النسائی، قاله المنذری۔

باب فیہن افسد شیئا یغرم مثله

یعنی جو شخص کسی کی چیز خراب اور ضائع کر دے تو اس کو اس کا ضمان دینا ہوگا۔
وجوب ضمان کا ضابطہ | اس ترجمۃ الباب کے مصنف کی غرض ضمان المتلفات کو بیان کرنا ہے، اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں ذوات الامثال اور ذوات الیقیم، قسم اول کے ضمان میں مثل واجب ہوتا ہے یعنی مثل حسی، اور قسم ثانی میں مثل معنوی واجب ہوتا ہے یعنی قیمت، مکملات اور موزونات یہ سب ذوات الامثال میں سے ہیں، اور حیوانات ذوات الیقیم میں سے ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان عند بعض نساء فارسلت احدی امہات المؤمنین

آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت | بعض نساء سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، یعنی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کی باری میں ان کے پاس تھے تو آپ کی ازواج میں کسی ایک زوجہ محترمہ نے (قیل ہی صفیہ او حفصہ او ام سلمہ، و یحتمل تعدد الواقعة) اپنے خادم کے ساتھ ایک پلیٹ بھیجی جس میں کھانا تھا، جب خادم وہ کھانا لیکر اندر داخل ہوا تو حضرت عائشہ نے اس پر اپنا ہاتھ مارا جس سے وہ پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی اور دو ٹکڑے ہو گئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں ٹکڑوں کو اٹھا کر اور ان دونوں کو آپس میں جوڑ کر وہ گرا ہوا کھانا اس میں جمع کرنے لگے اور بغیر کسی اظہار ناراضگی اور غصہ کے حضرت عائشہ کی طرف سے بطور معذرت کے آپ یہ فرما رہے تھے غارت امکم کہ تم لوگوں کی اماں جی کو دوسرے کے یہاں کا کھانا دیکھ کر غیرت آئی (اور سونوں کی آپس میں غیرت اور تنافس معروف ہے ہی جو ایک فطری چیز ہے جس میں انسان مجبور ہوتا ہے، آپ نے بھی حضرت عائشہ کے اس فعل کو غیرت، ضرائر پر محمول فرماتے ہوئے کچھ نہ فرمایا اور بڑی حکمت عملی سے کام لیا، چنانچہ اس کا اثر علی الفور یہ ہوا کہ حضرت عائشہ شرمندہ

لہ دراصل آدمی کے جوش و اشتعال کے وقت اس کیلئے نصیحت مفید اور مؤثر نہیں ہوتی اسلئے آپ نے اس وقت کوئی نصیحت اور تنبیہ نہیں فرمائی، بعد میں جب ان کا غصہ اور بھڑاس نکل گیا تو وہ خود ہی معذرت فرمانے لگیں بلکہ تلافی کی صورت دریافت کرنے لگیں۔

ہو گئیں اور ایک دم کہنے لگیں یا رسول اللہ! ما کفارة ما صنعت یعنی یہ جو کچھ میں نے کیا اسکی تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا انا مثل اناء وطعام مثل طعام، چنانچہ حضرت عائشہ اس پلیٹ کے بدلہ میں ایک دوسری پلیٹ اندر سے لیکر آئیں، چنانچہ اس قصعہ مکسورہ کے بدلہ میں وہ قصعہ صحیحہ اس قاصد کے بدست جو کھانا لیکر آیا تھا بھیجی گئی۔ آگے دوسری روایت میں یہ بھی ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے صفیہ جیسا کھانا بنانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی، وہ فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے کھانا بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھیجا فَاخَذَ نِي اُكْلًا تو میں غصہ سے تھرا گئی۔

ہم نے ترجمہ الباب کی تشریح میں کہا تھا کہ مصنف کی غرض اس باب سے ضمان المتلفات کو بیان کرنا ہے لیکن قصعہ اور طعام ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں۔ لہذا ان میں ضمان بالمثل نہیں بلکہ بالقیمت ہے، مگر چونکہ یہ حقیقہ ضمان تھا ہی نہیں اسلئے کہ دونوں پلیٹیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ملک تھیں، گھروں کا اکثر سامان زوج ہی کی ملکیت ہوتا ہے، بلکہ اس سے مقصود تطیب خاطر صفیہ تھا فلا اشکال۔

حدیث النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری والترندی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجه النسائی قال المنذرى۔

باب المواشی تفسد زرع قوم

ان ناقہ للبراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت حائط رجل فافسدته عليهم فقتضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی اهل الاموال حفظها بالنهار وعلی اهل المواشی حفظها باللیل۔ حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کسی شخص کے باغ میں گھس گئی اور اس کو خراب کر ڈالا، تو اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ باغ اور کھیت والوں کے ذمہ ہے اپنے باغات اور کھیتوں کی حفاظت کرنا دن میں، اور ارباب مواشی کے حق میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے ذمہ ہے اپنے جانوروں کی حفاظت اور نگرانی رات کے وقت میں یعنی جانوروں کو رات میں تو باندھ کر رکھا جائے تاکہ کسی کا باغ اور کھیتی خراب نہ کریں، اور دن میں کھیت والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی چیز کی حفاظت خود کریں۔

مسئله الباب میں مذاہب ائمہ | اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر رات میں کسی کا ماشیہ کسی دوسرے شخص

→ اس حدیث میں بہت بڑا سبق ہے حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کا اور سورت کے جذبات کی رعایت کا، باوجود ان کی ہمائش اور تنبیہ کرنے کے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللهم رفقا للمکارم الاخلاق التي بعث لاتها مہابینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کا کھیت خراب کرے گا تو اس پر اس کا ضمان واجب ہوگا، اور اگر نقصان دن میں ہو تو پھر اہل مواشی پر کوئی ضمان نہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے، حنفیہ کے نزدیک دن اور رات کا اسمیں کوئی فرق نہیں، حدیث البجاء جر جہا جبار، یہ حدیث حدیث الباب سے زیادہ صحیح ہے اور متفق علیہ یعنی صحیحین کی روایت ہے، اور حدیث الباب سنن کی روایت ہے البتہ ایک شرط ضمان کی اور ہے جو متفق علیہ ہے وہ یہ کہ اس ماشیہ کیساتھ اس کا سائق نہ ہو، اگر سائق ہوگا تو اس صورت میں ضمان ہوگا اسلئے کہ اس صورت میں وہ فعل دایہ (افساد وغیرہ) سائق کی طرف منسوب ہوگا، اور جس صورت میں ماشیہ کے ساتھ سائق نہیں ہوگا اس وقت فعل دایہ کی نسبت دایہ کی طرف ہوگی، اور حدیث میں فعل دایہ ہی کو جبار اور عفو قرار دیا گیا ہے، لہذا ضمان و عدم ضمان کے لئے یہ قید تو بالاتفاق معتبر ہے لیکن یہ دن اور رات والے فرق کی بات یہ مختلف فیہ ہے، والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت لہ ناقۃ ضاریۃ۔ ناقۃ ضاریۃ وہ اونٹنی جو کھلی پھرنے کی وجہ سے لوگوں کے کھیت چرنے کی عادی ہو، حضرت برابر بن عازب نے اپنا یہ واقعہ خود بیان کیا کہ ان کی ایک اونٹنی ایسی تھی اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

اختر کتاب البیوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوَّلُ کِتَابِ الْقَضَاءِ

اور بعض نسخوں میں ہے، "کتاب الاقضیۃ" امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب البیوع کے بعد کتاب الاحکام عنوان قائم کیا ہے، اور مصنف نے کتاب القضاء دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے، اسلئے کہ احکام سے مراد ترمذی میں احکام قاضی ہیں، لہذا دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا، کتاب البیوع اور قضا میں مناسبت ظاہر ہے وہ یہ کہ بیوع اور معاملات میں بسا اوقات اختلاف و نزاع رونما ہو جاتا ہے جس کے فیصلہ کیلئے قاضی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، کتاب الاحکام کا عنوان صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو انہوں نے تقریباً کتاب کے اخیر میں کتاب الفتن کے بعد ذکر کیا ہے۔

باب فی طلب القضاء

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من ولی

القضاء فقد ذبح بغير سكين۔

شرح الحدیث الکوکب الدرّی میں "فقد ذبح بغیر سکیں" کے معنی یہ لکھے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا، بغیر سکیں سے اسی طرف اشارہ ہے، اسلئے کہ جو ذبح سکیں سے ہوتا ہے وہ تو تھوڑی دیر کی مصیبت اور تکلیف ہوتی ہے، اور جب بغیر سکیں کے ذبح کیا جائے گا تو اس کی شقت بڑی طول و طویل ہوگی، پھر اس مشقت دیرینہ و طولیہ کے بعد دو صورتیں ہیں یا تو اپنی دینداری اور انصاف کی وجہ سے جزیل ثواب کا مستحق ہوگا یا فیصلوں میں ظلم کر کے دنیا کیساتھ آخرت کو بھی ڈبو دے گا، اھ اور امام خطابی نے "بغیر سکیں" کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ یہ اسلئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے کلام میں ذبح اور ہلاکت سے ہلاکت حسی مراد نہیں بلکہ ہلاکت معنوی یعنی دینی نقصان، اور علامہ سندھی نے "فتح الودود" حاشیہ ابی داؤد میں لکھا ہے کہ یہ جملہ صورتہ خبریہ ہے لیکن معنی انشاء ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بنادیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر سے خواہشات نفسانیہ کو ذبح کر ڈالے اور اپنے نفس کو کچل دے اسلئے کہ تب ہی وہ صحیح معنی میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکتا ہے، اور یا یہ عہدہ قضا کی مذمت ہے کہ اس میں رغبت نہ کرنی چاہیئے اس لئے کہ اس میں بڑا خطرہ ہے ہلاکت ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

باب فی القاضی یخطئ

عن ابن بربیۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال القضاۃ ثلاثۃ، واحد فی الجنۃ واثنان فی النار الخ۔

اس حدیث کا حوالہ ہمارے یہاں کتاب النراج میں "باب فی العرافۃ" میں گذر چکا ہے۔
یعنی قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک قسم تو جنت میں جائیگی اور دو جہنم میں جو جنت میں جائے گا وہ وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کیا، اور تیسری قسم وہ ہے جس نے سرے سے حق ہی کو نہیں پہچانا یہ دونوں قسمیں جہنمی ہیں۔
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران الخ۔

یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اپنے اجتہاد سے (یعنی فروع محکمہ غیر منصوصہ میں) اور اس کا اجتہاد درست رہا یعنی اصل حکم شرعی کے موافق رہا تو اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک اجر الاجتہاد اور ایک اجر الاصابۃ، اور اگر حاکم نے اجتہاد کے بعد فیصلہ کیا ایسا اجتہاد جس میں اس سے خطا واقع ہوئی ہے اور اصل حکم شرعی کو نہ پہنچ سکا تب بھی اس کیلئے اجر ہے مگر ایک، یعنی اجر الاجتہاد، اسلئے کہ قاضی اور مفتی کا اجتہاد یہ اس کی عبادت ہے، اور جو خطا اس سے سرزد

ہوئی وہ معاف کر دی جاتی ہے۔

والحیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مطولاً ومختصراً۔ قالہ المنذری۔

من طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ ثم غلب عدلہ جوراً فلہ الجنة، ومن غلب جوراً عدلہ فلہ النار۔
شرح الحدیث | بذل میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ عہدہ قضا کی طلب مکروہ و مذموم ہے لیکن اگر کسی شخص نے اس عہدہ کو حاصل کر ہی لیا اور پھر اس کا عدل و انصاف اس کے جور و ظلم پر غالب رہا تو اس کے لئے جنت ہے اور وہ کامیاب ہے اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب رہے گا اس کے لئے نار ہے اھ
 ثم غلب عدلہ جوراً کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس قاضی کی صفت عدل صفت جور پر غالب رہی یعنی ہر فیصلہ میں اس کا عدل اس کی نا انصافی پر غالب رہا اور یہ مطلب نہیں کہ جس قاضی کے زیادہ تر فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوں اور بعض غیر انصاف پر اس کے لئے بھی جنت کی بشارت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ

قال ابو موسیٰ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لمن نستعمل علی عملنا من ارادہ۔
 یہ حدیث یہاں مختصر ہے، کتاب الحدود کے شروع میں مفصلاً آرہی ہے، اور ہمارے یہاں اس سے پہلے بھی اس کا ذکر کتاب الطہارۃ میں، باب کیف یستاک، میں آچکا ہے، اور نسائی شریف کے شروع میں ابواب الوضو میں روایت مفصلہ مذکور ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی بطولہ واخرجه ابو داؤد فی کتاب الحدود بطولہ، قالہ المنذری۔

باب فی کراہیۃ الرشوة

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الراشی والمرشئی۔
 راشی رشوت دینے والا، اور مرشئی لینے والا، والرشوة۔ مثلثہ الراشی ما یعطی لابطال حق او یعطی لاحقاق باطل رشوة کا ذکر اور اس کی یہ تعریف کتاب الخراج میں باب فی کراہیۃ الانراض فی آخر الزمان میں گذر چکی، والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی ہدایا العمال

ابھی چند باب پہلے ایک باب گذرا، باب فی قبول الہدایا، اس باب میں اس موجودہ ترجمہ الباب کا حوالہ اور

اس سے پہلے کتاب الخراج میں: "ہدایا العمال" کا ایک باب گزرا ہے، سب کا حوالہ گذشتہ باب میں آچکا ہے
 حدیثی عدی بن عمیرۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال یا یہا الناس
 من عمل منکم لنا علی عمل۔

مضمون حدیث | آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو شخص ہمارے کسی عمل پر عامل بنایا جائے اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز چھپائے (بغیر اجازت کے لے) مخفیاً بکسر المیم
 بمعنی سوئی تو اس کا یہ چھپانا غلول ہوگا (اور غلول کا حکم یہ ہے ومن یغفل یا تبہما غل یوم القیامۃ یعنی غلول کی چیز کو وہ
 غالت بروز قیامت اپنی ساتھ لے کر آئے گا) راوی کہتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد پر ایک انصاری صحابی جو سیاہ رنگ
 کے تھے کھڑے ہوئے (اور یہ واقعہ مجھے اس طرح مستحضر ہے کہ) گویا میں اس کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں، اس نے
 عرض کیا یا رسول اللہ! لیجئے اپنا یہ عمل (آپ نے اس کو کسی جگہ کا عامل بنایا ہوگا جس پر اس نے یہ کہا) آپ نے پوچھا کہ
 کیا بات ہے، ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے ابھی ابھی یہ مضمون سنا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہ بات تو میں اب بھی کہتا ہوں اور پھر آپ نے اپنی وہی بات دہرا دی۔ پھر آگے روایت میں کچھ
 ذکر نہیں کہ وہ اپنے اس عمل پر گئے یا نہیں۔

قاضی یا عامل کیلئے قبول ہدیہ کب جائز ہے؟ | مصنف نے اس حدیث پر "ہدایا العمال" کا ترجمہ قائم کیا اس
 بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ عامل اگر کسی شخص کا ہدیہ
 قبول کرے تو وہ بھی غلول ہی کے حکم میں ہے، لہذا یا تو اس کو ہدیہ قبول ہی نہ کرنا چاہیے اور اگر مصلحت لے تو اس کو مال صدقہ
 ہی میں رکھ دینا چاہیے، اس سے پہلے بھی اس سلسلہ کی حدیث ابن اللتیبہ کی اپنے محل پر گزر چکی ہے۔ "ہلا جلس فی
 بیت امیر اوامہ" الحدیث اس پر شرح نے لکھا ہے کہ جو ہدیہ قاضی یا عامل کو کسی نئے آدمی کی طرف سے محض اسکے عہدہ قضا
 یا عامل ہونے کی حیثیت سے دیا جائے ممانعت ایسے ہدیہ قبول کرنے کی ہے کیونکہ اس میں نیت فاسدہ کا قوی احتمال
 ہے کہ وہ عامل زکاۃ وصول کرنے میں مزرگی کی رعایت کرے گا اور ایسے ہی قاضی اور اگر اس عامل یا قاضی کو ہدیہ دینے والا
 اپنے قدیم ذاتی تعلق کی بنا پر ہدیہ دے رہا ہے جس میں فساد نیت وغیرہ کا احتمال نہ ہو تو پھر اس صورت میں قبول کرنا
 جائز ہے۔

باب کیف القضاء

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی الیمن قاضیا
 فقلت یا رسول اللہ! ترسلنی وان احدث السن، ولا علم لی بالقضاء الخ
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یمن قاضی بنا کر بھیجا، وہ کہتے ہیں

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اس کام کیلئے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم بھی نہیں۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس سے مطلق علم کی نفی مراد نہیں بلکہ اس سے عادت اور تجربہ کی نفی مراد ہے۔ آپ نے ان سے بطور دعا کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اور تمہاری زبان کو حق پر حجاب سے گائیے اس کے ذریعہ صحیح فیصلہ کرائے گا، پھر آپ نے ان کو فیصلہ کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف رہنمائی فرمائی وہ یہ کہ جب مجلس قضاء میں تمہارے پاس خصمین مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوں تو ایک شخص کا بیان سنکر ہرگز فیصلہ نہ کرنا جب تک اسکے خصم کی بات نہ سن لو، جس طرح تفصیل سے پہلے کی بات سنی ہے فائدہ اُحری ان یتبین لك القضاء، اسلئے کہ اس صورت میں یعنی فریقین کی بات سننے کے بعد صحیح فیصلہ کا تم پر ظاہر ہونا بہت قریب ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (آپ کی اس دعا کی برکت اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر عمل کرنے کی بدولت) کبھی مجھے اپنے کسی فیصلہ میں شک اور تردد نہیں ہوا۔

قضاء علی الغائب کے حاکم کے لئے قضاء علی الغائب جائز نہیں اس لئے کہ جب خصمین کے موجود ہونے کے باوجود دوسرے کی بات سننے سے پہلے فیصلہ کرنا جائز نہیں تو خصم کے غائب ہونے کی صورت میں عدم جواز بطریق اولیٰ ہوگا، خطابی فرماتے ہیں: ومن ذهب الی ذلک شرح وعمر بن عبد العزیز وھو قول ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، وقال مالک والشافعی القضاء علی الغائب جائز وکان ابو عبیدیری القضاء علی الغائب اذا تیقن الحاکم ان فرارہ واستخفارہ انما ھو فرار من الحق ومعاندة للخصم، یعنی ابو عبیدہ کے نزدیک قضاء علی الغائب اس صورت میں جائز ہے جبکہ حاکم کو اس بات کا یقین ہو کہ فریق آخر کا عدالت میں حاضری ہونا اور روپوش ہو جانا وہ ادائے حق سے بچنے کے لئے اور اپنے مقابل کی دشمنی کی وجہ سے ہے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فیصلہ بڑے مشہور ہیں قضاء و احکام میں ان کی مہارت مشہور اور ضرب الشل ہے تم نے پڑھا ہوگا بخو کی کتاب میں: قضیۃ ولا اباحسن لھا، اور حدیث بھی مشہور ہے جو بہت سے خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے: واقضائھم علی، اس قسم کی روایات مناقب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ والحدیث اخرجه الترمذی تحقراً، وقال حدیث حسن، قالہ المنذری۔

باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یرى الحق بحجته من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منه لئلا یفرار بہ من یشک فی الانسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے مناصات اور منازعات میں فیصلہ کے لئے میرے

پاس آتے ہو (اس بارے میں مجھ سے ایک بات غور سے سنو) وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض بڑا فصیح اور قادر الکلام ہو اپنی بات اور دلیل کو خوب اچھی طرح بیان کرنے والا ہو دوسرے کے مقابلہ میں، پس ایسی صورت میں امکان ہے ایسی بات کا کہ میں اس الحن اور انصاح کی تقریر کے موافق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (اور بالفرض ہو وہ فیصلہ خلاف واقع فریق آخر کے اپنی بات کو اچھی طرح نہ سمجھانے کی وجہ سے) تو اس کے بارے میں یہ سن لو کہ ایسی صورت میں، میں جس شخص کے لئے دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو اس کو اس کا لینا جائز نہ ہوگا بلکہ وہ یوں سمجھے کہ میں نے اس کے لئے آگ کا فیصلہ کیا ہے۔

قضاء القاضی کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یا ظاہر و باطناً | اس حدیث میں ایک مشہور اختلافی مسئلہ مذکور ہے وہ یہ کہ قضاء قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً ہر دو لحاظ سے ہوتا ہے یا صرف ظاہر ہوتا ہے دینی احکام کے اعتبار سے، اس مسئلہ میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قضاء قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً دونوں طرح ہوتا ہے، اور جمہور کے نزدیک اس کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یعنی دینی احکام کے اعتبار سے، باطناً وعند اللہ نہیں یعنی قاضی کے ہر فیصلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسا ہو، بلکہ اس میں غلطی کا امکان ہونے کی وجہ سے خلاف حق ہونے کا احتمال ہے، اس اختلاف کے جاننے کے بعد اب آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے اس مسلک کے خلاف ہے کیونکہ آپ فرما رہے ہیں کہ میرے فیصلہ کرنے سے وہ شئی عند اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا جو یہ مسلک ہے جو اوپر مذکور ہوا اس کا تعلق عقود و فسوخ سے ہے خواہ اس عقد کا تعلق طلاق و نکاح سے ہو یا اموال سے، املاک و مرسلہ میں ہمارا مسلک یہ نہیں ہے، عقود و فسوخ کی مثال جیسے ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ہاتھ اپنی فلاں چیز کی بیع کی ہے اور وہ دوسرا شخص بیع کا منکر ہے، مدعی نے دو شاہد زور اپنے دعویٰ پر قائم کر دیئے حاکم نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں قضائے قاضی کی وجہ سے اگرچہ بیع پہلے سے منعقد نہ تھی اب یعنی فیصلہ کے بعد ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ ثمن کی ادائیگی اور پھر اس شئی میں تصرف کرنا جائز ہوگا، ایسے ہی اگر کسی شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا کہ میں تجھ سے نکاح کر چکا تھا، عورت انکار کرتی تھی لیکن مرد نے قاضی کی مجلس میں دو شاہد زور پیش کر دیئے جس کی وجہ سے قاضی نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ثبوت نکاح کا تو اس مثال میں باوجود پہلے سے نکاح نہ ہونے کے قضائے قاضی کی وجہ سے شرعاً وعند اللہ نکاح منعقد ہو جائیگا جب حنفیہ کے مسلک کی تحقیق ہوگئی تو اب سمجھئے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عقود و فسوخ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہم اس کا تعلق املاک و مرسلہ سے مانتے ہیں یعنی جہاں پر دعویٰ اور خصمیں میں اختلاف نفس ملک میں ہو مثلاً ایک شخص کہے کہ فلاں شخص کے پاس جو زمین ہے وہ اس کی ملک نہیں بلکہ میری ہے اس کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اس مسئلہ کا تعلق نفس ملک سے ہے عقد بیع و شرا سے نہیں تو اس مسئلہ میں مدعی نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی

نے اسکے حق میں فیصلہ کر دیا یا واقع میں وہ زمین مدعی ہی کی تھی، لیکن اسکے پاس بیہ نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے مدعی علیہ کی پیمانی پر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا، اس مثال میں قاضی کے فیصلہ سے وہ چیز مقضی کہ کیلئے جائز و حلال نہ ہوگی، اور قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر نافذ ہوگا نہ باطناً حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی و حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عقد و فسخ کا حق شرعاً حاصل ہے لہذا جب وہ دو شخصوں کے درمیان اصول اور قواعد کے مطابق عقد یا فسخ کا فیصلہ کرے گا تو اس کا یہ فیصلہ شرعاً معتبر و نافذ ہوگا لیکن قاضی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ کسی چیز میں غیر مالک کے لئے ملکیت کو اپنے فیصلہ سے ثابت کر دے لہذا حدیث الباب کا تعلق اسی دوسری صورت سے ہے، نیز حنفیہ کی تائید میں وہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر "العرف الشذی" میں بھی مذکور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ایک عورت سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو شاہد زور بھی پیش کر دیئے جس پر انہوں نے نکاح کا فیصلہ فرمادیا، اس پر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اے امیر المؤمنین! جب یہ بات ہے تو پھر میرا اس سے نکاح ہی کیونکر ہوگا تاکہ دونوں گنہگار نہ ہوں، اس پر حضرت علی نے فرمایا، "شاہد اک زو جا ک، یعنی ابھی اس مجلس میں دو گواہوں کی گواہی پر میں نے نکاح کا فیصلہ کیا ہے اسی سے عقد نکاح کا تحقق ہو گیا، اس کے بعد عرف الشذی میں یہ ہے کہ ذکرہ محمد بنی الاصل ولایذکرون سندھذا الواقعة ولم اجد السند وظنی انہا لا تکن بلا اصل ومرا الحیفاظ علی هذا الاثر ولم یردہ زیادة المرء، ولم یقبلہ ایضاً، فذل علی انه لیس بلا اصل، یعنی حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کر کے انہوں نے اس کو کچھ زیادہ رد نہیں کیا گو قبول بھی نہیں کیا، ایسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے اصل نہیں ہے (عرف الشذی ص ۴۴) والیہ یہ اثراخرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت اتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجلاً من بني تميم في مواسم لهما لم تكن لهما بينة الادعواهما فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: فذكر مثله۔
یہ حدیث بھی وہی ہے جو اوپر آئی مگر پہلی حدیث مختصر تھی اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ دو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میراث کے مسئلہ میں جھگڑتے ہوئے آئے، اور بیہ کسی کے پاس نہیں تھا اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو پہلے گزر چکی۔ اس کے بعد یہاں روایت میں یہ ہے کہ آپ کی یہ وعید سن کر دونوں شخص رونے لگے اور ہر ایک ان میں سے اپنا حق دوسرے کو دینے لگا، اس پر آپ نے ان دونوں سے فرمایا: اما اذا فعلتما

لہ ولایا الفنا هذه الحدیث فان الحدیث یقتضی من قضیت لہ من حق اخیر شیء ما فی العقود والفسوخ لا یقضی القاضی بحی اخیر شیء ما بل یحکم بالعقد او الفسخ الذی هو حق الحاکم۔ الی آخر ما فی البذل۔

ما فعلتما فاقسما وتوخيا الحق ثم استهما ثم تحالا، یہ اوپر آچکا کہ ان دونوں کا اختلاف کسی میراث اور ترکہ کے بارے میں تھا، ترکہ میں تو متفرق چیزیں ہوا ہی کرتی ہیں اسلئے آپ نے ان سے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو برابر برابر دو جگہ کر لو، اور ہر ایک اس تقسیم سے اپنے ہی حق کو لینے کا ارادہ کرے، یعنی اس سے زائد کا نہیں۔ پھر جب وہ کل مال دو جگہ رکھا جائے تو قرعہ اندازی کرو تعین حصہ کے بارے میں، پھر جس کے نام جو نسا حصہ نکلے اس کو وہ لے لے اور اس کے باوجود بھی آپس میں ایک دوسرے کو اپنا حق معاف کر دے، یعنی احتیاطاً۔

یختصمان فی موارث و اشیاء قد درست، یعنی جھگڑا مال میراث اور ایسی چیزوں میں تھا جو برائی ہو گئی تھیں فقال انی انما اقضی بیکم برأی فیما لم یزل علی ذیہ۔ یعنی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس مسئلہ کے بارے میں مجھ پر وجہ نازل نہیں ہوتی اس میں میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں۔

آپ کے لئے اجتہاد کا جائز ہونا یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کے لئے احکام میں اجتہاد جائز تھا، مسئلہ اختلافی ہے جمہور علماء کی رائے یہی ہے یعنی جواز کی، اس مسئلہ میں چار قول ہیں جو ہمارے یہاں ابواب الوضوء لولاء ان اشق علی امتی لامرہم بالسواک الحدیث کے ذیل میں گزر چکے۔

عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وهو علی المنبر یا ایہا الناس ان الراۃ انما کان من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مصیبا لان اللہ تعالیٰ کان یریدہ، وانما هو منا الظن والتکلف۔

یعنی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں منبر پر یہ بات فرمائی کہ اے لوگو! بیشک اصل رائے جو درست اور صواب ہو وہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق بات سمجھاتے تھے، اور ہماری رائے تو بس ایک گمان اور تکلف کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ روایت مرسل ہے یعنی منقطع، کیونکہ ابن شہاب کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں دیکھتے! حضرت عمر اپنی رائے کے بارے میں کیا فرما رہے ہیں اور اس کو کتنا کم حیثیت بتا رہے ہیں حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں اصابتہ رائے اور حق گوئی کی شہادت دی ہے فقیہ الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ان اللہ جعل السحی علی لسان عمر وقلبہ

حدثنا احمد بن عبد اللہ الضبی الخ۔ یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے کافی تعلق ایشخ محمد عوامہ اور اس کے یہاں ہونے کی کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی (کافی البذل)

باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی

عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الخصمین

یفتقدان بین یدی الحاکم۔

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی کو چاہیئے کہ خصمین میں سے کسی ایک کیساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے بلکہ دونوں کو اپنے سامنے بٹھائے۔

بذل میں ایک اشکال لکھا ہے کہ اس حدیث میں کیفیت جلوس مذکور نہیں لہذا ترجمۃ الباب میں لفظ کیف نہیں ہونا چاہیئے تھا، لیکن اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خصمین میں سے ہر ایک کا حاکم کے سامنے بیٹھنا ہی کیفیت جلوس ہے۔

باب القاضی یقضی وهو غضبان

لا یقضی الحکم بین اثنتین وهو غضبان، یعنی قاضی صاحب کو اگر پہلے سے کسی بات پر غصہ آ رہا ہے تو اس وقت میں دعویٰ کی سماعت اور اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے، ہو سکتا ہے اس حالت میں وہ معاملہ کو کا حقہ نہ سمجھ سکے، اسی طرح بذل میں لکھا ہے کہ جوع اور عطش وغیرہ احوال میں بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔
والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

باب الحکم بین اهل الذمة

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یعنی مسلمان قاضی کو دار الاسلام میں ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیئے یا نہیں، امام مالک کی رائے اس میں تحجیر کی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مرافعہ کی صورت میں فیصلہ کا حکم ہے ویسے نہیں، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہی یعنی وجوب عند المرافعہ، دوسرا یہ کہ مطلقاً واجب ہے۔

قال کان بنو النضیر اذا اقتتلوا من بنی قریظۃ اذوا نصف الدیۃ الخ۔

یہ روایت مفصلاً کتاب الحدود میں آرہی ہے، بنو قریظہ اور بنو نضیر یہود کے دو مشہور قبیلے ہیں جو مدینہ میں آباد تھے جن میں بنو قریظہ کم درجہ سمجھے جاتے تھے اور بنو نضیر اونچے درجے کے، اس لئے ان کے یہاں یہ بے انصافی شروع میں پائی جاتی تھی کہ بنو نضیر اگر کسی قرظی شخص کو قتل کر دیتے تو اس کی نصف دیت ادا کرتے، اور اگر بنو قریظہ بنو نضیر میں سے کسی کو قتل کر دیتے تو ان کو کامل دیت دینی پڑتی تھی، راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تفریق کو ختم کر کے دونوں کے درمیان مساوات کا فیصلہ فرمایا،

اس آیت کریمہ کے مطابق جو روایت میں مذکور ہے، "وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط" (بذل)
والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

باب اجتہاد الرأی فی القضاء

ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما اراد ان یبعث معاذ الی الیمن قال: کیف تقضی اذا عرض لك قضاء، قال: اقضی بکتاب اللہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنة رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتہد رأی ولا آلو، فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدره فقال الحمد لله الذی وفق رسول

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما یرضی رسول اللہ۔

اس حدیث کا مضمون تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ میں پہنچ کر تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق اور اگر اس میں نہ ملا تو سنت رسول اللہ کے مطابق۔ آپ نے دریافت کیا کہ اگر دونوں میں نہ پایا تو کیسے فیصلہ کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ولا آلو یعنی اس اجتہاد کرنے میں کوئی کوتاہی اور کسر نہیں چھوڑوں گا یعنی حسبِ سمعت و طاعت صحیح فیصلہ کی کوشش کروں گا۔ آپ نے ان کا یہ جواب سن کر ان کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور فرمایا تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو توفیق دی اس چیز کی جس کو رسول اللہ پسند کرتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اجتہاد رأی سے اپنی ذاتی رائے مراد نہیں جو انکے ذہن میں آئے بغیر استناد الی الکتاب والسنة کے، بلکہ رائے سے مراد رائے بطریق قیاس ہے جس کا ماخذ کتاب وسنت ہو، اور پھر اسکے بعد فرماتے ہیں: وفي هذا اثبات القیاس وایجاب الحکم بہ اھ چنانچہ تمام ہی فقہاء قاطبہ نے اس حدیث سے حجیۃ قیاس پر استدلال کیا ہے۔

حدیث الباب کی سند پر کلام اور محدثین کی طرف سے اس کا جواب اس کے بعد پھر جاننا چاہیے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس کے اندر ایک راوی ہے حارث بن عمرو جو مجہول ہے بالاتفاق نیز وہ روایت کر رہا ہے اس کو اصحاب معاذ من اھل حمص سے جو کہ مجہول ہیں۔ امام ترمذی

نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے وہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں لا نعرف الا من هذا الوجه ولین اسنادہ عنہی بمقتضیٰ اور جو زقانی نے تو اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، علامہ سیوطی "مرقاۃ الصور" میں اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں قلت لکن الحدیث لہ شواھد موقوفہ عن عمر بن الخطاب وابن مسعود وزید بن ثابت وابن عباس، وقد اخرجہا البیہقی فی سننہ عقب تخریجہ لہذا الحدیث تقویۃ لہ اھ (بذل) حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں اس حدیث کو حجیت قیاس میں پیش کیا ہے اور اس سند میں جو خامیاں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ان کی طرف سے جواب دیا ہے، اور یہ کہ یہ حدیث حدیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور اصحاب معاذ کی

شہرت علم و دین اور فضل و صدق میں اتنی ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں، اور نیز فرماتے ہیں کہ شعبہ جو اس حدیث کے حامل لوگ ہیں ان کی شان یہ ہے کہ بعض ائمہ حدیث نے ان کے بارے میں فرمایا ہے اذاریت شعبۃ فی اسناد حدیث فاشدد یدیک بہ کہ جب تم کسی حدیث کی سند میں شعبہ راوی کو دیکھ لو کہ وہ اس میں موجود ہیں تو پھر اس حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور خطیب بغدادی نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے جس کی سند متصل اور رجال معروف بالشقاہہ ہیں، اس سب کے علاوہ یہ بات ہے کہ اہل علم اس حدیث کو نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حجیت قیاس پر اس سے استدلال کرتے رہے ہیں نو قفنا بذلک علی صحۃ عندہم، یعنی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح و ثابت ہے اور پھر انہوں نے اس کے بعد بہت سی ایسی حدیثیں نظیر کے طور پر ذکر کیں جو من حیث الاسناد قوی نہیں لیکن علماء کا نقل در نقل کرنا ان کی صحت کے لئے کافی اور مستغنی عن طلب الاسناد ہو گیا (مخصصا من العون) والحدیث: أخرجه الترمذی، قال المنذری۔

تنبیہ :- حافظ ابن قیم تہذیب السنن میں فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے عن عبادۃ بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم حدیثنا معاذ بن جبل قال لما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی الیمین قال لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشلک علیک امر فقف حتی تبینہ او تکتب الی فیہ، ابن قیم فرماتے ہیں: وهذا جود اسناد من الاول ولا ذکر فیہ للراۃ۔

باب فی الصلح

یہ کتاب القضاء چل رہی ہے اس باب سے مصنف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جس طرح قاضی کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ خصمین کے درمیان علی حسب الاصول شرعی فیصلہ کرے اسی طرح قاضی کو اس کا بھی حق ہے کہ خصمین کے درمیان رفعاً للنزاع صلح کرادے جیسا کہ کعب بن مالک اور ابن ابی حدرد کے درمیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کرائی تھی۔

الصلح جائز بین المسلمین الاصلحاً حرم حلاً لا او احل خراماً الخ۔

امام ترمذی کی حدیث الباب کے بار میں
تصحیح اور اس پر محدثین کا اعتراض

مضمون حدیث تو ظاہر ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح، امام ترمذی کی اس رائے پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جو ترمذی میں ہے کثیر

بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی ہے جس کے بارے میں یہ ہے کہ ہوضیف جداً وقال النسائی لیس بثقة وقال ابن معین لیس بشئ، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے کثیر بن عبد اللہ کی روایت سے یہ حدیث الصلح جائز بین المسلمین روایت کرنے کے بعد اس کی تصحیح کی ہے فلہذا لا یعمد العلماء علی تصحیحہ، لیکن حافظ ابن حجر نے امام ترمذی کی طرف سے اعتذار یہ فرمایا ہے وکانہ اعتبر بکثرة طرقہ، یعنی امام ترمذی نے اس حدیث پر صحت کا حکم صرف اپنی بیان کردہ سند کے اعتبار سے

ہنیں لگایا بلکہ ان کے پیش نظر اس کے دوسرے طرق بھی ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے (بذل) چنانچہ ابوداؤد کی اس سند میں یہ راوی نہیں ہے کما تری، اس حدیث پر بن حیت الفقہ اور بھی کلام کیا گیا ہے، صلح کی مختلف انواع کے پیش نظر جس کے لئے تفصیل درکار ہے فلیراجع الی الشرح۔

اخبرنی عبد اللہ بن کعب بن مالک ان کعب بن مالک اخبروا انہ تقاضی ابن ابی حذرہ دینا کان لہ علیہ مضمون حدیث یہ ہے کہ کعب بن مالک کے بیٹے عبد اللہ اپنے والد کعب بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میرا ابن ابی حذرہ زبردین تھا جس کا میں نے ان سے تقاضا کیا مسجد میں جس سے دونوں کی آواز باند ہو گئیں حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اپنے حجرہ شریفہ میں تھے ان کی آواز سن کر دروازہ پر تشریف لائے اور اس پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کو ہٹایا اور کعب بن مالک کا نام لیکر ان کو پکارا انہوں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ، آپ نے ان کی طرف اپنی انگلی کے اشارے سے یہ سمجھایا کہ اپنا نصف دین معاف کر دو، انہوں نے عرض کیا جی میں نے ایسا کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی حذرہ سے فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور نصف اس کو ادا کر دے جس پر صلح ہو گئی۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی الشهادات

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال الا اخبرکم بخیر الشہداء الذی یاتی بشہادۃ قبل ان یسألہا یعنی آپ نے فرمایا کہ شہدار میں بہترین شاہد وہ ہے جو شہادت دے قبل اس کے کہ اس سے شہادت کی درخواست کی جائے یہ تو ظاہر ہے کہ شہادت سے سچی شہادت مراد ہے، اور چونکہ شاہدوں کی شہادت مدعی کے حق واجب کے ثبوت کا ذریعہ ہے اسلئے آپ اس کی مدح اور ترغیب فرما رہے ہیں۔

قال ابوداؤد قال مالک: الذی یخبر بشہادۃ ولا یعلم بہا الذی ھی لہ۔

رفع التعارض بین الحدیثین | امام مالک جن کا قول مصنف نقل کر رہے ہیں ان کی غرض اپنے اس کلام سے رفع التعارض بین الحدیثین ہے اسلئے کہ ایک دوسری حدیث میں مقام مذمت

میں فرمایا گیا ہے الذین یشہدون ولا یشہدون کہ وہ ایسے ہیں کہ بغیر طلب شہادت کے شہادت دیتے پھر ہیں، امام مالک اس کی توجیہ یہ فرما رہے ہیں کہ شہادت قبل الاستشہاد کی مدح اس مقام پر ہے جہاں پر مدعی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا کوئی شاہد ہے یا نہیں، لہذا ایسے موقع پر جس شخص کو مدعی کے صدق دعویٰ کا علم ہے اس کو چاہیئے کہ وہ کھڑا ہو کر گواہی دے اس کے حق کو ضیاع سے بچانے کیلئے، اور جس حدیث میں شہادت قبل الاستشہاد کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہ صورت ہے

جہاں مدعی کو اپنے شہور کا علم ہو لہذا وہاں کیا ضرورت ہے بدون استشہاد کے شہادت دینے کی، یہ توجیہ تو امام مالک سے منقول ہے، اور اس تعارض کی اور توجیہات بھی کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ جہاں پر مذمت وار ہے اس سے مراد شہادۃ الزور ہے اور جہاں پر مدح آئی ہے اس سے سچی شہادت مراد ہے، امام ترمذی نے جامع ترمذی میں بھی اس تعارض پر کلام فرمایا، اور خود انہوں نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مقام مدح میں الذی یأتی بشہادۃ قبل ان یسألہا، اس سے مراد شہادت قبل الطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد استیصال فی ادار الشہادۃ ہے یعنی وہ گواہ بہترین گواہ ہے کہ جب اس سے شہادت طلب کی جائے تو وہ فوراً بلا تاخیر اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اس استیصال اور عدم تاخیر کو مبالغۃ قبل الطلب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرہا

من حالت شفاعتہ دون حد من حدود اللہ فقد ضاد اللہ۔

یعنی جو شخص کسی شخص پر ثبوت حد کے بعد تنفیذ حد سے پہلے اس کی سفارش کے لئے کھڑا ہو اور عدم تنفیذ حد کی کوشش کرے تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بڑی سخت مخالفت کی، قاضی صاحب تک مسئلہ اور معاملہ پہنچنے سے پہلے اس بات میں کو مثال رہنا کہ کسی طرح حد کا ثبوت نہ ہو یہ امر آخر ہے، حدیث میں اس پر وعید نہیں بلکہ یہ تو محمود اور پسندیدہ ہے لیکن قاضی تک پہنچنے کے بعد پھر سفارش کرنا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ ناجائز اور مذموم ہے، حدود شرعیہ کا نفاذ بہت اہم اور موجب خیر و برکت ہے کما ورد فی الکتاب والسنة۔

ومن خاصم فی باطل وهو یعلمہ لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔ حدیث کا یہ جزو ثانی ترجمۃ الباب سے متعلق ہے، دو شخصوں میں کسی معاملہ میں نزاع ہو رہا ہے جن میں سے ایک باطل پر ہے اور دوسرا حق پر تو ایسی صورت میں کوئی شخص اس خصم کی تائید اور اعانت کرے جس کا اس کو باطل پر ہونا معلوم ہے اس کے بارے میں یہ وعید ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور ناراضگی میں مبتلا رہے گا جب تک کہ اس سے رجوع اور توبہ نہ کرے۔

ومن قال فی مومن ما لیس فیہ اسکنہ اللہ ردغۃ الخیال حتی یخرج مما قال، یہ حدیث کا تیسرا جزو ہے کہ جو شخص کسی مومن میں ایسی صفت بیان کرے یعنی کسی ایسے عیب کا اس پر الزام لگائے جو اس میں نہیں ہے، اور وہ اس سے بری ہے تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جہنم کے اس طبقہ میں رکھیں گے جہاں جہنمیوں کے زخموں کی لہو پیپ ہوگی، ردغۃ الخیال ای التراب المخلوط بعصارة اہل النار، جہنمیوں کی لہو پیپ کا کیچڑ آپ فرما رہے ہیں کہ اس کا اس ٹھکانہ میں رہنا اس وقت تک ہوگا

جب تک وہ اپنے قول سے باہر نہ آجائے، لیکن ظاہرات ہے کہ جو شخص جو بات کہہ چکا وہ اس سے آخرت میں کیسے باہر آئیگا دنیا میں تو باہر آسکتا تھا تو بہ و تلافی کے ذریعہ، نہایت سخت وعید ہے اللہ تعالیٰ شانہ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

باب فی شہادۃ الزور

نقال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ۔ ثلاث مرات۔ ثم قرأ: **وَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ**

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ (الایۃ)

شرح الحدیث | آپ فرما رہے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ اور اسکی تائید میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، تائید یا تو اس طور پر ہے کہ اس آیت کریمہ میں اجتنب من الزور اور اجتنب من عبادة الاوثان دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اقران فی الذکر اقران فی الحکم کو مستلزم نہیں لیکن کم از کم مناسبت اور قربت کو تو مستلزم ہے، اور یا پھر استدلال آیت کے مابعد کے حصہ سے ہے حنفیہ للشر غیر مشرکین بہ، حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ قول زور کے بہت سے مراتب ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ اشراک باللہ بھی اسی کی ایک نوع ہے اس لئے کہ اس پر بھی قول زور ہونا صادق آتا ہے جس کی تائید حنفیہ للشر غیر مشرکین بہ سے ہو رہی ہے والحدیث الخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المستذری۔

باب من تردّد شہادۃ

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ردّ شہادۃ

الخائن والخائنة وذی الخمر علی اخیه۔

شرح الحدیث من حیث الفقه | خیانت سے مراد عام ہے خواہ وہ خیانت فی اموال الناس ہو یا فی احکام اللہ تعالیٰ و فرائض، دونوں صورتوں میں آدمی فاسق ہوتا ہے، اور غمر کے معنی ہیں

حقد و عداوت، یعنی دشمن اور کینہ پرور کی شہادت اپنے بھائی کے خلاف، یعنی شہادۃ العدو علی العدو، آپ نے ان دونوں (شہادۃ الخائن و شہادۃ العدو) کو رد فرمایا ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے لا تجوز شہادۃ العدو علی العدو، حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے لیکن بعض شرح نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ شہادۃ العدو علی العدو کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن یہ نقل صحیح نہیں، ہمارے نزدیک شہادۃ العدو علی العدو اس صورت میں معتبر ہے جبکہ وہ عداوت عداوت دینیہ ہو اور اگر عداوت دنیویہ ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں، ثم اختلاف (ای الحنفیہ) فقہی مطلقاً، وقیل بل اذا كانت موجبة للفسق۔ ورد شہادۃ القانع لاهل البيت واجازها لغيرهم، قانع لاهل البيت سے مراد خادم ہے

جو کسی کے گھر پر اس کی روزی پر قناعت کئے پڑا ہو، ظاہر بات ہے کہ ایسے شخص کی شہادت اس گھر والوں کے حق میں مخدوش اور متہم ہے و اجازہ الغیر ہم یعنی اس قانع کی شہادت کو آپ نے مطلقاً رد نہیں فرمایا بلکہ خاص اس گھر والوں کے حق میں ان کے علاوہ دوسروں کے حق میں معتبر مانا، کیونکہ وہ تہمت کا مقام نہیں ہے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجه، قال المنذرى، یہ حدیث بروایت عائشہؓ ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث پر من حیث الفقہ بھی کلام فرمایا ہے لہذا اس کو بھی دیکھا جائے نیز اس مقام کی الکوکب الدری بھی دیکھی جائے۔ مفید ثابت ہوگی۔

باب شہادۃ البدوی علی اهل الامصار

لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ، یعنی جنگلی اور دیہاتی کی شہادت بستی اور شہر میں رہنے والے کے خلاف جائز اور معتبر نہیں۔

شرح نے لکھا ہے کہ امام مالک کا اس حدیث پر عمل ہے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایسا اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عموماً اہل بادیہ جاہل اور بے علم ہوتے ہیں شہادت کی صلاحیت و اہلیت ان میں نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میں ان میں سے اس کی اہلیت ہو تو پھر اس کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔ والحدیث اخرجه ابن ماجه، قال المنذرى۔

باب الشہادۃ علی الرضاع

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام احمد کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لئے ایک عورت کی شہادت کافی ہے، وعند مالک شہادۃ امرأتین، اور حنفیہ کے نزدیک عام قاعدہ کے مطابق شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں، اور امام شافعی کے نزدیک بھی اسی طرح ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک، لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف عورتیں ہی ہوں تو اگر وہ چار ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی، حنفیہ کے یہاں یہ نہیں ہے۔

حدثني عقبۃ بن الحارث قال تزوجت ام يحيى فدخلت علينا امرأة سوداء فزعمت انها ارضعتنا جميعاً۔ عقبہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت ام یحییٰ بنت ابی اصاب سے شادی کی، شادی کے کچھ روز بعد یہ ہوا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہمارے گھر آئی اور اس نے اگر یہ کہا کہ میں نے تو تم دونوں کو بچپن میں دودھ پلایا تھا یعنی پھر تم نے شادی کیسے کر لی، عقبہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے سامنے مسئلہ رکھا (انہوں نے مسئلہ اس انداز سے رکھا تھا کہ گویا وہ عورت جھوٹی ہے)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری بات سن کر اعراض فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے صاف طور پر یہ عرض کر دیا کہ وہ جھوٹی ہے، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ جھوٹی ہے دعھا عنک جھوڑے اس عورت کو اپنے سے۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے مرضعہ واحدہ کی شہادت کو کافی قرار دیا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث درع اور تقویٰ پر محمول ہے، وفي الدر المختار: الرضاع حجة حجة المال وهي شهادة عدلين او عدل وعدلتين، ولا تقع الفرقة الا بتفريق القاضی۔ الی آخر فی حاشیۃ اللکوکب ط ۲۲۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک رضاعت کے مسئلہ میں وہی دلیل معتبر ہے جو عام حقوق مالیہ میں معتبر ہوتی ہے۔ اور حقوق مالیہ میں اسی طرح ہے (شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین)، بخلاف حدود کے کہ وہاں چار شخصوں کی گواہی درکار ہے، اور بخلاف خالص امور دینیہ کے کہ وہاں عدل واحد کی شہادت بھی معتبر ہے کما فی رویتہ ہلال رمضان، لکن اذا کان بالسما علة۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

باب شہادۃ اهل الذمۃ والوصیۃ فی السفر

اہل ذمہ کی شہادت مسلم پر امام احمد کے نزدیک اس خاص صورت میں جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے یعنی وصیۃ فی السفر میں معتبر ہے، ابراہیم نخعی اور اوزاعی کی رائے بھی یہی ہے، مصنف حنبلی ہیں کما تقدم مرأا اسی لئے حنابلہ کے مسلک کے مطابق ترجمہ قائم کیا۔

فقال الاشعري هذا امر لم يكن بعد الذي كان في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الا
اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے یہ تو وہ ہے جو ابو موسیٰ اشعری کے زمانہ میں پیش آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیش آنے والے جس واقعہ کا انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، لہذا اسی میں غور کیا جائے اور وہ یہ ہے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال خرج رجل من بني سهم مع تميم الداري وعدى بن بداء

نمات السهمي بارض ليس فيها مسلم فلما قد ما بتركة فقد واجام فضة مخوصا بالذهب الخ۔

اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہے اور یہ وہی واقعہ ہے جس کا حوالہ اوپر والی روایت میں گذرا، اور یہی واقعہ سورۃ

مائدہ کی یہ آیات یا ایہا الذین امنوا شہادۃ بینکم اذا حضی احدکم الموت الا یتہ الذیہ کے نزول کا سبب ہے، واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ بنو سہم کا ایک مسلمان شخص جس کا نام بدیل تھا مال تجارت لے کر اپنے گھر سے چلا اس سفر میں اس کے دو ساتھی تھے اہل کتاب میں سے یعنی نصرانی تمیم داری اور عدی بن بداء، تو راستہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ وہ رجل سہمی

قریب المرگ ہو گیا تو اس نے ان دونوں کو اپنا وصی بنایا اور پھر اپنا سارا سامان اور مال تجارت ان دونوں کے حوالہ کر دیا اپنے گھر پہنچانے کیلئے، ان لوگوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اس سہمی کا وہ سامان اس کے گھر والوں کو پہنچا دیا، اس سامان میں ایک چاندی کا پیالہ جس میں سونے کے پترے لگے ہوئے تھے اور یہی اسکے سامان کا قیمتی جزو تھا اس کے ساتھ انہوں نے خیانت کی اور اس کو سامان کے ساتھ نہیں دیا، جب اولیاء سہمی نے اس پیالہ کے بارے میں دعویٰ کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا کہ ہمارے پاس اس سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لیکر۔ کیونکہ وہ منکر تھے۔ ان کو چھوڑ دیا پھر کچھ روز بعد بعض اولیاء سہمی نے اس پیالہ کو کسی دوکاندار کے پاس دیکھا، دوکاندار نے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تیم داری اور عزی بن بدار سے خریدا ہے، دوبارہ یہ مقدمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پیش ہوا تو ان دونوں نے یہ چال چلی کہ یہ تو ہم نے اس مرنے والے رجل سہمی سے خریدا تھا، اولیاء سہمی نے اس کا انکار کیا، اس مرتبہ معاملہ برعکس ہو گیا، شروع میں ورثہ سہمی مدعی تھے اور یہ دونوں نصرانی مدعی علیہ، اسی لئے اس وقت ان دونوں سے قسم لی گئی تھی اب اس دوبارہ کے قضیہ میں یہ دونوں نصرانی مدعی بن گئے، یعنی مدعی شراہ اور اولیاء سہمی اس کے منکر مدعیوں کے پاس کوئی گواہ تھا نہیں، لہذا اولیاء سہمی جو منکر تھے ان کے حلف پر ان کے موافق فیصلہ کر دیا گیا، اس واقعہ کا یہ پورا مضمون حدیث الباب میں مذکور نہیں ہے، مختلف روایات کو جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، فہذا شرح هذا الباب وحديثه والحوثا اخرجه الترمذی، واخرجه البخاری تعلیقاً، قالہ المنذری۔

باب اذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد يجوز له ان يقضي به؟

قضاء القاضي بعلمه میں مذاہب ائمہ | اس ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ ہے قضاء القاضي بعلمه کا مسئلہ، ترجمہ الباب کا مضمون یہ ہے کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی صرف ایک شاہد پیش کر سکا دوسرا شاہد اس کے پاس نہیں تھا لیکن حاکم اور قاضی کو ذاتی طور پر اس شاہد کی شہادت کا صدق معلوم تھا، لیکن نصاب شہادت پورا نہیں تو ایسی صورت میں قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں، یعنی علم قاضی قائم مقام شاہد واحد کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کے بارے میں یہ ہے کہ حدود میں تو قضاء القاضي بعلمه بالاجماع جائز نہیں، اور غیر حدود میں امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اور امام احمد والک کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تفصیل ہے وہ یہ کہ علم قاضی اگر قاضی بننے کے بعد قاضی کو حاصل ہوا ہے تو اس علم کا تو اعتبار ہوگا اور اس کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر وہ علم قاضی قبل القضاء ہے یعنی قاضی بننے سے پہلے کا تو وہ معتبر نہیں۔

عن عمارۃ بن خزیمة ان عمه حدثه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابتاع فرسا من اعرابی فاستتبعہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ليقضیہ شمن فرسہ الخ۔

آپ کے شرار فرس کا ایک عبرتناک واقعہ

عم عمارہ جن کا نام عمارۃ بن ثابت ہے ان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (کسی جگہ راستہ میں) ایک اعرابی سے اس کا گھوڑا خریدا، آپ نے اعرابی کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا تاکہ گھر پہنچ کر اس کو گھوڑے کا شن ادا کر دیں، چنانچہ آپ تیزی کے ساتھ چل دیئے، اعرابی آہستہ آہستہ چلا، راستہ میں جو لوگ اس کو ملے وہ اس سے اسکے گھوڑے کی خریداری کی بات کرنے لگے، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس گھوڑے کو خریدا چکے ہیں (اب دیکھئے اعرابی کی نیت میں فساد آیا) اور اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دیکر کہا کہ اگر آپ کو یہ گھوڑا خریدا نہ ہے تو خرید لیجئے ورنہ میں اس کو فروخت کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کی یہ بات سن کر ٹھہرے اور اس کی طرف پیچھے دیکھ کر فرمایا اولیس قد ابتعتہ منك کہ کیا میں یہ گھوڑا تجھ سے خرید نہیں چکا ہوں، اعرابی نے انکار کر دیا اور اس پر قسم بھی کھالی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ میں تجھ سے اس کو خریدا چکا ہوں، اعرابی کہنے لگا گواہ لائیے (اس موقع پر اتفاقاً حضرت خزیمہ بن ثابت پہنچ گئے) وہ فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بیع کی ہے، ان کی شہادت پر آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بحوثشہد کہ تم شہادت کیسے دے رہے ہو تم تو بیع کے وقت موجود نہ تھے فقال بتصدیقک یا رسول اللہ تو انہوں نے جو با عرض کیا کہ محض آپ کے قول کی تصدیق کے لئے، یعنی چونکہ آپ فرما رہے ہیں خریدنے کی بات یہی میری شہادت کا مبنی ہے کیونکہ آپ کی بات حق کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی، لہذا آپ کی تصدیق کے طور پر میں یہ گواہی دے رہا ہوں، آپ نے ان کی یہ نہایت وزنی اور قیمتی بات سن کر آپ کو یہ تمغہ عطا فرمایا کہ ہمیشہ کیلئے تنہا ان کی شہادت کو شاہدین کی شہادت کے برابر قرار دیا، اس اعرابی کا نام بعض روایات میں سوار بن الحارث آیا ہے اور بعض میں سوار بن قیس، لیکن اس کو حافظ نے — وہم قرار دیا ہے، اس قصہ کا تکملہ یہ ہے کہ پھر جب سب لوگوں کو معلوم ہو گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرار کا قصہ تو پھر اس کے بعد کسی نے بھی اس گھوڑے کو اس اعرابی سے نہیں خریدا، حالانکہ اس کا مقصد اس کو فروخت کرنا ہی تھا لیکن جب کسی نے اس کو نہ خریدا تو پھر مجبوراً شام کو اس کو اپنے گھر لجا کر باندھ دیا، صبح کو شیخ شخص جب اٹھا تو اس نے اپنے گھوڑے کا عجیب حال دیکھا کہ وہ مر چکا تھا زمین پر پڑا ہوا تھا اور ایک ٹانگ اس کی اوپر کی طرف اٹھ رہی تھی، فاصبحت رافعة رجلا، کذا فی الشفاء للقاظمی عیاض۔

لہ بتصدیقک، دوسرا مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے، آپ کی تصدیق کی وجہ سے، یعنی چونکہ پہلے ایمان لاتے وقت میں نے آپ کی تصدیق کی ہے کہ جو کچھ آپ نے کرائے میں اور جو کچھ فرمائیں گے سب بیع ہو گا اسلئے یہ بھی بیع ہی ہے۔

اس حدیث میں کہہ سکتے ہیں کہ قضاء القاضی بعلمہ پایا گیا یعنی ہر ما علمہ بعد القضاء وہی صورت جو امام صاحب کے نزدیک معتبر ہے اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں قد ابتعتہ لیکن یہ امر آخر ہے کہ آپ نے اپنے حق میں فیصلہ فرمانے کے بعد اسکو اختیار نہیں کیا بلکہ گھوڑے کو واپس کر دیا، لیکن اگر رکھنا چاہتے تو آپ کو اس کا حق تھا، والحدیث اخر جہ النساء، قال المنذری۔

باب القضاء باليمين والشاهد

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی بيمين وشاهد اور اس کے بعد والے طریق میں یہ زیادتی ہے، قال عمرو: فی الحقوق۔

مسئلہ الباب کی تشریح اور مذاہب ائمہ اگر کسی قضیہ میں مدعی کے پاس صرف ایک شاہد ہو تو کیا ایسی صورت میں یمین مدعی شاہد آخر کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ اور پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے مگر صرف ان دعاوی میں جن کا تعلق حقوق اور مال سے ہو نہ کہ حدود میں اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث الباب سے جمہوری کا مذہب ثابت ہوتا ہے حنفیہ کی دلیل وہ حدیث مشہور ہے جو کہ قریب بہ حد تو اتر ہے "البینۃ علی المدعی واليمين علی من انکر" اور حدیث الباب اس مسئلہ میں محتمل ہے کیونکہ اس کے معنی میں دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے باوجود ایک شاہد کی موجودگی کے یمین مدعی علیہ پر فیصلہ کیا، یعنی جس طرح مطلقاً شاہد نہ ہونے کی صورت میں یمین مدعی علیہ پر فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح شاہد واحد کے موجود ہونے کی صورت میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا، اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، چنانچہ انہوں نے ترجمہ قائم کیا "باب اليمين علی المدعی علیہ" حضرت شیخ نے تراجم بخاری میں مسئلہ قضائیمین و شاہد میں ائمہ کا اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے: قلت ومیل البخاری الی مسلک الحنفیۃ واستدل علیہ بالحکم فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاهد اک او یمینہ، وبقصۃ ابن شبرمۃ، وبعیدیت ابن عباس اھ میں کہتا ہوں کہ حدیث الباب یعنی قضی یمین و شاہد جو جمہور کا مستدل ہے، اس مسئلہ میں یہ روایت آفراد مسلم سے ہے اور حنفیہ کی دلیل متفق علیہ ہے جیسا کہ ابھی تراجم سے گذرا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد شاهد اک او یمینہ، اسی طرح امام بخاری نے کتاب الرهن میں باب قائم کیا "اذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوہ فاليمين المدعی واليمين المدعی علیہ" اور پھر اسکے تحت انہوں نے یہ حدیث ابن عباس ذکر کی ان البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان اليمين علی المدعی علیہ" اس حدیث ابن عباس کو امام بخاری نے کتاب الشہادات میں "باب اليمين علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود کے ذیل میں بھی ذکر کیا ہے۔ والحدیث اخر جہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

حدثنا الدراوردی عن ربيعة بن عبد الرحمن عن سهيل بن ابی صالح۔ اور اس کے بعد آ رہا ہے،

اخبرنا الشافعی عن عبد العزيز قال فذكرت ذلك لسهيل فقال اخبرني ربيعة وهو عندی ثقة۔ انی

حدثہ ایاہ ولا اخفله۔

شرح السند پہلی سند سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ حدیث عبدالعزیز (در اور دی کا نام عبدالعزیز ہے) کو سہیل سے بواسطہ ربیعہ کے پہنچی تھی، اس دوسری سند میں عبدالعزیز یہ کہہ رہے ہیں کہ بعد میں میں براہ راست سہیل سے ملا اور ان سے اس روایت کا ذکر کیا اور یہ کہ مجھ کو آپ کی یہ حدیث بواسطہ ربیعہ کے پہنچی ہے (بظاہر مطلب یہ ہے کہ اب میں اس کو براہ راست آپ سے سنا چاہتا ہوں تاکہ علو سند حاصل ہو) تو انہوں نے اس پر یہ کہا کہ مجھ سے ربیعہ نے یہ بات کہی ہے کہ میں نے یہ حدیث ان سے بیان کی تھی لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان سے بیان کی تھی یا نہیں، اور سہیل نے یہ بات بھی کہی کہ ربیعہ میرے نزدیک ثقہ ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث میں نے ان سے بیان کی ہو گو مجھے یاد نہیں، یہ امر آخر ہے۔

فكان سہیل بعد یحدثہ عن ربیعۃ عنہ عن ابیہ۔ یعنی عبدالعزیز کی اس گفتگو کے بعد سہیل بن ابی صالح کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ میں نے یہ حدیث سنی ربیعہ سے اور ربیعہ نے خود مجھ سے، اور پھر آگے جو سند ہے وہ بیان کرتے تھے، یعنی سہیل جو کہ فی الواقع استاد ہیں ربیعہ کے، اور ربیعہ ان کے شاگرد، مگر چونکہ سہیل اس حدیث کو بھول گئے تھے، اس لئے انہوں نے اس حدیث کو روایت کرنیکی یہ صورت اختیار کی جو اوپر مذکور ہوئی، سہیل بن ابی صالح عن ربیعۃ عن سہیل، لہذا اب یہ حدیث اہل اصول کے نزدیک من حدیث وضعی کے قبیل سے ہو گئی، اس سند کی نظیر ترمذی شریف باب المنذیل بعد الوضوء میں گذری ہے۔ حدثنایہ یقول حدثنی علی بن مجاہد عنی وہو عندی ثقہ، جریر بھی اس حدیث کو علی بن مجاہد سے بیان کر کے بھول گئے تھے۔ یہاں کتاب میں یہ بھی ہے: عبدالعزیز کہتے ہیں کہ دراصل سہیل کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی تھی ایسی کہ جس سے ان کا ذہن اور حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

حدثنی ابی قال سمعت جدی الزبیر یقول بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جیشا

الی بنی العنبر فاخذوہم برکیۃ۔ من ناحیۃ الطائف۔ الخ۔

ایک طویل حدیث اور اسکی شرح عمار بن شعیث کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ شعیث نے بیان کیا کہ میں نے اپنے دادا زبیب غنیری سے سنا وہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر برائے جہاد و قتال قبیلہ بنو العنبر کی طرف بھیجا جو خود راوی حدیث یعنی زبیب کا قبیلہ تھا، اس لشکر نے بنو العنبر کو قید کر لیا مقام رکبہ کے اس حصہ میں جو طائف کی جانب ہے، اور ان سب کو قید کر کے مدینہ منورہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلے۔ زبیب غنیری کہتے ہیں: فرکبت فسبقتمہا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم یعنی میں اس لشکر سے بچ نکلا اور سوار ہو کر ان سب لوگوں سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا، اور آپ کو سلام عرض کیا، السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کا بھیجا ہوا لشکر ہمارے پاس پہنچا انہوں نے ہم سب کو پکڑ لیا یعنی ہمارے سارے قبیلہ کو، حالانکہ ہم اسلام لاچکے تھے، اور بطور علامت کے اپنے مویشیوں کے تھوڑے تھوڑے کان کاٹ دیئے تھے، یعنی اسلام لانے کے وقت (یعنی یہ قبیلہ اگرچہ اسلام لے آیا تھا لیکن نہ تو انہوں نے ہجرت الی المدینہ کی اور نہ ہی اپنے اسلام کی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی) آپ زبیب بن جری کی یہ بات سن کر خاموش رہے پھر جب کچھ دیر بعد یہ قبیلہ جو مسلمانوں کے ہاتھ میں قید تھا مدینہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اب حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس بیٹہ اور گواہ ہیں اس بات پر کہ تم اسلام لاچکے تھے قید ہونے سے پہلے، ان ایام میں، زبیب کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی، گواہ ہیں آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک تو سمرہ نامی شخص ہے اسی قبیلہ کا اور ایک اور شخص کا نام لیا جس کو راوی بھول گیا، چنانچہ ان دونوں شاہدوں کو بلایا گیا، ان دو میں سے سمرہ نے تو شہادت دینے سے انکار کر دیا البتہ دوسرے شخص نے گواہی دی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زبیب سے فرمایا کہ دیکھو سمرہ نے تو شہادت سے انکار کر دیا، صرف ایک نے گواہی دی، تو کیا تو ایک شاہد کیساتھ خود قسم کھا سکتا ہے؟ زبیب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کھا سکتا ہوں، چنانچہ میں نے قسم کھائی اس طرح — لقد اسلمنا باللہ یوم کذا وکذا وخصونا اذان النحر، جب اس ایک شخص کی گواہی اور ایک شخص کی قسم پائی گئی تو اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صحابہ سے فرمایا: اچھا جاؤ جو مال بظاہر غنیمت بنو العنبر کا تمہارے پاس ہے اس کو نصف نصف تقسیم کر لو، یعنی نصف بنو العنبر کو واپس کر دو اور نصف تم خود رکھ لو، اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی عورتوں بچوں کو ہاتھ مت لگانا نیز فرمایا، لولا ان اللہ تعالیٰ لایحب ضلالة العمل مارزینا کم عقلا، کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے تو ہم تمہارے مال میں سے ایک رسی کو بھی کم نہ کرتے، یعنی بجائے نصف کرنے کے سارا مال تم کو واپس کر دیتے۔

عمل سے مراد عمل صحابہ یعنی جہاد، مطلب یہ ہے کہ چونکہ شرعاً مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے تو اب میں سارا مال لیکر تم کو واپس کر دوں یہ تو مناسب نہیں، اس صورت میں تو گویا ان کا عمل جہاد ایک لحاظ سے رائیگاں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے اسلئے میں سارا تم کو واپس نہیں کر رہا ہوں (در نہ جی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سارا ہی واپس ہو جائے)

مصطفیٰ کی غرض اس واقعہ کے اسی حصہ سے حاصل ہو جاتی ہے ویسے آگے مصنف نے اس قصہ کا بقیہ حصہ بھی ذکر کیا ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔

مصنف گویا یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اس واقعہ میں قضاء یمین و شاہد پایا گیا، لیکن حنفیہ تو اس کے قائل نہیں، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ قضاء یمین و شاہد تو اس وقت ہوتا جب پورا مال واپس کیا جاتا، لہذا یہ استدلال کیسا، بلکہ ہم یہ کہیں گے یہ جو کچھ فیصلہ ہوا یہ بطور اصلاح ذات البین کے ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ قصہ یہ ہے: قال الزبیب خذ عتی اھی فقالت: هذا الرجل اخذ زربیتی الخ۔
زبیب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کے بعد میری والدہ نے مجھ کو بلایا اور ایک لشکری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے میری چادر لے رکھی ہے، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جس شخص کے پاس وہ چادر ہے تو اس کو روک لے، میں نے اس کا گریبان پکڑ کے اس کو روک لیا، حضور نے ہماری طرف دیکھا دونوں کو ایک جگہ اس طرح کھڑا ہوا اور آپ نے دور ہی سے مجھ سے فرمایا کہ تو اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے میں نے یہ سن کر فوراً اس کو چھوڑ دیا پھر آپ نے اس شخص سے (یعنی لشکری سے) فرمایا کہ اس کی ماں کی چادر اس کو واپس کر، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ چادر تو میرے ہاتھ سے نکل گئی، جب اس نے یہ کہا تو آپ نے یہ کیا کہ اس شخص کے ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ اس سے لیکر مجھے دی (والدہ تک پہنچانے کیلئے چادر کے بدلہ میں) اور آپ نے اس لشکری سے یہ بھی فرمایا کہ اس کو یعنی زبیب کو مزید چند صاع غلہ کے بھی دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

باب الرجلین یدعیان شیئاً ولیست بینہما بینۃ

یعنی دو شخص کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں، ہر ایک کہتا ہے کہ یہ میری ہے ایسی صورت میں کہ بینہ کسی کے پاس نہیں۔ اس ترجمہ میں ایک اور قید بھی ملحوظ ہے جو مذکور نہیں وہ یہ کہ وہ شئی ان دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو بلکہ کسی تیسرے کے قبضہ میں ہو یا اگر ہو تو پھر دونوں کے ہاتھ میں ہو، اس صورت کا حکم عند الفقہاریہ ہے: حنفیہ و شافعیہ کہتے ہیں کہ برابر برابر وہ شئی دونوں کو دی جائے، اس کی تنصیف کر دی جائے اور امام احمد اس صورت میں قرعہ کے قائل ہیں، قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے تو اس سے قسم لیکر وہ ساری شئی اس کو دیدی جائے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ہذا الشئی للعدل من الرجلین، کہ ان دو شخصوں میں سے جو زیادہ عادل ہو اس کو دی جائے۔ (ہکذا المذہب فی حاشیۃ الشیخ)

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلین ادعیٰ بعبیداً وادبۃ الخ۔

لہ من حیث ان زبیباً العزری کان مدعیاً و شہدہ شاہد واحد، وانکر الآخر عن الشہادۃ فاذ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخلف عن المدعی بدل شہادۃ شاہد آخر و قضی لہ۔

یعنی کسی جانور کے بارے میں دو شخصوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر دعویٰ کیا ہر ایک کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور بینہ کسی کے پاس تھا انہیں تو آپ نے اس کو دونوں کے درمیان مشترک کر دیا، حدیث سے حنفیہ اور شافعیہ کی تائید ہوتی ہے جو کہ صورت مذکورہ میں تنصیف کے قائل ہیں، والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلیین اختصما فی متاع استہما علی الیمین ما کان احبّ اذکذا او کبرھا۔

یہ حدیث مسئلہ مترجم بہا میں امام احمد کے مذہب کی دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ اس صورت میں استہام یعنی قرعہ اندازی کی جائے، اور قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے اس سے حلف لیکر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

باب الیمین علی المدعی علیہ

یہ مسئلہ اجماعی ہے ائمہ ثلاث کے نزدیک مطلقاً ہے اور امام مالک کے نزدیک ایک قید کیساتھ مقید ہے، وہ یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان آپس میں کچھ جوڑ اور یگانگت ہو تب ایسا ہے، اور اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا جوڑ اور مناسبت نہ ہو مثلاً ایک شخص بڑا پرہیزگار اور کیسو اور دوسرا شخص بڑا عیاش اور جھگڑا تو قسم کا جن کا آپس میں لین دین وغیرہ کا کوئی تعلق نہ ہو ایسا شخص عدالت میں جا کر ایسے شخص پر دعویٰ کرنے لگے تو یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور اس کے دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائیگی، یہ قید انہوں نے اسلئے لگائی تاکہ او باش قسم کے لوگ علماء اور فضلاء کو بلا وجہ پریشان نہ کریں لیکن اس قید کی کوئی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے (کذا فی البذل وکذا فی حاشیۃ السنن عن الطبری)

باب کیف الیمین

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال۔ یعنی لرجل حلفہ۔ اِخْلِفْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، مَا لَهٗ عِنْدَکَ شَیْءٌ یَّعْنِیْ لِلْمَدْعٰی۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس سے آپ کو قسم لینی تھی یعنی مدعی علیہ کہ ان لفظوں کے ساتھ قسم کھائے جو حدیث میں مذکور ہیں۔

بظاہر مصنف کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قاضی اگر الفاظ قسم میں تغلیط کی ضرورت سمجھے تو جس قسم کے الفاظ سے وہ چاہے قسم لے سکتا ہے۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

باب اذا كان المدعى عليه ذميا يحلف

یعنی مدعی علیہ اگر ذمی ہو تو کیا اس سے قسم لی جائیگی، جواب یہ ہے لی جائیگی، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے یہ حدیث کتاب الایمان والسنذور میں گذر چکی۔

باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ

ترجمۃ الباب کی تشریح | یعنی جس معاملہ کا تعلق براہ راست اپنے سے نہ ہو وہاں پر مدعی علیہ سے حلف اس کے علم پر لینا چاہیئے یعنی نفس الامر پر حلف نہ لیا جائے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، یہ حدیث بھی کتاب الایمان والسنذور میں گذر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ مدعی نے یہ کہا کہ مدعی علیہ کے پاس جو زمین ہے وہ میری ہے، مدعی علیہ کے باپ نے مجھ سے غضب کی تھی، دیکھئے یہاں غضب کا تعلق چونکہ براہ راست مدعی علیہ سے نہ تھا بلکہ اس کے باپ سے تھا اس لئے یہاں پر قسم علم پر لی گئی، چنانچہ مدعی علیہ نے قسم میں کہا کہ واللہ میرے علم میں انہیں یہ بات کہ میرے باپ نے مدعی کی یہ زمین غضب کی تھی۔

باب الذی کیف یتحلف

ترجمۃ الباب اور حدیث ظاہر ہے کہ ذمی سے جو کہ یہود تھا اس کے عقیدہ کے مطابق قسم لی گئی، باللہ الذی انزل التوراة علی موسیٰ الحدیث یہ حدیث کتاب الحدود میں اپنے مقام پر آرہی ہے۔

باب الرجل یحلف علی حقہ

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی بین الرجلین فقال المقضی علیہ لہما ادبر حسب اللہ ونعم الوکیل | یعنی آپ نے دو شخصوں کے درمیان کسی قضیہ میں ایک فیصلہ فرمایا جس شخص کے خلاف وہ فیصلہ تھا جب وہ جانے لگا تو کہنے لگا حسب اللہ ونعم الوکیل کہ اچھا ہمارا بھی اللہ مالک ہے بظاہر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا حق فی الواقع میرا تھا تو اس پر آپ نے اس شخص کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا ارے بھائی اللہ تعالیٰ عجز اور بے بس ہو جانے کو پسند نہیں کرتا، آدمی کو چاہیئے کہ اپنی سمجھ سے کام لے اور حصول مقصد کے لئے کوشش کرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے، ہاں سب تدبیریں جب اختیار کر چکے اور کوئی شکل سمجھ میں نہ آئے تب یہ دعا پڑھے جیسی اللہ ونعم الوکیل۔ اس ترجمۃ الباب سے مصنف کی کیا غرض ہے ایک عرصہ تک اس میں بندہ غور کرتا رہا، ایک غرض یہ سمجھ میں آئی کہ اگر مدعی بینہ پیش نہ کر سکے تو قاضی کو چاہیئے کہ بلا تاخیر مدعی علیہ سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دے اگرچہ بعض قرآن و آثار سے صدق مدعی ظاہر ہوتا ہو، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، اس حدیث کے مضمون میں غور کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

باب فی الدین هل یحبس به

یعنی مدیون اگر دین کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا وجود غنی اور قدرت علی قضاہ الدین کے تو اس مال مٹول پر اسکو قید کیا جاسکتا ہے، حدیث الباب اس میں ظاہر ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حبس رجلاً فی تہمة **شرح الحدیث** یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو محض شبہ کی وجہ سے اور اس کے متہم ہونے کے، اس کو قید کیا چند روز کیلئے، اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ قاضی کے لئے شخص متہم کو قید کرنا تحقیق حال اور تفتیش حال کے طور پر جائز ہے، اس حبس کا نام حبس استظہار ہے نہ کہ حبس عقوبت، مثلاً کسی محلہ میں چوری ہو گئی اس محلہ میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں چوری کا شک و شبہ ان کے ظاہری حال کے پیش نظر ہے تو یہاں پر قاضی اگر مناسب اور ضرورت سمجھے اتنے — اصل چوری کرنے والوں کی تحقیق اور تفتیش ہو ان لوگوں کو چند روز کے لئے نظر بند اگر کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین مصلحت ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ انہ قام الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو یخطب فقال جیرانی بما اخذوا فاعرض عنہ مرتین ثم ذکر شیئاً فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خلواہ عن جیرانہ۔

شرح الحدیث جد ہز کا نام معاویہ بن خیدم ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو میں نے آپ کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کیوں پکڑا گیا ہے آپ نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، دوم مرتبہ اس کی نوبت آئی۔ راوی کہتا ہے پھر معاویہ نے کچھ اور بھی عرض کیا کچھ دیر بعد حضور نے فرمادیا کہ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ بظاہر معاویہ کے پڑوسیوں کو کسی واقعہ کے پیش آنے پر محض شک و شبہ اور متہم ہونے کی بنا پر قید کیا گیا ہوگا، جن کو قید کیا گیا وہ معاویہ کے پڑوسی تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی طرف سے صفائی پیش کی اس پر آپ نے ان کو چھڑوا دیا۔

یہ جو حدیث کی ہم نے شرح کی ہے اس صورت میں بما اخذوا فعل مجہول ہوگا اور اگر اس کو معروف کا صیغہ پڑھا جائے بما اخذوا تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے فل جیرانی بما اخذوا ای علی ان اودی غنم بما اخذوا، میرے پڑوسیوں کو چھوڑ دیجئے اس طور پر کہ میں ادا کروں گا ان کی طرف سے جو دین اور قرض انہوں نے لے رکھا ہے، یعنی یہ لوگ عدم قضاے دین کی وجہ سے مجھ سے ان صحابی نے ان کی طرف سے ادائے دین کی کفالت قبول کر لی اس پر انکو چھوڑ دیا گیا

باب فی الوکالة

کتاب القضاء چل رہی ہے قضاۃ کے لئے دکلا، بھی ہوا کرتے ہیں۔

مضمون حدیث حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا ارادہ خیر جانے کا ہوا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام عرض کیا اور اپنے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو اس پر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جب خیر میں بہارے فلاں وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق غلہ یا کھجوریں میرا نام لیکر لے لینا، اگر وہ اس پر کوئی دلیل اور علامت طلب کرے تو اس کے ترقوہ پر اپنا ہاتھ رکھ دینا، یعنی خلق کے نیچے کا حصہ، آپ نے اپنے وکیل سے غالباً فرما رکھا ہوگا کہ اگر تجھ سے کوئی شخص میرے نام پر کوئی چیز مانگے تو اگر وہ تیرے طلب دلیل پر اس جگہ ہاتھ رکھ دے تو سمجھنا کہ وہ میری ہی طرف سے ہے۔

باب فی القضاء

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال اذا تدارک تعفی طریق فاجعلوہ سبعة اذرع۔

شرح الحدیث اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ترکہ وغیرہ میں ملی ہوئی چند بھائیوں کے درمیان یا چند شخصوں کے درمیان مشترک پڑی ہوئی ہو اور اب وہ اس کی بنا اور تعمیر کا ارادہ کر رہے ہیں جس میں دو طرفہ مکان بنانے کا خیال ہے تو اب درمیان میں جو راستہ چھوڑا جائے مکالوں کے درمیان آنے جانیکا وہ کتنا ہونا چاہیے پس اگر وہ سب کسی خاص مقدار پر متفق ہو جائیں تو فیہا اور اگر اختلاف ہو رہا ہے تو پھر اس صورت میں وہ کیا جائے گا جو حدیث الباب میں ہے یعنی سات ذراع کے بقدر چوڑی بیچ میں گلی چھوڑ دی جائے۔
والحدیث اخرہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

اذا استاذن احدکم اخاه ان یغترف خشبة فی جدارۃ فلا یمنعہ۔

شرح الحدیث یعنی جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے اس بات کی اجازت چاہے کہ وہ اس کی دیوار میں کوئی لکڑی گاڑے مثلاً اس کی دیوار پر اپنی چھت کی کڑی رکھے یا ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کی دیوار میں کوئی کیل ٹھوکے تو اس کو چاہیے کہ انکار نہ کرے، امام احمد کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے ہے اور جمہور کے نزدیک تنزیہ کیلئے ان کے نزدیک یہ حدیث حسن معاشرت پر محمول ہے، آگے روایت میں ہے فنکسوا فقال مالی اراکم ابو۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ یہ حدیث لوگوں کے سامنے بیان فرما رہے تھے تو انہوں نے ذرا سر نیچے کو جھکالیا، بجائے اسکے کہ سر اوپر کو اٹھا کر حدیث کا سماع اچھی طرح کرتے، حضرت ابو ہریرہ نے ان کو تار لیا اور ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا بات ہے اس حدیث کے سننے سے اعراض کیوں کر رہے ہو تم چاہے کچھ ہی کرو میں اس حدیث کو تمہارے سامنے بیان کر کے

ہی رہوں گا، اور یہ مطلب ہے کہ اس کیل کو میں تمہارے سینوں میں گاڑ کر ہونگا اور وہ کڑی تمہارے کندھوں پر رکھ کر ہونگا، حضرت ابو ہریرہ کی طرف سے حاضرین کو مضمون حدیث پر عمل کرنے کی سختی کے ساتھ تاکید و تنبیہ ہے۔

من ضاراً اضراً للہ و من شاق شاقاً للہ علیہ۔ جو شخص دوسروں کو ضرر پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جو شخص دوسروں کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالتے ہیں۔
والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

اس حدیث کو باب کے ساتھ کیا مناسبت ہے، بظاہر یہ ہے کہ قضاء کے پاس قسم قسم کے لوگوں کے مقدمات اور قضایا آتے ہیں ان میں بعض ظالم اور بعض مظلوم ہوتے ہیں تو شاید مصنف اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایسے مواقع میں قاضی کو چاہیے کہ موقع محل کے مناسب وعد اور وعید کی حدیثیں خصمین کو سنادیا کرے، ہو سکتا ہے ان میں سے جو باطل پر ہے اسکے حق میں یہ وعید مؤثر ہو جائے اور وہ خود ہی اپنی ناحق خصومت سے باز آجائے جیسا کہ احادیث میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان لہ عضد من نخل فی حائط رجل من الانصاف۔
مضمون حدیث حضرت سمہ اپنا واقعہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے کچھ پودے ایک انصاری کے باغ میں لگا دیئے تھے، حضرت سمہ فرماتے ہیں کہ اس انصاری کیساتھ باغ میں اس کے اہل و عیال بھی ہوتے تھے سمہ فرماتے ہیں میں اپنے پودوں کی دیکھ بھال کے لئے اس باغ میں جاتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس باغ والے کو اذیت اور مشقت ہوتی تھی، سمہ کہتے ہیں کہ اس باغ والے نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے پودے اس کے ہاتھ فروخت کر دوں میں نے بیع سے انکار کر دیا، پھر اس نے مجھ سے اس بات کی درخواست کی کہ میں اپنے پودوں کو اس کے باغ سے منتقل کروں، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا، اس انصاری نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر میری شکایت کر دی، وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بلا کر یکے بعد دیگرے وہی دو بایں میرے سامنے رکھیں جو اس انصاری نے رکھی تھیں میں نے آپ سے بھی انکار ہی کر دیا آپ نے تیسری چیز میرے سامنے رکھی کہ اچھا اپنی چیز اس کو ہبہ ہی کر دو تجھے اس پر اتنا اتنا ثواب ملے گا، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا وہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا انت مضار کہ تو بڑا ضرر رساں ہے اور آپ نے اس انصاری سے فرمایا کہ اس کے پودے اکھاڑ کر باہر پھینک دے۔

حضرت سمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ واقعہ جس میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی پائی جا رہی ہے اس کو وہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں گویا اپنا عیب اور کمی خود ہی بیان کر رہے ہیں یہ ان حضرات کے غایت اخلاص اور دیانت داری کی بات ہے تاکہ جو حدیث جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اس کو بعینہ اسی طرح نقل کیا جائے چاہے وہ

اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو، سکتا المنذری عن تخریج الحدیث واقصر علی قوله فی سماع الباق من سمرۃ بن جندب نظر فقد نقل من مولده ووفاته سمرۃ مات بعد ربعہ سماعہ منہ وقیل فیہ ما یکن معہ السماع منہ (واللہ عز وجل اعلم) اھ (عون)

عن عروۃ ان عبد اللہ بن الزبیر حدثہ ان رجلاً خاصم الزبیری فی شراح الحرقۃ التي یسعون بہا الخ۔

مضمون حدیث

یہ مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا میرے والد زبیر کے ساتھ شراج حرہ یعنی مقام حرہ کے پانی کی نالیوں کے بارے میں جن کے ذریعہ سے لوگ کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں جھگڑا ہوا وہ انصاری شخص میرے والد سے کہتا تھا کہ تم پانی کو چھوڑ دو تاکہ وہ گذر کر میرے کھیت کی طرف چلا آئے، حضرت زبیر نے ایسا کرنے سے انکار کیا اسلئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کا کھیت اور زمین اوپر کی جانب ہو یعنی نہر کے متصل، اول حق اس کو سیراب کرنے کا ہے اس کے بعد اس سے نیچے والے کھیت کا اور یہ انصاری شخص حضرت زبیر سے اسکے خلاف کرانا چاہتا تھا جب مسئلہ حضور تک پہنچا تو آپ نے حسب قاعدہ زبیر سے یہی فرمایا کہ پہلے تم اپنا کھیت سیراب کر لو اس کے بعد نیچے کی طرف اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑنا اس پر اس انصاری کو ناگواری ہوئی اور کہنے لگا اَنْ لَّیْ اَبْنُ عَمَّتِکَ (کہ آپ کا یہ فیصلہ اسی بنا پر تو ہے) کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے، حضرت زبیر بن العوام آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔ لم تسلم من عمتہ الاھی علی الصبیح کذا فی التجرید للذہبی۔ فتلون وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ انصاری کے اس قول پر حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے زبیر سے فرمایا کہ تم ہی اول پانی دو اور جب تک پانی کھیت کی ڈول تک نہ پہنچے مت چھوڑو یعنی اول آپ نے مسامحت اور ایثار کا حکم فرمایا تھا کہ اپنا حق پورا کرنے سے پہلے ہی پانی چھوڑ دینا لیکن آپ نے اس انصاری کا طرز عمل دیکھا تو پھر آپ نے اس پر زجر و تنبیہا حضرت زبیر کو استیفاء حق کا حکم فرمایا کہ یہ شخص قابل رعایت نہیں ہے (بذل الجہود میں لکھا ہے کہ اگر یہ انصاری مسلمان تھا تب تو اس کا یہ قول زلت شیطان تھا غصہ میں اس کو اس کا احساس ہی نہیں رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اگر منافق تھا پھر تو کوئی اشکال کی بات ہی نہیں اور اس پر انصاری کا اطلاق بنا براتحاد قبیلہ کے ہو گا اھ۔

قال المنذری واخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ واخرجه البخاری ومسلم من حدیث عبد اللہ بن زبیر عن امیہ واخرجه البخاری والنسائی من حدیث عروۃ بن الزبیر عن امیہ اھ (عون)

ان رجلاً من قریش کان له سهم فی بنی قریظۃ فخاصم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی مہزورۃ مہزور بنی قریظہ کی ایک وادی کا نام ہے اور یہاں پر اس سے مراد سیل مہزور ہے جیسا کہ اسکے بعد والی روایت میں ہے

لہ چنانچہ حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر ترمیم قائم کیا ہے، باب اذا اشار الامام بالصلوۃ فالی حکم علیہ بالحکم البین ۱۷

یعنی سیل بہرور کے بارے میں ایک قریشی شخص کا جس کی کوئی زمین یا باغ ارض بنو قریظہ میں تھی کسی کے ساتھ آپاشی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو اس کے بارے میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اوپر کے کھیت والا جب پانی اس کے کھیت میں کعبین تک پہنچ جائے اس کے بعد پانی نہ روکے بلکہ آگے چلتا کر دے۔ والحدیث سکت عنہ المنذری (عون)

عن ابی سعید الخدری قال اختصم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم رجلان فی حریم نخلة اى۔
شرح الحدیث | حریم سے مراد اس پاس کی جگہ اور ماحول جیسے کہتے ہیں حریم مصلی جس کا ذکر ابواب الستہ میں گذر چکا اس حدیث میں حریم نخلہ کا ذکر ہے یعنی درخت کے نیچے کی اس پاس کی وہ جگہ جو اس درخت کا حق سمجھی جاتی ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ دو شخصوں کا حریم نخلہ میں اختلاف ہوا اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے لئے ایک ارض موات کا احیاء کیا اور اس میں کھجور کے درخت لگائے اسکے برابر میں جو ارض موات تھی کسی دوسرے شخص نے اس کا احیاء کرنا چاہا اب دونوں زمینوں میں فصل کے لئے جگہ چھوڑنے کی ضرورت تھی اب یہ کہ فصل کے لئے کتنی جگہ چھوڑی جائے اس کی مقدار کے بارے میں ان دونوں شخصوں کا آپس میں اختلاف ہوا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس نخلہ کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ سات ذراع نکلا آپ نے جتنا طول نخلہ کا تھا اسی کے بقدر حریم کی مقدار متعین فرمادی، پس اب ہمیشہ کے لئے یہی ضابطہ وقاعدہ ہو گیا کہ دو ارض موات کے درمیان اسی کے مطابق فصل کے لئے جگہ چھوڑی جائے۔

قال عبد العزیز فامر بجریدۃ من جریدھا فذرعت، یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ اس نخلہ کی ایک شاخ بقدر ذراع لیکر اس کے ذریعہ اس نخلہ کو ناپ لیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ والحدیث سکت عنہ المنذری (عون)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَوَّلُ كِتَابِ الْعِلْمِ

اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت یہ ذہن میں آتی ہے کہ اس سے پہلے "کتاب القضاء" کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے: "القضاء ثلاثة، واحد في الجنة واثنان في النار" الحدیث، جس میں یہ ہے کہ جو قاضی صاحب حق کے حق کو پہچان کر اس کے موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو قاضی جہالت کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، اس حدیث سے علم کی ضرورت و اہمیت کا استفادہ ہونا ظاہر ہے۔

صحیح مسلم میں بھی کتاب العلم اور کتاب میں ہی مذکور ہے، اور ایسے ہی جامع ترمذی میں بھی، ہم نے الحلی المفہم میں علم کی حقیقت اور اس کے انواع علوم شرعیہ و غیر شرعیہ، نیز تحصیل علم کا حکم شرعی وہاں ذکر کر دیا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے وہاں ہم نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ بظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب العلم کو شروع میں لایا جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اس میں سب سے پہلے "کتاب الایمان" اور اس کے بعد متصلاً کتاب العلم مذکور ہے، اس بارے میں یہ نکتہ وہاں لکھ گیا ہے: "يمكن ان يقال: لعل فيه إثارة لطفه الى ان ينتهي علمنا لیسادی مبتداه، فان العلم لا نهائية له، لا سيما علم الشريعة فانه بحر لا يفد، جیسا کہ بعض اکابر صوفیہ سے منقول ہے کہ جب ان سے تصوف کی انتہاء اور کمال کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے، ما نہایہ؟ فقال: الغور الى البداية اور یہی مطلب کسی صوفی کے اس مقولہ کا ہے: "منزور و زاول است کہ بھی تو ہماری بسم اللہ ہی کا دن ہے (تصوف میں قدم ہی رکھا ہے) حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے تراجم بخاری میں کسی جگہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر شخص کا جہل اس کے علم سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ فی نفسہ معلومات (وہ امور جن سے علم متعلق ہو سکتا ہے) تو غیر متناہی ہیں اور ہر شخص کی اپنی معلومات متناہی ہیں اھ پس ہر شخص کا علم محدود و متناہی ہوا اور اس کا جہل غیر متناہی۔

علم کی حقیقت اور اس کی انواع، اور مختلف نوع سے اس کی تقسیمات اور ایسے ہی علم کے رؤس ثمانیہ اور علم کا شرف اور فضیلت وغیرہ امور تفصیل کے ساتھ نواب صدیقی حسن خان نے اپنی مشہور تصنیف "ابجد العلوم" میں ذکر کی ہیں اور ایسے ہی "کشف الظنون" میں اور ان سے پہلے طاش کبریٰ زادہ نے "مفتاح السعادة و مصباح السیادة" میں کتب منطق میں بھی علم کی تعریف اور تحقیق پر کلام کیا گیا ہے، چنانچہ ایک تعریف یہ کی گئی ہے: الصورة الحاصلة

من شئ عند العقل، اور شرح عقائد نسفیہ میں علم کی تعریف اس طرح لکھی ہے: هو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به، یعنی کسی چیز کا علم یہ ہے کہ جب اس چیز کا نام لیا جائے تو فوراً اس چیز کی صورت اور نقشہ ذہن میں آجائے مثلاً جو شخص زید کو جانتا ہے اور اس سے واقف ہے تو جب اس کے سامنے زید کا نام لیا جائے گا تو فوراً زید کی شکل و صورت کی طرف سننے والے کا ذہن منتقل ہو جائے گا، اور اگر وہ زید کو نہیں جانتا ہوگا تو اس وقت کچھ بھی ذہن میں نہیں آئے گا۔

باب فی فضل العلم

عن كثير بن قيس قال كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاءه رجل فقال يا ابا الدرداء انك
مضمون حدیث کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک حدیث سننے کیلئے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، میری اس آمد کا مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: یقول: من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سائل کو حضرت ابو الدرداء سے یہی حدیث مطلوب تھی جس کو ان سے سنا چاہتے تھے، دوسرا یہ کہ حدیث مطلوب تو اس کے علاوہ تھی جس کو انہوں نے بعد میں سنایا ہوگا لیکن یہ حدیث اس کے اس عمل کی تحسین اور تیشیر کے لئے ذکر فرمائی، کہ جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے راستہ طے کرتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے راستہ پر چلا رہے ہیں یعنی تحصیل علم کے لئے چلنا یہ انجام کے لحاظ سے جنت کے راستہ پر چلنا ہے۔ اور اسکے بعد والی حدیث کے لفظ یہ ہیں: الا سهل الله به طريقاً الى الجنة، کہ طالب علم کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ سہل اور آسان فرمادیتے ہیں، اسلئے کہ علم ذریعہ ہے عمل کا اور عمل سبب ہے دخول جنت کا۔

شرح الحدیث وان الملائكة لتضع اجنحتهم رضاءاً لطلاب العلم حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں "بذل" میں امام خطابی سے تین مطلب لکھے ہیں (۱) وضع اجنحہ سے مراد تو اضع ہے یعنی طالب علم کے سامنے ملائکہ تواضع اور نیاز مندی سے پیش آتے ہیں، بقولہ تعالیٰ واخفض لهم جناح الذل، (۲) الامساك عن الطيران التزول عنده، یعنی اگر زمین پر طالب علم دین ہو اور اوپر فرشتہ اڑ رہا ہو تو وہ فرشتہ اس طالب علم کی وجہ سے اپنا اڑنا موقوف کر کے نیچے اس کے پاس اتر آتا ہے بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ما من قوم يذكرون الله تعالى الاحف بهم الملائكة وغشيتهم الرحمة، (۳) اس سے مراد فرشتہ کا طالب علم کے لئے اپنے پروں کو پھیلا دینا ہے اس کو اپنے اوپر سوار کرنے کے لئے تاکہ اس کو منزل مقصود تک پہنچا دے، مراد اعانت ہے اور تیسیر طلب علم میں اھ

آگے حدیث میں یہ ہے کہ عالم کے لئے آسمان اور زمین والے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں (گویا یہ استغفار بر سے متجاوز ہو کر بھر تک پہنچ جاتا ہے)

اور یہ کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء کرام کی میراث اور ترکہ درہم اور دینار نہیں ہوتا بلکہ ان کی میراث علم ہوتا ہے (لہذا طلباء و علماء ہی وارثین انبیاء ہوئے)

فمن اخذہ اخذ بحظ وافر یہ جملہ یا تو خبر یہ ہے کہ جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑی دولت حاصل کر لی، اور یا النشانیہ ہے کہ جو شخص علم حاصل کرے اور اس کے درپے ہو تو اس کو خوب اچھی طرح حاصل کرنا چاہیے اس حدیث کے بعد والے طریق میں یہ جملہ بھی مذکور ہے: ومن ابطأ بہ عمله لم یسرع بہ نسبه یعنی جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے گا تو اس کو اس کا عالی نسب ہونا آگے نہیں بڑھا سکتا۔

علم کی فضیلت اور برتری | احادیث الباب سے فضیلت علم ظاہر ہے فرشتوں کا طالب علم کے ساتھ تواضع سے پیش آنا، اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار ہونا، انبیاء کا وارث ہونا یقیناً یہ غایت درجہ کا شرف ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ بذل میں علامہ شامی سے ۲۸۹/۵۱ نقل کیا ہے: مذاکرۃ العلم ساتھ خیر من احیاء لیلۃ، ولا خروج لطلبہ بدون اذن الوالدین لولمتی، اما الامر دفلا، یعنی تھوڑی دیر کا علمی مذاکرہ رات بھر کی عبادت سے افضل ہے، نیز طلب علم کے لئے گھر سے نکلنا بغیر اذن والدین کے بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ نکلنے والا دلچسپ ہو، بے ریش لڑکے کیلئے جائز نہیں۔

والحدیث الاول اخرجه الترمذی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجه مسلم اتم منه واخرجه الترمذی مختصراً قال المنذری۔

باب رواۃ حدیث اہل الکتاب

یعنی اہل کتاب جو مضمون بیان کریں تو کیا اہل اسلام کے لئے اس کو نقل کرنے اور روایت کرنے کی اجازت ہے

فقال: یا محمد اهل تتكلم هذه الجنائز؟ فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: الله اعلم اؤ؟ اس حدیث کے راوی ابو نعلہ صحابی ہیں جن کا نام عمار بن معاذ ہے اور ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ابن ابی نعلہ ہیں جن کا نام نعلہ ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو ایک جنازہ گذرا، ایک یہودی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اعلم، اس یہودی نے کہا کہ ہاں بات کرتا ہے ممکن ہے اس نے یہ بات اپنی کتاب توراۃ میں دیکھی ہو جس بنا پر اس نے یہ کہا۔ آپ نے یہودی کی اس بات پر سکوت فرمایا اور صحابہ کرام سے آپ نے فرمایا کہ یہ اہل کتاب جو بات تم سے بیان کریں نہ اس میں ان کی تصدیق کرو اور نہ

تکذیب، بلکہ یوں کہو آمنت باللہ ورسولہ، تاکہ نہ باطل کی تصدیق ہو سکے اور نہ حق کی تکذیب، اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی حدیث روایت نہیں کرنی چاہیئے۔

آپ نے کلام جنازہ کے بارے میں فرمایا، اللہ اعلم، حالانکہ دوسری احادیث سے قبر میں فرشتوں کے سوال کے جواب میں میت کا کلام کرنا بکثرت وارد ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث شروع کی ہے جس وقت آپ کو قبر میں ملے اور میت کے سوال و جواب کا علم نہیں تھا، اور یا یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں آپ نے کلام میت کے بارے میں توقف فرمایا اس بنا پر کہ اس حدیث کا تعلق مخصوص اس میت سے تھا نہ کہ مطلق کلام میت سے، افادہ العلامة السندی۔

دو مختلف بابوں میں تطبیق

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ آگے کتاب میں چند ابواب کے بعد اسی سلسلہ کا ایک دوسرا باب آرہا ہے، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، جس میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث یہ ہے، "حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج، اس پر بعض شرح خطابی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہود سے روایت حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی، احکام اسلامیہ اور قواعد دینیہ کے استقرار سے پہلے، پھر جب احکام اسلامیہ کا استقرار ہو گیا اور صحابہ کرام یہود کی تحریفات و تخلیقات سے واقف ہو گئے تو پھر آپ نے صحابہ کو حدیث اہل کتاب کی روایت کی اجازت مرحمت فرمادی کہ اس صورت میں کذب و صدق اور حق و باطل کے درمیان خلط ہونے کا خطرہ نہیں تھا، گویا یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے ابتدا میں کتابت حدیث سے صحابہ کرام کو منع فرمادیا تھا حدیث کے قرآن کے ساتھ التباس اور خلط کے اندیشہ کی وجہ سے، اور پھر بعد میں آپ نے اس نہی کو منسوخ فرما کر کتابت حدیث کی اجازت دیدی تھی جب خلط کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔

اور حضرت امام مالک "حدثوا عن بنی اسرائیل" کے بارے میں فرماتے ہیں: المراد جواز الحدیث عنہم بما کان من امر حسن اما علم کذبہ فلا، یعنی مراد یہ ہے کہ اہل کتاب جو اچھی اچھی باتیں تم سے بیان کریں اس کے نقل کی اجازت ہے لیکن جس بات کا غلط ہونا معلوم ہو ظاہر ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں (کذا فی العون عن الفتح) اور حاشیہ بذل میں ہے قال القاری فی المرقاة: لا حرج فی نقل الاعاجیب عنہم اھ فی الدر المنثور عن ابن حجر: هذا الحدیث یقید حمل سماع الاعاجیب والغرائب من کل مال لا یتیقن کذبہ لقصد الفرصۃ لا الحجۃ۔ اھ خطابی کے نزدیک باب اول کی حدیث منسوخ اور باب دوم کی اس کے لئے ناسخ ہوئی اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک اول حدیث کا تعلق مسائل و احکام سے ہے اور ثانی کا تعلق عام مفید باتوں سے یا غرائب سے، احکام سے نہیں، دونوں حدیثوں کا حمل الگ الگ ہے لہذا ناسخ منسوخ ماننے کی حاجت نہیں۔

اسرائیلیات کا حکم

تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں "اسرائیلیات کا حکم کے عنوان کے تحت لکھا ہے: اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے

ہم تک پہنچی ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ روایات جن کی سچائی قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا کوہ طور پر تشریف لیجانا وغیرہ (۲) وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے ارشاد ہے: «و ما کفر سلیمان و لکن الشیاطین کفروا» اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایت میں مذکور ہے (معاذ اللہ) حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے سپہ سالار اور یاس کی بیوی سے زنا کیا یا اسے مختلف تدبیروں سے مرداگراس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بھی کھلا جھوٹ ہے، اور اس قسم کی روایات کو غلط سمجھنا لازم ہے (۳) وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ ان کی تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کا نقل کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیر نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انھیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں (مقدمہ تفسیر ابن کثیر)

دوسری حدیث اس باب میں جو مصنف نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے: «کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحدثنا عن بنی اسرائیل حتی یصبح» یعنی بعض مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں صحابہ کرام سے بنی اسرائیل کے حالات بہت دیر تک بیان فرماتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پہلے باب سے غرض مصنف کی اخذ الروایۃ عن اہل الکتاب سے منع کرنا ہے یعنی ان سے روایت نہ لی جائے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، اور دوسرے باب کی غرض حدیث عن بنی اسرائیل یعنی حکایت عن بنی اسرائیل اور ان کے قصص اور واقعات کا نقل کرنا ہے کہ یہ جائز ہے اور ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، اور اس باب کی حدیث اول یعنی: «حدثنا عن بنی اسرائیل ولا حرج» کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے یعنی ذکر قصصہم و احوالہم، اس صورت میں ان دونوں میں آپس میں کوئی تخالف ہی نہ ہوگا جس کے لئے کسی توجیہ کی ضرورت پیش آئے، «هذا ما عندی ان کان صوابا فمن اللہ تعالیٰ وان کان خطا فمینی»۔

قال زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: امر فی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتعلمت لہ

کتاب یہود، وقال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فتعلمتہ، فلم یس فی الانصف شہر حتی حدتہ الخ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ میں یہود کی زبان لکھنا پڑھنا سیکھوں، اور فرمایا کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں کہ کوئی یہودی میرا مضمون لکھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں میں نے یہود کی زبان نصف ماہ سے بھی کم کے اندر سیکھ لی، اور اس میں مجھ کو خوب اچھی طرح

مہارت ہو گئی، چنانچہ اس کے بعد پھر میں ہی آپ کی طرف سے یہود کو لکھا کرتا تھا اور جب ان کا کوئی خط آپ کی طرف سے آتا تو اس کو میں ہی پڑھ کر سناتا۔

فائدہ: مشہور یہ ہے کہ انجیل سریانی زبان میں ہے لہذا انصاری کی زبان بھی وہی ہوئی اور تورات عبرانی ہے لہذا بظاہر یہود کی زبان بھی عبرانی ہوئی، صحیح بخاری کے پہلے باب میں ورقہ بن نوفل کے بارے میں مذکور ہے، "وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية، وفي هامش اللامع عن القسطلاني: قيل: ان التوراة عبرانية والانجيل سریانی، وعن سفیان: انزل من السماء وحی الالبالعربیة وكانت الانبیاء علیہم السلام تترجمہ لقومہا ہا وہ فی عن الکرمانی: یفہم منہ ان الانجیل لیس غیر نیا وہو المشہور راہ۔

کاتبین وحی صحابہ کی تعیین و اسماء | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں، مشہور کاتبین وحی چھ حضرات ہیں، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، بہت سے علماء کی آپ کے کاتبین پر مستقل تصانیف ہیں جن کی فہرست کافی طویل ہے، جن کی دو قسمیں ہیں کاتبین وحی یعنی قرآن وغیرہ، اس کے بارے میں تو ابھی لکھا ہے کہ وہ چھ ہیں، اور قسم ثانی مطلق کاتبین وحی قرآن کریم کے علاوہ، ان کی تعداد بعض مصنفین نے اکتیس لکھی ہے (واحد وثلاثون) بعضوں نے اس سے کم زیادہ بھی لکھی ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی وقال حسن صحیح، واخرجه البخاری تعلیقا فی کتاب العلم۔ قال المنذری۔

کتابۃ العلم

اور بعض نسخوں میں ہے "باب فی کتابۃ العلم" اور بعض میں "باب فی کتاب العلم" اس سلسلہ پر اور اس سے متعلق احادیث پر کلام۔ الدر المنضود کے مقدمہ میں گزر چکا۔

باب التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر، عن ابيه، قال قلت للزبیر: ما یمنعک ان تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد حضرت زبیر سے دریافت کیا کہ آپ کے لئے احادیث بیان کرنے سے جس طرح آپ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کیا چیز مانع ہے؟ تو انہوں نے

یہ قید بھی حدیث بھی مثلاً قدیم میں المصباح المعنی فی کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور جدید میں کتاب الوحی لاحمد عبد الرحمن عیسیٰ کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمد مصطفیٰ الاعظمی،

فرمایا کہ واللہ مجھ کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت اور منزلت حاصل ہے وہ ظاہر ہے (جس کی بنا پر مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث سننے کا موقع ملا، اس کے باوجود ترک روایت کا منشاء یہ ہے کہ میں نے آپ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اس کو جہنم میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جانا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر دونوں جگہ ٹھکانہ بنا ہوا ہے جہنم میں بھی اور جنت میں بھی، تاکہ ایمان لانے کی صورت میں جنت والے ٹھکانہ میں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں جہنم والے ٹھکانہ میں اس کو رکھا جائے، وفي الفتح: قوله: فليتيوا أي فليتيوا لنفسه منزلاً، فهو امر بمعنى الخیر او بمعنى التهديد او بمعنى التحکم، اود عامر علی فاعل ذلك ای بولاء اللہ ذلک اھ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث اور اسی مضمون کی بعض دوسری روایات "باب اثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم" کے ذیل میں ذکر فرمائی ہیں، بخاری کی حدیث میں "متعمداً" کا لفظ نہیں ہے، اور حافظ نے اس پر کلام بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حدیث سے استدلال کرنے میں اس بات کی دلیل ہے کہ کذب کا اطلاق مطلقاً خلاف واقع خبر دینے پر ہے خواہ عمداً ہو یا خطاً اور یہی اصح قول ہے، اور خطا کی صورت میں اگرچہ گناہ نہیں لیکن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثر فی الحدیث میں خطرہ ہوا اس بات کا کہیں وہ خطا میں واقع نہ ہو جائیں جس کا ان کو شعور بھی نہ ہو، اور مختصر منذری میں ہے: واخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، وليس في حديث البخاری والنسائی "متعمداً" والمحموظ في حديث الزبير انه ليس فيه "متعمداً" وقد روى عن الزبير انه قال: والله ما قال "متعمداً" وانتم تقولون "متعمداً" اھ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ابتداءً کتاب ہی میں اس طرح کے مضامین اور ابواب قائم کئے ہیں، باب التوقي في الحديث عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

باب الكلام في كتاب الله بلا علم

عن جندب رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: من قال في كتاب الله برأيه فاصاب فقد اخطأ۔

شرح الحدیث | جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر اپنی رائے سے کرے تو اگر اس نے وہ تفسیر صحیح بھی کی ہو تب بھی اس نے خطا کی برائیہ کے مطلب میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ اپنی رائے سے کرے بغیر دلیل کے ہوائے نفس

اھ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹی زاد بھائی ہیں، ان ہی کے بارے میں کہا گیا تھا شراج حرہ والی حدیث میں "ان کان ابن عمک" کما تقدم۔ ثلاث وفيه انه اذا اثم تكيف الوعيد ۱۲

کے ماتحت ہو کر اپنی غرض کی موافقت کے لئے، دوسرا مطلب یہ کہ محض ظاہر عربیت پر نظر کرتے ہوئے قواعد صرف و نحو اور لغت کو سامنے رکھ کر بغیر اس کے کہ قرآن کریم کے غرائب اور مبہمات وغیرہ میں سماع اور منقول کی طرف رجوع کرے، جمع الجار میں لکھا ہے کہ اس دوسرے معنی لینے کی صورت میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے اہل اہل پہلے ہی معنی مراد ہوئے، اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کوکب اور فیض الباری وغیرہ سے کہ جو تفسیر قواعد عربیہ و اصول شرعیہ کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد سے کی جائے وہ درست اور معتبر ہے بلکہ کتب تفسیر اس نوع کی تفاسیر سے مشحون اور لبریز ہیں اس لئے کہ وہ تفسیر میں جو مراحہ براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں، لہذا تفسیر بالرأی بایں معنی ممنوع نہیں، اور اگر سہرایت کی تفسیر کا منصوص من الشارح ہو نا ضروری ہوتا تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ۱۰ اللهم فقه فی الدین و علمہ التاویل بظاہر غیر مفید ہو جائے گی، اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے غور کرنے سے ایک بات ذہن میں آ رہی تھی پھر اسی طرح کی بات معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں اچھے اسلوب میں دیکھنے کو ملی اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اختصار کیساتھ

ماخذ تفسیر کے بارے میں اس میں تخریر ہے کہ علم تفسیر کی کتابوں کے مراجع اور سرچشمے چھ ہیں، (۱) قرآن کریم، علم تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے (پھر اس کو اس مقدمہ میں مثال سے واضح کیا ہے) (۲) حدیث، اسکی وضاحت اس مقدمہ میں کی گئی ہے، لیکن الدر المنصور کے مقدمہ میں علم حدیث کی جو تعریف اور غرض بیان کی گئی ہے وہ اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے، تیسرا چوتھا ماخذ صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے اقوال کو قرار دیا ہے، اور پانچواں ماخذ لغت عرب، وہ لکھتے ہیں: قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے تفسیر قرآن کے لئے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چونکہ کوئی شان نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا اس لئے ان کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ و تابعین کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اسکے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لئے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے، چھٹا ماخذ تدبر اور استنباط، یہ اس کا آخری ماخذ ہے، قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحر ناپید اکنار ہیں جس کی کوئی حد و نہایت نہیں چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے رہے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں۔ الی آخرہ۔

من قال فی کتاب اللہ برایہ فاصاب فقد اخطأ، جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی پس اگر صحیح بھی کی

تب بھی اس نے خطا اور غلطی کی اس کو اپنی طرف سے تفسیر نہیں کرنی چاہیے تھی، شرح کے کلام سے استفاد ہوتا ہے یہ حدیث اپنے عموم اور ظاہر پر نہیں ہے بلکہ موصول ہے جس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ خود قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جو لوگ لغت عرب سے واقف ہیں اور جن کی زبان عربی ہے ان کے لئے قرآن کا سمجھنا آسان ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات کا مقتضی ہے: "حَسْمَ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ اَنَا جَعَلْتَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" اہل عرب کو خطاب ہے کہ ہم نے یہ کتاب عربی زبان میں (جو تمہاری مادری زبان ہے) اسی لئے نازل کی تاکہ تم اس کو بلا واسطہ سمجھ سکو، "وَلَقَدْ صُفِّرْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ، قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ، وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَسَلِّ مِنْ ذِكْرِ"۔

لہذا ان آیات کی روشنی میں حدیث بالا کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قرآن کریم کی جن آیات کا مفہوم سمجھنے کیلئے صرف لغت عرب سے واقفیت اور اس میں مہارت کافی نہیں بلکہ ان کے سمجھنے کے لئے مزید علم کی ضرورت ہے، اسباب نزول یا بعض دیگر علوم شرعیہ سے مناسبت تو وہاں بغیر ان معلومات کے صرف اپنی رائے اور سمجھ سے تفسیر کرنا جرات اور غلطی ہے اگرچہ وہ رائے صحیح ہی کیوں نہ ہو، حدیث میں برآیہ کا لفظ اسی مطلب کی طرف مشیر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ رائے کے استعمال کی ضرورت تو وہیں پیش آئے گی جہاں محض لغت دانی سے کام نہ چل سکتا ہو، ایسے ہی مواقع کے لحاظ سے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی رائے سے مطلب متعین نہ کیا جائے بلکہ نقل کی طرف رجوع کیا جائے اسی طرح علماء فرماتے ہیں جن آیات شریفہ میں وعظ و نصیحت کا مضمون ہے اس کو سمجھنا تو ہر عربی دان کیلئے آسان ہے، لیکن آیات سے استنباط احکام شرعیہ یہ مشکل کام ہے اس کیلئے متعلقہ علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی هذا حدیث غریب، وقد تکلم بعض اهل العلم فی سہیل بن ابی حزم قالہ المندری

باب تکریر الحدیث

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان اذا حدث حدیثا اعادہ ثلاث مرات۔

شرح الحدیث | یعنی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار فرماتے۔

اس سے ہر کلام اور بات مراد نہیں ہے بلکہ بعض وہ باتیں جو زیادہ اہم بالشان ہوں، تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائیں، تکرار کی یہ وجہ کہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے خود بعض روایات میں مصرح ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے: "کان اذا تکلم بکلمۃ اعادہا ثلاثا حتی تفہم عنہ" اور ترمذی کی ایک روایت میں: "حتی تعقل عنہ" ہے، اور بئذ میں ہے: قلت: یحتمل ان یکون التکرار لاجل سہولۃ الحفظ، بخاری شریف کی اس روایت میں جس کا اوپر حوالہ آیا جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ زیادتی ہے، "واذا اتی علی قوم فسلم علیہم سلم علیہم ثلاثا، وانی رواہ"۔ انہ کان اذا سلم

سلم ثلاثاً، آپ کے تین مرتبہ سلام کے بارے میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں، ایک یہ کہ اس سے سلام استیذان مراد ہے جس کی حد ثلاثاً ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ یہ سلام سب سے سنا نہیں، کذا فی الفتح، اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ پہلے سلام سے مراد سلام استیذان، اور دوسرے سلام سے سلام تحیہ، مجلس میں داخل ہونے کے وقت، اور تیسرا سلام عند الرجوع عن المجلس۔

باب فی سرد الحدیث

سرد الحدیث یعنی مسلسل اور جلدی جلدی بات کرنا۔

عن عروۃ قال: جلس ابو ہریرۃ الی جنب حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہی تصلى الخ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ کے حجرہ کے قریب آکر بیٹھ جبکہ وہ اندر نماز پڑھ رہی تھیں، تو ابو ہریرہ ایک یا دو مرتبہ یہ کہہ کر کہ اماں جی ذرا سنئے، ذرا سنئے، بہت سی حدیثیں جلدی جلدی سنا کر چلے گئے۔ غالباً یہ احادیث کا سنانا استقبول تصدیق کیلئے ہوگا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ جب اماں جی نے اپنی نماز پوری کی تو حضرت ابو ہریرہ کے اس استعجال پر اظہار تعجب اور تنکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا طریقہ تو یہ تھا کہ اتنے اطمینان سے بات فرماتے تھے کہ اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے الفاظ کو شمار کرنا چاہے تو شمار کر سکتا تھا۔ اس کے بعد والی روایت کا بھی یہی مضمون ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری، وسلم بخوہ، قالہ المنذری۔

باب التوقی فی الفتی

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن الغلوطات۔ اور ایک روایت میں ہے: عن الاغلوطات، جس کا واحد اغلوطہ ہے بروزن اُغلولہ، ماخوذ ہے غلط سے جیسے احموقہ حق سے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تقسیم غنیمت والی روایت میں گذرا کہ انہوں نے نجدہ حروری کے بارے میں فرمایا تھا: لولا ان یاتی اُحموقۃ لما کتبت الیہ

شرح الحدیث | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نادر اور مشکل مسائل کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جن کو چیتستان کہا جاتا ہے اور عربی میں احاجی اور الغاز، اس لئے کہ اس طرح کے سوالات سے مقصود مخاطب کو نیچا دکھانا اور شرمندہ کرنا ہوتا ہے، شرح نے لکھا ہے: وفيہ کراہیۃ التعمق والتکلف بما لا حاجۃ للانسان الیہ من المسئلۃ، اور بذلہ میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے منقول ہے: ولا ضیر فیہ، اذا کان لتدرب التلامذۃ، یعنی استاذ اگر

شاگردوں سے اس طرح کے سوالات کرے ان میں بیداری اور سمجھ پیدا کرنے کیلئے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مستقل ترجمۃ الباب ہے "باب طرح الامام المسئلۃ علی اصحابہ لیختبر باعذہم من العلم" اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقہا و انہا مثل المسلم حدثنی ماہی الحدیث ذکر فرمائی ہے، اس پر حافظ لکھتے ہیں: والنہی الوارد فی ابی داؤد ومحمول علی ما لا یفیع فیہ او خرج علی سبیل التعتت۔

اس حدیث کو باب سے مناسبت جس کا مضمون احتیاط فی الفتویٰ ہے اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے سوالات میں مظنہ ہے عدم احتیاط کا مجیب کی جانب سے۔

سمعت اباءہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم: من اکتفی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ یعنی جس شخص کو اس کے استفادہ کا جواب بدون تحقیق دیا گیا ہو اور پھر اس مستفتی عامی نے اسی فتویٰ کے مطابق عمل کیا ہو تو اس کا گناہ مستفتی کو نہ ہوگا بلکہ مفتی کو ہوگا، لیکن اس مفتی سے مراد وہ مفتی جاہل ہے جو علماء کی ہیئت اور صورت میں ہو، اور اگر کوئی عامی اپنے جیسے کسی عامی ہی سے سوال کر کے اس پر عمل کرے تو اس صورت میں وبال سائل پر ہی ہوگا۔

مفتی کے غلط فتویٰ دینے پر کیا حکم ہے؟ اس پر کسی قدر کلام ابواب التیم باب فی المخرج یتیم میں گزر چکا ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ مقتصر علی الفصل الاول بخوہ قالہ المنذری۔

باب کراہیۃ منع العلم

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ بلجام من نار یوم القیامۃ۔

شرح الحدیث | یعنی جس شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ اس کو چھپائے تو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالیں گے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

منہ کے اندر لگام کا ہونا کلام کرنے سے مانع ہوتا ہے، تو چونکہ یہ شخص بھی مسئلہ بتانے سے رکا تھا اور گویا اس نے اپنے منہ میں لگام لگا لی تھی تو اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اس گناہ کے مشابہ ہی سزا دیں گے، قال الخطابی: وخرج هذا علی معنی مشکوٰۃ العقوبۃ الذنب، کقولہ تعالیٰ: الذین یا کلون الربا لایقومون الا یہ۔ اس حدیث میں جس علم کے کتمان سے منع کیا گیا ہے اس سے وہ علم مراد ہے جس کی تعلیم لازم اور ضروری ہے، جیسے کوئی کافر اسلام لانے کا ارادہ کرے اور وہ کسی سے دریافت کرے کہ مجھے بتاؤ کہ دین اسلام کیا چیز ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، یا جیسے کوئی جاہل شخص جس کو نماز کا طریقہ نہیں آتا اور حال یہ کہ نماز کا وقت آگیا اور وہ کسی سے نماز کی کیفیت اور اس کا طریقہ معلوم کرے، ونحو ذلک من المسائل، اور جو علم

مستحبات کے قبیلہ سے ہو جس کے جاننے کی لوگوں کو کوئی خاص ضرورت نہ ہو وہ علم اس میں داخل نہیں (بذل عن الخطابی) اور حاشیہ بذل میں ہے وقیل المراد بعلوم الشہادۃ کذا فی المرقاة اھ یعنی ایک شخص کو مدعی کے صادق ہونے کا علم ہے اور اس سے اس کے بارے میں شہادت طلب کی جائے تو وہ انکار کر دے، وفيہا ایضا وقیدہ فی الکوکب بان لا تكون فی الاظهار مفسدۃ اھ

کیا حدیث الباب موضوع ہے؟ | اس حدیث کے بارے میں حاشیہ بذل میں لکھا ہے: تکلم بعضهم علی الحدیث بانه ضعیف بل موضوع، وفي المقاصد المحسنۃ حسنہ الترمذی، وصحیح الحاکم اھ

اس کتاب کے مقدمہ میں بھی اس حدیث کے بارے میں، اور اس کے علاوہ بھی جن احادیث پر ابن ابی جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وضع کا حکم لگایا ہے، ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ اس قسم کی ابوداؤد میں نو حدیثیں ہیں، حافظ منذری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: واخرجه الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حدیث حسن، طحا آخر کلامہ، وقد روی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من طریقین فیہما مقال، والطریق الی اخرجه بہا ابوداؤد طریق حسن، فانه رواہ عن التبوذکی وقد ارجحہ البخاری وسلم، عن حماد بن سلمۃ وقد ارجحہ مسلم واستشهد بہ البخاری عن علی بن الحکم وهو ابو الحکم البنانی، قال الامام احمد لیس بہ بأس، وقال ابو حاتم الرازی لا بأس بصراح الحدیث، عن عطاء بن ابی رباح وقد اتفق الامامان علی الاحتجاج بہ، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کے اسماء ذکر کئے ہیں وفي کل منہما مقال، اور حافظ ابن القیم نے تہذیب السنن میں اس پر مزید تفصیلی کلام فرمایا ہے فارجح الیہ لوشئت۔

باب فضل نشر العلم

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: **تَسْمَعُونَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ**، آپ فرما رہے ہیں صحابہ کرام سے کہ تم علم کو مجھ سے سنتے ہو اور پھر میرے بعد تم سے سنا جائیگا اور اس کے بعد پھر اس سے سنا جائے گا جو تم سے سنے گا، یعنی صحابہ کرام علم دین کو سنیں گے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور تابعین سنیں گے صحابہ سے اور تبع تابعین سنیں گے تابعین سے، جہلم جرا گویا اس میں تحریض ہے نشر علم پر کہ تم اس علم کو مجھ سے اچھی طرح محفوظ کر لو اور اس کو اپنے بعد والوں تک پہنچاؤ اور وہ اپنے بعد والوں کو پہنچائیں عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: **نَضَّرَ اللَّهُ أُمَّرَأَةً أَسْمَعَ مَذَاهِدِهَا فَحَفِظَتْهُ** الخ، اس حدیث کی شرح وغیرہ اس کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حدیث حسن، واخرجه ابن ماجہ من حدیث عباد والد بخاری عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالہ المنذری۔

عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: **وَاللَّهِ لَا تُث**

یہدی اللہ بھدا اک رجلا واحد اخیر لك من حمرا النعم۔
 مضمون حدیث واضح ہے کہ اگر کسی شخص کی کوشش سے ایک شخص بھی ہدایت پر آجائے تو وہ اس کے لئے سرخ اونٹوں
 سے افضل ہے جو کہ عربوں کے نزدیک محبوب چیز تھی، اس سے بھی نشر علم کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔
 و الحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی مطولا فی غزوة خيبر، وقوله هذا العلي رضي الله تعالى عنه، قاله المنذري۔

باب الحديث عن بنی اسرائیل

اس باب پر کلام چند ابواب قبل "باب روایہ حدیث اہل الکتاب" میں گذر چکا۔

باب فی طلب العلم لغير الله تعالى

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: من تعلم علما مما
 یبتغی بہ وجهہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحہا۔
 یعنی جو شخص ایسا علم جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہو۔ یعنی علم دین و شریعت۔ اسکو کسی
 متاع دنیوی کے حصول کے لئے سیکھے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے علی وجہ المبالغۃ دخول جنت کی نفی ہے کہ جنت تو کیا اسکی خوشبو
 بھی اس کو حاصل نہ ہوگی، لیکن اہل سنت کے نزدیک اس قسم کی حدیثیں مؤول ہیں، اور تاویل یہ ہے
 کہ اس سے دخول اول کی نفی مراد ہے، یعنی بغیر سزا بھگتے جنت میں نہ جاسکے گا، ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسا شخص جو جنت
 میں داخل ہو لیکن وہاں کی خوشبو اس کو حاصل نہ ہوگی، اور ایک تاویل سموع من بعض المشایخ یہ ہے کہ نیک لوگوں کو جو
 جنتی ہوں گے قیامت کے روز محشر میں جنت کی لطیف خوشبو اور مہک محسوس ہوگی، تو اس حدیث میں اس کی نفی ہے،
 "مما یتغی بہ وجهہ اللہ" کی قید سے مستفاد ہو رہا ہے کہ یہ وعید علم دین کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص دنیوی علوم کو دنیا کمانے کیلئے
 حاصل کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، دراصل یہ دنیوی علوم جو ہیں حقیقۃً علم ہی نہیں ہیں بلکہ صنعت و حرفت کے
 قبیل سے ہیں، علم حقیقی تو وہی ہے جس سے معرفت حق حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت اور انکی خوشنودی
 حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: انما یشی اللہ من عبادہ العلماء" والحدیث اخرجه ابن ماجہ، والترمذی وقال:
 هذا حدیث حسن، قال المنذري۔

باب فی القصص

عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

يقول: لا يقتص الا امير او مامور او مختال.

شرح الحديث على احسن وجه | قصص یعنی وعظ اور تذکرہ اسی سے ہے قاص یعنی وعظ اور مبلغ، اس حدیث میں یہ ہے کہ یہ عمل قصص یا تو امیر کرتا ہے، یا اس کا ماتحت مامور، اور اگر ان دو کے علاوہ کوئی اور کرے تو وہ تیسرا شخص مختال اور متکبر ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت تو ہر عالم اور مؤمن کر سکتا ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کام صرف امیر یا مامور ہی کا ہے، اور کسی کے لئے مناسب نہیں یا جائز نہیں، اس لئے بعض شرح نے تو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ خطبہ پر محمول ہے مطلق وعظ و نصیحت مراد نہیں ہے اس لئے کہ خطبہ دینا وہ امیر یا اس کے مامور ہی کا منصب ہے، ایک تاویل یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ممکن ہے یہ مراد ہو ان فی حفرة الأمير أو المأمور لا يقتص الا مختال، یعنی جو شخص امیر یا اس کے مامور کی موجودگی میں وعظ و نصیحت کرے وہ متکبر ہے لہذا امام یا جو شخص امام کی طرف سے مامور ہو اس کی موجودگی میں دوسرے شخص کو نہیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو سمجھو وہ متکبر ہے، سب سے عمدہ توجیہ وہ ہے جو حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر برالوداؤد میں ہے اس میں اس طرح ہے: القاص المخلص مأمور من الله تعالى، قال تعالى: وَذَكَرْنَاكَ الذِّكْرَ تَنْفِخَ الْمُؤْمِنِينَ، یعنی اخلاص کے ساتھ وعظ اور تقریر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے، پس "او المامور کے عموم میں شخص مذکور بھی داخل ہو جائے گا۔ فللشرف والشيخ رحمه الله تعالى۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصاة من ضعفاء المهاجرین، وان بعضهم

لیستتر ببعض من العری وقارئی یقرأ علینا۔

مضمون حدیث واضح ہے، "وان بعضهم لیستتر ببعض" یعنی ان حضرات کے پاس پہننے کے لئے کپڑے بھی پورے نہیں تھے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی آڑ میں ہو کر اپنے بدن کو چھپاتے تھے فجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلاحه وسطنا ليعدل بنفسه فينا تور رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے ہمارے ساتھ اپنی برابری ظاہر فرمانے کے لئے، یعنی بطور تواضع کے آپ نے ایسا کیا، ثم قال بیده هكذا فتخلقوا وبرزت وجوههم له، یعنی پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے یہ سمجھایا کہ تم سب حلقہ باندھ کر بیٹھ جاؤ، چنانچہ وہ سب حلقہ کی شکل میں ہو گئے اور سب کے چہرے اور صورتیں آپ کے سامنے ہو گئیں، ابشر يا معشر صالحيك المهاجرین بالنور التام يوم القيامة الخ آپ نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت خوش ہو جاؤ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کامل نور کی قیامت کے دن اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ یعنی فقراء مہاجرین جنت میں اغنياء الناس سے پانچ سو سال پہلے داخل ہو گے۔

یہ حدیث ترمذی شریف میں مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے، نفی روایت منہ یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنياء

بمئة عام نصف يوم، قال الترمذی صحیح، وفي رواية "يدخل فقراء المسلمين"، وفي رواية "ان فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل اغنيائهم بمئة عام"، وفي رواية "يدخل فقراء المسلمين الجنة قبل اغنيائهم بأربعين خريفاً".

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لان اتحد مع قوم يذكرن الله تعالى من صلاة الغداة حتى تطلع الشمس احب الي من ان اعتق اربعة من وكد اسماعيل الخ۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک میں بیٹھوں یہ بات مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں اولاد اسمعیل سے، یعنی خالص عرب، اور حدیث کے دوسرے جز میں بعینہ یہی مضمون عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کے بارے میں ہے۔

ذکر اجتماعی کا ثبوت اور اسکی فضیلت | اس حدیث سے اولاً تو ذکر اجتماعی کا ثبوت ہو رہا ہے، اور دوسرے خاص ان دو وقتوں کی فضیلت۔

اس حدیث سے استرقاق العرب کا جواز سمجھ میں آتا ہے مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، حنفیہ کی طرف سے اس کی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ انہ محمول علی المبالغة۔

عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال قال بي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: اقرأ على سورة النساء، قال: قلت: اقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال: اني أحب ان اسمعه من غيري،

یہ حدیث مصنف نے "باب فی القصص" کے اندر ذکر فرمائی ہے، ترجمۃ الباب اور حدیث میں ظاہراً تو کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ قرآن پاک تو وعظ و نصیحت کی سب سے جامع کتاب ہے، پھر اس کی تلاوت اس طور پر کرنا کہ ایک پڑھ کر دوسرے کو سنائے محال پر غور و خوض کے ساتھ یہ قصص اور تذکیر نہیں تو اور کیا ہے۔ والھی حدیث اخبرہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

اختر کتاب العلم

اول کتاب الاشربة

مصنف نے اولاً بیوع اور تجارت و اجارات کو ذکر فرمایا جو کہ اسباب کسب میں سے ہیں فالآن يذكر ما لا جله الكسب اى الاكل والشرب، چنانچہ کتاب الاشربة کے بعد کتاب الاطعمہ کو لائے ہیں، اطعمہ اور اشربة ان دونوں میں مصنف نے جو

ترتیب اختیار کی ہے یعنی تقدیم الاشرہ علی الاطعمہ جبکہ شرب طعام کے بعد ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و سنن ترمذی میں ابواب الاشرہ ابواب الاطعمہ کے بعد ہے، اس میں یہ کہا جائے گا کہ ابتداء آفرینش میں یعنی بچہ کی غذا کی ابتداء مشروب ہی سے ہوتی ہے پس مصنف نے بھی اس میں اسی کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کیا۔

باب تحريم الخمر

شراب کی حرمت موافقات فہری میں سے ہے جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے، خمر کی تحریم آیات قرآنیہ کے ذریعہ بتدریج ہوئی ہے، اس سلسلہ میں اولاً آیۃ البقرة: یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر نازل ہوئی جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ خمر بڑے گناہ کی چیز ہے لیکن اس میں منافع بھی ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہم بین لنا فی الخمر بربا نشفاء کہ اے اللہ شراب کے بارے میں تشفی بخش حکم نازل فرما دیجئے اس پر کچھ روز بعد سورۃ النسا کی آیت نازل ہوئی: یا ایہا الذین آمنوا لا تقرؤا الصلاة وانتم سكارى جس میں صرف نماز کے وقت کے قریب شراب کی حرمت بیان کر گئی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں منادی اعلان کرتا تھا الا لا یقرین الصلاة سکران، اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی دعا کی جو پہلے کی تھی، اس پر آیۃ المائدہ نازل ہوئی: یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانساب والازلام رجس من عمل الشیطان جس کے آخر میں ہے: فہل انتم منہتون، اس آیت میں صاف طور سے خمر کی تحریم کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم اس سے باز آنے والے ہو یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آیت سنی تو بہت خوش ہو کر فرمائی: لک انتہینا کہ ہاں اے رب ہم اس سے ضرور بچیں گے، یہ سارا مضمون باب کی دوسری حدیث میں مذکور ہے، تحریم خمر تاریخ خمس میں لکھا ہے کہ اس کا نزول ۶ھ میں ہوا اور تلقیح ابن ابی حوزی میں اس کے بجائے ۳ھ لکھا ہے بعد احد و کذا فی بامش البذل) عن ابن عمر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل تحريم الخمر يوم نزل وهی من خمسة

اشیاء من العنب والنہر والعسل والحنطة والشعیر والخمر ما شامر العقل وثلاث وددت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یفارقنا حتی یعهد علینا فیہن عهدا انتہی الیہ الجد والکلالۃ وابواب من ابواب الربا۔

مشرح الحدیث اس حدیث میں دو جزر ہیں ایک کا تعلق کتاب الاشرہ سے ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے اور دوسرے جزر کا تعلق کتاب الفرائض اور ربا سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے

ہیں کہ تین مسئلے ایسے ہیں جن کے بارے میں میری تمنایہ تھی کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان مسائل کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وضاحت فرمادیتے اپنی زندگی میں تاکہ ہم ان پر اچھی طرح عمل پیرا ہو جاتے اور پھر ان تین مسائل کی تعیین فرمائی ان

تین چیزوں سے (۱) میراث جد کا مسئلہ (۲) کلالہ کا (۳) ربار کا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ جد سے مراد اس کی مقدار میراث ہے جس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف رہ چکا ہے، چنانچہ کتاب الفرائض (بخاری میں) آرہا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہ خود ان سے اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، اور دوسری چیز کلالہ یعنی اس کا مصداق جس میں علماء کا اختلاف ہے من لا ولد له ولا والد، ابو بنو العم الاباعد، وغیر ذلک کما فی العون، اور ابواب الربار سے مراد بظاہر ربار الفضل ہے اسلئے کہ ربار کی قسم ثانی یعنی ربار النسبہ اس کی حرمت تو صحابہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور ربار الفضل میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف کتاب البیوع میں گذر چکا، حافظ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بعض ابواب ربار کے بارے میں نص موجود تھا اور بعض کے بارے میں نہ تھا اسی لئے اس کے معلوم ہونے کی تمنا فرما رہے ہیں۔

خمر کن کن چیزوں سے بنائی جاتی تھی اور حدیث کا جزر اول یہ ہے کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو اس وقت خمر عام طور سے پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، عنب، تمر، عسل، حنظلہ، شعیر، اس سلسلہ میں روایات حدیث مختلف ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: لقد انزل اللہ الآیۃ الیٰ تحریم فیہا الخمر وما بالمدينة شراب لیشرب الا من تمر، اور حضرت انس ہی سے صحیح بخاری میں ہے: قال: حرمت علینا الخمر حین حرمت وما نجد خمر الا عنب، الاقلیل، وعامة خمرنا البسر التمر، اور صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: نزل تحریم الخمر وان بالمدينة یومئذ خمسة اشربة ما فیہا شراب العنب، اور صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے: قال: كنت اسقی ابا عبیدة وابا طلحة وابی بن کعب فضیخ زهو وتمر فجاہم آت فقال ان الخمر قد حرمت، فقال ابو طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قم یا انس فاهرقها۔ وفي لفظ۔ قال عبد العزيز بن صهيب قلت لانس ما هو؟ قال بسر ورتب (کذا فی تہذیب السنن لابن الیثم)

اشربہ کے بار میں حنفیہ اور جمہور علماء اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اشربہ مسکرہ کی بہت سی قسمیں ہیں خمر، سکر، فضیخ، نقیع الذبیب، طلاء، بادق، المنصف، المثلث، الخلیطان، مژر وغیرہ وغیرہ، شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک ان کے

احکام مختلف ہیں جیسا کہ آگے بالتفصیل آرہا ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک ان سب کا ایک ہی حکم ہے، ان حضرات کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور سے خواہ شہد سے خواہ غلوں سے مسکر ہونے کے بعد سب پر خمر ہی کا اطلاق ہوتا ہے، اور سب کا حکم یکساں ہے کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، خواہ بوجہ قلت مقدار سکر پیدا نہ ہو حدیث ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام سے استدلال کرتے ہوئے نیز کل مسکر خمر، والخمر ما قام العقل، وغیرہ وغیرہ روایات، اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشربہ محرمہ کی تین قسمیں

اور تین درجات ہیں۔

قسم اول: خمر ہے جو ایک خاص قسم کی شراب کا نام ہے یعنی النبی من مار العنب اذا اشتد وغلا وقذف بالزبد، یعنی انگور کا شیرہ خام یعنی غیر مطبوخ جبکہ وہ زمانہ گزرنے کی وجہ سے گاڑھا اور غلیظ ہو جائے اور جھاگ مارنے لگے۔

قسم ثانی اور درجہ ثانیہ: اس کا مصداق تین قسم کی شرابیں ہیں (۱) عصیر العنب المطبوخ دون المثلث، یعنی انگور کا شیرہ جس کو اتنا پکایا جائے کہ دثلث سے کم جل جائے، جس کو طلاء بھی کہتے ہیں (۲) اور نقیع التمر اور تیسرے نقیع الزبيب یعنی تمر اور زبيب کی نیز غیر مطبوخ بشرط الاشتداد وقذف بالزبد، یعنی جب یہ ستر کر خراب ہو جائیں اور سکر پیدا ہو جائے۔

قسم ثالث: اس سے مراد وہ بقیہ اشربہ وانبذہ ہیں جو مختلف غلوں وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں من الحنطة والشعیر والذرة ومن العسل، خواہ وہ مطبوخ ہوں یا غیر مطبوخ ایسے ہی مثلث عنبی یعنی انگور کا وہ شیرہ جس کا طبخ کی وجہ سے دثلث حصہ جل جائے اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں شراب کے اندر اصل دو چیزیں ہیں اول عنب اس سے تو خمر حقیقی بنتی ہے دوسرے تمر و زبيب، زبيب اگرچہ حقیقۃً عنب ہی ہے لیکن اس کا حکم عنب سے الگ ہے، حکم کے لحاظ سے وہ تمر کے برابر ہے، اس کے علاوہ دوسرے غلہ جات سے جو شرابیں بنتی ہیں وہ تیسرے درجہ کی ہیں ان کا حکم الگ ہے، نیز عنب جس سے خمر اصل بنتی ہے اس میں بھی اصل یہ ہے کہ وہ مطبوخ نہ ہو آگ پر اس کو نہ رکھا گیا ہو ورنہ طبخ کے بعد وہ خمر درجہ اولیٰ سے درجہ ثانیہ میں آجاتی ہے اور اس کا حکم بدل جاتا ہے، اب آپ ان مذکورہ بالا اقسام ثلاثہ کا حکم سمجھئے۔ قسم اول یعنی خمر کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے، اور اگر پیا تو حد بھی جاری ہوگی خواہ بوجہ قلت کے سکر پیدا نہ ہو اور قسم ثانی یعنی طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبيب اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا

ملہ پس اگر ادنیٰ درجہ کا طبخ ہے تو اس کو باذن کہتے ہیں اور اگر طبخ سے نصف جل جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر نصف سے زائد اور دو ثلث سے کم جلا ہے تو اس کو طلاء کہتے ہیں کمافی الہدایۃ عن الجامع الصغیر یہ تینوں قسم کے عصیر مطبوخ یا باذن منصف اور طلاء کا حکم حرمت میں برابر ہے، لیکن طلاء کا اطلاق مثلث پر بھی ہوتا ہے یعنی وہ عصیر العنب جس کو اتنا پکایا جائے کہ دثلث جل جائے یہ طلاء حلال ہے جس کو مثلث عنبی بھی کہتے ہیں، ففی موطأ الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا بأس بشریت الطلاء الذی قد ذهب ثلثاہ وبقی ثلثہ وهو لای سکر اھ و فی ہامشہ قولہ الذی قد ذهب ثلثاہ۔ قید بہ لان الطلاء الذی ذهب اقل من ثلثیہ لایحلی کما قال فی الجامع الصغیر، محمد بن یعقوب عن ابی حنیفہ قال الخمر حرام قلیلھا وکثیرھا والسكر هو النبی من مار التمر و نقیع الزبيب اذا اشتد حرام، والطلاء وهو الذی ذهب اقل من ثلثیہ من مار العنب وما سوا ذلک من الاشرۃ فلا بأس بہ انتہی، و بہ یظہر ان لا ترفع بین کلمات الفقہاء حیث حکم بعضهم علی الطلاء بالحرۃ و بعضهم بالحمۃ فان الطلاء یطلق علی امرین احدهما حلال والاخر حرام کما حققہ الفقہ حسن الشرنبلالی فی رسالۃ: نزہۃ ذوی النظر لمراسن الطلاء والتمر۔ اھ طلاء کا ذکر متن میں باب فی الدادی میں بھی آ رہا ہے۔

پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے سکر پیدا ہو گیا ہو، اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ اسکی اتنی مقدار جو مضی الی اسکر نہ ہو نیک نیتی یعنی تقویٰ کی نیت سے پینا جائز ہے، اور تہی اور سستی کی نیت سے پینا حرام ہے، لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب پینے والے پر نشہ چڑھ جائے، اور ائمہ ثلاثہ و امام محمد کے نزدیک تمام اشربہ و انبذہ کا حکم وہی ہے جو ہمارے یہاں قسم اول کا حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عند الجمہور اشربہ کے حکم میں تشدد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کے اندر بعض قسموں کے لحاظ سے گنجائش ہے۔

حنفیہ جملہ اشربہ کی تحریم کے کیوں قابل نہیں ہیں؟ اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حنفیہ نے اس میں احتیاط کا پہلو کیوں نہیں اختیار کیا جیسا کہ جمہور کے مسلک میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا مسلک اس سلسلہ میں وقت نظر پر مبنی ہے، اس لئے کہ خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول ہیں ایک یہ

کہ وہ عنیب کے ساتھ خاص ہے صرف انگور کی شراب کو خمر کہتے ہیں، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ خمر عام ہے انگوری ہو یا غیر انگوری اگرچہ صاحب ہدایہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ خمر کے انگور کے ساتھ خاص ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں: ولنا ان اسم خاص باطلاق اهل اللغة فيما ذكرناه، ولہذا المشہر استعمال فیہ، دنی غیرہ غیرہ اھ مگر اس پر شیخ ابن الہمام نے نقد کیا ہے، اور خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول لکھے ہیں، نیز آگے کتاب میں باب آ رہا ہے، باب الخمر مباحی، جس میں مختلف روایتیں مصنف لئے ہیں، ایک روایت میں ہے، الخمر من ہاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ، اس روایت سے خمر کا جمہور اور عنیب کے ساتھ خاص ہونا مستفاد ہوتا ہے ایک لحاظ سے اس حدیث سے شیخین کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک خمر کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم ثانی یہی ہے جو کھجور اور انگور سے بنائی جلتے جو حنفیہ کے نزدیک بھی مطلقاً حرام ہے اور عام طور سے احادیث میں مختلف قسموں پر جو خمر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مقصود بیان لغت اور اطلاق کو بیان کرنا نہیں، بلکہ مقصود بالذات بیان حکم ہے کہ جتنی شرابیں بھی مسکر ہیں وہ بھی خمر کی طرح حرام ہیں، آپ کا مقصد بیان حقائق نہیں بلکہ بیان شرائع ہے، اور دوسرا منشأ حنفیہ کا اس تفصیل اور تجزیہ

لہ وفی ہامش البذل، و خلاصۃ مذہب الحنفیۃ ان الاشربۃ ثلاثۃ اقسام، الخمر حرام مطلقاً ولعشرۃ احکام، الثانی الاشربۃ الثلاثۃ، العنبۃ وهو زلعان الہاذق والمنصف، و نفع التمر وهو السکر و نفع الزبيب هذه حرام قلیلہا و کثیرہا لکن حرمتہا ظنیۃ، والثالث باقی الاشربۃ (المنخذۃ من المحبوب وغیرہا) حلال عند شیخین مالم یسکر و حرام عند محمد والائمۃ الثلاث قلیلہا و کثیرہا و بدیعنی، و یحی علی السکر من کلہا علی الصحیح بخلاف الخمر فید علی قطرة منہا وان لم یسکر و هذا خلاصۃ ما فی الکوکب الدرۃ اھ بتصرف لیسیر

لہ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہور کا قول اسی کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اتفق اصحابنا علی تسمیۃ جمیع هذه الانبذۃ خمر لکن قال اکثرہم هو مجاز وانما حقیقۃ الخمر عصیر العنب وقال جماعۃ منهم هو حقیقۃ اھ من ہامش الکوکب و بالا

سے یہ بھی ہے کہ اگر شراب کی تمام قسموں کا بصورت میں حکم مطلقاً حرمت قرار دیا جائیگا تو اس میں بڑا اشکال پیدا ہو جائے گا، جن صحابہ کرام سے تحریم خمر کے بعد بھی شرب نبیذ ثابت ہے جن کی روایات "بذل المحمود میں مذکور ہیں، چنانچہ اس میں ہے قال فی البدائع: "والوصیفة والیوسف احتجاً بحديث رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وأثار الصحابة الكرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اما الحديث فما ذكره الطحاوی فی شرح الآثار عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أتى بنبيذ فشتم فقطب وجهه ثم دعا بما، فصب عليه شراب منه واما الآثار فمنها ما روى عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه كان يشرب النبيذ الشديد ويقول انا لنخرا الجرد وان الحق منها لآل عمر ولا يقطعه الا النبيذ الشديد ومنها ما روى عن سيدنا علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه اضاف قوما فسقا هم فسكرة بعضهم فحده، فقال الرجل تسقيني ثم تحذني، فقال علي انما احذك للسكر، وغير ذلك من الروايات المذكورة في البذل وفي آخره: فاذا ثبت الاحلال من هولاار الصحابة الكرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فالقول بالتحريم يرجع الى تفسيقهم. ولهذا عدا الوصیفة رحمه الله تعالى احلال المثلث من شرائط مذهب السنة والجماعة، فقال في بيانها: ان يفضل الشيخين ويحب الخنثيين وان يرى المسح على الخفين وان لا يحرم نبذ التمر، لما ان في القول بتحريمه تفسيق كبار الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم، والكف عن تفسيقهم والاسساك عن الطعن فيهم من شرائط السنة والجماعة، واما ما ورد من الاخبار ففيها طعن ثم مهتا واديل ثم قول بوجوبها. الى ان قال: اما التاديل فهو انها محمول على الشرب للتلهي توفيقا بين الدلائل صيانة لها عن التعارض، واما القول بالموجب فهو ان المسكر عندنا حرام وهو القدرح الاخير لان المسكر ما يحصل به الاسكار وانه يحصل بالقدرح الاخير وهو حرام قليله وكثيره، وهذا قول بموجب الاحاديث ان ثبتت بحمد الله تعالى اه، وفي هامش البذل: قال ابن عايدین قال الامام ابو حنیفة لا افی بحرمة النبيذ ولو اعطيت الدنيا لان فيه تفسیق بعض الصحابة ولا اشربها ولو اعطيت الدنيا لانه لا حاجة اليه، فللشرب دفنواؤه وتقواه اه صاحب يدائع کی طرح بعض روایات اباحت حاشیہ لفسب الراية میں بھی مذکور ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ روایات منع جیسے کل خمر مسکر، واما اسکر الفرق منه فلما الکف منه حرام" هذا كله منسوخ نسخته شرية الصلب يوم حجة الوداع، قالوا: ومن الدليل على ذلك انه كان ينهي وقد عبد القيس عن شرب المسكر فودوا اليه بعد فراغهم مصفرة الواهم، سبیه حالهم فسأ لهم عن قصتهم فاعلموه انه كان لهم شراب فيه توام ابداهم فمنعهم من ذلك فاذا لم يكن في شربه، وان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: شهدنا التحريم وشهدنا التحليل وغنم، وانه كان يشرب الصلب من نبذ التمر حتى كثر الروايات عنه به وشهرت واذيعت، واتبعه عامة التابعين من الكوفيين الى آخر ما ذكره۔

مع سند في الاصل

ما اسکر کثیرہ قلیله منه حرام، اس کو ہمارے علمائے مؤول قرار دیا ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ اس سے وہ شراب مراد ہے جو للتلهی ہو لا للتقوی، اور یا اس سے وہ آخری جرعه مراد ہے جس سے سکری پیدا ہوا ہے کہ اس کا قلیل و کثیر سب حرام ہے، اور یا پھر اس کو شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم اول اور ثانی پر محمول کیا جائے، ان دونوں قسموں کے بارے میں

ہماری رائے بھی یہی ہے، اور ایک جواب اس میں نسخ کا ہے جو ابھی مذکور ہوا، اور ایک جواب یہ ہے کہ حرمت سے مراد یہ ہے کہ ملا الکلف حرام ہے یعنی مفضی الی الحرام ہے کیونکہ جو پینا بغیر نیت تقویٰ کے یعنی تہنی کے لئے ہوگا وہاں پر قلیل کا پینا باعث ہوگا شرب کثیر کا، پس یہ شرب قلیل سبب ہوگا حرام کا اور جو چیز سبب ہو حرام کا وہ خود بھی حرام ہوتی ہے، اور اگر یہ پینا بہ نیت تقویٰ علی الطاعة ہوگا تو اس صورت میں منجر الی الکثیر نہ ہوگا، کذا فی الکوکب ونبیہ: انما محتاج الی امثال ہذہ اتاویلاً لما ثبت من بعض الصحابة شرب امثالہا فلم یفعلہ ان النبی لیس مطلقاً عاماً اھ اور ایک توجیہ اوپر عربی عبارت میں القول بالموجب گذری جس کا مطلب یہ ہے فریق ثانی جو دلیل پیش کر رہا ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہمارے ہی حق میں مفید ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو مقدار نبیذ کی آدمی کے حق میں مسکر ہو وہ مطلقاً حرام ہے اس کا قلیل بھی کثیر بھی اور جو مقدار مسکر ہی نہیں اس پر حرمت کا حکم بھی لاگو نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سلسلہ میں امام نسائی بھی حقیقہ سے ناراض ہیں چنانچہ وہ حدیث سعد بن ابی وقاص ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن قلیل ما اسکر کثیرہ کے تحت فرماتے ہیں وفي هذا الحديث دليل على تحريم المسكر قليلاً وكثيراً، وليس كما يقول المخادعون بتحريمهم آخر الشرية دون ما تقدمها، اذ اخلاف بين اهل العلم ان السكر بكمية لا يحدث عن الشرية الاخرية فقط دون ما تقدمها اھ (نصب الراية ص ۳۲) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال لما نزل تحريم الخمر قال عمر اللهم بين لنا في الخمر بياناً شفاء الخمر۔ اس حدیث کا مضمون شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وذكر الترمذی انه مرسل اصح، قالہ المتذری۔

عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عن رجل من الانصار دعا وعبد الرحمن بن عوف الخ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے ان کی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کی اور ان کو شراب بھی پلائی یعنی تحریم خمر سے پہلے، مغرب کی نماز کا وقت آیا تو حضرت علی نے امامت کی جس میں سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھی جس میں فلتطعموا، یعنی اس طرح پڑھا، قل یا ایہا الکافرون لا اعبد بالتعبون ونحن نعبد بالتعبون، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے اس پر سورہ نسا کی آیت نازل ہوئی جس سے صرف نمازوں کے اوقات میں تحریم خمر ہوئی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

عن انس رضي الله تعالى عنه قال كنت ساقى القوم حيث حومت الخمر في منزل ابی طلحة وما شربنا يوماً الا الفضيخ الخ۔

یہ حدیث باب کی پہلی حدیث کی شرح میں مع حوالہ کے گذر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ جس زمانہ میں تحریم خمر کا

حکم نازل ہوا اس وقت ہم لوگوں کی عام طور سے جو شراب ہوتی تھی وہ بیخ یعنی نبیذ البسر یعنی غیر مطبوخ جو قسم ثانی میں نفیع التمر کے نام سے گذر چکی جو ہمارے یہاں بھی حرام ہے الایہ کہ مطبوخ ہو اس صورت میں جائز ہوگی لا عند المحمور۔

باب العصیر للخمیر

یعنی انگور کا شیرہ نکالنا خمیر بنانے کے لئے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وراثةها ومبتاعها وعاصرها ومعتقها وحااملها والمحمولة اليه۔

شرح الحدیث یہ حدیث بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترمذی شریف میں بھی ہے کتاب البیوع میں جس میں اس طرح

ہے: لعن رسول الله تعالى عليه وآله وسلم في الخمر عشرة، عاصرها، ومعتقها وشاربها وحااملها والمحمولة اليه، وساقيها وبارئها واكل ثمنها والمشتري لها والمشتراة له، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ہے، عاصر یعنی انگوروں کو شراب بنانے کے لئے پھوٹنے والا، اور معتصر جس کے لئے پھوڑا جا رہا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ عاصر سے مراد وہ شخص ہے جو دوسرے کیلئے پھوڑے اور معتصر سے مراد وہ جو اپنے لئے پھوڑے (من الکوکب) اور اس کے پینے والے پر اور اسکے اٹھانے والے پر اور جس کی طرف اٹھا کر لیجائی جا رہی ہے اس پر، اس کے پلانے والے پر اور اس کے فروخت کرنے والے پر، اور اس کا ثمن کھانے والے پر اور اسکے خریداری پر اور جس کیلئے خریدی جا رہی ہو اس پر، یہ مترجمہ ترمذی کی روایت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں صرف نو مذکور ہیں جس میں ایک خود خمر ہے لعن اللہ الخمر، علامہ سندھی فرماتے ہیں ہر چیز کی لعنت اسکے اعتبار سے ہوتی ہے لہذا خمر پر لعنت کا مطلب اسکے پینے کی تحریم اور اس پر نجاست کا حکم لگانا ہے اھ۔ والحدیث اخرها ابن ماجہ، قال المنذری۔

باب ما جاء في الخمر تخلل

تخلیل خمر (یعنی شراب کو سرکہ بنانے) کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد کے نزدیک جائز نہیں، اسکے نزدیک تخلیل سے طلال نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اگر شراب رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تب تو حلال ہے ورنہ نہیں، اور امام مالک کے نزدیک تخلیل یعنی یہ فعل تو ناجائز ہے لیکن تخلیل کے بعد اس کا پینا حلال ہے۔ (عون عن النیل)

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان ابا طلحة سأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

عن ايتام ورنوا خمرًا

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بعض یتیم بچوں کے حصہ میں میراث میں شراب آئی ہے تو آپ نے

اس کو بہادینے کا حکم فرمایا اور سرکہ بنانے کی بھی اجازت نہیں دی، یہ حدیث حنابلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے تاویل کی حاجت نہیں اور حنفیہ کے نزدیک ابتداء زمان پر محمول ہے اس لئے کہ وہ لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے اور جس چیز کی عادت ہو جاتی ہے اس سے بچنا چونکہ مشکل ہوتا ہے اسلئے آپ نے احتیاطاً اور تنزیہاً تحلیل خمر سے بھی منع فرمایا تاکہ اس کی نفرت دل میں بیٹھ جائے اور دلیل اباحت دوسری روایات ہیں جیسے نعم الادام الخل اور ایک روایت میں ہے خیر حکم خل خمر کم کافی حاشیۃ الترمذی۔ والحدیث اخرجه سلم والترمذی، قالہ المنذری۔

باب الخمر وماہی

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ان

من العنب خمر وان من التمر خمر الخ۔

اس حدیث میں ان ہی پانچ اشیاء کا ذکر ہے جن کا کتاب الاشریہ کی پہلی حدیث میں ذکر ہے کہ ان سب چیزوں سے خمر بنتی ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ذکر ہے یعنی جوار کا بھی ذکر ہے اور اسی طرح ذبیح کا۔

توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ | حاشیہ بذل میں، الارشاد الرضی سے منقول ہے کہ یہ حدیث گو بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے لیکن فی الحقیقت اس سے ان کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ لفظ خمر اگر ان تمام اشیاء

کو شامل ہوتا لنتہ واستعمالاً تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس تفسیر کی بایں عنوان احتیاج نہ پیش آتی، اس لئے کہ جب قرآن کریم میں تحریم کا ذکر آچکا تو اس کا عموم ان اشیاء کو بھی شامل ہوتا اور اہل لسان اس کو خود بخود سمجھ جاتے، لہذا معلوم

ہوا کہ آپ کی غرض اس تفسیر سے بیان حکم ہے اھ اور باب کی تیسری حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ یہ ہے: الخمر من ہاتین الشجرتین: النخلۃ والغنیۃ۔ اس کے بارے میں بذل اور کوکب دونوں میں

یہ تحریر ہے کہ اس سے مقصود حصر نہیں اور ہمارے یہاں شروع میں گذر چکا کہ یہ حدیث ایک لحاظ سے حنفیہ کی تائید کرتی ہے، چنانچہ حضرت شیخ حاشیہ کوکب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر شراح حدیث تو یہی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حصر

مقصود نہیں لیکن صاحب: نتائج الافکار کا میلان حصر کی طرف ہے فقال بعد البحث: "والمح ان المراد بالحکم الذی ارید بیانہ بالحدیث هو حرمة قلیلہ وکثیرہ، وهذا المعنی لا یتحقق فی المتخذ من غیر تینک الشجرتین فصیح المحصر المستفاد من ذلک الحدیث بلا غیار اھ

میں کہتا ہوں اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے جو قسم ثانی ہے اس کا تعلق صرف ان ہی دو سے ہے اور اس کا حکم ہمارے یہاں یہی ہے کہ اس کا قلیل وکثیر حرمت میں برابر ہے، لہذا کہہ سکتے ہیں کہ خود ان احادیث میں

لہ۔ الارشاد الرضی۔ الکوکب الدر کی طرح حضرت نگوی کی کہ تقریر ترمذی ہے جو، علامہ حضرت شیخ کے چھوٹا مولانا رضی اللہ عنہ نے جمع فرمائی تھی۔

تنوع اشربہ اور اس کے اختلاف اقسام کی طرف اشارہ موجود ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب ماجاء فی السکر

سکر بمعنی مسکر وفي بعض النسخ "باب النهی عن المسکر"

کل مسکر خمر یعنی فی حکم الخمر جس خمر کا بیان آپ اگلے جملہ میں ارشاد فرما رہے ہیں "وکل مسکر حرام، ومن مات وهو یشرب الخمر یؤدب منہا لم یشربہا فی الآخرۃ، ید من امان سے ہے یعنی کوئی کام علی الدوام کرنا، یعنی جو شخص شراب ہمیشہ پیتا رہے گا یعنی پینے سے توبہ نہیں کرے گا تو اس کو آخرت میں جنت میں شراب طہور جو سب جنتیوں کو ملے گی نہیں ملے گی۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، وحدیث النسائی محتقر، قالہ المنذری۔

کل مخمر خمر تخمیر کے معنی تفتیش کے ہیں، نشہ چونکہ آدمی کی عقل کو چھپا دیتا ہے اس لئے خمر کو مخمر کہتے ہیں۔ ومن شرب مسکرا یجسٹ صلاتہ اربعین صباحا یعنی جو شخص ایک مرتبہ شراب پیتا ہے تو اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص اور بے برکت ہو جاتی ہیں، ایسے اگر وہ بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اور جو شخص چوتھی بار شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالفرض و طینۃ الخبال سے پلائیں گے، طینۃ الخبال کی تفسیر حدیث میں صدید اهل النار سے فرمائی ہے، اہل نار کا لہو پیپ، آگے حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی نابالغ بچہ کو شراب پلائے گا تو اس پلانے والے کو بھی اللہ تعالیٰ بالفرض و طینۃ الخبال پلائیں گے۔

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، یہ حدیث امام محمد اورائمہ ثلاث کے نزدیک اپنے ظاہر اور عموم پر ہے، اور خنین کے نزدیک جیسا کہ پہلے بالتفصیل گذر چکا مؤول ہے۔

والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

قال ابو داؤد: قرأت علی یزید بن عبد ربہ الجرجسی حدیثکم محمد بن حرب۔

اوپر والی حدیث مذکور جس میں البتہ مذکور ہے یہ مصنف کو دو طریق سے پہنچی ہے بطریق تحدیث یعنی سماع من لفظ الشیخ اور دوسرے بطریق قرأت علی الشیخ، قرأت علی الشیخ بعض مرتبہ بطریق استفہام کے ہوتی ہے جس طرح یہاں پر ہے، حدیث محمد بن حرب، پہلے طریق میں مصنف کے استاد قعنبی ہیں، اور دوسرے میں علی بن یزید، اس دوسرے طریق میں بتع کی تفسیر کی زیادتی ہے، بتع نام ہے نبیذ العسل کا، نیز یہ کہ اس کو اہل یمن پیتے ہیں۔

قال ابو داؤد: سمعت احمد بن حنبل یقول: لا الہ الا اللہ! ما کان اثبتہ، امام احمد جرجسی کی توثیق فرما رہے ہیں

بطریق تعجب کے کہ دیکھئے وہ کتنے ثقہ اور ثبوت ہیں، اہل حمص میں ان کے برابر کوئی اور نہیں، انہما تعجب کے موقع پر عام طور سے لفظ سبحان اللہ لوگ استعمال کرتے ہیں، کبھی کلمہ توحید بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ یہاں پر ہے۔
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن دیکم الحمیری قال سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارجو۔

شرح الحدیث ادیکم حمیری جیشانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسی سرزمین کے رہنے والے ہیں جو سرد ہے، بظاہر مراد میں ہے اس لئے کہ جیشانی میں ہی کا ایک قبیلہ ہے وہاں ہم محنت مشقت کے کام کرتے ہیں اور ہم وہاں پر گہیوں سے شراب بناتے ہیں جس کو پیئے ہیں تقویت کے لئے اور سردی سے بچنے کے لئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس سے سکر پیدا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو، میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ تو اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو اتنا قال کرو عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن شراب من العسل ارجو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شراب عسل کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس کو بتع کہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ جو اور جواری کی بھی بنید بناتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اسی کا نام مرز ہے اور پھر ان سب کے بارے میں آپ نے فرمایا، کل مسکر حرام۔

”ذره“ ضم ذال اور را مخففہ کے فتح کے ساتھ ہے یعنی جوار، جو ایک مشہور غلہ ہے باجرہ کی شکل میں لیکن سفید۔
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم بخوہ من حدیث سعید بن ابی بردہ عن امیہ، قالہ المنذری۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نجی عن الخمر والمیسر والکوبۃ والغیراء وقال: کل مسکر حرام۔ میسر یعنی قمار (خو) اور کوبہ یعنی طبل (دھول) اور غیر اشراب الذرہ جس کو مسکر کہتے ہیں، کوبہ کی تفسیر طبل سے خود کتاب میں چند روایات کے بعد آ رہی ہے، اور بذل میں لکھا ہے: الکوبۃ بالضم ہی الذرہ او الطبل او البربط اوہ بربط یعنی سارنگی۔

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن کل مسکر ومفتز۔

مہ ہمارے یہاں بہار پور میں محلہ شاہ ولایت میں ایک پرانے حکیم صاحب تھے (حکیم مختار صاحب مرحوم) جو عالم بھی تھے ان کی عادت بھی یہ تھی کہ جب کوئی بات بطور تعجب بیان کرتے تو اس کو لا الہ الا اللہ کہہ کر بیان کرتے بغیر اللہ ناولہ۔

یہ کذا فی البذل وہاں مشہور، ذی ہاشم البذل عن المحیط الاظم۔ بضم المعجم۔ تشدید المملۃ المفتوحہ وکون المثانۃ الفوقیۃ وقال اسمہ فی البندیۃ، جوار۔ اللہ وضبط فی الخرج۔ تم حجه۔ حنفہ را۔ وقال صاؤہ عوض عن واو کذا فی الاوجزاہ۔

مَفْتَر یعنی فتور پیدا کرنے والی چیز، فتور مقدمہ سکر ہوتا ہے، اعضاء کے اندر سستی، ڈھیلا پن اور غنودگی سی، حاشیہ ابوداؤد میں ہے: حافظ عراقی نے اس حدیث سے حشیشہ (بھنگ) کی حرمت پر استدلال کیا ہے اہ بھنگ ہی جیسی ایک اور چیز ہوتی ہے جس کو دھتورہ کہتے ہیں اس کو بھی بعض لوگ پیتے ہیں یہ بھی مَفْتَر الی السکر ہونے کا وجہ سے ناجائز ہے۔

کل مسکر حرام وما اسکر منه الفرق فملاً الکف منه حرام۔ اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں فریق ثانی کی دلیل میں شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی وقال هذا حدیث حسن، قال المنذری۔

باب فی الداذی

داذی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کسی چیز کے بیج ہوتے ہیں جو نبیذ میں ڈال دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے نبیذ میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جاتا ہے کذائی انجھ، اور قانوس میں داذی کے بارے میں لکھا ہے شراب الفساق ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جسکو تازی کہتے ہیں، تاز اور کھجور کے درخت سے پانی نکلتا ہے جس کو پیتے ہیں، تازی بھی اگر تازی پی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر رکھنے کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس میں جھاگ اور اشتداد ہو جاتا ہے پھر یہ ناجائز ہو جاتی ہے

دخل علينا عبد الرحمن بن غنم فتذاكرنا الطلاء فقال حدثني ابو مالك الاشعري رضي الله تعالى عنه

انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ليشربن ناس من امتي الخمر يسمونها بخير اسمها، مطلب یہ ہے کہ تبدیل اسم سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر حقیقتہً کوئی شراب مسکر ہو تو وہ خمر ہی کے حکم میں ہوگی خواہ اس کا نام کچھ ہی تجویز کر دیا جائے، حقیقت اور سبکی کا اعتبار ہوگا نہ کہ اسم کا۔

طلار کی تفسیر | اس روایت میں طلار کا ذکر ہے، یہاں پر شرح یذل الجہود اور عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفسیر ما طبخ من عصیر العنب حتی ذهب ثلثاه کیساتھ کی گئی ہے لیکن جس عصیر کا دوشلت جل گیا، ہو وہ حرام نہیں ہے البتہ جس عصیر کا دوشلت سے کم جلا ہو وہ اشربہ محرمہ میں سے ہے فقنقی المقام ان یفسر حتی ذهب اقل من ثلثیه، ویسے اطلاق طلار کا ان دونوں ہی قسموں پر ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الاشربہ کے شروع میں حاشیہ میں گذر چکا: فتنہ۔ والحدیث اخرجه ابن ماجه اتم من هذا قال المنذری۔

۱۔ بعض جاہل صوفی اور مجاور قسم کے لوگ بھی اس کو پیتے ہیں جیسے رسول شاہی وغیرہ، صاحب عون المعبود نے اس کی حرمت پر تفصیلی کلام کیا ہے، کئی ادراک میں بما لا یرید علیہ۔

باب فی الادعیۃ

عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال شہدا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وسلم عنہ عن الدباء والحنتم والمزفت والنقیق

ابتدا میں تحریم خمر سے قبل جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی اس باب میں ان کا بیان ہے، ان برتنوں میں شراب جلدی تیار ہو جاتی تھی۔

مشکیزہ میں نبیذ بنانیکی مصلحت شروع میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا تھا اور ہدایت کی گئی کہ نبیذ اسقیہ یعنی مشکیزوں میں بنائی جائے

مشکیزہ بھی ایسا جس کا منہ اوپر سے بندھن سے باندھ دیا جائے، چنانچہ آئندہ روایت میں آ رہا ہے علیکم باسقیۃ الأدمی ثلاث علی افواہہا، اس کی مصلحت یہ تھی کہ جو نبیذ مشکیزوں میں بنائی جائے گی خصوصاً جبکہ اوپر سے اس کا منہ بند کر دیا جائے گا تو اس قسم کے مشکیزہ میں نبیذ میں اگر اشتداد اور سکر کے آثار پیدا ہونے شروع ہوں گے تو اس کا فوراً پتہ چل جائے گا، گیس کی وجہ سے وہ مشکیزہ پھولنا شروع ہو جائے گا، اور اس صورت میں آدمی دھوکے میں پڑنے سے اور شرب سکر سے بچ جائے گا، بخلاف ان ادعیہ کے جن میں نبیذ بنانے سے آپ نے منع فرمایا تھا ان برتنوں میں اگر نبیذ بنائی جائے گی تو کوئی ظاہری علامت اشتداد اور سکر کی ان میں ظاہر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے خطرہ ہوتا ہے اس کا کہ

مبادا اس نبیذ میں سکر پیدا ہو گیا ہو جس کا احساس بنانے والے کو نہ ہو اور وہ اس کو غیر سکر سمجھ کر پینا شروع کر دے اصل وجہ اس منع کی یہ ہے جس کا حاصل احتیاط اور عدم اغترار ہے ورنہ اصل مدار حرمت کا برتنوں وغیرہ پر نہیں ہے بلکہ سکر پر ہے نبیذ چاہے برتن میں بنائی جائے یا مشکیزہ میں اگر اس میں سکر پیدا نہیں ہوا تو حلال ہے اور اگر پیدا ہو گیا تو حرام ہے جیسا کہ بعض روایات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے غرضیکہ ابتداء

زمان تحریم خمر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ادعیہ کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا لیکن پھر جب بعض صحابہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس ان کے علاوہ اور برتن نہیں ہیں تو اس پر آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی، چنانچہ جمہور کے نزدیک ان ادعیہ کے بارے میں جو منع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، پھر بھی کئی اختلاف باقی ہے

ادعیہ اربعہ کی تشریح اب آگے آپ ان ادعیہ مذکورہ فی الحدیث کی تفسیر سنئے: "الدباء" خشک کدو جس کے اندر دیدی، چنانچہ جمہور کے نزدیک ان ادعیہ کے بارے میں جو منع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، پھر بھی کئی اختلاف باقی ہے

ادعیہ اربعہ کی تشریح سے گودا نکال لیتے ہیں اور پیالہ کی شکل میں ہو جاتا ہے "الحنتم" الحجرة الخضراء، مٹی کی سبز

روغنی گھڑیاء المزفت، وہ مٹی کا برتن جس پر زفت ملا ہوا ہو، زفت تار کول جیسی ایک چیز سیاہ رنگ کی جس کو کشتی وغیرہ پر بھی ملتے ہیں تاکہ اس کے اندر پانی نہ داخل ہو، بعض روایات میں "مقیقہ" آتا ہے اور یہ دونوں ہم معنی ہیں،

مقیّر جس پر قیّر ملا گیا ہو جس کو قار بھی کہتے ہیں، زفت اور قار دونوں ایک ہی چیز ہیں، "المنقیر" فعیل بمعنی مفعول یعنی منقور کھجور کے تنہ کا ایک ٹکڑا جس کے اندر کا گودا نکال کر اس کو کھوکھلا کر لیا جاتا ہے، جیسے ہمارے یہاں لکڑی کا اوکھل ہوتا ہے دھان کو ٹٹنے کے لئے، بعض روایات میں زفت کے بعد بجائے نقیر کے مقیر آیا ہے، یہ صحیح نہیں، تکرار ہو جائیگا اسلئے کہ مقیر اور زفت تو ایک ہی چیز ہے، ان اوعیہ میں نہی کی علت کیا ہے؟ زفت میں تیل ملا ہوا ہونے کی وجہ سے چونکہ اس برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اشتداد جلدی پیدا ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ان برتنوں کا منہ کھلا ہوا اور چوڑا ہوتا ہے بخلاف مشکیزہ کے جس کا منہ بہت تنگ ہوتا ہے جس میں اشتداد کے وقت انتشار ہونے لگتا ہے جس سے آدی کو پتہ چل جاتا ہے بخلاف ان اوعیہ کے، لیکن یہ نہی شروع میں تھی بعد میں آپ کی طرف سے اجازت ہو گئی تھی جیسا کہ اسی باب میں چند روایات کے بعد آ رہا ہے "کنت ہنبتکم عن ثلاث وانا آمرکم بہن" الحدیث، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے "لما نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاوعیۃ قالت الانصار انہ لا بد لنا قال: فلا اذا" یعنی انصار نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ان برتنوں کے علاوہ چارہ کاری نہیں ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر کچھ حرج نہیں، چنانچہ ائمہ میں سے حنفیہ کے نزدیک یہ نہی منسوخ ہے اور ایسے ہی حنابلہ کے راجح قول میں، اور امام شافعی کے نزدیک کراہت باقی ہے گو تحریم نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان چار میں سے دو میں کراہت ہے، دیار اور زفت میں، ویسے عام طور سے شراح جمہور کا مسلک نسخ ہی نقل کرتے ہیں۔ والحدیث اخرہ سلم والنسائی، قالہ المنذری۔

حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبيذ الجوز قلت ما الجوز؟ قال: كل شئ يصنع من مدد یعنی مٹی کی گھڑیا، مگر "بذل" میں ہے: ای ماینبذ فی الجرار (الجرار جمع الجرة) ولعل المراد من الجرار المدھونۃ، یعنی روغنی گھڑیا اھ۔ والحدیث اخرہ سلم والنسائی، قالہ المنذری۔

قدم وفد عبد القیس علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ اناھذا

الحی من ربیعۃ انھا۔

وفد عبد القیس والی حدیث کی شرح | ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا جو قبیلہ ہے قبیلہ ربیعہ اس کے درمیان اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں، کیونکہ اشہر حرم میں کفار کے نزدیک بھی قتال ممنوع تھا۔ پس آپ ہم کو ایسی چیز کا حکم اور ہدایت فرمائیے جس کو ہم خود بھی مضبوطی سے پکڑیں اور اس کی طرف اپنی قوم کو بھی دعوت دیں جس کو ہم اپنے پیچھے

لہ الجوز لفتح الجیم وتشدید الراء جمع جرة کتمر جمع تمرۃ وهو بمعنى الجرار الواحدة جرة۔ ویبذل فیہ جمیع الذراع الجرار من الختم وغیرہ، وقوله من تدب لفتح المیم والذال الطین والجمع الصلب، کذا فی النہایۃ، وهذا القرح ان الجوز یبذل فیہ جمیع الذراع الجرار المتخذہ من المدر الذی هو التراب والطین اھ من العون۔

چھوڑ کر آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو چار چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور چار ہی چیزوں سے منع کرتا ہوں، آگے ان چار کا بیان ہے ایمان باللہ یعنی شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ، اور دوسرا مورقۃ الصلاۃ، اور تیسرا ایتار الزکوٰۃ، اور چوتھا ادار الخمس یہ چار پورے ہو گئے، اس حدیث میں حج اور صوم کا ذکر نہیں، لیکن دوسری روایات میں صوم کا ذکر ہے، کافی البخاری وغیرہ، لیکن حج کا ذکر صحاح کی کسی روایت میں نہیں، یا تو اس لئے کہ وہ اس وقت تک فرض ہی نہ ہوا تھا اس لئے کہ

حج کی فرضیت ایک قول کے مطابق سہ میں ہوئی اور ذوالحجۃ کی وفادہ سہ میں ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ حج کی فرضیت سہ میں ہوئی، تو ہو سکتا ہے کہ ترک ذکر حج کی وجہ کچھ اور ہو مثلاً یہ کہ ان کو کفار مضر کی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو یا یہ کہ اس کی فرضیت علی التراخی ہے، یا یہ کہ آپ کا مقصد تمام احکام سے مطلع کرنا نہیں بلکہ بعض احکام سے وغیرہ وغیرہ، لیکن صوم کا ذکر ابوداؤد کے علاوہ دوسری روایات میں ہے تو پھر یہ امور بجائے چار کے پانچ ہو جائیں گے، اس کا ایک جواب جو بیضاوی سے منقول ہے وہ یہ کہ یہاں جتنی چیزیں منقول ہیں وہ سب ایمان باللہ کی تفسیر ہیں لہذا مذکور امر واحد ہوا باقی کو راوی نے اختصاراً یا نسیاناً حذف کر دیا، لیکن حافظ نے اس توجیہ پر یہ اشکال کیا کہ بعض روایات میں شہادۃ ان لا الہ الا اللہ کے بعد ”و عقیدہ واحدہ“ مذکور ہے جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسکے بعد جو امور مذکور ہیں وہ شہادت کی تفسیر نہیں بلکہ مستقل ہیں، اسلئے بیضاوی کی توجیہ درست نہیں، لہذا اس کے علاوہ کوئی اور جواب سوچنا چاہیے، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرات چونکہ کفار مضر کے پڑوس میں رہتے تھے اور اہل جہاد و غنائم میں سے تھے تو ان کے حال کی مناسبت کی وجہ سے امر خاص کی آپ نے زیادتی فرمادی، یا یہ کہا جائے کہ ادار خمس ایتار زکوٰۃ کے عموم میں داخل ہے دونوں کا تعلق مال معین سے ہے، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وان تو ذوال الخمس کا عطف الایمان پر نہیں بلکہ اس کا عطف اربع پر ہے ای امر ہم باریع و باعطار الخمس یعنی آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم کیا اور ادار خمس کا اھ من القسط لانی ۱۴۱۔

وانھا کھ عن الدباء والحنتم والمزفت والمقین وقال ابن عبید: النقیہ مکان المقین
ابن عبید ہی کی روایت درست ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا اسلئے کہ مزفت اور مقین دونوں ایک ہیں کیا تقدم۔
قال ابوداؤد: ابو جمرۃ، نصر بن عمران الضبی، یہ ابو جمرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں میں ہیں اور ایک دوسرے راوی ابو جمرہ ہیں بالجار المہملۃ والزای المبحیۃ وہ بھی ابن عباس کے شاگردوں میں ہیں ان کا نام (عمران بن ابی عطاء) ہے ذکرہ الامام الترمذی فی عدۃ مواضع من جامعہ۔
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

والمزادة المجبوبة، وہ بڑا مشکیزہ جس کا منہ اوپر کی طرف سے کاٹ کر چوڑا کر دیا گیا ہو تاکہ اوپر ہی سے پانی نکالا جائے اور اس کے لئے غزلار نہ ہو یعنی مشکیزہ کے نیچے کی طرف کا منہ، ایسے مشکیزہ میں آپ نے نبیذ بنانے سے منع فرمایا اسلئے کہ اس کا منہ بند نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس میں اشتداد پیدا ہوگا تو اس کا انتفاخ نہیں ہوگا جس سے سکر کا پتہ چل جاتا ہے، اب یہ کہ کیسے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جائے؟ اس کے بارے میں آئندہ روایت میں آ رہا ہے: علیکم باسقیۃ الادم التي یلا ث علی افواہها، یعنی ایسے چرمی مشکیزے جن کے منہ اوپر سے باندھ دیئے جائیں اور اسی کے ہم معنی ہے وہ لفظ جو اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے: واشربوا فی الجلد الموی علیہ یعنی جس مشکیزہ کے منہ پر وکار یعنی بند بن باندھا گیا ہو، منہ بند ہونے کی صورت میں انتفاخ کی وجہ سے اشتداد کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

فان اشتد فاکسروہ بالماء فان اعیاکم فاهریقوہ، یعنی اس قسم کے مشکیزہ میں بھی اگر نبیذ بنانے سے اشتداد پیدا ہو جائے تو اس میں پانی ملا کر اس کی تیزی کو توڑ دیا جائے، اور اگر اس میں اتنا زیادہ اشتداد پیدا ہو گیا کہ پانی ملانے سے کم نہ ہو اور تم کو عاجز کر دے تو پھر اس کو پھینک دو۔

حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خمر اور بقیۃ اشربہ مسکرہ کے حکم میں فرق ہے، اسلئے کہ حقیقی خمر پانی ملانے سے نپاک ہوتی ہے نہ اس کا پیتا جائز ہو سکتا ہے اسلئے کہ نپاک چیز پانی ملانے سے پاک نہیں ہوتی۔ بخلاف دیگر انبذہ مسکرہ کے کہ اگر ان میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جائے تو ان کو اصلاح کے بعد پینا جائز ہے معلوم ہوا ان کی حرمت لعینہا نہیں ہے، اسی وقت ہے جب وہ حد اسکا رکھنے، بخلاف خمر کے کہ اس کی حرمت لعینہا ہے (کذا فی البذل)

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ سلم والنسائی، وحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی مسنداً ومسلماً، وقد اخرج صحیح حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی دفع عبد القیس وفیہ... قال المنذری۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... والجعة، جمع وہ نبیذ جو شعیر سے بنائی جائے۔ اخرجہ النسائی، قال المنذری۔ عن ابن بريدة عن ابنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ... نهیتکم عن ثلاث وانا امرکم بہن الخ، اس حدیث کا ذکر ابھی قریب میں گذر چکا۔ اخرجہ سلم والنسائی بمعناہ، قال المنذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینتقذ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سقاء الخ یعنی آپ کے لئے چمڑے کے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی، اگر اتفاق سے مشکیزہ نہ ہو تو پھر پتھر کے پیالہ میں بنائی جاتی تھی، اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی عن الادعیۃ منسوخ ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب فی الخلیطین

یعنی دو چیزوں کو ملا کر جو نبیہ بنائی جائے جیسے زبیب اور تمر یا بسر اور رطب۔

کھجور کی مختلف انواع اور ان کے اقسام | بسر یعنی گدڑی کھجور جس کا کچھ حصہ پک گیا ہو اور کچھ باقی ہو اور رطب وہ جو پوری پک جائے اور تمر وہ جو رطب بن جانے کے بعد خشک ہو جائے۔

اور ایک ہوتی ہے زھو جس کا ذکر اگلی حدیث میں آیا ہے یعنی بسر ملون، وہ بسر جس پر رنگ آنا شروع ہو جائے، اور جو بالکل کچی ہو اس کو بلخ کہتے ہیں، شرب خلیطین عند الجہور ناجائز ہے خواہ مسکر ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پس اگر وہ غیر مسکر ہے تو اس کی حرمت صرف سن و جہ ہے اور اگر مسکر ہو تو اس کی حرمت سن و جہین ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر مسکر نہیں تو جائز ہے ورنہ حرام، مصنف نے اس باب میں فریقین کی دلیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ باب کے شروع کی روایات جہور کی دلیل ہیں اور اخیر کی دو حدیثیں حنفیہ کی مستدل ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخریہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

و حدیث ابی قتادہ۔ ثانی حدیث الباب۔ اخریہ مسلم و النسائی و ابن ماجہ سنداً، قالہ المنذری۔

سألت ام سلمة رضي الله تعالى عنهما ما كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يذهي عنه؟ قالت

كان بينهما ان تعجم النوى طبعاً او نخلط الزبيب والتمر۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں دو چیز ہیں، جزر ثانی تو خلیط سے متعلق ہے جس کا باب ہی چل رہا ہے، اور جزر اول کے مطلب میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ کھجور کی نمبید کو زیادہ نہ پکایا جائے اگر پکانا

مقصود ہو، اسلئے کہ زیادہ پکانے سے نبید کے ذائقہ میں تغیر آجائے گا، گٹھلی کا مزہ اور اس کی تلخی شامل ہو جائے گی، اور دوسرا مطلب یہ کہ کھجور کی گٹھلیوں کو نہ پکایا جائے، اسلئے کہ کھجور کی گٹھلی جالوروں اور بکریوں کی غذا ہوتی ہے تو گٹھلیوں کو پکانے سے ان کی غذائیت ختم ہو جائے گی، گٹھلی کا سارا رس نکل جانے کی وجہ سے، ذکر المعین شیخنا رحمۃ اللہ تعالیٰ فیہین مسطور

لہ ان اقسام کی تعیین میں شرح حدیث سے کچھ اختلاف بھی سمجھ میں آتا ہے، ذیل میں ہم لسان العرب کا ما حاصل لکھتے ہیں وہ یہ کہ کھجور کے پھل کے پیدا ہونے سے اخیر تک اس کے تغیرات کے اعتبار سے الگ الگ ہونا ہمیں وہ یہ ہیں، بالکل شروع میں اس کے پھول کو طلع کہتے ہیں جیسے آم کی سب سے ابتدائی حالت کو ہمارے یہاں کہہ کہتے ہیں اس کے بعد جب پھول چھڑ جاتا ہے اور پھل پیدا ہونا شروع ہوتا ہے تو اس کو ظلال کہتے ہیں پھر اسکے بعد کھجور کی شکل و صورت بن جانے کے بعد گٹھلی سخت ہونے تک اس کو بلخ کہتے ہیں، اسکے بعد جب اس پر زھو یعنی رنگت آنے لگے احمر یا اصفر اور اس کو بسر کہتے ہیں، پھر اس کا پکنا شروع ہونے سے تمام ہونے تک رطب کہلاتا ہے پھر خشک ہونے کے بعد اس کو تمر کہتے ہیں ۱۵۔

کتابہ، عجم کے معنی نضج یعنی پکانے کے ہیں۔

عن امرأة من بنی اسد عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کان ینبذ لہ زبيب فیلقی فیہ تمر، او تمر فیلقی فیہ زبيب۔

اس حدیث میں زبيب اور تمر کی غلطی کا ذکر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو نوش فرمانا، اور اس کے

بعد والی حدیث میں بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کنت اخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقیہ فی اناء

فامرہ ثم اسقیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کہ میں آپ کے لئے اس طرح نبیذ بناتی کہ ایک مٹھی کھجور کی لیتی

اور ایک مٹھی کشمش کی پھر ان کو پانی کے برتن میں ڈال دیتی اور پھر اس کو مل دیتی، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کو پلا دیا کرتی تھی۔

باب فی نبیذ البسر

عن جابر بن زید وعكرمة انهما كانا يكرهان البسر وحده وياخذان ذلك عن ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہما وقال ابن عباس اخشى ان يكون المراء الذي نهيت عنه وقد عبد القيس۔

شرح الحدیث اس روایت میں یہ ہے کہ جابر بن زید اور عکرمہ نبیذ البسر کو اگرچہ وہ تنہا ہی بنائی گئی ہو مگر وہ سمجھتے

تھے اور اس چیز کو لیا تھا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابن عباس فرماتے تھے

کہ مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ جس مزار سے وفد عبد القیس کو منع کیا گیا تھا وہ یہی نہ ہو یعنی نبیذ البسر وحده، پھر آگے

روایت میں یہ ہے قتادہ فرماتے ہیں کہ مزار سے مراد وہ نبیذ ہے جو ختم یا مرفت میں بنائی جائے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کے کلام سے یہ مستفاد ہو رہا ہے کہ وفد عبد القیس کو مزار سے روکا گیا تھا اور یہ کہ اس کا مصداق نبیذ البسر وحده ہے

لیکن ہمارے سامنے جو وفد عبد القیس کی روایات ہیں ان میں تو کہیں مزار کا ذکر ہے نہیں فاللہ اعلم بالصواب، اور

آگے قتادہ کے کلام میں یہ آ رہا ہے کہ مزار کہتے ہیں اس نبیذ کو جو ختم اور مرفت میں بنائی جائے، ان دونوں روایتوں

کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ بسر وحده جس کا اس روایت میں ذکر ہے اس سے وہ نبیذ بسر مراد ہے جو ختم یا مرفت

میں بنائی جائے ورنہ بغیر اس کے بسر وحده کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب فی صفة النبیذ

یعنی نبیذ بنانے اور اس کو پینے کا طریقہ۔

عن عبد اللہ بن الدیلمی عن ابیہ، ان کے والد کا نام فیروز ہے، دیلمی سے مراد وہی ہیں۔

قال اتینا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقلنا یا رسول اللہ! قد علمت من نحن، ومن این نحن

فانی من نحن؟ قال: الى الله والى رسوله۔

شرح الحدیث

اس کی شرح میں یہ بذل الجہود میں لکھا ہے مسند احمد کی روایت کے حوالہ سے کہ فیروز دہلی جو کہ یمنی ہیں یہ اور ان کی قوم جب اسلام لے آئی تو ان کی قوم نے ایک جماعت بطور وفد کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جس میں یہ فیروز دہلی بھی شامل تھے، جنہوں نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کے اسلام کی خبر دی، جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول فرمایا، اس موقع پر اس وفد نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وہ عرض کیا جو یہاں کتاب میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور یہ کہ ہم اسلام لاچکے ہیں، اب ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اب ہمارا ولی یعنی دوست و یار و مددگار کون ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: اللہ ورسولہ تو اس پر انہوں نے عرض کیا حسینا ورضینا۔

فقلنا یا رسول اللہ! ان لنا اعداء ما نضع دھارنا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے یہاں انکھور کے باغات ہیں، انکھوروں کی وہاں فراوانی ہے تو ہم ان انکھوروں سے کس کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کو زربیب بنالو ہم نے پوچھا کہ پھر زربیب کو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ان کی نبیذ بنا کر صبح کی نبیذ شام کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور رات کی بنی ہوئی نبیذ صبح کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور فرمایا آپ نے دیکھو! یہ نبیذ مشکیزوں میں بنانا اور مشکوں کے اندر نہ بنانا فانہ اذا تَوَخَّرَ عَنْ عَصَاكَ صَارَ خَلًّا، اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اولی یہ کہ اس کا تعلق امر بالنبیذ فی الشنان سے ہے یعنی اس کی حکمت، وہ یہ کہ جو نبیذ مشکیزہ میں بنائی جاتی ہے اگر اس کو وقت پر نہ استعمال کیا جائے بلکہ مشکیزہ ہی میں رہنے دیا جائے تو وقت گزرنے سے وہ نبیذ خل یعنی سرکہ بن جاتی ہے، اور اس میں کچھ نقصان اور اضعاف نہیں ہے بخلاف اس کے کہ اگر قلعہ میں بنائی جائے گی اور اس میں دیر تک رہ جائے تو اس صورت میں وہ نبیذ شراب بن جائے گی جس میں اضعاف مال ہے، اور احتمال ثانی یہ کہ اس کا تعلق نہی عن النبیذ فی القلل سے ہے کہ نبیذ قلعہ میں نہ بنانا کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دیر تک اسی میں پڑی رہی تو وہ سرکہ بن جائے گی جو کہ خلاف مقصود ہے گو حلال ہے، کذا فی البذل نقلًا عن تقریر حضرت الکنگواہی قدس سرہ، والحدیث اخرجه النسائی قال المتذری۔

عن الحسن عن امه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان ینبذ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سقاء یو کا اعلا ولہ عزلاء الخ

شرح الحدیث

بعض مشکیزوں میں دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر کی طرف جس سے اس میں پانی بھرتے ہیں، اور ایک نیچے کی طرف تلی کی جانب اس کو عزلا کہتے ہیں، جب مشکیزہ ٹنکا ہوا ہوتا ہے تو اس میں سے جب نبیذ نکائی ہوتی ہے تو اسی منہ میں سے نکالتے ہیں جبکی مصلحت یہ لکھی ہے کہ مشکیزہ میں سرکہ جو پیدا ہونا شروع ہوتا ہے

تو وہ نیچے کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے نبیذ جب پیئے ہیں تو وہ نیچے والے منہ سے نکالتے ہیں تاکہ سکر پیدا ہونے کا علم شروع ہی میں ہو جائے پینے سے پہلے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی جس کے اوپر ولے منہ کو بندھن سے باندھ دیا جاتا تھا اور پینے کے لئے نبیذ عزازہ سے نکالی جاتی تھی جو نبیذ صبح کو بنائی جاتی تھی اس کو آپ شام میں استعمال فرماتے تھے اور جو نبیذ شام کے وقت بنائی جاتی تھی اس کو آپ صبح کے وقت نوش فرماتے تھے۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ صبح والی نبیذ میں سے شام کے وقت پینے کے بعد اگر کچھ بچ جاتی اس کو پھینک دیا جاتا اسی طرح شام والی نبیذ جو صبح کو آپ نوش فرماتے تھے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاتا مطلب یہ کہ اس بچی ہوئی نبیذ کو دوسرے وقت استعمال نہ فرماتے تھے سکر کے خوف سے کہ کہیں سکر نہ پیدا ہو گیا ہو، اور اس مشکیزہ کو دونوں وقت فارغ کر کے پانی سے دھو دیا جاتا تھا تاکہ پہلی نبیذ کا کوئی اثر باقی نہ رہ جائے، مقاتل بن حیان کہتے ہیں: کہ میرے باپ حیان نے اپنی بہن عمرہ سے پوچھا کہ کیا اس مشکیزہ کو ایک دن میں دوبار دھویا جاتا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں دومرتبہ دھویا جاتا تھا۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینبذ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الزبيب

فیشر بہ الیوم والغد ولعل الغد الی مساء الثالثة الخ

اس روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو نبیذ بنائی جاتی تھی اس کو آپ جس روز بنائی جاتی تھی اس دن اور پھر اس سے اگلے دن اور پھر اس سے اگلے دن تیسرے دن کی شام تک نوش فرماتے تھے پھر اس کے بعد اگر بچی تو آپ فرمادیتے کہ خراب کو پلا دی جائے یا بہا دیا جائے، یعنی اگر کوئی اور پینے والا نہ ہو۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ خادموں کو اس لئے پلانے کا حکم فرماتے تاکہ رکنے کی وجہ سے خراب نہ ہو اس لئے اس کو ابھی استعمال کر لیا جائے خراب ہونے سے پہلے، خراب ہونے سے مراد نشہ پیدا ہو جانا ہے۔

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے متعدد روایات میں یہ آیا ہے کہ آپ کے لئے جو نبیذ بنائی جاتی تھی تو آپ صبح کی نبیذ شام کو اور شام کی صبح کو نوش فرماتے تھے اور پھر برتن کو دھو کر رکھ دیا جاتا تھا، اور باب کی اس آخری روایت میں تین روز تک پینا مذکور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف زمان پر محمول ہے، گذشتہ روایات گرمی کے زمانہ پر محمول ہیں، اور یہ روایت موسم سرما پر۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی شراب العسل

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یہ است عند زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فی شرب عتھا عسلاً الخ۔

شرح الحدیث

یہ تحریم غسل والی مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گو
عادت شریفہ عدل بین الزوجات کی تھی، ہر زوجہ محترمہ کے لئے آپ نے باری مقرر فرما رکھی تھی لیکن
روزانہ کسی ایک وقت میں خواہ باری کسی کی بھی ہو سلام و ملاقات کے لئے آپ جملہ ازواج مطہرات کے پاس کھڑے کھڑے
تشریف لیجاتے تھے، آپ کی ازواج میں سے حضرت زینب بنت جحش نے یہ کیا کہ جب آپ ان کے یہاں پہنچے تو وہ آپ کو شہد
کا شربت پلانے لگیں جس کی ایک مصلحت یہ بھی ہوگی تاکہ ان کے پاس کچھ زائد ٹھہرنا ہو جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ خود فرما رہی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم میں
سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو وہ آپ سے یہ کہے کہ اے اجد مناک یریح مغافیر
کہ آپ کے منہ سے تو میں مغفور کی بو محسوس کرتی ہوں، چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:
بل شربت عسل عند زینب بنت جحش ولین اعود لہ کہ میں نے تو شہد پیا ہے نہ کہ مغافیر، لیکن اسکے ساتھ
ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کیونکہ آپ کو رائحہ کریمہ کا تحمل نہ تھا کہ اچھا آئندہ میں اس کو ہرگز نہ پیوں گا اور یہ بات آپ
نے قسم کھا کر فرمائی، اس قصہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ میری اس تحریم کا ذکر کسی سے نہ
کرنا، لیکن انہوں نے اس کا ذکر دوسری سے کر دیا اس واقعہ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی: یا ایہا النبی لم تحرم
ما احل اللہ لك تبتغی مرضات ازواجك، اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ فرمایا
گیا، ان تتوبا الی اللہ فقد صفت قلوبکما، کہ تم دونوں کو بھی توبہ کرنی چاہیے کہ تم نے ایک نامناسب کام کیا ہے
اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: قالت سودہ ابلی اکلت مغافیر اور آپ کا یہ جواب: سقتنی حفصۃ، جس
سے معلوم ہوتا ہے کہ پلانے والی خود حفصہ تھیں فقلت جرست نحلہ العرفط یعنی جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے مغافیر
نہیں پیا بلکہ شہد پیا ہے تو اس پر انہوں نے یہ کہا کہ پھر ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کبھی کا وہ شہد تھا جو آپ نے نوش فرمایا
اس نے شاید درخت عرفط کا رس چوسا ہو گا اسلئے اس سے پیدا ہونے والے شہد میں اس کا رائحہ آگیا، گویا میری بات
صحیح ہے کہ آپ کے منہ سے ریح مغافیر آ رہی ہے۔

شہد کی مکھی جس پھول کا رس چوس کر شہد بناتی ہے تو اس شہد میں اسی کی بو آتی ہے، مغافیر مغفور کی جمع ہے،
مغفور ایک درخت کے چپ اور گوند کا نام ہے، جس درخت سے وہ نکلتا ہے اس کو عرفط کہتے ہیں یہ درخت
خاردار ہوتا ہے اور اس کے گوند میں مٹھاں ہوتا ہے جس کو پانی میں ملا کر بعض لوگ پیتے ہیں لیکن اس میں رائحہ کریمہ
ہوتی ہے، جب آپ نے اسکے پینے کی نفی فرمائی تو ان زوجہ صاحبہ نے اس کی یہ توجیہ کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

لہ اسکے بارے میں امام ابو داؤد فرماتے ہیں: نبت من نبت النحل یعنی یہ ایک قسم کا گھاس ہے جس کو شہد کی مکھی کھایا کرتی ہے اور پھر اس سے شہد بنایا کرتی ہے

شرب غسل والی حدیث میں اختلاف روایات

ابوداؤد کی اس مذکورہ بالا روایت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں
 اول یہ کہ سورۃ تحریم کا شان نزول تحریم غسل کا واقعہ ہے، دوسری
 بات یہ کہ آپ کو شہد پلانے والی زینب بنت جحش ہیں جیسا کہ ابوداؤد کی پہلی روایت میں ہے، اور دوسری روایت میں یہ ہے
 کہ شہد پلانے والی حضرت حفصہ تھیں اور اشکال کرنے والی آپ پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، اور پہلی روایت
 میں یہ ہے کہ اشکال کرنے والی حضرت عائشہ و حفصہ ان دو میں سے کوئی کسی ایک تھیں، ابوداؤد کی یہ دونوں مختلف روایتیں
 اسی طرح صحیح بخاری میں بھی ہیں، ان دونوں حدیثوں کو روایت کرنے والی حضرت عائشہ ہیں، پہلی حدیث بطریق عبید بن
 عمیر عن عائشہ ہے، اور دوسری بطریق عروہ عن عائشہ ہے۔

اکثر شارح علامہ عینی حافظ ابن حجر علامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کامیلان اس طرف ہے کہ پلانے والی حضرت زینب
 بنت جحش تھیں اس لئے کہ حضرت حفصہ تو خود حزب عائشہ میں سے تھیں بخلاف زینب کے کہ وہ حزب مخالف میں سے
 ہیں بلکہ اصل مد مقابل وہی ہیں، اور روایت میں اس کی تصریح ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں غیرت لاحق ہوئی لہذا اس کا تعاضا
 یہ ہے کہ پلانے والی حضرت عائشہ کی حزب مخالف سے ہوں، حضرت سہارنپوریؒ نے بھی بذیل میں اسی کو ترجیح دی ہے
 بلکہ دوسری روایت کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: وهذا غلط من احد الرواۃ، وانما كانت سقۃ زینب لما ذكره المؤلف
 فی الروایۃ المتقدمۃ اھ یہ کلام امر ثانی سے متعلق ہوا۔

آیت کے شان نزول میں تحریم غسل اور تحریم ماریہ کا اختلاف

اور امر اول جو مستفاد من الحدیث ہے یعنی یہ کہ تحریم کا تعلق غسل سے ہے
 یہ بات بھی مختلف فیہ ہے اس کا مقابل یہ ہے کہ اس تحریم سے مراد تحریم ماریہ
 قبطنیہ ہے، یہ اختلاف بھی مشہور بین المفسرین والمحدثین ہے، لیکن تحریم غسل
 کی روایات صحیحین کی ہیں، اور تحریم ماریہ والی روایات غیر صحیحین کی ان دونوں اختلافات پر کلام مختصر مگر جامع، الابواب
 والتراجم ص ۱۴۴ میں مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، اس میں یہ بھی ہے: قال ابن کثیر: الصحیح انہ کان فی تحریم العسل
 وقال الخطابی: الاکثر علی ان الآیۃ نزلت فی تحریم ماریۃ۔ الی آخرانیہ، تحریم ماریہ کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ آپ بیت حفصہ میں تھے اور حفصہ آپ سے اجازت لے کر کسی ضرورت سے
 باہر گئی ہوئی تھیں آپ نے حضرت ماریہ کو وہاں بلا کر ان سے صحبت فرمائی، واپسی میں حضرت حفصہ نے جب دیکھا تو اس
 پر انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا، اس پر آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار سے دیا جس پر سورۃ تحریم کی آیات نازل
 ہوئیں، جلالین میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے اور حاشیہ جمل میں اس تحریم ماریہ والے قصہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے
 فارجع الیہ لوشدت، یہاں پر ایک واقعہ اور ہے یعنی آپ کے ایثار اور اعتزال عن النساء کا جس میں یہ ہے کہ آپ نے
 اپنی ازدواج سے ایک ماہ تک علاحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی اور پھر اس قسم کو آپ نے پورا بھی فرمایا تھا اور یہ مہینہ تنہائی

میں اپنے غزفہ میں گذرا تھا، اس کا سبب کیا ہوا تھا حافظ فرماتے ہیں کہ اس میں جی، اسی طرح اختلاف ہے، جس طرح مذکورہ بالا تحریم میں اختلاف ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتزال کا سبب آپ کی ازواج کا نفقہ میں زیادتی کی طلب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب افشار راز ہے کہ تحریم غسل یا باریہ کے بعد آپ نے اس تحریم کے اظہار سے منع فرمایا تھا لیکن ان زوجہ نے اس کو بجائے اخف کے ظاہر کر دیا تھا اس پر آپ نے ناراض ہو کر ایک ماہ کیلئے جدائی اختیار فرمائی تھی لیکن جس تحریم کی وجہ سے آپ پر عتاب ہوا وہ یہ اعتزال عن النساء نہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حقیقۃ فی الکوکب الدرری فی کتاب التفسیر فار جمع الیہ لوشنت۔

حدیث الباب الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، والثانی اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً وطولاً، قال المنذری۔

باب فی النبذ اذا علی

فَتَحَيَّنْتُ قَطْرَةَ بَنِيذٍ صَنَعْتَهُ فِي دِيَاءٍ شَرَّ أَتَيْتَهُ بِهِ فَادَّاهُو يَنْشِ الْخُ-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کا روزہ تھا تو میں وقت افطار کا انتظار کرتے ہوئے افطار کے وقت آپ کے پاس وہ بنیذ لے گیا جس کو میں نے دیار کے اندر بنایا تھا جب میں اس کو آپ کی خدمت میں لیکر آیا تو وہ اس وقت جوش مار رہی تھی یعنی فساد اور سکر پیدا ہونے کی وجہ سے تو آپ نے فرمایا: اضرب بهذا الحائط، کہ اس بنیذ کو دیوار پر پھینک مارو، کیونکہ یہ ان لوگوں کی شراب ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

باب الشرب قائماً

نهى ان يشرب الرجل قائماً۔

شرب قائماً کے بارے میں روایات دو نونوں قسم کی وارد ہیں، منع شرب قائماً کے بارے میں روایات اختلاف روایات کی بھی اور جواز کی بھی، امام بخاری نے تو صحیح بخاری میں شرب قائماً کا باب باندھ کر صرف حدیث جواز یعنی حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہاں ابوداؤد میں اس کے بعد آرہی ہے۔ ذکر فرمائی ہے، ابن بطال کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کا اشارہ اس طرف ہے کہ ان کے نزدیک احادیث منع ثابت نہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک اور امام بخاری نے احادیث نہی کی تخریج نہیں کی، ہاں امام مسلم نے ان کی تخریج کی ہے چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں مرفوعاً عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح ہے: "لا يشربن احدكم قائماً فمن نسي فليستقي" حافظ فرماتے ہیں کہ عمار کی اس سلسلہ میں آراء مختلف ہیں، اول ترجیح اور یہ کہ احادیث جواز اثبت اقویٰ

ہیں احادیث نہیں ہے، دوسرا قول یہ کہ احادیث منع منسوخ ہیں احادیث جواز سے بقرینہ عمل الخلفاء الراشدين وعظم الصحابة والتابعين بالجواز، تیسرا قول جمع بین الروایتیں ہے، پس بعض نے کہا کہ قیام سے مراد مٹی ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ احادیث نہیں عدم تسمیہ عند الشرب پر محمول ہیں یعنی جو شخص جلدی میں کھڑے کھڑے بغیر بسم اللہ کے پیئے، اور اگر باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر پیئے ہے تو اس طرح کھڑے ہو کر پینے میں کچھ حرج نہیں، اور تیسری رائے اس میں یہ ہے کہ احادیث نہیں کراہت تنزیہ پر محمول ہیں اور احادیث ثبوت بیان جواز پر، وهذا حسن المسالك واسلمها، اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث نہیں طب پر محمول ہیں اور مشققت پر کہ ایسا نہ ہو کہ کھڑے ہو کر پینے میں جلد بازی میں گلے میں پھنسا لگ جائے، لہذا اطمینان سے بیٹھ کر پینا چاہیئے اھ مختصا من الاواخر ۲۴۹ اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث جواز فضل وضو یا زمرم پر محمول ہیں اور احادیث نہیں اس کے علاوہ پر۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی وابن ماجه بنحوه، وحدث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثانی حدیثی الباب اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قاله المنذری۔

باب الشراب من فی السقاء

نهی عن الشرب من فی السقاء وعن رکوب الجلالة والمجتمعة

شرح الحدیث | یعنی آپ نے منع فرمایا ہے مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پینے سے، جس کی علمائے مختلف مصلحتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے کہ مشکیزہ میں کوئی موزی جانور وغیرہ ہو، یا یہ کہ ایک دم پانی حلق میں پہنچنے سے پھنسا لگ جائے، یا پانی چھلک کر پینے والے کے کپڑے تر ہو جائیں، نیز ہمیشہ یا بار بار ایسا کرنے سے مشکیزہ کے اندر اس سے بو پیدا ہو جاتی ہے۔

آگے حدیث میں رکوب جلالہ کی ممانعت ہے، جلالہ وہ جانور ہے جو گھٹلا پھرنے کی وجہ سے کثرت سے پلیدی کھاتا ہو حتیٰ کہ اس کے پسینہ میں سے نجاست کی بو آنے لگے۔

آگے حدیث میں ہے "والمجتمعة" مجتمعة کو مصبورہ بھی کہتے ہیں یعنی مجتمہ جانور کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا، مجتمہ اس جانور (چرند و پرند) کو کہتے ہیں جس کو شرعی ذبح پر قدرت کے باوجود قسید کر کے تیر وغیرہ سے نشاء بنا کر مارا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه، وليس فی حدیث البخاری وابن ماجه ذکر الجلالة والمجتمعة، قاله المنذری۔

باب فی اختناث الاسقية

اسقیا جمع ہے سقاء کی یعنی مشکیزہ، اور اختناث سے مراد مشکیزہ کے منہ کو باہر کی طرف موڑ دینا تاکہ اس میں چستی

اور سختی سی آجائے تاکہ پھر اس سے منہ لگا کر پانی پی سکیں، یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں، اس ترجمہ الباب میں اور اوپر والے میں غرض کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا، دونوں باب قریب ہی قریب ہیں۔

اس باب کی دوسری حدیث میں اختناث اسقۃ کا جواز مذکور ہے جس کی مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں، یہ کہ منع کا تعلق بڑے مشکیزہ سے ہے یا یہ کہ اباحت کا تعلق احیاناً پر ہے کہ کبھی کبھار ایسا کر سکتے ہیں اور منع کا تعلق کثرت اور عادت پر ہے کہ اسی کی عادت ڈال لی جائے، یا یہ کہ نہی محمول ہے شفقت پر اور ثبوت اباحت اور جواز پر (بذل) و حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترذی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجہ الترمذی،

قالہ المتذری۔

باب فی الشرب من ثلثة القدح

یہی الفاظ حدیث کے بھی ہیں، ثلثة القدح پیالہ کی وہ جگہ جہاں سے وہ ٹوٹ رہا ہو، موضع الانکسار اس جگہ منہ لگا کر پینے سے منع کی مختلف مصارح ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حصہ غیر نظیف ہو تا ہے اس میں میل جم جائیگی وجہ سے، یا یہ کہ اس کے ہونٹوں میں چیمہ جانے کا اندیشہ ہے۔

وان یتفخ فی الشراب، یعنی پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے آپ نے منع فرمایا، یہ پھونک مارنا چاہے تو کسی تنکہ وغیرہ کو پانی سے دور کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس کو ٹھنڈا کرنے کی نیت سے، کیونکہ یہ ادب اور نظافت کے خلاف ہے پھونک کے ساتھ اس میں تھوک گرنے کا امکان ہے، آگے مستقل ایک باب آرہا ہے »باب فی التفخ فی الشراب« جس میں یہ حدیث مذکور ہے، نہی ان یتنفس فی الاناء او یتفخ فیہ۔

باب فی الشرب فی انیۃ الذهب والفضۃ

كان حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالمدائن فاستسقی فأتاہ دھقان باناء من فضۃ فرماہ بہ الخ یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مدائن میں رہتے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا امیر بنایا تھا ایک روز انہوں نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس ایک دھقان یعنی چودھری چاندی کے پیالہ میں پانی لے کر آیا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو ویسے ہی نہیں پھینکا بلکہ میں نے اس کو اس میں لائے سے منع کیا تھا

لہ علامہ عینی نے اس جملہ کا ترجمہ ہی کیا ہے ولفظ: فری القدح بالشرب اور فی الشراب بالقدح، اور حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے فرماہ بہ ای رمی حذیفۃ الدھقان بذلک الاناء یعنی حضرت حذیفہ نے وہ پیالہ اس دھقان پر دے مارا اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے: ویؤید ما افادہ شیخ مانی الفتح من اختلاف الروایات ففی روایۃ فری بنی وجہہ، و فی اخری مایا لوان یصیب بہ وجہہ اھ

مگر یہ بات نہ آیا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے بس حریر اور دیباچ سے، یعنی مردوں کو، اور منع فرمایا ہے سونے چاندی کے برتن میں پینے سے، یعنی مطلقاً للرجال والنساء، اور فرمایا کہ یہ چیزیں دنیا میں صرف کفار کیلئے ہیں اور تمہارے لئے صرف آخرت میں۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الکراع

برتن یا چلو کے واسطے کے بغیر براہ راست حوض یا نہر سے منہ لگا کر پانی پینا۔

دخل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورجل من اصحابہ علی رجل من الانصار وهو یحول الماء فی حائطہ ان کان عندک ماء یات ہذا اللیلۃ فی شتن والاکرعنا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایک صحابی ایک انصاری کے باغ میں پہنچے جو کہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اس رات کارکھا ہوا یا سی پانی مشکیزہ میں موجود ہو (تو لے آؤ) ورنہ ہم اس گول کو منہ لگا کر پانی پی لیں گے، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ میرے پاس رات کا مشکیزہ میں رکھا ہوا پانی موجود ہے۔

اس واقعہ میں اگرچہ کراع کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ ہے کہ آپ نے اس کا ارادہ فرمایا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مشکیزہ یا صراحی میں رات کا رکھا ہوا ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔

کتاب الاشرہ کے آخری باب کی آخری حدیث میں آ رہا ہے، کان یتعذب للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الماء من بیوت السقیا، کہ آپ کے لئے ”بیوت السقیا“ سے جو کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے دودن کی مسافت پر واقع ہے شہر میں پانی لایا جاتا تھا۔

اس پر بذل میں لکھا ہے: یہ اسلئے کہ اس زمانہ میں مدینہ کے اکثر پانی مالح اور کھارا ہوتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک معمول سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے بارے میں مشہور ہے جس کو ہم نے حضرت شیخ سے بارہا سنا کہ

حضرت حاجی صاحب خوب ٹھنڈا پانی نوش فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پی کر الحمد للہ دل سے نکلتا ہے اور گرم پانی پینے میں یہ بات نہیں ہے، خود ہمارے حضرت شیخ بھی بہت تیز ٹھنڈا پانی پینے کے عادی تھے اور اپنی تائید کے لئے حضرت حاجی صاحب کا یہ مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے۔

والحدیث أخرجه البخاری وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

باب فی الساتی متی یشرب

عن عبد الله بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال ساتی القوم اخرهم شرباً، لوگوں کو پانی پلانے والا اپنے پینے کے اعتبار سے سب سے اخیر میں ہوا کرتا ہے۔

اس حدیث میں ادب اور استیجاب کا بیان ہے کہ ہونا ایسا چاہیئے۔ بخلاف اس کے کہ پانی پلانے والا اگر اپنے نفس کو مقدم رکھے تو یہ اس کے حرص کی علامت ہوگی کذا فی البذل، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ساتی اپنے حصہ کے بقدر پانی پہلے ہی لے لے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے اھ
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً قالہ المتذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اتی بلبین قد شیب بماء وعن یحییٰ بن اعرابی وعن یسارہ ابو بکر الخ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی ملا ہوا دودھ (یعنی لسی) لایا گیا جبکہ آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی اور بائیں جانب صدیق اکبر موجود تھے، آپ نے اولاً خود نوش فرمایا، اس کے بعد سچا ہوا اس اعرابی کو عطا فرمایا، اور فرمایا، الا یمن فالایمن، یعنی دائیں جانب والا راجح اور مقدم ہے بائیں جانب والے پر، اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے، اور ”بذل“ میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل فرمایا ہے کہ مصنف اس حدیث کو اس باب میں بظاہر اس لئے لائے ہیں کہ اوپر والا قاعدہ ”ساتی القوم اخرهم شرباً“ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص مشترک چیز کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر رہا ہو، وہاں پر اس کو چاہیئے کہ اپنے حصہ کی چیز بعد میں لے، اور جہاں جو چیز خالص اپنا حق ہو یا اپنی ملک ہو پہلے سے، یا اس کو ہدیہ کی گئی ہو اس کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے اوپر مقدم کرے اھ فللہ در الشیخ۔

شمائل ترمذی میں ایک روایت میں یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت خالد بن الولید دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گئے وہ ہمارے پاس ایک پیالہ میں دودھ لے کر آئیں جس کو آپ نے نوش فرمایا، میں آپ کی دائیں جانب تھا اور خالد بائیں جانب، تو آپ نے کچے ہوئے دودھ کو جب تقسیم کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے آپ نے فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں اس میں خالد کو ترجیح دے دوں، میں نے عرض کیا کہ آپ کا سور مبارک ایسی معمولی چیز نہیں جس پر کسی دوسرے کو ترجیح دیجائے، لہذا وہ انہوں نے خود ہی نوش فرمایا۔

اس روایت کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ حضرت خالد بن ولید اور ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہم اور اسی طرح یزید بن الاصم ان تینوں کی خالہ تھیں اہ گویا اسی وجہ سے یہ دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہوئے حضرت میمونہ کے محرم ہونے کی وجہ سے۔

تنبیہ:۔ اس حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو آیا ہے، ”وکن بمیدینہ اعرابی“ یہ حدیث چونکہ بخاری میں بھی ہے اس پر حافظ نے فتح الباری ص ۳۰ (کتاب المساقاة) میں لکھا ہے کہ ابن التین نے بعض شراح سے نقل کیا ہے کہ اس اعرابی سے مراد حضرت خالد بن الولید ہیں، اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولید جیسے شخص کو تو اعرابی نہیں کہا جاسکتا حافظ فرماتے ہیں: شاید اس تفسیر کا باعث وہ حدیث ابن عباس ہو جو ترمذی میں ہے قال دخلت انا و خالد بن الولید علی میمونہ الحدیث، (مذکور قریباً) شاید اس قائل نے یہ سمجھا کہ قصہ ایک ہی ہے جو کہ صحیح نہیں اصلے کہ ترمذی والی روایت میں جو قصہ مذکور ہے وہ بیت میمونہ کا ہے اور اس حدیث انس کا قصہ یہ دار انس میں پیش آیا۔ الی آخر باسبط۔ لہذا ایک کو دوسرے پر محمول کرنا غلط ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

كان اذا شرب تنفس ثلاثا وقال: هو انا و امرأ و ابوا۔
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول پینے کی چیز میں یہ تھا کہ آپ اس کو تین سانس میں پیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ تین بار میں پینا بہت زیادہ خوش گوار اور پینے میں ہلکا اور پھیندا وغیرہ لگنے کے ضرر سے پاک ہے۔
پینے کا ایک ادب تو اس حدیث میں مذکور ہے کہ پانی کم از کم دو یا تین سانس میں پیا جائے، لہذا مقدم فی کتاب الطہارۃ ”واذا شرب فلا یشر بفسا و احدا“ اور دوسرا ادب روایات میں یہ آتا ہے ”واذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الانار“ کہ پانی پینے کے درمیان جب سانس لے تو برتن کو مسحے سے جدا کر لیا جائے، برتن کے اندر سانس نہ لیا جائے۔
اس حدیث کو ترجمۃ الباب کے ساتھ کوئی خصوصی مناسبت تو ہے نہیں، بس یہ ہے کہ یہ بھی منجملہ آداب شرب میں سے ایک ادب ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی، قالہ المنذری۔

باب فی النفخ فی الشراب

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ۔
نفخ فی الشراب سے نہی کی حدیث قریب میں بھی گزری ہے، یہ احادیث تو واضح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مستقل ادب علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی ایک تو ایک ہی سانس میں پینے کی ممانعت، دوسرے برتن میں سانس لینے کی ممانعت، لیکن بعض روایات کے الفاظ ذرا مشکل ہیں محتاج تاویل جیسا کہ مثلاً ایک روایت میں ہے جو اکثر کتب صحاح میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یتنفس فی الانار ثلاثا“ اس حدیث سے بھی راوی کا مقصود تعدد تنفس کو بیان کرنا ہے کہ آپ تین سانس میں پانی پیتے تھے اور پانی پینے کے درمیان سانس لیتے تھے، مطلب نہیں کہ برتن کے اندر سانس

لیتے تھے ورنہ دوسری حدیث کے خلاف ہو جائے گا، اسلئے حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: والجمع بینہما ظاہر۔

عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی ابی

فترول علیہ فقد م الیہ طعاماً الخ

شرح الحدیث | عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے والد کے پاس ہمارے گھر تشریف لائے، میرے والد صاحب آپ کے لئے کھانا لے کر آئے تھے یعنی مالیدہ جو کھجور اور پنیر اور مکھن سے بنتا ہے اس کے بعد پیئے کے لئے پانی لائے جو آپ نے نوش فرمایا اور بقیہ دائیں جانب والے کو دیا، اس کے بعد کھجور خوش فرمائی۔ آگے روایت میں ہے۔ فجعل یلقی النوی علی ظہر اصبعہ السبابة والنوی کہ کھجور کھاتے وقت اس کی گٹھلی کو اپنی دو انگلیوں سبابة اور وسطی کی پشت پر رکھتے تھے، یعنی گٹھلی اس برتن میں نہ ڈالتے تھے جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں تاکہ گٹھلیاں کھجوروں کے ساتھ خلط نہ ہوں جو کہ خلاف ادب ہے، اب یہ کہ اس کے بعد ان گٹھلیوں کو کیا کرتے تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ پھینک دیتے تھے، یعنی اولاً ان کو ہاتھ کی پشت پر رکھا اور پھر پھینک دیا، یعنی آپ ان کو کھجور کی پلیٹ میں تو کیا رکھتے ہاتھ کی سیدی جانب میں بھی ان کو نہیں رکھا جس طرف سے کھاتے ہیں جو کہ غایت نظافت کی بات ہے، کذا فی البذل عن فتح الودود بتوضیح۔

اس روایت کے الفاظ کتب حدیث میں مختلف ہیں، ترمذی کی روایت میں ہے (کتاب الدعوات میں) یلقی النوی باصبعہ اور مشکاة میں بروایت مسلم یلقی النوی بین اصبعیۃ ہے اور ایک روایت میں "فجعل یلقی النوی علی ظہر اصبعہ" جس طرح یہاں البوداؤد میں ہے، اسی لئے ان روایات مختلفہ کے پیش نظر الکوکب الدری ص ۳۰ میں اس جملہ کی شرح اس طرح کی ہے: ای کان یجمع الاصبعین فیضع من فیہ النواة علی ظہر ہما فیفتح مابین الاصبعین حتی یسقط النوی من بینہما علی الارض، یعنی پہلے دو انگلیوں کو ملا کر ان کی پشت پر اس گٹھلی کو رکھ دیتے تھے اور پھر ان دونوں انگلیوں میں فصل کر دیتے تھے جس سے وہ نیچے گر جاتی تھی، اس صورت میں بین الاصبعین اور علی ظہر الاصبعین دونوں باتیں پائی گئیں فللہ در الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کے یہاں کھانا نوش فرمانے کے بعد جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی: اللہم بارک لہم فمارزقہم، واغفر لہم وارحمہم جو کہ بہت مختصر اور جامع دعا رہے، ہمیں اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے کہ جب کسی کے یہاں کھانا کھائیں تو اس کے لئے اس طرح دعا کریں۔

اس روایت میں فقد م الیہ طعاماً کے بعد ہے: شعاتاہ بشراب

فشرب۔ اس پر حضرت شیخ حاشیہ بذل میں فرماتے ہیں: طہارۃ فی شربہ

کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول کھانے کی شیا ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟

عليه الصلاة والسلام على الطعام ويخالفه ما قال ابن القيم: لم يكن من هديه ان يشرب على طعامه فيفسده اه يعني اس حدیث سے کھانے کے بعد ساتھ ساتھ پانی پینے کا یہ چل رہا ہے گویا آپ کھانے کے بعد ساتھ ہی پانی بھی نوش فرماتے تھے، لیکن حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ یہ کہ آپ کا معمول کھانے پر پانی پینے کا نہ تھا اس لئے کہ یہ مضر ہے، انہوں نے زاد المعاد میں صرف اتنا ہی لکھا ہے لیکن آپ کے اس معمول کے ثبوت اور تائید میں کسی حدیث یا روایت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اس کی تائید میں ایک شاعر کا قول لکھا ہے، اس میں قدیم اطباء کی رائے بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی رائے اس بارے میں کیا ہے مشہور یہی ہے کہ وہ اس میں تاخیر شرب کے قائل ہیں اور یہ کہ وہ ہضم طعام میں مفید ہے، میرے والد صاحب حکیم محمد الیوب مرحوم و مغفور باقاعدہ طبیب حاذق تھے ان کا معمول تو کھانے کے ساتھ ہی پینے کا تھا اسی طرح ہمارے حضرت شیخ بھی اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں مگر بہت کھینچ تان کر مثلاً یوں کہا جائے کہ فناہ بشارب فشرب سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق پانی نوش فرمایا اور آپ کا معمول پینے میں عدم التفعی فی الشراب ہی تھا والحدیث اخریہ مسلم والترندی والنسائی، قال المنذری۔

باب ما یقول اذا شرب البن

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت فی بیت میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فدخل رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ومعہ خالد بن الولید فجاءوا بضبین مشوبین علی شامتین الخ۔

شرح الحدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لائے، آپ کے ساتھ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے پس آپ کے پاس دو ضب یعنی گوہ۔ جن کو بھونا گیا تھا دو لکڑیوں پر رکھ کر۔ لائی گئیں، آپ نے ان کو دیکھ کر اظہار نفرت کے طور پر تھوکا، اس پر حضرت خالد نے عرض کیا کہ شاید آپ کو ان سے کراہت آتی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

ایک اشکال وجواب بذیل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا گیا ہے کہ جب آدمی کے سامنے کوئی کھانے پینے کی قسم کی ایسی چیز آتی ہے جس سے اس کو نفرت ہوتی ہے تو اس کو متلی می ہونے لگتی ہے جس کی

لہ یا کم از کم یہ کہئے کہ اس وقت آپ نے ایسا کیا۔ تہ وہ لکھتے ہیں قال الشاعر۔

لا تکن عند اکل سخب وبرد : ودخول الحمام تشرب ماء

فاذا ما اجتنبت ذلك حمئاً : لم تخف احیت فی الجوف داء

وجہ سے منہ میں پانی آجاتا ہے، جس کو پھر تھوکن پڑتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہوا کہ غیر اختیاری طور پر آپ کے منہ میں کراہت کی وجہ سے پانی سا آگیا، اب ظاہر ہے اس کو نکلنا تو طبعِ سلیم کے لئے گوارہ نہیں ہو سکتا اس کو تھوکا ہی جائے گا، یہ بات نہیں کہ آپ نے قصدِ اظہار کراہت کے لئے تھوکا، تاکہ اس حدیث کے خلاف ہو جائے۔ کان لایذم ذواقا ولا یصدہ رکما فی الشامل (کہ آپ کھانے پینے کی چیز میں نہ عیب نکالتے تھے نہ اسکی زیادہ تعریف ہی فرماتے تھے اھ اور آگے کتاب الاطعمۃ میں حدیث آرہی ہے "ما عاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طعاما قط، ان اشتہاہ اکلہ وان کرہہ ترکہ۔" ضب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاث کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے کتاب الاطعمۃ میں "باب فی اکل الضبی مستقل باب آرہا ہے۔

آگے حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی کوئی کھانے کی چیز کھائے تو اس کو چاہئے کہ یہ پڑھے۔ اللہم بارک لنا فیہ واطعمنا خیر امنہ، اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے۔ اللہم بارک لنا فیہ وذرنا منہ، واطعمنا خیر امنہ۔ نہ کہے اسلئے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سب سے بہتر دودھ ہی ہے کہ وہ طعام و شراب دونوں کا کام کرتا ہے۔ بذل میں لکھا ہے کہ گویا دودھ اسی حیثیت سے فوقیت رکھتا ہے لحم پر بھی، اگرچہ لحم کے لئے اور خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے وہ سید الطعماء کہلاتا ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وقال: حسن، قال المنذری۔

باب فی ایکاء الانیۃ

یعنی برتن کے منہ کو ڈھانک کر رکھنا اور مشکیزہ ہو تو اس کے منہ کو بندھن سے باندھ دینا کھلانے چھوڑنا خصوصاً رات کے وقت میں۔

حدیث الباب میں ہے کہ رات کو دروازہ بسم اللہ پڑھ کر بند کر دیا کرو، اسلئے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھول سکتا، اور ایسے ہی چراغ کو بسم اللہ پڑھ کر بجھا دیا کرو، اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر برتن کو ڈھانپ دیا کرو اگرچہ کسی لکڑی کے ذریعہ سے ہی ہو جس کو تم اس برتن کے اوپر عرض میں رکھ دو اور ایسے ہی مشکیزہ کا منہ بھی باندھ دیا کرو اسی طرح بعد والی روایت میں آرہا ہے کہ شیطان کو اس بات کی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ بند دروازہ کو کھول سکے یعنی جس کو بسم اللہ پڑھ کر بند کیا گیا ہو، اور اسی طرح نہ وہ بندھن کھول سکتا ہے اور نہ ڈھکا ہوا برتن، اور اظہارِ مصباح کی حکمت آپ نے بیان فرمائی کہ بعض مرتبہ فوسقہ یعنی چوہی لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیتی ہے، یعنی رات میں اگر جلتا ہو چراغ چھوڑ دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ چوہی جلتے چراغ کی بنی کو تیل کے لالچ میں کھینچ کر کسی جگہ لے جائے اور پھر اس سے آگ لگ جائے۔

اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ بند دروازہ کو شیطان نہیں کھول سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ اوپر صحن جو کھلا ہے جسکو

بند نہیں کیا جاسکتا، وہاں سے تو آسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جامع الصغیر میں بروایت احمدیہ زیادتی ہے: انہم لم یؤذن بہم فی التَّسْوِرَہِ کہ شیطا طین کو دیوار پھاند کر اوپر سے آنے کی اجازت نہیں ہے، اگر آئیں گے تو دروازہ ہی سے آئیں گے۔
 حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث الثانی اخرجہ مسلم والترمذی ابن ماجہ قالہ المنذری اور اسی حدیث جابر کے تیسرے طریق میں یہ زیادتی آرہی ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو شام کے وقت سنبھال کر رکھو، باہر مت نکلنے دو، اسلئے کہ شام کے وقت میں جنات کا انتشار ہوتا ہے وہ شرارت کرتے ہیں اور اچک لیتے ہیں۔
 اس بات کا اہتمام ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ گھر کی بوڑھی عورتیں بچوں کو شام کے وقت باہر نکلنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا تو ایک شخص بھاگا ہوا گیا اور ایک پیالہ میں نمیندے کر آیا، یہ شخص یہ پیالہ کھلا ہوا لے کر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا: الاخمر تہ ولو ان تقوض علیہ عوداً۔ کہ تو نے اس کو ڈھک کیوں نہ دیا اگرچہ اس پر ایک لکڑی ہی رکھ لیتا۔
 والحديث الثالث مسکت علیہ المنذری، واخرجہ البخاری فی مواضع، والترمذی، ومسلم، وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد عوامہ، والحديث الرابع اخرجہ البخاری ومسلم بخوہ من حدیث ابی صالح وابی سفیان طلحہ بن نافع عن جابر واخرجہ مسلم ایضاً من حدیث ابی صالح وعدہ، قالہ المنذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یستعذب لہ الماء من بیوت السقیاء۔ اس حدیث کا حوالہ اور مضمون باب فی الکراع میں گذر چکا۔ ۲ خر کتاب الاشریۃ۔

وهذا آخر ما اردت ایرادہ فی هذا الحجر، وهو الحجر الخامس من الدر المنصور، وقد شرعت فیہ فی العشرۃ الاخیرہ من شہر رمضان ۱۲۳۳ھ الذی ہو شہر الصبر والغفران الذی انزل فیہ القرآن، فی المدينۃ المنورۃ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام، وقد کنت نازلًا فی العوالی فی بیت حبیب اللہ قربان علی المظاہری، وهو الذی اعاننی فی جمع المواد والامارہ والتحریر حسب اعانتہ فی الحجر الرابع فجزاہ اللہ تعالیٰ وسائر من اعاننی فی هذا التالیف احسن الجزاء وانا ارجو من لطف اللہ تعالیٰ وکرمہ ان یتمم هذا الشرح فی ستۃ اجزاء فکانہ بقی جزء واحد، واسأل اللہ سبحانہ وتعالیٰ السداد والتوفیق لما یحب ویرضی وان یکمل هذا الشرح ویجعله خالصاً لوجہہ الکریم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلى اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

لہ الاثنتہ احادیث من الباب الاخیر فانی کتبہا بعد الرجوع الی الهند فی سہارنپور۔